کلّیاتِ حضرت رکن الدّین عشق

اُن کی حیات و شاعری

[حصّہ اوّل و دوُم]

مُرتّب

ڈاکٹر قریشہ حسین
پرنسپل مگدھ مہیلا کالج
پٹنہ

مُرتّبہ
ڈاکٹر قُریشہ حُسین
پرنسپل مگدھ مہیلا کالج
پٹنہ

"THESIS APPROVED FOR THE DEGREE OF DOCTOR OF PHILOSOPHY IN URDU OF THE PATNA UNIVERSITY, PATNA".

اِنتسَاب — !

رفیقِ حیَات کے نام !

حضرت رکن الدین عشقؔ

اُن کی

حیات اور شاعری

قریشہ حسین ایم۔ اے
صدر شعبۂ اردو، مگدھ مہیلا کالج
پٹنہ

سنۂ اشاعت :۔ جون ۱۹۷۹ء
طباعت : ــــ دی آزاد پریس، سبزی باغ، پٹنہ ۴
کتابت : ــــ عبدالجبار

ملنے کا پتہ :۔

(۱) کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ ۴
(۲) سید حسرت حسین، مکان نمبر ۳۲۶
پاٹلی پترا کالونی، پٹنہ ـــ ۱۳

ترتیب مضامین (حصّہ اوّل)

صفحات

گذارش ... ... الف تا د

مقدمہ ... ... ۱ تا ۸

باب اوّل

عشق تذکروں اور دیگر کتابوں میں ... ... ۹ تا ۴۰

باب دوئم

(۱) حیات عشق ... ... ۴۱ تا ۵۸

(۲) خانوادۂ عشق ... ... ۵۹ تا ۶۵

باب سوئم

تلامیذ عشق ... ... ۶۶ تا ۸۳

باب چہارم

ماخذ کلام عشق ... ... ۸۴ تا ۹۲

باب پنجم

عشق کی شاعری ... ... ۹۳ تا ۱۳۶

باب ششم

عشق کی زبان ... ... ۱۳۷ تا ۱۴۲

کتابیات ... ... ۱۴۳ تا ۱۴۸

ترتیب مضامین (حصّہ دوم)

کُلیّاتِ عشق:۔

	صفحات
مثنویات	۱ تا ۱۰۰
غزلیات	۱ تا ۴۳۰
متفرقات	۴۳۱ تا ۴۶۶
ضمیمہ	۱ تا ۳۰

حصّہ اوّل

مقدّمہ

گذارش

ثاقب عظیم آبادی نے "یادگارِ عشق" لکھ کر رکن الدین عشق کے نام کو محتاج تعارف نہ چھوڑا تھا، لیکن ان کی تصنیف کو تحقیق سے دُور کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ عشق کی اہمیت تاریخی بھی ہے اور ادبی بھی۔ ضرورت تھی کہ عشق کی زندگی، ان کی شخصیت، ان کے تلامیذ، ان کی شاعری، ان کی زبان کو تحقیق کی روشنی میں پیش کیا جائے، ان کے کلیات کی تدوین کی جائے اور اس کی تاریخی اور ادبی اہمیت کی وضاحت کی جائے۔

میں نے ستمبر ۱۹۵۷ء سے کام شروع کیا اور ناقص اور مکمل، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ آٹھ نسخوں کا کھوج لگایا۔ ان نسخوں میں بتیا والا نسخہ اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مکمل بھی ہے اور قدیم ترین بھی۔ کلیات عشق کی ترتیب میں میں نے اسی نسخہ کو اساسی حیثیت دی ہے اور دوسرے نسخوں اور ماخذوں میں جو اختلافات نظر آئے ہیں ان کی تفصیل "فٹ نوٹس" میں درج کر دی گئی ہے۔

اور مجھے یہ کہنے میں کچھ تامّل نہیں کہ "کلیات عشق" کو پہلی بار اس کی پوری آب و تاب کے ساتھ، تحقیق کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ثاقب عظیم آبادی نے کلام عشق کی ایک جھلک، نامکمل سی جھلک دکھائی تھی۔ کلیات عشق کے ایک دو نسخوں کا کچھ لوگوں کو علم تھا لیکن اس کی تفصیلات، اس کی ضخامت، اس کی

خصوصیتوں کا صحیح علم نہ تھا۔ اب کلیات آپ کے سامنے ہے اور اب یہ بات ممکن ہے جو پہلے محال تھی کہ عشؔق کی تاریخی اور ادبی اہمیت کا پوری طور سے صحیح جائزہ لیا جاسکے۔ فدوؔی اور راسخؔ سلسلۂ عشؔق کی دو کڑیاں ہیں جو منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور اب "کلیات عشق" کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا شاید غلط نہیں کہ اگر عشؔق نہ ہوتے تو فدوؔی اور راسخؔ بھی نہ ہوتے۔ کم از کم ایسے تو نہ ہوتے جیسے وہ ہیں۔

"کلیات عشق" کی اہمیت مسلّم ہے اور اس کی ترتیب تحقیقی نقطۂ نظر سے اہم اور ذمہ داری کا کام تھا۔ میں نے کلیات کی ترتیب کے ساتھ ساتھ، تذکروں اور دوسری کتابوں میں عشؔق سے متعلق جو معلومات بکھری ہوئی تھیں انھیں اکٹھا کیا ہے اور ان کی روشنی میں عشؔق کی زندگی اور شخصیت کو اُجاگر کیا ہے۔ مقدمہ میں ان کے خانوادہ کا مختصر لیکن جامع بیان بھی ہے اور ان کے تلامیذ کے حالات اور ان کے کلام کے نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ اسی مقدمہ میں عشؔق کی شاعری اور زبان پر تفصیلی بحث ہے اور تاریخی اور ادبی پس منظر میں عشؔق کی شاعری ابھرتی نظر آتی ہے۔ کلام عشؔق کے ماخذوں کی تفصیل بھی اس مقدمہ میں ملے گی۔

کلیات کے آخر میں ایک ضمیمہ بھی ہے جس میں وہ اشعار اکٹھا کر دیئے گئے ہیں جو تذکروں میں بکھرے پڑے ہیں۔ اس ضمیمہ کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ "کلیات عشؔق" کی ضخامت کے باوجود کچھ اشعار اور چند غزلیں ایسی بھی ہیں جو کلیات میں نہیں ہیں۔

"کلیات عشؔق" کی طباعت کا کام، چند پابندیوں کی بنا پر، صرف ساڑھے چار مہینوں میں تمام ہوا۔ چنانچہ پروف کی تصحیح میں انتہائی احتیاط برتنے کے باوجود

طباعت کی خامیاں رہ گئیں، جن کا مجھے افسوس ہے۔

جن لوگوں نے تحقیق کے دشوار کام میں میرا ہاتھ بٹایا ہے، ان کا تذکرہ میں رسمی نہیں، لازمی سمجھتی ہوں۔ جناب سید حسن عسکری صاحب ڈائرکٹر اور جناب قیام الدین احمد صاحب ریسرچ فیلوز کے۔پی۔جیسوال نسٹی ٹیوٹ، پٹنہ نے وہ قلمی نسخہ جو آخر کار اساس قرار پایا، مجھے استفادہ کے لئے مستعار عنایت کیا۔ جناب ذکی الحق صاحب، لکچرر شعبۂ اردو بی۔ان۔ کالج پٹنہ، نے دیوان عشق کا ایک قلمی نسخہ اور چند تذکرے مستعار دے کر میری ہمت افزائی کی۔ جناب حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی فردوسی ابوالعلائی سجادہ نشیں خانقاہ بلخیہ فتوحہ نے "حجت العارفین" کا قلمی نسخہ، عشق کے متصوفانہ رسالہ "امواج البحار" کی نقل، عشق سے متعلق "اخبار الاولیا" کا اقتباس مجھے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ عنایت کیا۔ جناب شاہ آمامی صاحب، ساکن محلہ شاہ ارزاں، درگاہ پٹنہ، نے "تذکرۃ الصالحین" کا ایک نسخہ دیکھنے کے لئے مرحمت فرمایا۔ جناب امتیاز علی عرشی صاحب، ناظم رضا لائبریری، رام پور نے میرے تمام مراسلات کا جواب بڑی پابندی کے ساتھ دیا اور ان کے ذریعہ مجھے "گلشن سخن" سے عشق کے متعلق اقتباس حاصل ہوا۔ جناب عطاء الرحمٰن صاحب عطا کاکوی سے مجھے عشق کے متعلق "کریم الدین اور فیلن" کا اقتباس ملا۔ جناب سید حسن صاحب پروفیسر شعبۂ فارسی، پٹنہ یونیورسٹی نے برابر مفید مشوروں سے نوازا۔ جناب ڈاکٹر سید اختر احمد اورینوی صاحب صدر شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی بزرگانہ تاکید سے میری ہمت افزائی کرتے رہے۔ جناب قاضی عبد الودود اور قاضی ابو سعید صاحبان کی اعانت سے مجھے نسخہ بنرسم کا عکس حاصل کرنے میں بہت آسانی ہوئی۔ کارکنان آزاد پریس، سبزی باغ، پٹنہ کی مستعدی اور تعاون سے کلیات کی طباعت کا کام قلیل ترین

مدّت میں انجام پایا۔

متذکرہ بالا تمام حضرات کی ہمدردیوں، نوازشوں اور عنایتوں کے لئے میں تہہ دل سے ان کی شکر گذار ہوں۔

آخر میں عزیزہ فریدہ کلیم سلمہا، لکچرر شعبۂ انگریزی مگدھ مہیلا کالج، پٹنہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے غیر معمولی ہمدردی سے میرا ہاتھ بٹا کر مجھے بہت سی زحمتوں سے بچایا۔

قریشہ حسین

مقدّمہ

سلطنتِ مغلیہ کا عروج عہدِ اکبری میں اپنے پورے شباب پر تھا لیکن یہ شباب دیر پا نہ ہو سکا۔ اس کا زوال دراصل شاہجہاں کے عہدِ حکومت سے شروع ہو چکا تھا اور اورنگ زیب کی کوششوں کے باوجود بھی نہ رُک سکا، اس کے وارثوں کی خانہ جنگی نے زوال و انحطاط کی لہروں کو مزید تقویت پہنچائی، پھر اورنگ زیب کی موت نے تو گویا جلتے پر تیل کا کام کیا۔ اس کا بیٹا بہادر شاہ اوّل، جو برادر کُشی اور خونریزی میں بے مثال ہے، ۱۱۲۳ھ/۱۷۱۲ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہدِ حکومت سے لے کر زمانۂ شاہ عالم تک دہلی گوناگوں جرائم کا اڈّا اور نت نئے حوادث و مظالم کا شکار بنتی رہی۔ مثلاً برادر کُشی، خانہ جنگی، عیّاشی، سادات بارہ کی ریشہ دوانیاں، درباری سازشیں، نادرشاہی حملہ ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء، ابدالی پے درپے حملے، اُمرا کا باہمی نفاق، مرہٹوں، جاٹوں اور روہیلوں کی شورشیں، عماد الملک اور صفدر جنگ کی رزم آرائیاں، غلام قادر روہیلہ کے مظالم اور حرص و آز کے کرشمے، وغیرہ وغیرہ۔ بقول ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ؎ ان طوفانوں میں عوام خس و خاشاک سے زیادہ مجبور اور بے دست و پا تھے۔ ہر زبردست کے گھوڑے ان کے کھیتوں کو پامال اور ہر جابر امیر کے سپاہی ان کے گھروں کو بے چراغ کر سکتے تھے۔ روزی کا کچھ

ٹھیک نہیں تھا۔ صبح کو ملی تو شام کی خبر نہیں..... خالصہ کی زمین کم ہو جانے سے خود شاہی خاندان پر تین تین دن کے فاقے گذرتے تھے اور سلاطین کی حالت فقیروں سے بھی بدتر تھی۔"

پروفیسر محمد حبیب صاحب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "بہادر شاہ اوّل کی وفات سے لے کر برطانوی حکومت کے قیام تک اہل دہلی کو جن مسلسل ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان کے مقابلے میں تیمور کا قتل عام کچھ بھی نہ تھا۔"

غرض گردشِ روزگار نے کسی کو نہ چھوڑا۔ اس عہد کا شعر و ادب بھی انقلاب زمانہ کے تباہ کن اثرات اور ماحول کے انتشاری رجحانات کا مظہر ہے۔ اُردو شعراء کا کلام مبالغہ آمیز سہی، لیکن قطعی بے بنیاد نہیں۔ چنانچہ حاتم، سودا، میر، مصحفی اور راسخ کے شہر آشوب اپنے زمانے کی مجلسی، اقتصادی اور اخلاقی قدروں کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس وقت کی عام بے روزگاری اور ذریعہ معاش کی قلت کا حال سودا سے سُنئے ؎

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانوا ڈول
پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں وہ بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول

فوجی نظام کی ابتری، فاقہ مست سپاہیوں کی بزدلی اور ان کے لاغر گھوڑوں کا مرقع سودا کے کلام میں دیکھئے ؎

پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الول

آتشِ گرسنگی نے یہاں تک مجبور کیا کہ بقول سودا ؎

"شمشیر جو گھر میں تو سپر بنیئے کے یاں ہے"

کسانوں کی بربادی اور خوش نویسوں کی سیہ بختی پر راسخ کا دل تڑپ اٹھا ؎

زراعت کا پیشہ بھی بے آب ہے
دُرِ مدعا یاں تو نایاب ہے

لکھوں خوش نویسوں کا میں حال کیا نوشتے پہ اپنے ہیں گریاں سدا
کہیں ہیں بچارے کہ کس اور جائیں لکھا اپنی قسمت کا کیسے مٹائیں

اہلِ صنعت و حرفت کی بے قدری، اربابِ فن کی کس مپرسی، بے روزگاری اور ذلت و خواری سے میر الگ نالاں ہیں ؎

صناع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہنر آوے

شرفاء کی وضع داری افلاس و تنگدستی کی نذر ہوئی اور معاشرہ کی ناہمواری سے نااہلوں کو فروغ ہوا ؎

چار بیچے ہیں مستعدِ کار دس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار
ہیں وضیع و شریف سارے خوار لوٹ سے کچھ ہے گرمیٔ بازار
سو بھی قندِ سیاہ ہے یا ماش

(میر)

تہذیبی واخلاقی انحطاط نے امراء کو عیاش اور عوام کو سخت دل بنا دیا ؎

ہے زنا و شراب بے وسواس
رعب کو لیجئے یہیں سے قیاس
قصہ کوتاہ رئیس ہے عیاش

× × ×

یک بیک کرگسوں کی موت آئی
اس کے مردے کی پھر ہے رسوائی
کون دے کر کفن اٹھاوے لاش

(میرؔ)

الغرض دہلی جب؛ متداد زمانہ کے ہاتھوں مٹ چکی اور میرؔ کے الفاظ میں "اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا" تو مصحفیؔ نے اپنے ہم مشربوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ؎

اے مصحفیؔ اس کا کروں مذکور کہاں تک
ہے صاف تو یہ گلشنِ دہلی میں خزاں ہے

پھر ایسی حالت میں "نوائے رنگیں" کا خیال بغیر "نکہتِ گل" خام تھا۔ فنکاروں کے قدم اکھڑ گئے۔ شعراء نے رختِ سفر باندھا اور "یک تازہ گلستاں" کی تلاش میں بادیہ پیما ہوئے۔ بقول مصحفیؔ ؏

"ہر روز نیا قافلہ پورب کو رواں ہے"

اور پورب کو جانے والا یہ قافلۂ بے برگ و نوا لکھنؤ، مرشد آباد یا عظیم آباد میں پناہ گزیں ہوتا تھا۔

نواب آصف الدولہ کی مسند نشینی کے بعد دہلی کی ساری رونق اور چہل پہل

لکھنؤ میں سمٹ آئی تھی۔ یہاں سیاسی و اقتصادی بدحالی کا نام ونشاں بھی نہ تھا۔ نواب آصف الدولہ اور مرزا سلیمان شکوہ جیسے مربیانِ فن شعراء کی سرپرستی و ہمت افزائی میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ انشاء، مصحفی اور میر جیسے اساتذہ نے امرائے لکھنؤ کے آستانے کا سہارا لیا گرچہ بقول خواجہ احمد فاروقی "میر کے لئے لکھنؤ جانا ایک تہذیبی سانحہ سے کم نہ تھا"

مرشد آباد کے نواب بھی شعرو سخن کے قدرداں تھے۔ بقول ثاقب "عظیم آباد کے اکثر شعراء اور حکام سرکار مرشد آباد میں برسر اقتدار تھے جن میں خواجہ محمدی خاں (رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں، عالی جاہ) اور نواب نصیر الملک علی ابراہیم خاں خلیل اس زمانہ کے سرمایۂ کمال اور مربیان سخن میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں" چنانچہ اکثر مہاجر شعراء ان کی سخاوت اور سخن پرستی سے فیضیاب ہوئے۔ ابتدا میں حضرت عشق بھی خواجہ محمدی خاں سے وابستہ تھے۔ فدوی نے لکھنؤ اور مرشد آباد کا لطف اٹھانے کے بعد عظیم آباد میں قیام لیا۔ مہاجر شعراء شیخ فرحت اللہ فرحت اور شاہ قدرت اللہ قدرت نے بھی نواب علی ابراہیم خاں خلیل کے زیر سایہ ایام زندگی طے کئے۔

عظیم آباد کے محسنین فن میں لالہ شتاب رائے، مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق اور نواب غلام حسنین خاں کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دردمند، ضیا، فدوی، فغاں وغیرہم ہجرت کے بعد انھیں رؤسا سے وابستہ تھے۔

مقامی و غیر مقامی تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ دہلی سے ہجرت کر کے مشرق کی طرف آنے والے نغز گو شعراء میں الم، حزیں، دردمند، رفعت، ضیا، عشق، فدوی، فرحت، فغاں اور قدرت وغیرہم بھی شامل ہیں۔ ان میں سے رفعت، ضیا، فغاں، عشق اور فدوی نے عظیم آباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ مقامی تذکروں میں

اس کے حوالے موجود ہیں۔ یوں تو سبھی ریختہ گو تھے لیکن فغاںؔ، ضیاؔ، عشقؔ اور فدویؔ امتیازی خصوصیت کے حامل ہیں۔ ان کی ریختہ گوئی کی بہت شہرت ہوئی اور ان کے تلامیذ کی تعداد بھی بے حساب ہے۔

شاہ جہاں آبادی شعراء کی آمد سے پہلے عظیم آباد کا شاعرانہ ماحول بالکل بے رونق نہ تھا۔ جناب قاضی عبدالودود صاحب کی تحقیق کے مطابق ۱۱۵۱ھ سے ۱۱۷۰ھ تک یہاں فارسی گوئی کا چرچا زیادہ تھا۔ ریختہ گوئی کی محض ابتدا ہوئی تھی[1]۔ مہاجر شعراء کے اختلاط سے عظیم آباد کی ریختہ گوئی کو ایک نیا رنگ و آہنگ نصیب ہوا۔ عظیم آبادی نغز گو شعراء کو دہلی کا سوگوار لب و لہجہ اور تیکھا انداز بیان کچھ ایسا پسند آیا کہ اس کی پیروی و ہمنوائی معراج فن سمجھنے لگے۔ غرض موضوع اور اسلوب دونوں میں "دہلویت" کی تقلید و خوشہ چینی ہمہ گیر بن گئی لیکن اس تقلید میں بھی مقامی شعراء کے انفرادی رجحانات اور تخلیقی امکانات پوشیدہ نہ رہ سکے۔

میر حسنؔ اور خلیلؔ کی روایت کے مطابق عشقؔ نے عظیم آباد میں فقر و درویشی کا سجادہ بچھایا اور سلسلۂ رشد و ہدایت کا آغاز کیا۔ امور طریقت سے جب فرصت ملتی تو شعر و شاعری سے شغل فرماتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ ایک مستحسن کام تھا اس لئے کہ تصوف کے دقیق مسائل اور عشق حقیقی کے رموز و اسرار منظوم ہو کر نہایت ہی دلکش اور اثر آفریں بن جاتے ہیں۔ عشقؔ ایک رہنمائے طریقت بھی تھے اور رہبرِ سخن بھی۔ ان کے یہاں اربابِ معرفت اور اصحابِ ذوق دونوں کا مجمع ہوتا تھا۔ ثاقبؔ کی زبان میں "اب[2] رکن الدین عشقؔ شاہ صاحب ہو گئے....

---

[1] مقالہ قاضی عبدالودود مطبوعہ "صدائے عام" عید نمبر ۱۹۵۳ء

[2] یادگار عشقؔ تمہید صفحہ

اپنا سجادہ الگ بچھاتے ہیں اور ارشاد و ہدایت، ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کا بازار گرم ہوتا ہے۔ ہر گھڑی اہلِ نظر اور اربابِ ذوق کا مجمع پیشِ نظر ہے...... غرض شاعری نے درویشی اور درویشی نے شاعری کو چمکا دیا۔"

عشق کے رشد و ہدایت کا دائرہ اگر وسیع ہے تو ان کے فنی و لسانی اثرات کا سلسلہ بھی کچھ محدود نہیں۔ مرزا محمد علی فدوی جیسے جیّد شاعر ان کے شاگرد رشید ہیں، جن کے تلامیذ کی تعداد تذکروں کی روشنی میں اٹھارہ سے زائد اور راسخ کی روایت کے مطابق بے شمار ہے۔ فدوی کے شاگرد رشید شیخ غلام علی راسخ جیسے بلند بانگ شاعر ہیں جن کی غزلیں اور مثنویاں اُردو ادب میں اپنا مقام پیدا کر چکی ہیں۔ راسخ کے تلامیذ میں محسن، فرحت، یاس اور نثار کے نام خصوصیت کے ساتھ آتے ہیں۔ غرض عشق کی شمع سخن سے سیکڑوں فانوسِ افکار روشن ہو گئے۔

عشق کے سلسلۂ تلمذ کی تقریباً تمام اہم کڑیاں منظرِ عام پر آ چکیں۔ ڈاکٹر محمد حسنین نے فدوی کو قعرِ گمنامی سے نکالا، ڈاکٹر ممتاز احمد نے راسخ کا نام روشن کیا، مطیع الرحمٰن صاحب محسن و فرحت کو جلد منظرِ عام پر لانے والے ہیں لیکن سالارِ قافلہ کے کارنامے ہنوز پردۂ تاریکی میں تھے۔ ثاقب کی تصنیف "یادگارِ عشق" بظاہر اس کمی کا ازالہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس میں تحقیق سے زیادہ تخیل اور حقیقت سے زیادہ روایت کو دخل ہے۔ پھر جو انتخاب کلام انھوں نے پیش کیا ہے وہ کلیات عشق کی ضخامت کے مقابلہ میں سمندر اور قطرہ کا مضمون ہے۔ عشق کا کلیات ثاقب کے علاوہ اور حضرات کی نظروں سے بھی گزرا لیکن کسی نے اس کو مرتب

نہیں کیا، شاید اس لئے کہ یہ میرا نوشتۂ تقدیر تھا۔ کلیاتِ عشقؔ کے سنجیدہ مضامین اور پاکیزہ خیالات میرے لئے پرکشش ضرور ہیں لیکن اسے مرتب کرنے کا خاص مقصد دراصل اس سلسلے کی تکمیل ہے جس کی ابتدا حضرتِ عشقؔ کے ہاتھوں ہوئی۔

بَاب اوّل

عشقؔ تذکروں اور دیگر کتابوں میں

عشقؔ کا ذکر شعرائے ریختہ کے کئی تذکروں میں موجود ہے اور کئی دیگر کتابوں میں بھی۔ ذیل میں ان تذکروں اور کتابوں سے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ جو بیانات ان تذکروں اور کتابوں میں ملتے ہیں ان کی روشنی میں عشقؔ کی شخصیت اور ان کے حالات زندگی کا ایک مختصر لیکن جامع خاکہ پیش کیا جائے گا۔

تذکروں میں جو اشعار بطور نمونۂ کلام عشقؔ ملتے ہیں انھیں ایک ضمیمہ میں علحدہ درج کر دیا گیا ہے۔

(۱) تذکرۂ شعرائے اردو — میر حسنؔ

"عشقؔ :۔ خورشیدِ سپہرِ حال و سپہرِ خورشیدِ کمال، مالکِ کنوزِ دقائق و کاشفِ رموزِ حقائق، کلامش بہ مذاقِ تصوف آشنا، و نورِ صفائے باطنش چوں آئینۂ صبح دل کشا، درعینِ صفا، عارفِ صاحب کمال و درویشِ بے مثال، عرف مرزا گھسیٹا، المتخلص بہ عشقؔ۔ مردے صوفی ست کہ خیل مریداں و معتقداں حلقۂ غلامی دارند۔ در سلسلہ نقشبندیہ نقش زدہ۔ اصلش از شاہ جہاں آباد ست۔ پیشتر نوکری پیشہ بود، الحال از مدتے ترکِ روزگار نمودہ، بہ عظیم آباد مقیم ست۔ مرزا فدوی از شاگرداں و معتقداں او ست۔ شعرِ عارفانہ در کلامش بسیار ست۔ گاہے در ذوق و شوق

یا بہ عالمِ وجد دو سہ شعر می فرماید۔ دام افضالہٗ ؂

(۲) طبقات الشعرا — قدرت اللہ صدیقی شوقؔ سنبھلی

(الف) " مرزا گھسیٹا، عشقؔ، مردے بزرگ درویش وضع، صاحب ارشاد، ساکن شاہ جہان آباد، از مدتے در عظیم آباد سکونت داشت۔ خدا داند زندہ است یا وفات یافتہ "

(یہ اقتباس جناب محمد ذکی الحق صاحب لکچرر شعبۂ اُردو بی۔ان کالج، پٹنہ سے حاصل ہوا۔)

(ب) " مرزا گھسیٹا، عشقؔ از شاہ جہان آباد است، مدتے در عظیم آباد اقامت داشت " (مرتبۂ محمد ابو اللیث صدیقی البدایونی)

(۳) یادگار دوستاں — میر غلام حسین شورشؔ

" عشقؔ شاہ رکن الدین عرف مرزا گھسیٹا، عشقؔ تخلص، درویش و درویش زادہ عالی نسب سر حلقہ اہل دل است مدتے است کہ از دہلی بہ عظیم آباد آمدہ رونق بخش کنج عزلت گردیدہ۔ غزل را دریک توجہ انصرام می نماید و تلاشِ روزمرہ ہندی بسیار می کند۔ مثنوی در مسائل صوفیہ خوب گفتہ۔ گفتگوے شستہ وصاف دارد، قریب یک ہزار پانصد شعر بہ نظر در آمدہ "

(۴) گلشنِ سخن — میرزا کاظم مخاطب [illegible]

شاہ رکن الدین تخلص بہ عشقؔ دہلوی مشہور بشاہ گھسیٹا نوادۂ شاہ فرہاد نقشبندی است از دہلی بہ مرشد آباد رسیدہ در لباس دنیا چندے با خواجہ

محمدی خاں روزگار بعزت و حرمت گذرانید و بعد از آن بطریق آبائے خود لباس درویشی در بر نمودہ رحل اقامت در عظیم آباد انداخت تا این زماں کہ سال یک ہزار و یک صد و نود و چہار ہجریست در بلدۂ مذکور بشغل وجد و حال اکثر می باشد دیوان ریختہ شش ہزار و پانصد بیت دیدہ"

(یہ اقتباس جناب امتیاز علی عرشی صاحب ناظم رضا لائبریری، رام پور سے حاصل ہوا۔)

(۵) مسرت افزا — ابوالحسن امیر الدین احمد عرف امر اللہ

"شاہ رکن الدین، عرف مرزا گھسیٹا، عشق تخلص، نبیرۂ شاہ فرہاد، وطن اصلی وے شاہ جہان آباد است، از چندے دہلی را گذاشتہ در عظیم آباد رحل اقامت نہادہ۔ خاندان عالیشان دارد و یادگار جماعۂ بزرگان است، ظاہر حالش بزیور شرع آراستہ، و در باطن وے او (اللہ) تعالیٰ ذخائر کرامات آمادہ ساختہ، از موافقت خلائق مرجع خلائق آں بلدہ گشتہ، اشرف خاں، فوجدار سرکار ساران کہ از متعلقات آں بلدہ است، در خدمت وے ارادتے خاص بہم رسانیدہ، پس بدولت او شہرۂ کمالش از یکے بہزار رسیدہ۔ خان مذکور مبلغ خطیر خرچ کردہ مکانے رفیع الشان کہ شایان شان بادشاہاں باشد، بر لب دریا تیار کردہ، دادہ واو را از انواع فرش و پردہا مزین ساختہ، در ہر سال نذور کثیر جہت خرچ خدام وے مقرر نمودہ۔ بعد وفات وے پسرش احمد علی خاں نیز بر وطیرۂ پدر می رود، بلکہ در ارادت و اعتقاد از وہم پیش دستی می کند۔ در ہر ماہ مجالس حال و وجد مقرر نمودہ چوں او را حق تعالیٰ از ضروریات دنیوی مستغنی و بے نیاز ساختہ از ابنائے روزگار بکمال نخوت و بے نیازی می کند و اوقات عزیز را در عبادت و تربیت فقرا

صرف می نماید و ہوائے عشق خدا پرستی و حق شناسی در سر دارد۔ غرض از مغتنمات روزگار است۔"

(۶) گلزار ابراہیم — نواب علی ابراہیم خاں خلیل

"عشق تخلص دہلوی۔ موسوم بہ شاہ رکن الدین و معروف بہ شاہ گھسیٹا نواده شاہ فرہاد از عمدہ مشائخ شاہ جہاں آباد است۔ بہ عالم شباب از دہلی بہ مرشد آباد افتادہ در لباس دنیا با خواجہ محمدی خاں مرحوم روزگارے با حترام داشت۔ بعد از آں بر وطیرہ آبائے کرام خود لباس فقر در بر کردہ رحل اقامت در عظیم آباد انداخت، و تا حال کہ سال یک ہزار و یک صد و نود و پنج ہجری است۔ آں صاحب حال بارشاد و طالبان اشتغال دارد، و خود را از عشق حقیقی و مجازی خالی نمی گذارد و از ہجوم معتقدان بعالم درویشی شاہی می کند۔"

(۷) تذکرہ ہندی — غلام ہمدانی مصحفی

"شاہ گھسیٹائی عشق کہ در عظیم آباد بسیار بہ عزت و حرمت بسر می برد۔"

(۸) عیار الشعرا — خوب چند ذکا

"شاہ گھسیٹا مغفور عشق نبیرہ شاہ فرہاد مرحوم کہ درویشے کامل در دہلی بود۔ او نیز از مشاہیر دار الخلافت شاہ جہاں آباد است۔ از ایں جا برخاستہ بہ عظیم آباد رسید اکثر کساں را دست بیع خود گردانیدہ، بہترے از مریدانش پے بہ منزل مقصود بردند و اعجاز دا نمودند۔ بہر حال شخصے بودہ است روشن ضمیر و از فریق مشاہیران معاصر خود بے نظیر۔ ایام زندگی بہ حرمت و عزت تمام بسر بردہ و در نواح عظیم آباد ناجے جیدا

کردہ از آنجا بہ جنت الماوا مسکن گزید۔ کلامش تصرف آمیز و نہایت دردآگیں و فصیح و بلیغ است"

(۹) گلشنِ ہند (لطف) — مرزا علی لطف

" عشق تخلص، شاہ رکن الدین نام، شاہ گھسیٹا کر کے مشہور تھے۔ شاہ جہاں آبادی شاہ فرہاد کے عمدہ مشائخوں میں سے دلی کے۔ جہاں بیاں ہوتی شاہ فرہاد کی حالت سکر و مستی ہے تو کہتے ہیں کہ اس عالم میں تعظیم بادشاہ کی نہیں کی ہے۔ عشق مذکور ایام شباب میں شاہجہاں آباد سے مرشدآباد میں آئے اور خواجہ محمدی خاں مرحوم کے ساتھ لباس دنیاداری میں ایک مدت ایام حیات بعزت تمام بسر لائے۔ اگرچہ نہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے، لیکن آنکھوں میں امرایان مرشدآباد کے نہایت احترام رکھتے تھے۔ بعد ایک عرصہ کے اپنے بزرگوں کے طور پر مزاج فقر و درویشی کی طرف آیا اور تکیہ فضل ایزدی پر کر کے طور استقامت کا عظیم آباد میں ٹھہرایا۔ پھر تو نہایت زور و شور کے ساتھ مشیخت پناہی اور معتقدوں کے ہجوم سے عالم درویشی میں بادشاہی کی۔ طالبانِ راہِ عشق کو ہدایت مطلب سے خالی نہ چھوڑا۔ بقول علی ابراہیم خاں مرحوم سنہ ۱۱۹۵ھ گیارہ سو پچانوے ہجری تک دادِ حال و قال کی دی۔ آخر بلدۂ عظیم آباد میں مرشد حقیقی قضا کے ارشاد دعوت پر لبیک اجابت بآواز بلند کہی۔ دیوان اس مشیخت دستگاہ کا زبان ریختہ میں مرتب ہے۔"

(۱۰) گلشنِ ہند (حیدری) — سید حیدر بخش حیدری

" عشق تخلص، شاہ رکن الدین نام دلّی کے رہنے والے تھے۔"

(۱۱) تذکرہ عشقی

وجیہہ الدین عشقی

"مرزا گھسیٹا، عشق تخلص دہلوی موسوم بہ شاہ رکن الدین عرف مرزا گھسیٹا مردے حُسن پرست درد مند صاحبِ حال بود از لذتِ عشق و مذاق صوفیہ چاشنی معقولے داشت از مدتے در شہر عظیم آباد طرح استقامت انداختہ بہ عبادت ایزدی می گذرانید اکثر از روسائے ایں دیار سلسلہ ارادت مستحکم ساختہ شرف اندوز صحبتش می گرد بہ خدمت گذارش اقدام می ورزیدند مهذا کلامش از طرز سلاست و روانی خالی نیست از جملہ کلماتش مثنوی در مسائل ارباب تصوف یادگار است وفاتش در سال یکہزار و دو صد و سہ ہجری اتفاق افتاد فقیر مولف تاریخ رحلتش بدیں گونہ منظوم ساختہ"

حق شناس درویشے ازیں جہاں بے بنیان بہر دیدن مولا جانب جنان بشتافت

از خرد چو تاریخش خاص (؟) طبع موزونم عقل گفت رکن الدین قرب با محمد یافت

(۱۲) عمدہ منتخبہ

اعظم الدولہ سرورؔ

"عشق، عشق تخلص، شاہ گھسیٹا، ساکن عظیم آباد، دریں جا بہ عزت بسر می برد و اشعار ریختہ بہ فصاحت می گفت و دراں سرزمین علم استادی برافراشتہ بود۔ کلامش صوفیانہ، سخنانش دردمندانہ است۔ از چندے عازم دار البقا گشتہ خدایش بیامرزاد"

(۱۳) مجموعۃ الانتخاب

شاہ محمد کمال

"عشق۔ شاہ گھسیٹا عشق تخلص در عظیم آباد از مشائخ کبار گذشتہ است۔

فقیر در عظیم آباد دیدہ بود"

(۱۴) مجموعۂ نغز — حکیم قدرت اللہ قاسم

"عشق۔ شاہ گھسیٹا ے مغفور بنبرۂ شاہ فرہاد مبرور کہ در مغل پورۂ حضرت دہلی بر مسند ارشاد تمکن گزیدہ عالمے را از انفاس متبرکہ خود بہرہ اندوز می فرمودند و سلسلہ علیہ حضرت الیشان بہ میر ابو العلیٰ اکبر آبادی روح اللہ روحہ میرسد و ے مردے بود والانژاد درویش نہاد جلیل القدر روشن ضمیر صاحب توجہ قوی التاثیر مرشد سالکان ہا (دی) رہ رواں از یک چند بعظیم آباد توجہ نمودہ خلق کثیر راہدایت راہ مولیٰ فرمودہ بیشتر را بمنزل مقصود رسانیدہ آخر کار بہماں دیار بروضہ رضوان خرامید در حین حیات خود بسیار (ر) بعزت و نہایت بحرمت دراں نواح ایام بسر بردہ رخش ہمت بمیدان تجرید و توکل می تاخت و علم استادی دراں سرزمین می افراخت شعرش بکیفیت تصوف آلودہ و پرمزہ و درد آلودہ است۔"

(۱۵) طبقات سخن — غلام محی الدین مبتلا

"شاہ گھسیٹا، عشق عظیم آبادی .... و طرفہ اتفاق است کہ سہ کس از شعرائے حال بہمیں تخلص حی القائم ہستند۔"

(۱۶) دستور الفصاحت — احمد علی خاں یکتا

صاحب حال و قال، مجمع فضل و کمال، شاہ گھسیٹا المتخلص بہ عشق است (۲) کہ بہ کسوت درویشی در عظیم آباد با نہایت اعزاز و احترام بسر بردہ۔ آوازۂ شیرینی کلامش باد ارقند و نہایت شکستہ، و طنطنۂ ملاحت تقریرش شور ملیحان را چوں ماہی بر تابہ حد

برشتہ - سوختگیٔ عشق و برشتگیٔ تصوف ہر دو باہم دارد - دیوان صفابنیانش، از اوّل تا آخر، بر یک حالت واقع شدہ است -

(۱۷) گلشنِ بیخار (بے خار) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

"عشق تخلص، شاہ رکن الدین معروف بہ شاہ گھسیٹا، از سخن پردازان معروف عظیم آباد است۔ بہ وقار زندگانی می کرد۔"

(۱۸) گلستانِ بیخزاں (بے خزاں) غلام قطب الدین باطن

"عشق تخلص، شاہ رکن الدین محمد نام، وطن عظیم آباد، توصل معشوقہ سخن سے اس عاشقِ عشق پیشہ کا دل شاد عشق یہ رنگ لایا تو عاشق کیا زباں پہ نام ننگ لایا۔"

(۱۹) خوش معرکۂ زیبا سعادت خاں ناصر

"سرگروہ فقرا شاہ رکن الدین معروف بہ شاہ گھسیٹا، تخلص عشق، ساکن عظیم آباد۔"

(۲۰) طبقات الشعرائے ہند مولوی کریم الدین اور فیلن

"رکن الدین - شاہ رکن الدین عشق معروف گھسیٹا وہ مرشد آباد کو لڑکپن میں گیا اور وہاں وہ ہمراہ خواجہ محمدی خاں کے عزت دار دینداروں میں تھا اور مانند اپنے آباء و اجداد کے اس نے درویشانہ طور اختیار کر کے عظیم آباد کا رہنا اختیار کیا اور ۱۱۹۵ھ میں ہدایت خلق اللہ..... کو کرتا تھا - اس کو حقیقت میں محبت خدا کی تھی - اس کا ایک دیوان درمیان پیرس کے ڈی ٹاسی کے پاس ہے۔"

(۲۱) سراپا سخن
محسن علی محسن

"عشق تخلص حاکم عظیم آباد تھے اور کچھ حال معلوم نہ ہوا۔"

(۲۲) یادگار شعرا
اشپرنگر (طفیل احمد)

"عشق — شاہ رکن الدین عرف شاہ گھسیٹا، دہلوی، شاہ فرہاد کے نواسے تھے جو دلّی کے ایک بڑے درویش گذرے ہیں۔ جوانی میں عشق مرشد آباد چلے گئے اور، اگرچہ کبھی عہدے پر نہ تھے، لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور بہ معزز لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ بعد میں اپنے بزرگوں کے طور پر درویش ہو گئے اور پٹنے میں سکونت اختیار کی۔ متوکل ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دل میں ان کی بڑی عزّت تھی۔ ۱۲۰۳ھ میں انتقال کیا۔ ۵۰۰ اشعر کے ایک دیوان کے علاوہ تصوف پر ایک مثنوی چھوڑی ہے۔"

(۲۳) گلشنِ ہمیشہ بہار
نصر اللہ خاں خویشگی

"عشق تخلص خواجہ رکن الدین نام معروف بہ مرزا گھسیٹا بیگ رحمۃ اللہ علیہ از سخن پردازانِ عظیم آباد است و بہ اوصاف درویشی موصوف روزگار بہ وقار گزراندے و بہ یادِ رب العباد ماندے جذبۂ باطنش کارا عجاز می نمود۔ و نسبت سلوکش کرامات فراواں می نمود بہ سلسلۂ ابو العلائی وحید بودہ و بہ طریقہ نقشبندی فرید۔ مریدانش فی زمانہ زائد از ستارگان فلک اند۔ و ہر یکے از خصائل بشری گذشتہ منعوت بہ صفاتِ ملک گشتہ۔"

(۲۴) سخن شعرا
عبد الغفور خاں نسّاخ

"عشق تخلص، حضرت شاہ رکن الدین دہلوی، عرف شاہ گھسیٹا، نبیرۂ شاہ فرہاد،

معاصر سودا، عظیم آباد میں سکونت اختیار کی تھی۔ صاحب کمال تھے، صاحبِ دیوان گزرے۔"

(۲۵) ثمیم سخن حصّہ اوّل　　عبدالحیٔ صفا بدایونی

"عشق۔ شاہ رکن الدین دہلوی عرف شاہ گھسیٹا نبیرۂ شاہ فرہاد متقی و دیندار درویش نیک شعار تھے۔ عظیم آباد میں سکونت قبول کی تھی۔"

(۲۶) عروس الاذکار　　نصیر الدین احمد نقش

"عشق۔ تخلص شاہ رکن الدین۔"

(۲۷) طور کلیم　　سیّد نور الحسن

"عشق، شاہ رکن الدین دہلوی عرف شاہ گھسیٹا، نبیرۂ شاہ فرہاد معاصر سودا در عظیم آباد سکونت ورزیدہ بوقارسر برد، دیوانے دارد۔"

(۲۸) بزم سخن　　سیّد علی حسن خاں

"عشق۔ شاہ رکن الدین عرف شاہ گھسیٹا معاصر سودا باشندۂ دہلی اقامت عظیم آباد ورزید، دیوانے دارد۔"

(۲۹) قاموس المشاہیر　　نظامی بدایونی

"عشق۔ تخلص شاہ رکن الدین جو شہنشاہ عالم شاہ کے عہد میں ہوا ہے۔"

(۳۰) حجۃ العارفین　　شاہ حیات اللہ

"حضرت رکن الدین عشق عرف مرزا گھسیٹا در بلدۂ عظیم آباد آسودہ از ایشان بسیار

صاحبِ تاثیر بودند۔ صاحب دیوان اند۔ تخلص عشق می کردند۔ در دارالملک بیشتر غزل ایشان قوالاں می سرائند۔ ایشان نواسۂ شاہ محمد فرہاد اند قدس سرہٗ مرید مولوی برہان الدین درماواخر بخدمت آں حضرت دوازدہ سال تربیت شدند و صاحبِ تاثیر و خلیفہ شدند۔ دیگر خلفائے بسیار اند۔"

(۳۱) اخبار الاولیا — قاضی محمد اسمٰعیل

"ذکر حضرت عشق قدس سرہٗ۔ ہادیٔ جذبیان، مرشد سلوکیان، رہنمائے عاشقین حضرت مولانا رکن الدین عشق قدس سرہٗ۔ آں حضرت نواسۂ شاہ محمد فرہاد قدس سرہٗ اند۔ در آوائل آں حضرت را ذوق طریقۂ سرہندیہ بود۔ روزے در منزل قدس حضرت مولانا را وجد غالب آمد۔ باں حضرت معانقہ فرمودند۔ بہ مجرد معانقہ آں چہ کیفیات سرہندیہ بود سلب کردند۔ فرمودند کہ طریقۂ خود را حاصل فرمائید۔ چنانچہ در صحبت آں حضرت مدتہا ماندند۔ آخر بہ ضرورت اتفاق تشریف آوری بہ عظیم آباد شد۔ شش ماہ کامل در صحبت قطب العالم حضرت شاہ محمد منعم قدس سرہٗ تربیت پذیر شدہ اند۔ بہ روایت شاہ حیات اللہ مرحوم منعمی دوازدہ سال۔ لیکن از بزرگان طریقۂ آں حضرت شش ماہ بہ سمع رسیدہ۔ آں حضرت می فرمودند کہ کسے تعلیم فیضان منعمیہ را نہ دید آں طریقہ در کیسۂ سر بہ مہر ماندہ و آنگا لدان حضرت شاہ محمد منعم قدس سرہٗ بہ تبرکاً نزد خود می داشتند و می فرمودند کہ در قبرمن ایں را بدارید بعد از آں خالص پورہ تشریف بردند بہ حضرت مولانا بیعت حاصل فرمودند و جائے برلب دریا کہ اکنوں تکیہ شریف آں حضرت واقع است مکان بس وسیع و رفیع بنا فرمودند و قیام پذیر شدند۔ بعد انتقال مولانا بہ وصیت آں حضرت از صاحبزادیٔ آں حضرت کتخدائی فرمودند۔"

(۳۲) مراۃ الکونین

جناب غلام نبی صاحب

"حضرت رکن الدین عشق پٹنہ عرف شاہ گھسیٹا ابو العلائی نقشبندی علیہ رحمۃ۔

۱۷۸۸ ۱۱۰۳ × ×

آپ خلیفہ و مرید مولانا برہان (الدین) خدا نما رحمۃ اللہ کے ہیں۔ آپ کی بزرگیاں شہر عظیم آباد میں زبان زد خلائق ہیں۔ اپنے وقت کے شیخ عصر تھے۔ وفات آپ کی ساتویں جمادی الاول کو ہوئی۔ مزار آپ کا خاص عظیم آباد بمحلہ میتن گھاٹ ہے اور مشہور یہ شاہ گھسیٹا صاحب قدس سرہٗ ہے۔"

(۳۳) تذکرۃ الصلحا

مولانا مولوی عبدالحیٔ

"تاریخ وماہ وسال وصال — ۷ رجمادی اول ۱۲۰۳ھ بقول ۸ رجمادی الاول ۱۲۰۳ھ۔

نام — حضرت رکن الدین عشق عرف شاہ گھسیٹا خلیفہ مولانا برہان الدین خدانما۔

سلسلۂ ارادت — ابو العلائی نقشبندی۔

مقام مزار — عظیم آباد (پٹنہ)"

(۳۴) حیات فرہاد

علی محمد شاد عظیم آبادی

"حضرت شاہ گھسیٹا صاحب تخلص عشق، بعض تذکرہ میں لکھا ہے کہ میر تقی میر دہلوی کے شاگرد تھے، مگر میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ شیخ غلام علی راسخ کے شاگرد تھے۔ ممکن ہے، دونوں سے اصلاح لی ہو، ان کی خانقاہ اب تک ویران محلہ میں موجود ہے۔ یہ مطلع ان کا مشہور ہے ؎

جو گرفتار ہیں بھٹکانے کے
نہ کہیں آنے کے نہ جانے کے"

(۳۵) یادگارِ عشق

سید حسن رضا ثاقب

"آپ کا اسم گرامی (حضرت) رکن الدین ہے۔ عرف میرزا شاہ گھسیٹا عشق تخلص فرماتے تھے۔ مولد و منشاء دہلی ہے۔ جو وطن مالوف بھی تھا۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ محمد کریم فاروقی تھے۔ اسی لئے سلسلۂ نسب حضرت امیر المومنین عمر بن خطابؓ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ حضرت شاہ محمد فرہاد صاحب دہلوی ابوالعلائی کے نواسے تھے...... سنہ ولادت ۱۱۰۳ھ متعین ہوتا ہے..... عنفوان شباب میں آپ نے گھر چھوڑ دیا اور ایک بزرگ کے پاس حاضر ہوئے جہاں طریقۂ زاہدیہ کی تعلیم ہوئی.... اس کے بعد جب آپ دہلی میں تشریف فرما ہوئے، اس وقت دہلی مولانا کے تجلیات کمال سے پُر نور تھی...... مولانا کے یہاں مجلس سماع تھی۔ آپ بھی ایک گوشہ میں کھڑے ہو گئے۔ مولانا کو وجد تھا اور اس وجد میں.... حضرت عشق کے سینہ پر ایک ہاتھ رکھ دیا جس سے تمام حاصل کئے ہوئے کمال پر حجاب چھا گیا..... آپ نے اظہار افسوس کیا۔ مولانا کی دوسری توجہ سے حجاب اٹھ گیا۔ پھر طریقۂ عالیہ ابوالعلائیہ میں بیعت و تعلیم بھی ہو گئی اور آپ نے ایسا کمال حاصل کیا کہ مولانا کے جانشیں ہوئے لیکن اظہار کمال منظور نہ تھا.... مرشد آباد پہنچے اور خواجہ محمدی خاں کی ملازمت کر لی۔ ہزار سوار کی افسری کا منصب ملا۔ مگر ان کے رہتے ہی خواجہ صاحب کی مجلس میں رونق نہ رہی..... اس واقعہ کو آپ نے مولانا سے حسرت و افسوس کے ساتھ دہرایا..... انھوں نے فرمایا عظیم آباد جائیے اور طالبان حق کی رہنمائی کیجئے۔ وہاں بھائی مخدوم منعم پاک موجود ہیں..... اس صلاح کو آپ نے منظور کیا۔ عظیم آباد چلے...... "کیفیت العارفین" میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۶۲ھ کا ہے...... آپ مخدوم منعم پاک سے اس مسجد میں ملے جو موجودہ خانقاہ

تکیہ کے سامنے سڑک کے متصل اور دکھن واقع ہے..... مخدوم پاک آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ آپ کو اپنی جگہ اسی مسجد میں بٹھایا اور خود مُلّا میتن کی مسجد تشریف لے گئے..... مُلّا صاحب مذکور کے نام سے..... اس محلہ کا نام بھی میتن گھاٹ ہوگیا ہے..... مخدوم منعم پاک کی فرمائش سے آپ نے مسجد مذکور میں قیام کیا..... مسجد سے اُتر کسی نواب کا مکان تھا..... نواب صاحب کا مکان نیلام پر چڑھ گیا اور نواب احمد علی خاں نے خریدا..... جو یہاں کے صوبہ دار تھے..... نواب صاحب کچھ پہلے ہی سے معتقد تھے..... بیعت کی اور وہی مکان نذر میں دے دیا..... حضرت عشق رحمۃ اللہ علیہ اس مکان میں اُٹھ آئے اور ایک خانقاہ لبِ دریا بنانے کا خیال ظاہر کیا..... چند اینٹیں جمع کیں، خود سے گلاوہ کیا اور اپنے ہاتھوں سے بنیاد ڈالی، دوسرے دن کوئی راجہ آیا۔ آپ کی دعا نے اس کا کام کر دیا اور اس کے انتظام سے آپ کی خانقاہ تعمیر کرا دی مگر نفس کشی ہاتھ سے نہ دی۔ خود مزدوروں کے ساتھ کام کرتے تھے..... آپ نے مخدوم منعم پاک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتساب فیض کیا ہے۔ طریقہ فردوسیہ میں آپ ہی سے اجازت اور خلافت ہے..... آپ نے سب سے پہلے صوبۂ بہار میں (تعلیم روحانی کے لئے) خانقاہ ابوالعلائیہ قائم کی اور آپ ہی سے اس سلسلہ کا فیض عام ہوا..... مولانا جلال الدین کی مثنوی معنوی کا درس بھی من جملہ فیضانِ عشق ہے۔ تکیہ شریف پر..... اس کی ابتدا بھی حضرت عشق ہی کے وقت ہوئی تھی۔ ..... آپ کی ذات ستودہ صفات اخلاق حسنہ کا گنجینہ تھی۔ سادگی وانکساری آپ کا شیوۂ خاص تھا۔ کسی سے ملنے ملانے میں خلوص و مودت کی کمی نہیں فرماتے تھے..... نزاکت مزاج کا یہ عالم کہ کسی کی شانِ ریاست ذرا بھی نہیں بھاتی تھی۔ خلق اللہ سے ہمدردی اور مروّت آپ کی زندگی کا مقصد خاص تھا..... مریدوں اور خلفاء کی

تعداد بے شمار تھی۔ گروہ کا گروہ حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا تھا...... آٹھویں جمادی الاول روز چہارشنبہ ۱۱۹۵ھ کو حضرت عشق رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ وصیت کے مطابق مزار شریف اس حجرہ میں ہے جو آخر عمر میں ریاضت ومجاہدہ اور تعلقات باطنیہ کے لئے مخصوص تھا..... شاہ رکن الدین عشق کے حالاتِ زندگی اور کمالاتِ درویشی کے ساتھ مذاقِ شاعری اور ان کی یادگاروں کا ذکر نہ ہوا...... حضرتِ عشق کا مذاقِ سخن فطری تھا۔ زبان کی سلاست وروانی، طرزِ ادا کی دل آویزی و دل فریبی، اصولِ فن کا حسنِ لحاظ، مفہوم ومعنی کی وسعت ورفعت، مذاقِ سخن کی سنجیدگی ومتانت کسی شاعر کے کمالِ استادی کے لئے کافی ووافی معیار ہیں..... حضرتِ عشق نے ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے مگر غزل اور مثنوی میں وہ بات پیدا کی ہے جو اور کسی میں نہیں۔ مثنوی بھی اپنے رنگ میں بے مثال ہے......ان کی غزلیں ہر بحر اور زمین میں ملتی ہیں، کہیں شربت اور کہیں شیروشکر مگر چھوٹی چھوٹی بحروں میں صرف آبِ حیات بہاتے ہیں...... اُردو کا کلیات ۰۰ ۷ صفحوں پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں اکثر اصناف سخن موجود ہیں...... سخن سرائی میں بھی بعض بعض جگہ فارسی شعرا کے جذبات عالیہ کا جلوہ نظر آتا ہے۔ تلاش وتتبع سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضرت عشق رح نے عراقی دمشقی اور سعدی شیرازی کی کامیابی کے ساتھ پیروی کی ہے اور انھیں دونوں بزرگواروں کا رنگِ سخن کلام عشق سے بھی نمایاں ہے"۔

(۳۶) تذکرۃ الصالحین

محمد حبیب اللہ

"حضرت شاہ رکن الدین عشق قدس سرہٗ

حضرت شاہ رکن الدین عرف مرزا گھسیٹا المتخلص بہ عشق قدس سرہٗ ابن شیخ محمد کریم فاروقی ونواسہ حضرت شاہ محمد فرہاد انصاری ابوالعلائی دہلوی تھے۔ چونکہ مرزائی ایک

خاص شانِ فقر کی ہے جس کو بانکپن کی فقیری کہتے ہیں بدیں وجہ آپ کا لقب مرزا ہوا
جیسا کہ آپ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

خطاب آتا ہے تجھ کو ہر دم اے عشق
مبارک ہو تجھے یہ میرزائی

آپ بعد انتقال اپنے نانا بزرگوار کے اپنے ننہال میں ۱۱۰۳ھ میں پیدا ہوئے
اور یہیں پرورش پاکر سنِ شعور کو پہنچے۔ اول طریقہ سرہندیہ حضرت سید آحمد سرہندی
سے حاصل کیا۔ بعد اس کے شوق ہوا کہ اپنے نانا کے خلفاء کو دیکھیں تو حضرت مولانا
برہان الدین کے حضور میں عین مجلسِ سماع میں وجد کی حالت میں آپ کو پایا۔ مولانا
دورہ فرماتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے۔ آپ کے سینہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ حاصل کردہ
باتیں حجاب میں آگئیں۔ آپ نے عرض کیا حضور میں نے بہت مشکل سے حاصل کیا ہے
یہ کیا کیا۔ آپ نے فرمایا صاحبزادے گھر میں بات رہتے ہوئے دوسری جگہ جانے کی
کیا ضرورت؟ چنانچہ آپ ہی کی حضور میں ایک زمانہ تک حاضر رہے اور طریقہ ابوالعلائیہ
کی تکمیل کی۔ تب مولانا موصوف نے فرمایا کہ صاحبزادے اب آپ دیکھیں پہلی باتیں بھی
موجود ہیں۔ چنانچہ آپ نے بھی ویسا ہی معائنہ کیا۔ بعد حصولِ بیعت حضرت مولانا نے
قابلیت وافر دیکھ کر خلافت و اجازت سلسلۂ ابوالعلائیہ فرمادیہ سرفراز فرماکر رخصت
فرمایا۔ چنانچہ بحکم مولانا موصوف کے آپ عظیم آباد تشریف لائے اور حضرت شاہ منعم پاک
قدس سرہٗ جو ملّا میتن کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے، طریقہ فردوسیہ آپ سے حاصل کیا
..... شعر و سخن سے بھی آپ کو ذوق تھا، ایک دیوان و مثنوی اور ساقی نامہ آپ کی تصانیف
[illegible] اتفاق نہ ہوا ..... ایک سو برس کی عمر میں
۷ر جمادی الاول روز [illegible] کو وصال ہوا۔ مزار آپ کا عظیم آباد [illegible]
بخشی گھاٹ معروف بہ تکیہ شاہ گھسیٹا صاحب میں مرجع ہر خاص و عام ہے۔"

(۳۷) تاریخ شعرائے بہار

سید عزیزالدین بلخی راز

"شاہ رکن الدین عشق :۔ عشق تخلص، شیخ رکن الدین نام، عرف شاہ گھسیٹا، وطن مالوف دہلی تھا۔ شیخ محمد کریم الدین فاروقی کے بیٹے اور شاہ محمد فرہادؒ ابوالعلائی کے نواسے تھے۔ بچپن سے عنفوان شباب تک دلّی میں رہے۔ قرین قیاس ہے کہ دُرّانیوں کی غارت گری اور قتل عام کے بعد..... جس طرح اور بھی بہتیرے لوگ اپنا گھراور وطن چھوڑ کر اِدھر اُدھر نکل کھڑے ہوئے، یہ بھی دلّی سے نکل کر مرشدآباد پہنچے اور خواجہ محمدی خاں رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں کی رفاقت اور ملازمت میں "ہزار سوار کی افسری کے منصب پر فائز ہوئے"..... فی الجملہ ایک مدت تک خواجہ محمدی خاں کی رفاقت میں بسر کرنے کے بعد عشق موصوف اپنے بزرگوں کی روش کے مطابق فقر و درویشی کی طرف مائل ہوئے اور ترک ملازمت کے ساتھ فضل الٰہی پر تکیہ کر کے عظیم آباد چلے آئے اور حضرت مخدوم منعم پاکؒ (جن کا مزار مینتن گھاٹ میں ہے) کی خدمت سے مستفیض ہو کر بقیہ عمر یاد الٰہی اور خدمتِ خلق میں بسر کردی۔ سنہ ۱۲۰۳ھ میں اس جہان سے رحلت کی۔ حسب روایت تذکرۃ الصالحین و رسالہ معارف پھلواری ۶۶ سال کی عمر پائی۔ اگرچہ مختلف روایات کی موجودگی میں صحیح عمر کا متعیّن کرنا اس قدر آسان نہیں تاہم اس کے تسلیم کرنے میں قباحت لازم نہیں آتی ـــــ کسی مستند تذکرہ میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ ٹھیک کس سنہ میں حضرت عشق نے ترک ملازمت اختیار کی اور عظیم آباد میں آکر طرح اقامت ڈالی اور فقر تصوف کا سجادہ قائم کیا۔ لیکن نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کی مسند نشینی یعنی سنہ ۱۱۷۴ھ کو پیش نظر رکھ کر اگر خواجہ محمدی خاں کی رفاقت میں ان کی مدت ملازمت تقریباً چند سال بھی قرار دی جائے تو یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ سنہ ۱۱۷۸ھ

یا اس کے چند سال بعد حضرت عشق عظیم آباد میں آکر سکونت پذیر ہوئے ....
صحیح طور پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۷۴ھ یا اس کے بعد کا ہے۔ اس
طرح کم و بیش تقریباً پچیس ۲۵ چھبیس ۲۶ سال تک اس دیار میں آپ کا فیض سخن
اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عالم میں بھی عظیم آباد، مرشد آباد اور
ڈھاکہ وغیرہ سے طالبانِ راہِ عشق پروانوں کی طرح اس شمع کے گرد جمع ہونے لگے....
بعض متقدمین نے بعد کو کچھ جائدادیں بھی تقریبات عرس وغیرہ کے لئے وقف کی تھیں
اور آپ کا تکیہ اس وقت تک مرجع خلائق ہے.... زمانہ کے اعتبار سے آپ
مرزا مظہر جان جاناں، خواجہ میر درد اور میر تقی میر کے ہمعصر اور اکثر غزلوں میں ہم طرح
بھی ہیں، شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔"

(۳۸) تذکرۃ الکرام

سید شاہ محمد کبیر صاحب

"حضرت رکن الدین، عشق تخلص نواسے حضرت شاہ فرہاد قدس سرہٗ کے
تھے۔ آپ کا نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کو بیعت اور خلافت
حضرت مولانا برہان الدین خدا نما قدس سرہٗ سے تھی، اور خلافت حضرت شاہ منعم
قدس سرہٗ کے حضور سے بھی پائی ہے۔ آپ ابتدا میں نوکری پیشہ بہ وضع سپاہیوں
کے تھے۔ آپ اسی نوکری کے ذریعہ سے دہلی سے عظیم آباد آئے اور جب حضرت شاہ
منعم قدس سرہٗ کی فیض بخشی کا حال سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب
گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت شاہ محمد منعم قدس سرہٗ آپ کے نانا کے فیض یافتہ
ہیں، اس سبب سے آپ کے فیض صحبت سے کامل اور مکمل ہوئے۔ اگرچہ پہلے سے
مولانا برہان الدین خدا نما قدس سرہٗ کے فیض سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ حضرت شاہ محمد
منعم قدس سرہٗ کی مرضی سے آپ عظیم آباد سے دہلی تشریف لے گئے اور حضرت مولانا

قدس سرہ سے بیعت کر کے اور خلافت لے کر واپس آئے اور مسند مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ ایک عالم آپ کے فیضِ صحبت سے فیضیاب ہوا۔ آپ نے بعد تکمیل علم باطن کے علم ظاہر کی تحصیل کی اور بڑے عالم ہوئے اور اکثر مثنوی شریف کا درس فرماتے۔ آپ اکثر بزرگوں کا عرس فرماتے اور ایک خانقاہ کی بنا ڈالی کہ آج تک موجود ہے اور شاہ گھسیٹا کا تکیہ کہلاتا ہے اور آج تک آپ کا عرس ہوتا ہے۔ آپ کے ممتاز خلفاء میں سے حضرت سید شاہ ابوالبرکات قدس سرہٗ عظیم آبادی اور مولانا عبدالرحمٰن شیر گھاٹی کے تھے۔ آپ کا دیوان اردو میں بہت بڑا ہے۔ کلام آپ کا نہایت شیریں ہے۔ آپ نے ۱۲۰۳ھ میں انتقال کیا۔"

(۳۹) کیفیت العارفین — سید شاہ عطا حسین

"باید دانست امام العاشقین از اولاد عظام صحابۂ کرام حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اند۔ وجد مادری امام العاشقین حضرت قطب الارشاد شاہ محمد فرہاد کہ خلیفۂ خلیفہ حضرت محبوب جل و علا امیر سید شاہ ابوالعلا قدس اللہ اسرارہم بودند۔ امام العاشقین بعد ارتحال حضرت قطب الارشاد متولد شدہ بکنار والدین بعمر تمیز رسیدند و لائق صحبت عمائد روزگار گردیدند۔ دراں عالم روزے مخدوم المشائخین حضرت مولانا برہان الدین قدس سرہٗ کہ خلفائے جلیل حضرت قطب الارشاد بودند در مجلس سماع بہ حالتِ وجد صاحب زادہ پندا شتہ دست حضرت امام العاشقین گرفتہ معانقہ فرمودند۔ بعد ازآں ارشاد کردند کہ صاحبزادہ را نعمت ایں سلسلہ بہ یک معانقہ دادم و امانت جد مادری ایشاں در سینہ ایشاں نہادم اگر محنت خواہند نمود گوئے مراد خواہند ربود۔ آنچہ دادہ ام تا قیامت از سینہ بے کینہ نہ خواہد رفت۔ امام العاشقین بہ عمر سیزدہ سالگی از درس علوم ظاہر

فراغ یافتہ از بلند حوصلگی خود بہ معیت خواجہ محمدی خاں جنت مقامہ ...کہ بہ منصب اعلیٰ متعیّن صوبہ بنگ شدہ در آں سومی رفتند عزم سفر فرمودند۔ در آں جا رفتہ تا مدت شش سال چندے بالا بہ معیت خواجہ جنت مقامہ باشان و شوکت و عظمت قیام پذیر شارند.... بعدہ شوق صحبت حضرت مخدوم المشائخین در دل امام العاشقین جاگرفت ہر چند اجازت روانگی وطن از جنت مقامہ می خواستند رخصت نمی کردند۔ آں زماں جنت مقامہ انتقال ازایں عالم نمودند۔ امام العاشقین از بنگالہ بردوان روانہ دیار مغرب گشتند چوں بہ شہر عظیم آباد داخل شدند از ابناں جنت مقامہ...... ملاقات نمودند۔ چند روز مہمان داشتند و دعوت پرداختند۔ چوں عزم سفر لکھنؤ نزد مخدوم المشائخین کردند آنہا بہ اصرار تمام جہت قیام مجوز شدند۔ بریں مدت ہشت ماہ گردید و عمر شریف بہ بست و پنج سالگی رسید در آں حین حضرت قطب العالم مخدوم شاہ محمد منعم ابو العلائی قدس سرہٗ از شاہ جہاں آباد بہ شہر عظیم آباد تشریف آوردند۔ چوں خبر تشریف آوری حضرت قطب العالم مخبران بہ سماعت حضرت امام العاشقین رسانیدند بہ کمال اشتیاق امام العاشقین خود را جہت ملازمت قطب العالم در مجلس حاضر گردانیدند حضرت قطب العالم بایشاں معانقہ فرمودہ تعظیم و تکریم صاحبزادہ انگاشتہ نمودند و مجوز قیام آں شہر گردیدند حضرت امام العاشقین چوں مجوزی آں حضرت و نیز خواجہ زادگان یافتند طرح اقامت آں شہر بر داختند۔ ہر روز بہ معیت دیگر یاران در خدمت شریف حضرت قطب العالم تشریف بردہ توجہ می یافتند بلکہ در صحبت قطب العالم دقائق و حقائق عرفان آگاہ کردند .... بعد عرصہ چند حضرت امام العاشقین از حضرت قطب العالم عرض نمودند کہ از عرصہ بد و شعور خود عقیدہ بعیت دریں سلسلہ از مخدوم المشائخین مولانا برہان الدین قدس سرہٗ دارد اگر ارشاد شود از آں جا بعد انفراغ فاتحہ بعیت بازحاضر مجلس شریف گردد۔ بپاسخش حضرت قطب العالم فرمودند بسیار مناسب است .... نیز در آں

زماں حضرت امام العاشقین سامان سفر فرمودند مسترشداں کہ در حضر بودند معیت اختیار
نمودند۔۔۔۔ امام العاشقین در آں جا منزل بمنزل نہضت فرمودہ بہ قصبہ خالص پور متصل
لکھنؤ رسیدند و از قدم بوسی [illegible] گردیدند بعد امضائے
چند روز عرض فاتحہ نمودند۔ بجوابش مخدوم المشائخین فرمودند چرا حرج کردند۔ برادرم
محمد منعم در آں جا بودند۔ مقدمہ واحد بود۔ اکنوں آمدی۔ از دیدار شما مشرف شدم حضرت
امام العاشقین را پیش خود نشانیدہ اخذ بیعت کردند۔ تا مدت شش ماہ یا چندے زاید در
صحبت خویش داشتہ از دقیقہ داں عرفاں آگاہ فرمودند و درجذبات ربانی رسانیدہ
معمور الکیفیت نمودند۔ حضرت مخدوم المشائخین لیاقت وافر و حیثیت متکاتر معائنہ فرمودہ
مشرف از خلافت ساختند۔ حضرت امام العاشقین بعد حصول شرف بیعت و مراتب باطنیہ
عزیمت مراجعت پرداختند بعد شرف قدم بوسی مرخص گردیدہ داخل شہر عظیم آباد
شدند۔ از آں روز تا عالم حیات حضرت قطب العالم کہ مدت صحبت از بست بالا
گذشتہ در خدمت شریف حاضر بودہ تربیت باطنیہ سرعرفان از دقیقہ سلوک یافتند و
فیض و نعمات باکمال پرداختند در آں وقت قطب العالم نیز از اجازت سلاسل
خود بہ خلافت مشرف فرمودند امام العاشقین ہم در آں زماں بہ مسند رشد نشستہ بر
طالبان ارشاد فیض می کشودند از خواجہ زادگان و عمایدِ شہر بسیار مرید و مسترشد حضرت
امام العاشقین گردیدند بہ فیض ظاہر و باطن رسیدند و مکانے متصل سکونت مسجد حضرت
قطب العالم برائے قیام امام العاشقین مسترشداں خالی کردہ دادند حضرت امام العاشقین
معہ خادمان اسباب اقامت نہادند۔ بعد انتقال حضرت قطب العالم چوں شہرہ رشد
حضرت امام العاشقین بالا گرفت با برادران طریقت بہ بسیار محبت و خلت پیوستند
بعد دو سہ سال از انتقال قطب العالم خبر ارتحال مخدوم المشائخین ہم بہ سمع امام العاشقین
رسید در آں وقت حضرت امام العاشقین قیام بہ دیہات علاقہ موتیہاری بہ عبور گنگ

داشتند فاتحہ چہلم حضرت مخدوم المشائخین نمودند طعام داری فرمودند..... بعدہ از آنجا بہ شہر عظیم آباد رسیدہ از قصبہ خالص پور اہل و عیال حضرت مخدوم المشائخین را طلب فرمودند۔ چوں بی بی صاحبہ معہ دو صاحبزادیاں و صاحبزادہ شاہ ناصر الدین صاحب بہ شہر عظیم آباد تشریف آوردند امام العاشقین تعظیم و تکریم نمودند مکانے خالی نمودہ جہت استقامت تعین فرمودند ازیں جاکہ ہر دو صاحبزادیاں لایق کتخدائی بودند از ہر درے بہ مشائخین شہر تجسس نسبت می نمودند آخر الامر تقرر نسبت صاحبزادی خورد از شاہ قل احمد صاحب خلف شاہ دانش علی صاحب زید اللہ مجدہما فرمودند و برائے تقرری نسبت صاحبزادی کبریٰ متفکر و متامل بودند..... الغرض بہ مشورہ سید المشائخ ابتدائً امام العاشقین خادم یکے از خواجہ زادگاں را کہ مخدومہ مایان بودند قبول فرمودند و عقد نمودند....

بعدہ صاحبزادی کبریٰ را ہم چو رسم شرفاء زمانہ بحبالہ نکاح در آوردند و صاحبزادی صغریٰ را در آں زماں سعید در نکاح سید شاہ قل احمد رحمۃ اللہ علیہ دادند۔ چنانچہ از ہر دو معظمہ اولاد شدند.... در احوالات و کشف و کرامات امام العاشقین روزے خادماں عرض نمودند امروز جہت مصارف خانقاہ در تحویل یک حبہ نیست الاّ چند فلوس باقی ماندہ است حضرت امام العاشقین ارشاد کردند از آں چند فلوس مکانے طیار خواہم ساخت چند سبد (یعنی ٹوکری) جہت گل برداری و کلند کرایہ طلبیدند و خود بعد فراغ نماز ظہر دامن خرقہ نف نمودہ اساس مکان کندیدند۔ چوں مریدان دیدند بہ معیت آں حضرت رسیدند۔ بعدہٗ نماز عصر با جماعت ادا کردہ تا شام بہ ہمیں شغل مصروف بودند در آں شب نواب احمد علی خاں صاحب را کہ یکے از منصب داراں سلطانی و معتقد بن امام العاشقین بودند خبر ایں معنیٰ رسید فوراً چند ہزار روپیہ پیش کش گذرانیدند۔ آخر الامر آں حضرت باہتمام خویش مکانے خوش قطع عالیشان بر لب دریائے گنگ بارہ دری طیار کنانیدند موسوم بہ تکیہ خود گردانیدند۔ راقم نیز آں مکان دیدہ بود و مجالس عرس

تشریف در آں می گردید حالا بعد منہدم آں مکان بداں جائے ہماں قطع بارہ دری دیگر خواجہ لطف علی صاحب علیہ الرحمت نواسہ آں حضرت طیار ساختہ اند۔ ہنوز مجلس عرس شریف در آں مکان تکیہ می شود.... اکثر طایفہ جنیان نیز در حلقہ شریف حاضر شدہ مشرف النعمت می شدند روزے شخصے رسیدہ عرض ساخت نذر کردہ بودم کار من برآید۔ بہ مستحقان چیزے دہم ایں روپیہ بہ حضور نذر است بہ مجرد استماع آں کلام امام العاشقین فرمودند پیش مستحقان برو ما مست حقیم و نعرہ ہا زدند بیخود شدند.... باید دانست حضرت امام العاشقین را باعث عقیدت واسطہ فرزندی فیض روحی از حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نیز بود و ہم فیض روحی حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ بودہ درس مثنوی شریف اکثر می دادند در آخر عمر شریف مراقبہ چشم بند کم می نمودند چشم وا مراقبہ می فرمودند ولادت شریف بہ سال یک ہزار و یک صد و سہ و ہفت (۱۱۳۷ھ) ہجری در دہلی شریف گردید مدت عمر شریف شصت و شش سال .... قبل از انتقال بعارضہ استسقا مبتلا شدند ایام رحلت بہ سال یک ہزار و دو صد و سہ (۱۲۰۳ھ) ہجری ہفتم ماہ جمادی الاول روز یک شنبہ وقت ظہر بود۔ آں حضرت در حجرہ کہ متصل مسجد و محاذی دالان سہ درہ واقع در آں وقت شب مراقبہ می ماندند درس مثنوی شریف می دادند در آں حین کنیزے از خانہ رسید و عرض نمود طعام طیار است ساعتے تامل فرمودہ دالان سہ درہ محاذی حجرہ را دو سہ بار مکرر نظر فرمودند بعدہٗ بہ کنیز یک بار ارشاد کردند ما نیز طیار ہستیم و مراقب شدند و نعرہ زدند چوں بریں معاملہ عرصہ گذشت وقت نماز عصر در آمد نماز ادا کردہ از دالان شدہ بخانہ می رفتند۔ وقتیکہ بداں جائے رسیدند حالا مزار شریف در آں جائے ہست شعر مثنوی شریف کہ راقم شنیدہ بود اکنوں یاد ندارد بر زبان شریف آوردند و نعرہ زدند پائے مبارک بلغزید جسم شریف بر زمین رسید حق گفتہ در وصال ذات ربانی پیوستند حکما بعارضہ سکتہ دانستند۔ نعش شریف شبانہ روز داشتند بروز دیگر جمیع کساں چوں نشانی وصال

ذات باری تعالیٰ دیدند۔ بہ تہیہ تجہیز وتکفین کردیدند وقت نماز عصر تدفین نمودند دراں حین مشائخین شہر حاضر بودند مزار مقدس در شہر عظیم آباد بہ محلہ بخشی گھاٹ بر تکیہ آں حضرت در دالاں سہ درہ محاذی مسجد شریف۔ تفصیل اولاد امجاد از بطن مخدومہ پسر کلاں سائیں جی صاحب کہ روبروئے آں حضرت وفات کردند واز بطن صاحبزادی کبریٰ خلف الاعظم شاہ محمد حسین علیہ الرحمت کہ حین انتقال امام العاشقین ہفت سالہ بودند بعمر سیزدہ سالگی بہ عارضہ طحال وفات نمودند خلف الرشید شاہ احمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ذکر الیشاں بمد خلفاء قطب العاشقین نگاشتہ خواہد شد۔ صاحبزادی صاحبہ کہ با خواجہ محمد محسن صاحب علیہ الرحمت منسوب بودند۔ خواجہ لطف علی صاحب علیہ الرحمت فرزند آں صاحبزادی معظمہ یعنی نواسہ امام العاشقین بودند۔"

(۴۰) جواہر سخن — محمد مبین کیفی چڑیا کوٹی

"عشق — رکن الدین نام، گھسیٹا عرف تھا، دہلی کے رہنے والے تھے۔ شاہ فرہاد مشہور درویش کے نواسے تھے۔

شروع جوانی میں دہلی سے مرشد آباد گئے تھے۔ جب تک وہاں رہے اعزاز دنیاوی حاصل تھا۔ وہاں سے عظیم آباد آئے تو ان کے پاس توکل سرمایہ تھا اور فقر و درویشی طرۂ امتیاز۔

تغزل میں تصوف کی چاشنی بھری ہوئی ہے۔ انداز بیاں دل نشیں، زبان سلیس اور اثر انداز، ترکیب میں بے ساختگی ہے۔"

(۴۱) شعر الہند — عبد السلام ندوی

"امرائے عظیم آباد و مرشد آباد نے بھی فیضانہ طور پر اپنی مرکزی حیثیت کو قائم

رکھا، اور شعراء کے اطمینان و دل جمعی کے سامان بہم پہنچائے۔ چنانچہ شعرائے عظیم آباد اور مرشد آباد میں جس قدر خوش گو لوگ تھے، وہاں کے امراء و روساء نے ہمیشہ ان کی سرپرستی کی اور انھوں نے ان کی رفاقت میں نہایت فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ چنانچہ شاہ رکن الدین عشق کے تذکرہ میں مرزا علی لطف گلشن ہند میں لکھتے ہیں، (گلشن ہند کی عبارت مندرج ہے)۔"

(۴۲) نقوش سلیمانی — سیّد سلیمان ندوی

"حضرت عشق نے حضرت مخدوم منعم پاک سے ابوالعلائی طریقہ کی تعلیم اور فیض حاصل کیا اور ایک عالم کو اس سے سیراب کیا، اور بقول تذکرہ نویسوں کے، معتقدین کے ہجوم اور مریدوں کی کثرت سے نفیری میں بادشاہی کی۔ آپ کے ہم پیر مخدوم شاہ حسن علی سے بھی، جنھوں نے ۱۲۲۴ھ میں وفات پائی اور جن کا مزار عظیم آباد محلہ خواجہ کلاں گھاٹ میں ہے، یہ فیض عام ہوا۔ ان کے خلیفہ اور جانشیں مخدوم سیّد مظہر ولی عرف شاہ یحییٰ علی ہیں، جن کے بزرگوں کا وطن تار بیگھہ تھا اور نانہال بہار محلہ چاند پورہ تھا اور مدفن صفی پور خسرو پور اسٹیشن کے پاس دریا کے کنارے ہے۔ ۱۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

"حضرت عشق محض شاعر نہ تھے بلکہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ میر درد کی طرح وہ ظاہر و باطن اور حال و قال کے جامع تھے۔ دوسرے سخنور بزرگوں کی طرح ان کی نسبت بھی کہنا چاہیے کہ 'شاعری دون مرتبۂ اوست'...... حضرت عشق کے کلام کا عام انداز وہی ہے جو حضرت مظہر اور خواجہ درد کا ہے، کہیں کہیں زمین، بحر اور قافیہ کا بھی اتحاد ہے.... صوفیانہ مضامین کی آمد وہی ہے جو درد میں ہے، مگر درد کا مختصر سا بیان غم یعنی ان کا دو جزء کا مختصر دیوان، عشق کے ۵۰ جزء کی شرح الم یعنی

ان کے کلیات کے ساتھ سمندر اور قطرہ کی نسبت رکھتا ہے۔"

(۴۳) مقامِ محمود

عبدالمالک آروی

"فغاںؔ، فدویؔ، ضیاؔء، عشقؔ دہلی سے بہار میں آکر بہت دنوں رہے، اور ان میں بعض یہیں سپردِ خاک ہو گئے، شاہ رکن الدین عشقؔ تو بہت پھولے پھلے، آپ صوفی سجادہ نشین تھے۔ مریدوں کا حلقہ ہو گیا، آج بھی پٹنہ میں آپ کی خانقاہ "تکیہ شریف" کے نام سے موجود ہے جہاں سالانہ عرس ہوا کرتا ہے۔"

(۴۴) دو نایاب زمانہ بیاضیں

عبدالباری آسی

"شاہ رکن الدین نام، گھسیٹا عرف تھا اور شاہ فرہاد کے نواسے تھے۔ دہلی کے قدیم باشندے تھے، محلہ مغل پورے میں مکان تھا۔ پھر مرشد آباد چلے گئے اور وہیں عزت و حرمت سے بسر کرتے تھے اور آخر میں فقیر ہو گئے تھے۔ مصحفیؔ نے ان کا خاصا ذخیرۂ کلام نقل کیا ہے اور تذکرۂ قاسم میں بھی دس گیارہ شعر نقل کئے ہیں۔ ایک غزل بیاض میں ہے جو ان دونوں تذکروں میں نہیں ہے۔"

(۴۵) بہار اور اردو شاعری

محمد معین الدین دردائی

"شاہ رکن الدین عشقؔ۔ یہ حضرت شاہ گھسیٹا کے نام سے بہت زیادہ مشہور تھے۔ ان کے فضل و کمال کا کیا کہنا، میاں فدویؔ ان کے شاگرد عقیدت کیش میر حسنؔ ان کے ثنا خواں اور کون تذکرہ نویس ایسا ہے جس نے ان کا تذکرہ نگاہ عقیدت و ارادت کے جذبے سے متاثر ہوئے بغیر کیا ہو۔

ممکن ہے کہ ہمارے بعض دوستوں کو یہ اعتراض ہو کہ شاہ گھسیٹا کو عظیم آبادی

شعراء میں کیوں شمار کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ عشق صاحب شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوئے۔ لیکن کیا جس بہار نے انھیں اپنے دامن عاطفت میں پال کر پروان چڑھایا، اسے اتنا بھی حق نہیں کہ وہ انھیں اپنے فرزندوں میں شمار کرے؟ میں نے قصداً فغاں اور میر محمد باقر حزیں کا ذکر عظیم آبادی شعراء میں نہیں کیا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ بہار میں بہت کم عرصہ تک رہے۔ لیکن شاہ گھسیٹا کا جبکہ زندگی اور شاعری کا بیشتر حصہ بہار کے ماحول کا منت پذیر ہے، تذکرہ بہاری شعراء میں نہ کرنا ایک ناقابل معافی غلطی تھی۔ اگر ملکہ نور جہاں ایرانی نژاد ہونے کے باوجود ایک ہندوستانی ملکہ کہلا سکتی ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ میں شاہ گھسیٹا یا میاں فدوی کو عظیم آبادی شاعر نہ کہوں ....
...... حضرت عشق کے کلام کا انداز وہی ہے جو حضرت مظہر اور خواجہ درد کا ہے۔ کہیں کہیں زمین، بحر اور قافیہ کا بھی اتحاد پایا جاتا ہے۔"

(۴۶) کلام میر — عبدالمنان بیدل

"عشق — شیخ رکن الدین نام، عرف شاہ گھسیٹا، وطن مالوف دہلی تھا۔ شیخ محمد کریم فاروقی کے بیٹے اور شاہ محمد فرہاد ابوالعلائی کے نواسے تھے۔ ایک مدت تک خواجہ محمدی خاں مرحوم کے ساتھ رہنے کے بعد حضرت عشق عظیم آباد چلے آئے اور مخدوم منعم پاک (جن کا مزار محلہ میتن گھاٹ میں ہے) کی خدمت میں رہ کر بقیہ عمر یاد الہٰی میں بسر کر دی۔ ۱۲۰۳ھ میں اس جہان فانی سے رحلت کی۔ حسب روایت تذکرۃ الصالحین اور رسالہ معارف پھلواری ۶۶ سال کی عمر پائی۔

بقول مولوی کریم الدین مولف "تذکرہ طبقات الشعراء" آپ کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ پیرس میں گارسں دی تاسی کے پاس تھا۔ دیوان ریختہ کے علاوہ تصوف میں چند قلمی رسالے بھی ان کی تصانیف میں سے ہیں۔

زمانہ کے اعتبار سے آپ خواجہ میر درؔد اور میر تقی کے ہم عصر ہیں اور اکثر ہم طرح غزلیں لکھی ہیں۔"

(۴۷) مرزا محمد علی فدوی ان کا عصر حیات شاعری اور کلام

سیّد محمد حسنین

"شاہ رکن الدین نام تھا، مرزا لقب، عشق تخلص تھا اور شاہ گھسیٹا کے نام سے معروف تھے۔ دادیہال اور نانیہال دونوں جانب سے رکن الدین کا سلسلۂ نسب بہت اعلیٰ تھا۔ ان کے والد کا نام بقول صاحب تذکرۃ الصالحین، شیخ محمد کریم فاروقی تھا جن کا سلسلۂ نسب بقول مصنف برکاۃ الاولیا حضرت عمر فاروق رضؓ سے ملتا تھا۔ شاہ محمد فرہاد دہلوی رکن الدین کے نانا تھے ..... شاہ محمد فرہاد اس وقت کی مشہور تقدس مآب شخصیت مولانا برہان الدین خدا نما کے پیر مرشد تھے۔

رکن الدین کے سال پیدائش میں اختلاف ہے .. .... ابتدائی زندگی کے حالات بھی صاف اور واضح نہیں ملتے۔ ...... بارہ برس تک یہ اپنے نانا کے مرید، برہان الدین خدا نما کے زیر تربیت رہے۔ صاحب تذکرۃ الصالحین لکھتے ہیں کہ سن شعور کو پہنچنے پر انھوں نے اول طریقہ سرہندیہ (جو مجدد الثانی حضرت سید احمد سرہندی سے منسوب ہے) حاصل کیا۔ پھر برہان الدین خدا نما سے خلافت و اجازت سلسلۂ ابوالعلائیہ، فرہادیہ پائی۔ بعد ازاں عظیم آباد میں مخدوم شاہ محمد منعم سے طریقہ فردوسیہ کی تعلیم لی۔ میر حسن نے اس دینی تعلیم کے سلسلے میں انھیں "در سلسلۂ نقشبندیہ نقش زدہ" لکھا ہے۔ ...... رکن الدین کے جاننے والوں کا حلقہ اس زمانہ میں یقیناً بے حد وسیع ہوگا جس میں ان کے مریدوں، معتقدوں اور محبوں کی کثیر تعداد کے علاوہ تلامیذ کی بھی اچھی تعداد ہوگی۔ ان کے نامور شاگرد مرزا محمد علی فدوی

ہیں۔ دوسرے مشہور شاگرد شورشؔ ہیں۔ خواجہ محمدی خاں اور ان کے گھر کے کئی افراد بارگاہ عشقؔ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ ان میں خواجہ محترم خاں محترمؔ، خواجہ اعظم خاں عاشقؔ، خواجہ مکرم خاں حریفؔ، خواجہ عاصم خاں شورؔ کے نام اس عہد کے مقامی وغیر مقامی تذکروں میں ملتے ہیں۔ یہ تمام افراد ریختہ میں فکر کرتے تھے اور عشقؔ سے استفادہ کرتے تھے۔

۱۲۰۳ھ میں رکن الدین عشقؔ کی وفات ہوئی۔ وصیت کے بموجب یہ خانقاہ کے اس حجرے میں دفن کئے گئے جو آخر عمر میں ریاضت و عبادت کے لئے مخصوص تھا۔

(۴۸) مثنویات راسخؔ — ممتاز احمد

شاہ رکن الدین نام، مرزا لقب، شاہ گھسیٹا عرف اور عشقؔ تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام بقول صاحبِ "تذکرۃ الصالحین" شیخ محمد کریم فاروقی تھا۔ جن کا سلسلۂ نسب بقول مصنف برکاۃ الاولیا حضرت عمر فاروق رضؓ سے ملتا ہے۔ یہ حضرت شاہ محمد فرہاد دہلوی کے نواسہ تھے۔

میر حسن، مبتلا اور ابوالحسن نے انھیں شاہ جہاں آبادی بتایا ہے۔ حضرت عشقؔ بقول صاحب حجۃ العارفین بارہ برس تک اپنے نانا کے مرید برہان الدین خدانما کے زیر تربیت رہے تھے۔ عظیم آباد میں انھوں نے مخدوم شاہ محمد منعمؒ سے طریقۂ فردوسیہ کی تعلیم حاصل کی اور میر حسن نے انھیں دینی تعلیم کے سلسلے میں "در سلسلہ نقشبندیہ نقش زدہ" بتایا ہے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے بقول صاحبِ یادگار عشقؔ صوبہ بہار میں تعلیم روحانی کے لئے خانقاہ ابوالعلائیہ قائم کی تھی۔ حضرت عشقؔ نے حسب روایت تذکرۃ الصالحین و رسالہ معارف

پھلواری و تاریخ شعرائے بہار ۶۶ سال کی عمر پائی اور بقول صاحب یادگار عشق سنّو برس کی عمر پائی تھی۔ بہرحال سنہ وفات میں تمام حضرات متفق ہیں ۱۲۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

ان کا اردو کلیات سات سو صفحات پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ تصوف میں چند قلمی رسالے موسوم بہ" امواج البحار"، " سلطان العشق " اور " تعلیم الخلفا " ان سے یادگار ہیں۔ ان کے معاصر شعراء میں جن کی تصوف گوئی اور خوش گوئی کا چرچا پھیلا ہوا تھا، ان میں حضرت غلام نقشبند سجّاد، شاہ نورالحق تپاں اور شاہ غلام جیلانی سرشار سرِ فہرست نظر آتے ہیں۔ یہ میر کے ہم خیال اور ہم طرح رہے ہیں۔

(۴۹) بہار میں اُردو زبان و ادب کا ارتقا ۱۸۵۷ء تک

سیّد اختر احمد اورینوی

شاہ رکن الدین عشق متوفی ۱۲۰۳ھ — شیخ رکن الدین نام۔ عرف شاہ گھسیٹا۔ شیخ محمد کریم فاروقی کے بیٹے اور شاہ محمد فرہاد ابوالعلائی کے نواسے تھے۔ وطن دلّی تھا۔ بچپن سے آغاز جوانی تک وہیں رہے۔ غالباً دُرّانیوں کے حملہ کی شہر آشوبی سے متاثر ہو کر وطن چھوڑا اور مرشد آباد پہنچے۔ خواجہ محمدی خاں رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کی رفاقت میں" ہزار سوار کی افسری کے منصب پر فائز ہوئے"۔ مرزا علی لطف اور اکثر تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عشق ایام شباب میں شاہ جہاں آباد سے مرشد آباد آئے۔" یادگار عشق " از مولوی سید حسن رضا صاحب ثاقب عظیم آبادی میں حضرت عشق کی عمر نسّو برس کی قرار دی گئی ہے۔ اور سال ولادت

۱۲۰۳ھ متعین کیا گیا ہے۔ یہ تاریخی لحاظ سے بالکل صحیح نہیں معلوم ہوتا..... ایک عرصہ تک اس رنگ میں بسر کرنے کے بعد فقر و درویشی کی طرف مائل ہوئے اور ترک ملازمت کر کے عظیم آباد چلے آئے۔ حضرت مخدوم منعم پاک رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے فیض پایا اور بقیہ عمر ذکر الٰہی و خدمت خلق میں گذار دی۔ ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔

......حضرت عشقؔ قریباً پچیس ۲۵ سال تک عظیم آباد میں اقامت گزیں رہے۔ ڈھاکہ، مرشد آباد اور عظیم آباد و بہار کے اہلِ عقیدت آپ پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے۔ نواب علی ابراہیم خلیلؔ اور دوسرے تذکرہ نویس حضرت عشقؔ کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کرتے ہیں۔ عشقؔ کا اُردو دیوان مرتب ہے۔ دیوان کا ایک قلمی نسخہ پیرس میں پرافیسر گارسن دی تاسی کے پاس تھا۔ ایک دوسرا قلمی نسخہ خانقاہ تکیہ حضرت عشقؔ پٹنہ سیٹی میں موجود ہے۔ تیسرا قلمی نسخہ پھلواری شریف کے کتب خانہ میں ہے۔ دیوان ریختہ میں غزلیں، رباعیاں اور مثنویاں ہیں۔

(۵۰) راسخؔ عظیم آبادی

حضرت حمیدؔ عظیم آبادی

راسخؔ کے علاوہ عشقؔ اور جوششؔ عظیم آبادی کی بھی وہی اہمیت ہے جو میرؔ، دردؔ اور سوزؔ دہلوی کی .... مولوی عبدالغفور نساخؔ مرحوم نے راسخؔ کو مرزا محمد علی فدوؔی کا شاگرد لکھا ہے، جو حضرت شاہ رکن الدین عشقؔ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند شاگرد تھے۔

(۵۱) گلستانِ ہزار رنگ — سیّد بہاء الدین

عِشق۔ رکن الدین۔ عرف شاہ گھسیٹا۔ مولد شاہ جہاں آباد۔ وطن عظیم آباد
میر کے ہم عصر تھے۔

تذکرہ نمبر ۱۰ (گلشنِ حیدری)، ۱۲ (عمدہ منتخبہ)، ۱۶ (دستور الفصاحت)،
۲۳ (گلشنِ ہمیشہ بہار)، ۲۶ (عروس الاذکار)، ۲۷ (طورِ کلیم) اور ۲۸
(بزمِ سخن) سے اقتباسات دورانِ طباعت حاصل ہوئے۔

باب دوئم

حیاتِ عشقؔ

(۱)

ناشاد جو گئے ہیں انھیں شاد کیجیو
یعنی کہ بعد مرگ ہمیں یاد کیجیو (عشقؔ)

شیخ رکن الدین نام، مرزا لقب اور عشقؔ تخلص تھا۔ عوام میں شاہ گھسیٹا کے نام سے مشہور تھے۔ رکن الدین عشقؔ کا خاندان نہایت ہی اعلیٰ و ارفع تھا۔ مذہبی تذکروں اور "یادگار عشق" میں لکھا ہے کہ ان کے والد شیخ محمد کریم فاروقی تھے۔ جن کا سلسلۂ نسب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا تھا۔ نسلی اعزاز اور خاندانی فضیلت عشقؔ کو ننہال کی جانب سے بھی حاصل تھی۔ دلّی کے مشہور و معروف صوفی شاہ محمد فرہاد ابوالعلائی ان کے نانا تھے۔ اس رشتہ کا ذکر مذہبی تذکرہ نگاروں کے علاوہ شعرائے ریختہ کے تذکرہ نگار ابوالحسنؔ، لطفؔ، قاسمؔ ذکاؔ، نساخؔ، بلخیؔ، کیفیؔ اور آسیؔ نے بھی کیا ہے۔ شاہ محمد فرہاد "سیدنا ابوالعلا جیسے عارف کامل" کے خلیفہ اور حضرت برہان الدین خدا نما جیسے "صاحبِ حال و قال" کے پیرو مرشد تھے۔ اسلاف کا یہی صوفیانہ رنگ اور عارفانہ مذاق عشقؔ کو بھی ورثہ میں ملا تھا۔

عشقؔ کا سنہ پیدائش مشتبہ ہے۔ اس امر میں تذکرہ نگاروں کے یہاں

اختلاف ہے۔ مصنف تذکرۃ الصالحین اور ثاقب عظیم آبادی نے سنہ ولادت ۱۱۰۳ھ اور عمر ایک سو سال بتائی ہے۔ بلخی تذکرۃ الصالحین اور رسالہ معارف پھلواری کے حوالے سے عمر ۶۶ سال لکھتے ہیں، حالانکہ تذکرۃ الصالحین کا حوالہ غلط ہے۔ مصنف کیفیت العارفین کا بیان ہے کہ سال ولادت ۱۱۳۷ھ اور عمر چھیاسٹھ سال ہے۔ اس اختلاف آرائی کی بنا پر عشق کے سنہ پیدائش کا قرین صحت اندازہ صرف واقعات کے پس منظر میں ممکن ہے۔

مجھے ۱۱۰۳ھ کے نظریہ سے مطلق اتفاق نہیں اور میرا یہ اختلاف اسباب ذیل پر مبنی ہے:۔

(۱) میر حسن کے تذکرے کا سنہ تالیف ۱۱۸۸ھ تا ۱۱۹۲ھ ہے۔ انھوں نے شعرائے ریختہ کو بہ اعتبار قدامت و کہنہ مشقی، تین جداگانہ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ عشق کو وہ "دور متاخرین" میں جگہ دیتے ہیں، حالانکہ سنہ ولادت ۱۱۰۳ھ کے حساب سے عشق کی عمر بوقت تالیف تذکرہ کم از کم ۸۵ سال ضرور ہوتی ہے۔ کہن سالی اور پختگی کلام کے لحاظ سے ان کا ذکر "دور متقدمین" یا "متوسطین" میں لازمی تھا۔ میر حسن جیسے مستند تذکرہ نگار سے ایسی بدیہی غلطی کا ارتکاب حیرت انگیز ہے۔ اس لیے قرینہ غالب ہے کہ تاریخ ولادت کا تعین غلط ہے۔

(۲) بلخی اور ثاقب عظیم آبادی کا بیان ہے کہ عشق نے مرشد آباد کا سفر کیا، خواجہ محمدی خاں رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ، ناظم صوبہ بہار و بنگال کی ملازمت میں داخل ہوئے اور ان کو "ہزار[1] سواروں کی

---

[1] یادگار عشق باب اول صفحہ ۲

افسری کا منصب ملا۔" یہ زمانہ مرزا علی لطف اور مقامی تذکرہ نگار علی ابراہیم خاں خلیل کے نزدیک عشق کے "ایام شباب" کا تھا۔ تاریخی حیثیت سے نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کی نظامت محض چار سال (۱۱۷۴ھ تا ۱۱۷۸ھ) قائم رہی۔ تذکروں کی روشنی میں اس مدت سے پہلے عشق کا کوئی تعلق مرشد آباد یا خواجہ محمدی خاں کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ سنہ ولادت اگر ۱۱۰۳ھ تسلیم کر لیا جائے تو نواب موصوف کے عہد نظامت میں عشق ۷۱ سال کے تھے۔ اس ضعیفی میں ایک ذمہ دار فوجی عہدہ پر فائز ہونے کا قطعی کوئی امکان نہیں۔ بفرض محال اگر یہ ممکن ہو بھی، تو تذکرہ نگاروں نے پیری کو "ایام شباب" کیسے سمجھ لیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ تاریخ ولادت صریحاً غلط ہے۔ یہاں اتنا بتا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ماضی کی سپاہیانہ کارگذاریوں کا حوالہ عشق کے ایک شعر میں بھی ہے۔ کلیات میں گرچہ ایسے اشعار کی شدید کمی ہے جو شاعر کے حالات زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوں، تاہم خال خال ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن سے تحقیقی گتھیوں کی گرہ کشائی ایک حد تک آسان معلوم ہوتی ہے۔ کہتے ہیں[1]؎

تھی ترک تازی اپنی بھی مشہور خاص و عام
گرتے ہی بحرِ عشق میں بے دست و پا ہوئے

"ترک تازی" کی اصطلاح میں جو رمزیت اور ایمائیت ہے اس سے عہد ماضی میں عشق کی پر شباب امنگوں، ان کی بے جگری اور دلیری کا ہلکا سا انکشاف ہوتا ہے۔

---

[1] کلیات عشق

(۳) کوئی فن کار اپنے عہد و ماحول سے قطعی بے نیاز ہو کر نہیں پنپ سکتا۔ فطری طور پر عشق نے بھی اپنے عہد کے تاثرات کو قبول کیا۔ ان کی ریختہ گوئی کا فنی اور لسانی ڈھانچہ سخنِ میرؔ، دردؔ اور سوداؔ کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس اتباعِ فن اور طرزِ نوا سنجی کی خوشہ چینیوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عشقؔ ان اساتذہ کے ہم عصر رہے ہوں گے۔ وہ اپنے معاصرین میں سے سوداؔ اور دردؔ کا ذکر انتہائی خلوص و محبت آمیز الفاظ میں کرتے ہیں ؎

کس[1] پاس پھروں عشقؔ لئے شعر کو اپنے
سوداؔ جو بڑا یار تھا سو دُور کہیں ہے

شیخ چاندؔ کے خیال میں سوداؔ کا سنہ ولادت ۱۱۱۵ھ اور ۱۱۱۸ھ کے درمیان ہے۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے میرؔ کی تاریخ ولادت "نوادر الکملا" کے حوالے سے ۱۱۳۵ھ متعین کی ہے۔ رام بابو سکسینہ مصنف "ہسٹری آف اُردو لٹریچر" دردؔ کا سال پیدائش ۱۱۳۳ھ لکھتے ہیں۔ ان ہمعصروں کی مناسبت سے میرا خیال ہے کہ عشقؔ کی تاریخ ولادت ۱۱۳۷ھ اور سِن چھیاسٹھ سال جو مصنف کیفیت العارفین نے متعین کیا ہے، قرینِ صحت اور معتبر ہے۔

ہر مقامی و غیر مقامی تذکرہ نگار نے عشقؔ کو شاہ جہان آبادی لکھا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان[2] کا وطن دہلی تھا۔ جائے پیدائش کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ بقول ناقبؔ "مولد اور منشا دہلی ہے۔ جو وطن مالوف بھی تھا۔" یا مصنف تذکرۃ الصالحین کے الفاظ میں "بعد[3] انتقال اپنے نانا بزرگوار کے اپنے ننہال میں

---

[1] کلیاتِ عشقؔ
[2] یادگارِ عشقؔ۔ باب اول۔ صفحہ ۱
[3] تذکرۃ الصالحین صفحہ ۲۴

پیدا ہوئے۔" عشق کا ننہال دلی تھا اس لئے ممکن ہے ان کی ولادت وہاں ہوئی ہو۔ پرورش وپرداخت والدین کے زیر سایہ ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے مرحلے بھی یہیں طے ہوئے۔ یہ تعلیم غالباً عربی، فارسی اور دینیات پر مبنی ہوگی، جو اہل یوما ہنے کے شرفا کا دستور تھا۔ "کلیات عشق" کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عشق زبان ریختہ کے ماہر تھے، عربی و فارسی میں خاصی لیاقت رکھتے تھے اور روحانیت کے رموز و نکات سے کماحقہ آشنا تھے۔ خوش قسمتی سے انھیں بڑے بڑے "عمائد روزگار"[1] کی صحبتیں نصیب ہوئیں اور مصنف کیفیت العارفین کی زبان میں "بعمر ہیجدہ سالگی از درس علوم ظاہر فراغ یافتہ"[2] لیکن مصنف تذکرۃ الکرام کو اس امر میں اختلاف ہے۔ ان کی روایت کے مطابق "بعد تکمیل علم باطن کے علم ظاہر کی تحصیل کی اور بڑے عالم ہوئے"[3] بہرحال دونوں روایتوں سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ عشق گنج علم و ادب اور متاع روحانی، دونوں سے مالا مال تھے۔

عشق کی تربیت باطنی اور مجاہدۂ نفس کے متعلق کئی بیانات ہیں۔ بقول مؤلف اخبار الاولیا اور مصنف تذکرۃ الصالحین انھوں نے سب سے پہلے مسلک "سرہندیہ" کی تعلیم حاصل کی۔ یہ سلسلہ مجدد الثانی حضرت سید احمد سرہندی سے منسوب ہے۔ بہ روایت ثاقب عظیم آبادی عشق نے عنفوان شباب میں گھر چھوڑ دیا اور ایک مرد کامل کی درس گاہ معرفت سے "طریقۂ زاہدیہ" کی تکمیل کی۔ میر حسن نے ان کو سلسلۂ "نقشبندیہ" کا حلقہ بگوش بتایا ہے۔ مذہبی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ طریقۂ "ابوالعلائیہ فرہادیہ" کی دینی تعلیم عشق کو ان کے روحانی رہبر مولانا برہان الدین

1۔ کیفیت العارفین صفحہ ۱۷۱
2۔ کیفیت العارفین۔ صفحہ ۱۷۱
3۔ تذکرۃ الکرام۔ صفحہ ۶۸۹

خدا نما سے ملی۔ مولانا موصوف نے ایک طویل مدت تک عشق کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھا اور نکات عرفانیت و مدارج سلوک کے حقائق و دقائق سے آگاہ کرتے رہے۔ بقول مصنفؒ حجت العارفین، عشق بارہ سال تک اس چشمۂ فیض و برکت سے سیراب ہوئے۔

آخر میں حضرت مخدوم منعم پاکؒ کے فیض عرفانی سے طریقۂ فردوسیہ کی بھی تکمیل کی۔ الغرض متعدد ارباب صوفیہ اور نفوس قدسیہ کے ہاتھوں عشق کی روحانی تعلیم مکمل ہوئی۔

ایام شباب میں وطن چھوڑا اور مرشد آباد پہنچے۔ اس ہجرت[1] کا سبب تذکروں سے واضح نہیں ہوتا۔ ممکن ہے بلخی کا قیاس درست ہو کہ "درانیوں کی غارت گری اور قتل عام کے بعد...... جس طرح اور بھی بہتیرے لوگ....... ادھر اُدھر نکل کھڑے ہوئے، یہ بھی دلّی سے نکل کر مرشد آباد پہنچے اور خواجہ محمدی خاں رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں عالی جاہ کی رفاقت اور ملازمت میں ہزار سواروں کی افسری کے منصب پر فائز ہوئے"۔ میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ سیاسی زوال، اقتصادی بدحالی اور ذریعۂ معاش کی تنگی نے عشق کو ہجرت پر مجبور کیا ہوگا۔ چنانچہ قسمت نے یاوری کی اور ملازمت مل گئی۔ میر حسن نے ان کو "نوکری پیشہ[2]" اور مصنف تذکرۃ الکرام نے "نوکری[3] پیشہ بوضع سپاہیوں کے" لکھا ہے۔ اس طرح خواجہ محمدی خاں کی سرپرستی میں زندگی کے دن اطمینان اور فارغ البالی سے گزرنے لگے۔ ان کی قدردانیوں نے عشق کو کبھی انتشار طبع اور

---

[1] تاریخ شعرائے بہار۔ صفحہ ۳۲ [2] تذکرہ میر حسن۔ صفحہ ۱۱۰ [3] تذکرۃ الکرام۔ صفحہ ۶۸۹

پریشانیٔ خاطر کا شکار نہ ہونے دیا۔ مصحفی کی زبان میں "بسیار بہ عزت وحرمت[1] بسر می برد" لیکن یہ رنگ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ نیرنگیٔ زمانہ اور غمِ دوراں نے کچھ کے ایک طرف تو دوسری جانب ماضی کے خالص صوفیانہ اثرات اور منفیانہ نظریۂ حیات نے عشقؔ کی طبیعت کو دنیاوی عیش وعشرت اور تن آسان طرزِ زندگی سے بالکل اچاٹ کر دیا۔ مرزا علی لطفؔ کے الفاظ میں "کچھ دنوں کے بعد یکایک طبیعت کا رنگ بدلا اور مزاج فقر و درویشی کی طرف آگیا ..... جو ان کے آبائے کرام کا وطیرۂ خاص تھا۔"[2] عشقؔ نے ملازمت ترک کی اور حضرت برہان الدین خدا نما کی زیارت کے لئے دیارِ وطن کی جانب چل پڑے۔ بقول مصنف کیفیت العارفین "از بنگالہ روانہ دیارِ مغرب گشتند"[3] اور دورانِ سفر میں عظیم آباد پہنچے۔ خواجہ محمدی خاں کے عزیزوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، بصد اصرار ٹھہرایا یہاں تک کہ خاطر و مدارات میں چھ مہینے گزر گئے اور "عمر شریف بہ بست و پنج سالگی رسید۔" میرے خیال میں مصنف کیفیت العارفین کا تخمینۂ عمر یہاں غلط ہے کیونکہ وہ خود ہی عشقؔ کی تاریخ ولادت ۱۱۳۷ھ اور عمر ۶۶ سال تجویز کرتے ہیں جو واقعات کی روشنی میں قابل قبول ہے اور حالات شاہد ہیں کہ نواب میر قاسم علی کے عہد نظامت (۱۱۷۴ھ۔۱۱۷۸ھ) سے پہلے عشقؔ کے عظیم آباد پہنچنے کا کوئی امکان نہیں۔ چنانچہ ان کا ورود اگر ۱۱۷۸ھ یا اس سے کچھ پہلے بھی ہوا ہوگا تو اس وقت عمر شریف تقریباً چالیس سال یا اس سے کچھ متجاوز ہوگی۔ پھر یہی کا کہنا ہے کہ پچیس[25] چھبیس[26] سال تک اس دیار میں ان کا فیض رہا۔ اس حساب سے عشقؔ کا سن تخمیناً چھیاسٹھ برس متعین ہوتا ہے۔

1۔ تذکرۂ ہندی۔ صفحہ ۱۵۲ 2۔ گلشن ہند۔ صفحہ ۱۷۶ 3۔ کیفیت العارفین۔ صفحہ ۱۷۲

اسی اثنا میں حضرت مخدوم منعم پاک، جو شاہ محمد فرہاد ابوالعلائی کے صحبت یافتہ تھے، عظیم آباد تشریف لائے اور بقول سید سلیمان ندوی[1] "تکیہ کی مسجد میں اپنا سجادہ بچھایا" عشق نے ان کے کمالات ظاہری و باطنی کا حال سنا تو بارگاہ خدمت میں حاضر ہوئے اور فیض روحانی حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بعد انھوں نے حضرت مخدوم منعم پاک پر اپنی دیرینہ تمناؤں کا اظہار کیا کہ وہ حضرت برہان الدین خدا نما کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو کر طریقۂ ابوالعلائیہ فرہادیہ میں بیعت و خلافت حاصل کرنا چاہتے ہیں، جس کی دینی تعلیم پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی۔ اس امر میں بھی ثاقب عظیم آبادی کے یہاں اختلاف ہے۔ ان کی روایت کے مطابق حصول بیعت و خلافت کا مرحلہ سفر مرشد آباد سے پہلے طے ہو چکا تھا۔ اور حضرت مخدوم منعم پاک سے عشق کی ملاقات اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا ان سے مشورہ کرنے یا اجازت لینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن کیفیت العارفین اور تذکرۃ الکرام میں معاملہ برعکس ہے۔ یہ کتابیں بزرگان دین کا تذکرہ ہونے کی حیثیت سے زیادہ مستند ہیں اس لئے واقعات کی تفصیل کے لئے میں نے زیادہ تر ان ہی تصانیف سے مراجعت کی ہے۔

چنانچہ مخدوم منعم پاک کی ایما سے عشق قصبہ خالص پور، متصل لکھنؤ، جہاں حضرت برہان الدین خدا نما ان دنوں قیام پذیر تھے، پہنچے اور فاتحہ بیعت سے فارغ ہوئے۔ مصنف تذکرۃ الکرام کا بیان ہے کہ یہ فریضہ دہلی میں ادا ہوا۔ حصول بیعت کے بعد تقریباً چھ ماہ تک عشق اپنے پیر و مرشد کے زیر سایہ تزکیۂ نفس و تصفیہ قلب میں منہمک رہے۔ جب حضرت برہان الدین نے انھیں ہر طرح

---

[1] یادگار عشق۔ مقدمہ صفحہ ۱۶

"کامل و مکمل" پایا تو سلسلۂ ابوالعلائیہ فرہادیہ میں بیعت و خلافت کی اجازت عطا کی۔ چنانچہ اس خانوادہ کی تبلیغ و توسیع کا عظیم الشان "مشن" لے کر حضرت برہان الدین خدا نما کی ایما سے عشق عظیم آباد لوٹے۔ ثاقب نے لکھا ہے کہ بقول مصنف کیفیت العارفین "یہ واقعہ [1] ۱۱۶۲ھ کا ہے"۔ میرے خیال میں کیفیت العارفین کا حوالہ اور تاریخ ورود کا تعین دونوں غلط ہے۔ یہ واقعہ تو ۱۱۷۴ھ سے پہلے کا ہو ہی نہیں سکتا اور تصنیف مذکورہ میں ایسی کوئی روایت مجھے نہیں ملی۔

الغرض مخدوم منعم پاک نے تکیہ کی مسجد جس میں وہ پہلے سے متمکن تھے، عشق کے قیام پذیر ہونے کے لئے چھوڑ دی اور خود مُلّا متھن کی مسجد میں تشریف لے گئے جو خانقاہ "تکیہ عشق" سے تھوڑی دور پر واقع ہے۔ عشق نے مخدوم منعم پاک کی قربت سے پورا فائدہ اٹھایا۔ شب و روز ان کی خدمت میں حاضر اور ریاضت و مجاہدہ میں منہمک رہنے لگے۔ "طریقہ فردوسیہ" کی تعلیم اور خلافت بھی عشق کو مخدوم منعم پاک کے حضور سے ملی۔ جب تصوفانہ حقائق و معارف اور مراتب "حال و قال" سے پوری طرح آشنا ہو گئے تو مسند مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ ارشاد و ہدایت کا بازار گرم ہوا۔ مرزا علی لطف کے الفاظ میں "نہایت [2] زور و شور کے ساتھ مشیخت پناہی کی اور معتقدوں کے ہجوم سے عالم درویشی میں شاہی کی"۔

تکیہ کی مسجد میں فقر و تصوف کا سجادہ قائم ہوتے ہی عشق کی ہمہ گیر شخصیت نے ایک عالم کو اپنی طرف کھینچا۔ بادۂ الست کے متوالے جوق در جوق ان کے میخانہ

---

[1] یادگار عشق۔ باب اول۔ صفحہ ۴ [2] گلشن ہند۔ صفحہ ۱۷۶

فیض تک پہنچنے اور مئے معرفت کی لذت سے شادکام ہو کر لوٹنے لگے۔ خدا کی بے شمار مخلوق، بلا تمیز مذہب و ملت عشق کے آستانۂ مبارک پر حاضر ہوتی اور نذر عقیدت پیش کرتی۔ حلقۂ ارادت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ عام لوگوں کے ماسوا بڑے بڑے شرفا، عمایدِ روزگار اور شاہی منصب داران کے حلقہ بگوش تھے۔ عشقی نے لکھا ہے کہ "اکثرے[1] از رؤسائے این دیار سلسلہ ارادت مستحکم ساختہ شرف اندوز صحبتش می گردیدند و بہ خدمت گذاریش اقدام می ورزیدند۔" نواب، رئیس، امیر، فقیر، غریب، آقا اور خادم یکساں طور پر عشق کی ذات بابرکات سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ علی ابراہیم خاں خلیل کے الفاظ میں "آں صاحب حال بارشاد و طالبان اشتغال دارد، وخودرا از عشق حقیقی و مجازی خالی نمی گذارد از ہجوم معتقداں بہ عالم درویشی شاہی می کند۔"

دائرۂ رشد و ہدایت کی توسیع وارباب عقیدت کی روحانی تربیت کے ایک کشادہ خانقاہ کی ضرورت پیش آئی۔ بہ روایت ثاقب عظیم آبادی تکیہ کی مسجد سے اُتر جانب، لبِ دریا کسی نواب کا مکان تھا۔ وہ مکان اچانک نیلام پر چڑھ گیا۔ نواب احمد علی خاں صوبہ دار نے جو عشق سے عقیدت رکھتے تھے، اس مکان کو خریدا اور ان کی خدمت میں نذر کر دیا۔ عشق تکیہ کی مسجد سے اسی مکان میں چلے آئے۔ پھر دریا کے کنارے ایک کشادہ خانقاہ تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مصنف کیفیت العارفین نے لکھا ہے کہ ایک دن جبکہ خانقاہ کے اخراجات کے لئے چند سکوں کے سوا کچھ نہ تھا، عشق نے فضل ایزدی پر تکیہ کر کے بعد نماز ظہر خود اپنے ہاتھوں سے نئی خانقاہ کی اساس کھودنا شروع

---

[1] تذکرۂ عشقی۔ صفحہ ۵۷

کیا۔ خدام و مریدین نے جب یہ حال دیکھا تو معاونت کے لئے دوڑے۔ بعد نماز عصر بھی یہ شغل جاری رہا۔ اسی دن شب کو، جبکہ حسب دستور درس و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا، نواب احمد علی خاں صاحب چند ہزار روپے بطور نذر لے کر حاضر ہوئے۔ دوسرے دن سے تعمیر خانقاہ کا کام بڑی سرگرمی کے ساتھ شروع ہوا۔ نگر عشق حسب سابق مزدوروں کے ساتھ کام کرتے تھے۔ تھوڑی ہی مدت میں ایک خوش قطع، عالیشان بارہ دری لب دریا تیار ہوگئی، جس کا نام "تکیہ عشق" رکھا گیا۔ مالی امداد کے معاملے میں ثاقب عظیم آبادی کا بیان فرق ہے۔ بقول ان کے "دوسرے[1] دن کوئی راجہ آیا۔ آپ کی دعا نے اس کا کام کر دیا اور اس کے انتظام سے آپ کی خانقاہ تعمیر کرادی"۔ اس سلسلے میں ابوالحسن کا بیان بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ لکھتے ہیں "اشرف خاں فوجدار سرکار سارن کہ از متعلقات آں بلدہ است، در خدمت وے ارادتے خاص بہم رسانید۔ پس بدولت او شہرہ کمالش از یکے بہ ہزار رسیدہ، خان مذکور مبلغ خطیر خرچ کردہ، مکانے رفیع الشان کہ شایان شان پادشاہان باشد، برلب دریا تیار کردہ دادہ و اورا از انواع فرش و پردہ ہا مزین ساختہ، در ہر سال نذور کثیر جہت خرچ خدام وے مقرر نمودہ، بعد وفات وے پسرش احمد علی خاں نیز بر وظیفہ پدری رود"۔

مصنف کیفیت العارفین، ثاقب عظیم آبادی اور ابوالحسن کی روایتوں میں جو اختلاف کارفرما ہے وہ نہایت ہی لطیف اور دلچسپ ہے۔ اول الذکر کے مطابق خانقاہ 'پسر' نے بنوائی، آخر الذکر کے بیان سے 'پدر' نے اور ثاقب عظیم آبادی کے تخیل میں 'کوئی راجہ' تھا جس نے مدد فرمائی۔ ممکن ہے یہ راجہ خود

---

[1] یادگار عشق۔ باب اول۔ صفحہ ۷

اشرف علی خاں نوجدار سارن ہوں جنھوں نے بیٹے کے توسل سے اس کارِ خیر میں ہاتھ بٹایا۔ اس لئے ابوالحسنؔ کی روایت معتبر معلوم ہوتی ہے۔

امتداد زمانہ اور حوادث روزگار نے جب اس عمارت کو مٹا ڈالا تو بقول مصنف کیفیت العارفین عشقؔ کے نواسہ حضرت خواجہ لطف علی علیہ الرحمت نے بنیاد سابق پر اسی وضع قطع کی ایک نئی عمارت تعمیر کرائی جو اب تک موجود ہے۔ ثاقبؔ نے بھی پرانی عمارت کے منہدم ہونے اور نئی عمارت تیار ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن بنانے والے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

عشقؔ نے اپنی حیات میں اہل تصوف کے آداب خانقاہی کا پورا لحاظ رکھا۔ یارانِ طریقت کے روحانی تعلیم و تربیت، ریاضت و مجاہدہ اور ذکر و فکر کے ماسوا وہ برابر مولانا جلال الدین کی مثنوی معنوی کا درس فرمایا کرتے تھے۔ اس مجلس میں شہر کے علما، صلحا اور مشائخ کے علاوہ بڑے بڑے عمائد اور اصحابِ ذی اقتدار کا مجمع ہوتا تھا۔ بزرگوں کا عرس بڑی پابندی کے ساتھ کرتے تھے۔ قلب میں رقّت اور سوز و گداز کا رنگ پیدا کرنے کے لئے ہر ماہ محفلِ سماع منعقد ہوتی تھی۔ عشقؔ کی ان محافلِ متبرکہ کا ذکر مذہبی تذکرہ نگاروں کے علاوہ ثاقبؔ عظیم آبادی اور ابوالحسنؔ نے بھی کیا ہے۔

عشقؔ کے آستانۂ عالیہ پر صرف اہل عظیم آباد ہی نے نہیں بلکہ ہندوستان کے بڑے بڑے باجبروت مسلم و غیر مسلم حضرات نے سر عقیدت خم کیا ہے اور ان کی خاک پا کو سرمۂ چشم بنایا ہے۔ بقول ثاقبؔ عظیم آبادی[1] "عہد ماضی میں مسماۃ بیجابائی اور مہاراجہ دولت راؤ مہاراج بنارس نے بھی فیض اٹھایا اور اب بھی نواب ڈھاکہ اور

---

[1] یادگارِ عشقؔ۔ باب اول۔ صفحہ ۱۶

بہتیرے شرفا اور عمائد اس آستانے کی خدمت کا شرف رکھتے ہیں۔"

عشقؔ کے کردار کی جامع تصویر دراصل کسی تذکرہ نگار نے نہیں پیش کی۔ ان کے اوصاف ظاہری و باطنی کے منتشر عناصر اکثر مذہبی اور ریختہ گو شعرا کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ ان عناصر کو جوڑنے سے عشقؔ کی شخصیت و کردار کا ایک ہلکا سا خاکہ تیار ہو سکتا ہے۔ ثاقبؔ عظیم آبادی نے ان کو "اخلاق حسنہ کا گنجینہ" کہا ہے۔ ایک دینی پیشوا کے لئے صاحب خلق ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ لوگ کثیر تعداد میں اس کی طرف رجوع کریں۔ عشقؔ کی وسیع المشربی اور ان کے حلقۂ ارادت کی وسعت ثاقبؔ کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے۔ تعمیر خانقاہ کے زمانے میں بقول مصنف کیفیت العارفین اور ثاقبؔ عظیم آبادی عشقؔ مزدوروں کے دوش بدوش کام کرتے تھے۔ یہ ان کی سادگی، منکسرالمزاجی، انسانی ہمدردی، مساوات پرستی اور اولوالعزمی کی بہترین مثال ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ عشقؔ کا یہ فعل اتباع سنت رسولؐ کا مظہر ہے۔ میر حسنؔ، تلخیؔ اور ثاقبؔ نے عشقؔ کے ترک ملازمت کا اور لطفؔ نے دنیاوی جاہ پسندی سے تنفر کا ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ عشقؔ کے زہد و تقویٰ کی دلیل ہے۔ ایک زاہد اور متقی انسان امارت پرستی و دنیا طلبی کا اسیر نہیں ہو سکتا۔ تعمیر خانقاہ کا منصوبہ، جس کا حوالہ بزرگوں کے تذکروں کے علاوہ ثاقبؔ عظیم آبادی کی تصنیف میں بھی ہے، عشقؔ کی غربا پروری، مسکین نوازی، علم دوستی اور فراخ دلی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ارباب تصوف کی خانقاہیں ہمیشہ سے روحانی درسگاہ کے علاوہ غریبوں، بےکسوں اور مجبوروں کا ملجا و ماویٰ رہی ہیں۔

فقر و استغنا کے بغیر کوئی صوفی مرد کامل نہیں ہو سکتا۔ تربیت نفس اور ورزش اخلاقی کا اولین زینہ یہی ہے۔ بقول مصنف کیفیت العارفین عشقؔ میں یہ خوبی بدرجۂ اتم

موجود تھی۔ ذات باری کے سوا ان کو کسی کی محتاجی نہ تھی۔ صداقت و حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ اربابِ دول اور اہلِ ثروت کی شان میں کبھی قصیدہ نہ کہا۔ عشقؔ کا ضخیم کلیات اس صنف شاعری سے قطعی مبرّا ہے۔ ان کے مشرب میں قابل مدح وستائش صرف ایک ہی ہستی تھی — "تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا"

انداز بے نیازی دیکھئے کہ کسی کی دولت و امارت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے۔ اور نہ ماسوا اللہ کسی کے آگے جھکے۔ ان کی شان موحدانہ اقبال کے اس شعر کا مصداق تھی ؎

وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

عشقؔ کے اوصاف ذاتی کا ذکر ابوالحسنؔ کے الفاظ میں سنئے "چوں او را حق تعالیٰ از ضروریات دنیوی مستغنی و بے نیاز ساختہ، از ابنائے روزگار کمال نخوت و بے نیازی می کند و اوقات عزیز را در عبادت و تربیت فقرا صرف می نماید و ہولئے عشقِ خدا پرستی و حق شناسی در دسر دارد، غرض از مغتنمات روزگار است" گویا عشقؔ میں ایک عارف کامل کی تمام علامتیں موجود تھیں۔

عشقؔ سنی المشرب تھے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور شہدائے کربلا سے کمال عقیدت رکھتے تھے۔ مولا مشکل کشا علیؓ کے جلال و جمال اور کشف و کرامات کا حوالہ جا بجا کلیات عشقؔ میں ملتا ہے۔ ایک طویل مثنوی "در حکایت شنار" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف و توصیف اور ان کی بزرگی و فضیلت کے بیان میں لکھی گئی ہے۔

عشقؔ کی خانگی زندگی کے حالات ایک حد تک تاریکی میں ہیں۔ تاہم مصنف کیفیت العارفین نے ان کے اہل و عیال کے متعلق جو تفصیل پیش کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ عشقؔ نے دو شادیاں کیں۔ زوجہ اول خواجہ محمدی خاں مرحوم کے کسی عزیزہ کی خادمہ تھیں جن کو اپنی زوجیت میں لے کر عشقؔ نے گویا ذرّے کو آفتاب بنایا۔ زوجہ دوئم ان کے پیرو مرشد، حضرت برہان الدین خدانما کی بڑی صاحبزادی تھیں، جن کے بطن سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔ چھوٹے صاحبزادے، شاہ محمد حسین علیہ الرحمت عشقؔ کی وفات کے بعد تیرہ سال کی عمر میں قضا کر گئے۔ بڑے صاحبزادے، شاہ احمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت کم سن تھے۔ بڑے ہوئے پر ان کی روحانی تعلیم و تربیت عشقؔ کے خلیفہ شاہ ابوالبرکات رح کے ہاتھوں ہوئی اور آپ اپنے والد کے جانشین و خلیفہ ہوئے۔ ثاقبؔ عظیم آبادی کے یہاں اس امر میں اختلاف ہے۔ ان کی روایت ہے کہ عشقؔ کی وصیت کے مطابق چھوٹے صاحبزادے شاہ محمد حسین سن شعور کو پہنچ کر اپنے والد کے جانشین و خلیفہ ہوئے۔ حالانکہ "تذکرۃ الصالحین"، تذکرۃ الکرام اور کیفیت العارفین جیسی مستند تصانیف میں شاہ احمد حسین کو عشقؔ کا جانشین اور خلیفہ بتایا گیا ہے نیز کیفیت العارفین میں چھوٹے صاحبزادے کے فوت ہو جانے کا ذکر ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ثاقبؔ جیسے مقامی بزرگ ایسی شدید غلطی کے مرتکب کیسے ہوئے۔ ممکن ہے کتابت کی غلطی ہو۔ صاحبزادی صاحبہ خواجہ محمد محسن صاحب علیہ الرحمت سے منسوب تھیں۔ ان کے بطن سے خواجہ لطف علی علیہ الرحمت پیدا ہوئے جنھوں نے خانقاہ کی نئی عمارت بنیاد سابق کے مطابق تعمیر کروائی۔

زوجہ اول سے صرف ایک اولاد نرینہ موسوم بہ سائیں جی ہوئی تھی جو عشقؔ کے حیات میں فوت ہو گئی۔

یہ مسئلہ ہنوز زیر بحث ہے کہ عشق کے استاد کون تھے۔ اس سلسلے میں سب سے پر لطف اور دل چسپ روایت حضرت شاد عظیم آبادی کی ہے۔[1] کہتے ہیں:"بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ میر تقی میر دہلوی کے شاگرد تھے، مگر میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا کہ شیخ غلام علی راسخ کے شاگرد تھے۔ ممکن ہے دونوں سے اصلاح لی ہو۔" تقریباً اڑتالیس[۴۸] مقامی و غیر مقامی تذکروں کی ورق گردانی کے باوجود عشق کا رشتۂ تلمذ میر کے ساتھ ثابت نہ ہو سکا۔ رہا معاملہ راسخ کا، تو وہ صریحاً غلط اور نا قابل قبول ہے۔ راسخ کی تاریخ ولادت ۱۱۶۲ھ ہے اور انھیں عشق کے شاگرد رشید مرزا فدوی سے تلمذ تھا۔ ظاہر ہے کہ عشق جیسا مسلّم الثبوت اور صاحب دیوان شاعر جس کے شاگرد مرزا فدوی کی قادر الکلامی کو زمانہ تسلیم کر چکا تھا، راسخ جیسے کم سن اور نو آموز شاعر کے آگے زانوے ادب کیسے تہ کر سکتا تھا؟ یہ دائرۂ قیاس سے باہر کی بات ہے۔ اب دونوں سے اصلاح لینے کی بابت کیا کہا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ 'یک نہ شد دو شد'۔

بقول ثاقب عظیم آبادی، بعض لوگوں نے عشق کو مرزا مظہر جان جاناں اور شاہ فرحت اللہ فرحت کا شاگرد بتایا ہے۔ تذکروں کی روشنی میں یہ روایتیں بھی غلط ہیں۔ عشق دراصل ان شاعروں میں سے تھے جو اپنے گلستانِ فکر کی چمن بندی خود کر لیا کرتے ہیں اور کسی باغبان کے مرہون منت نہیں ہوتے۔ بقول ثاقب وہ "خود اپنی خوش گوئی اور خوش فکری سے مسلّم الثبوت ہوئے" اور بلخی کے الفاظ میں "شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے۔"

جملہ تصانیف میں سات سو صفحات پر مشتمل ایک اُردو کا کلیات، ایک دیوان

---

[1] حیات فریاد، صفحہ ۷۵

فارسی کا اور چند قلمی رسالے جو تصوف پر لکھے گئے ہیں، عشق کی یادگار ہیں۔ ان میں سے ایک متصوفانہ رسالہ موسوم بہ 'امواج البحار' کی نقل میں نے دیکھی ہے۔ یہ جناب حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی، ابوالعلائی، سجادہ نشین خانقاہ فتوحہ کی ملک ہے۔ باقی اور چیزیں سوائے کلیات کے نایاب ہیں۔

ثاقب اور خلیل کے سوا تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے عشق کا سنہ وفات ۱۲۰۳ھ تسلیم کیا ہے۔ ثاقب اور خلیل ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں۔ عشق کی وفات کوئی معمولی سانحہ نہ تھا جو آسانی سے فراموش کر دیا جاتا۔ معتقدوں اور ارادت مندوں کے ہجوم کے ساتھ ایک عالم اس غم میں شریک تھا۔ ہمعصروں اور شاگردوں نے تاریخیں کہیں۔ ان کے ہمدم و ہم نشیں شاگرد مرزا فدوی نے قطعۂ تاریخ لکھا جس سے سنہ وصال ۱۲۰۳ھ متعین ہوتا ہے:

شور واویلا فتاد اندر جہاں
چوں اجل آمد سرِ بالین عشق
گفت فدوی سال تاریخِ وفات
ہادیٔ ما شاہ رکن الدین عشق

۱۲۰۳ھ

بقول مصنف کیفیت العارفین، وصال سے چند ماہ قبل عشق مرضِ استسقا میں مبتلا تھے۔ ساتویں جمادی الاول روز یک شنبہ بعد نماز عصر اچانک پائے مبارک میں لغزش ہوئی اور جسم مبارک زمین پر آگیا۔ حکماء نے عارضہ سکتہ تجویز کیا۔ وصیت کے مطابق تکیہ کا وہ حجرہ جس میں عشق ریاضت و مجاہدہ میں منہمک رہتے تھے، ان کا ابدی آرام گاہ بنا۔ عشق کا مرقد مبارک آج بھی

مرجع خاص وعام ہے اور خدا کی صدہا مخلوق اب تک ان کی ذات بابرکات سے فیض روحانی حاصل کر رہی ہے ؎

ہوا لبریز پیمانہ ہمارا
سلامت رکھے حق اس انجمن کو

عشق

نسخۂ زندگی تمام ہوا
رہ گیا عشق کا سبق باقی
عشق

خانوادۂ عشق

(۲)

حضرت رکن الدین عشق نے یوں تو کئی خانوادوں سے اکتساب فیض کیا، مگر سلسلۂ ابوالعلائیہ فرہادیہ چونکہ ان کا خاندانی و موروثی سلسلہ تھا اس لئے اس سے خاص لگاؤ رکھتے تھے اور اس کی ترویج و اشاعت اپنا نصب العین سمجھتے تھے۔ اسی نقطۂ نظر سے انھوں نے محلہ بخشی گھاٹ پٹنہ سیٹی میں 'تکیہ عشق' کی بنا ڈالی جو صوبہ بہار میں طریقہ ابوالعلائیہ کی پہلی خانقاہ ہے اور اس لحاظ سے روحانی درسگاہوں میں تاریخی اہمیت کی مستحق ہے۔

حیات عشق کا جائزہ ان کے سلسلۂ تصوف کی توضیح و تشریح کے بغیر نامکمل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ طریقۂ ابوالعلائیہ سے منسوب بزرگوں پر مذہبی تذکروں کے حوالے سے کچھ روشنی ڈالی جائے۔

ابوالعلائی طریقہ کے بانی اور شارح سیدنا امیر ابوالعلا قدس سرہٗ تھے جنھوں نے دینی تعلیم کا ایک آسان اور مختصر سا نصاب طریقۂ ابوالعلائیہ کے لئے مرتب کیا تھا۔ یہ نصاب مسلک نقشبندیہ سے ماخوذ ہے اور اس کی اساس و بنیاد جذبۂ عشق و توحید پر رکھی گئی ہے۔

سیدنا امیر ابوالعلا کے دادا امیر عبدالسلام رحمت اللہ علیہ جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ سمرقند سے ہندوستان تشریف لائے اور فتح پور سکری میں اقامت پذیر ہوئے۔ امیر ابوالعلا، جن کا سلسلۂ نسب دادیہال کی جانب سے حسینی سید اور نانیہال کی طرف سے احراری خواجہ تھا، دہلی کے نزیلہ نامی ایک قصبہ میں ۹۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ چونکہ وہ یتیم تھے اس لئے ان کی تعلیم و تربیت ان کے نانا خواجہ فیقی کے زیر سایہ ہوئی۔ خواجہ فیقی راجہ مان سنگھ کے عہد میں ناظم بنگالہ تھے۔ وہ کسی معرکہ میں شہید ہوئے اور ان کی جگہ پر مان سنگھ نے سیدنا ابوالعلا کو مقرر کیا مگر کسی الہامی جذبہ کے تحت انھوں نے امارت دنیا ترک کی اور طریقۂ درویشی اختیار کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی رح کے مزار پر ایک زمانے تک معتکف رہے۔ اس طرح انھوں نے بلا واسطہ فیض چشتیہ حاصل کیا۔ ان کے چچا امیر عبداللہ قدس سرہٗ اکبر آباد میں خانقاہ نقشبندیہ کے سجادہ نشیں تھے۔ امیر ابوالعلا نے ان کی صحبت میں طریقۂ نقشبندیہ کی دینی تعلیم اور اس کے مدارج سلوک کی تکمیل کی۔ حصول معرفت کے بعد بیعت اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ چچا کی وفات کے بعد وہ مسند مشیخت پر بیٹھے۔ کہا جاتا ہے کہ بڑے کامل اور صاحب حال و قال تھے۔ اکثر تصرفات بھی ان کی ذات سے منسوب ہیں۔ وہ اپنے وقت کے شیخ عبدالقادر جیلانی اور خواجہ معین الدین چشتی مانے جاتے تھے۔ انھوں نے بتاریخ ۹ صفر ۱۰۶۱ھ انتقال فرمایا۔ سیدنا ابوالعلا کی شادی میر عبداللہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کے دو بیٹے امیر فیض العلا اور امیر نورالعلا بڑے بزرگ کامل اور اپنے والد کے خلفاء و جانشیں گزرے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت سید دوست محمد رحمت اللہ علیہ بھی ان کے ممتاز خلیفہ تھے۔

سید دوست محمد رحمت اللہ علیہ صوبہ برہان پور، دکن کے اطراف میں پیدا ہوئے۔ ان کی درسی تعلیم دہلی میں ہوئی۔ اس کے بعد تلاش حق کا سودا سر میں سمایا۔ مرشد کامل کی تلاش میں بنگالہ کی سیر کی مگر نہال آرزو سیراب نہ ہوا۔ سیدنا ابوالعلا کی فیض بخشی کا شہرہ سُن کر اکبرآباد پہنچے۔ امیر ابوالعلا کی توجہ عینی سے ایک دن میں سید دوست محمد رحمت اللہ علیہ کا دل روشن ہوگیا۔ دوسرے دن انھوں نے امیر ابوالعلا سے بیعت کی اور پیر کی جانب سے برہان پور میں خلافت کی اجازت ملی۔ ایک سال بعد وطن لوٹے اور طالبانِ حق کی رہنمائی کرنے لگے۔ حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا۔ سید دوست محمد قدس سرہٗ نے ۱۰۹۰ھ میں انتقال فرمایا۔ ثاقب عظیم آبادی نے سنہ وفات ۱۰۹۰ھ لکھا ہے۔ ہندی زبان کے اچھے شاعر تھے۔ ایک صوفیانہ مثنوی "پیتم کہانی" اور ملفوظات یعنی مکتوبات سیدنا ابوالعلا ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ حضرت دوست محمد قدس سرہٗ کے خلفاء میں مسافر شاہ، محمود شاہ اور حضرت شاہ فرہاد بہت ہی مشہور و معروف گزرے ہیں۔

حضرت شاہ فرہاد ایک امیر کبیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد صوبہ برہان پور دکن میں کسی معزز عہدہ پر مامور تھے۔ وہ اکثر اپنے بچے شاہ فرہاد کے ساتھ حضرت دوست محمد قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت دوست محمد قدس سرہٗ کی روحانیت نے بچپن سے حضرت شاہ فرہاد کو متاثر کیا اور وہ برابر ان کی صحبت میں رہنے لگے۔ جب ان کے والد کا تبادلہ ہوگیا اور وہ صوبہ دار ہو کر دکن سے دہلی جانے لگے اس وقت بھی حضرت شاہ فرہاد اپنے پیر سے کنارہ کشی پر تیار نہ ہوئے۔ سنِ شعور کو پہنچے تو بیعت و خلافت کی اجازت حضرت دوست محمد کے حضور سے ملی۔ اپنے پیر و مرشد

کی وفات کے بعد حضرت شاہ فرہادؒ دہلی تشریف لائے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ وہ بڑے کامل اور صاحبِ جذب و حال تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بیخودی و ربودگی کا یہ عالم تھا کہ اکل و شرب تک کا ہوش نہ رہتا تھا۔ ان کے تصرفات بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک لڑکے اور ایک لڑکی (جو حضرت شاہ رکن الدین عشقؒ کی والدہ ماجدہ تھیں) کے سوا کوئی دوسری اولاد نہ تھی۔ حضرت شاہ فرہادؒ کے دو ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ ایک حضرت امیر اسد اللہ قدس سرہٗ اور دوسرے حضرت برہان الدین خدا نما۔ شاہ فرہاد نے ۵ رجمادی الاول کو ۱۱۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار شریف دہلی میں ہے۔

حضرت امیر اسد اللہ قدس سرہٗ ایام جوانی میں شاہی ملازم تھے اور طریقت کے کاموں کو نہایت ہی پوشیدہ طور پر انجام دیتے تھے۔ جب ان کی بزرگی کا راز فاش ہوا تو بادشاہ نے ان کے منصب میں اضافہ کر دیا اور ان سے کام لینا بھی چھوڑ دیا مگر اصول درویشی کے مطابق انھوں نے ملازمت ترک کی اور شب و روز عبادت الٰہی میں غرق رہنے لگے۔ میر اسد اللہ کی نسبت استغراقیہ تھی۔ اس لئے جو ان کے قریب رہتا اس پر بیخودی اور بدحواسی کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ حضرت شاہ فرہادؒ کی وفات کے بعد دہلی میں مسند مشیخت پر بیٹھے اور صدہا طالبان حق کی رہنمائی کی۔ ان کے رشد و ہدایت کا زمانہ نہایت ہی مختصر رہا۔ ۲۵ رجمادی الثانی کو ۱۱۴۵ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار شریف دہلی میں ہے۔

امیر اسد اللہ قدس سرہٗ کی وفات کے بعد حضرت برہان الدین خدا نما دہلی میں مسند ارشاد پر بیٹھے۔ مصنف تذکرۃ الکرام نے لکھا ہے کہ بقول حضرت رکن الدین عشقؒ حضرت برہان الدین کا مولد پوربی ہند کا گوپامئو نامی ایک قصبہ ہے۔ نشو و نما اور دنیاوی تعلیم و تربیت شاہ جہاں آباد میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچے تو حضرت شاہ فرہاد

کے حلقۂ ارادت میں بیٹھے۔ ان کے فیض صحبت سے حضرت برہان الدین خدا نما کی باطنی تعلیم مکمل ہوئی۔ مدارج سلوک طے کر کے بڑے کامل بزرگ ہوئے۔ حضرت رکن الدین عشق کو ان کی ذات سے انتہائی فیض پہنچا۔ ان کے زیر تربیت حضرت عشق نے طریقۂ ابوالعلائیہ فرہادیہ کی دینی تعلیم حاصل کی۔ حضرت برہان الدین کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا۔ ان کے خلفاء دکھن، پورب اور پنجاب میں زمانۂ دراز تک فیض بخش رہے۔ ان خلفاء میں دو بہت ہی ممتاز ہیں۔ شاہ عزت اللہ قدس سرہٗ اور حضرت شیخ رکن الدین عشق۔ بقول مصنف کیفیت العارفین حضرت برہان الدین خدا نما کا سنۂ ولادت ۱۰۹۹ھ اور سنۂ وفات ۱۱۸۹ھ ہے۔

اس ضمن میں حضرت مخدوم منعم پاک کا تذکرہ لازمی ہے جو حضرت شاہ فرہاد کے فیض یافتہ اور حضرت عشق کے فیض رساں تھے۔ بقول مصنف تذکرۃ الکرام وہ نواحی پٹنہ کے باشندہ تھے۔ ناقب نے انھیں شیخ پورہ ضلع مونگیر کے ایک قریہ پچنا کا باشندہ لکھا ہے۔ مخدوم منعم پاک کو اول بیعت و خلافت طریقۂ قادریہ میں حضرت شاہ خلیل بہاری قدس سرہٗ سے تھی۔ وہ بڑے حوصلہ مند اور عالی ظرف انسان تھے، اس لئے دوسرے طریق سے بھی فیضیابی کا شوق ہوا۔ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شاہ فرہاد کے حلقہ بگوش ہوئے۔ شاہ فرہاد کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ رشید امیر اسد اللہ قدس سرہٗ کی صحبت میں طریقۂ ابوالعلائیہ فرہادیہ کی روحانی تعلیم اور اجازت خلافت حاصل کی۔ امیر اسد اللہ کی وفات کے بعد دہلی کی جامع مسجد سے ملحقہ مدرسے میں مسند ارشاد پر بیٹھے اور پچاس سال تک رشد و ہدایت میں منہمک رہے۔ آخر کار عظیم آباد تشریف لائے اور تکیہ کی مسجد میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت عشق نے پہلے پہل ان کی زیارت اسی مسجد میں کی۔ بعدہٗ مخدوم منعم پاک کے فیض

صحبت سے طریقۂ فردوسیہ کی تعلیم اور خلافت حضرت عشقؔ کو ملی۔ مخدوم منعم پاک، بڑے کامل بزرگ اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ بڑے بڑے تصرفات ان سے منسوب ہیں۔ وہ تمام عمر مجرد رہے۔ یادِ الٰہی کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ بقیہ عمر عظیم آباد میں تمام ہوئی۔ تاریخ وفات ۱۱۸۵ھ ہے۔ مزار شریف "تکیۂ عشقؔ" میں ہے۔ ایک کتاب ملہمات منعمی ان کی یادگار ہے۔ ان کے خلفاء میں مخدوم شاہ حسن علی عظیم آبادی، حضرت مولانا حسن رضا متوطن رائے پورہ ضلع پٹنہ، صوفی شاہ محمد دائم ڈھاکہ اور حضرت رکن الدین عشقؔ نہایت مشہور و معروف ہوئے۔

بقول مصنف کیفیت العارفین حضرت رکن الدین عشقؔ کے آٹھ خلفاء ہوئے جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت خواجہ ابوالبرکات قدس سرہٗ جو خلیفۂ رشید تھے اور حضرت عشقؔ کی وفات کے بعد مسند مشیخت پر بیٹھے۔

۲۔ حضرت شاہ دانش علی قدس سرہٗ

۳۔ حضرت شاہ عبدالرحمٰن شیر گھاٹی قدس سرہٗ

۴۔ حضرت شاہ علی محمد بنارسی قدس سرہٗ

۵۔ حضرت شاہ نصر اللہ بنارسی قدس سرہٗ

۶۔ حضرت شاہ علی احمد سیوانی قدس سرہٗ

۷۔ حضرت شاہ پیر محمد قدس سرہٗ

۸۔ حضرت میر عسکر علی قدس سرہٗ

ان خلفاء میں خواجہ ابوالبرکات اور حضرت عبدالرحمٰن شیر گھاٹی نہایت ہی ممتاز ہوئے۔ بقول مصنف کیفیت العارفین حضرت عشقؔ کے خلف رشید شاہ احمد حسین عرف چھوٹے حضرت قدس سرہٗ کی روحانی تعلیم و تربیت حضرت ابوالبرکات ہی کے

زیر نگرانی ہوئی اور انھوں نے چھوٹے حضرت کو اپنے والد کے مسند ارشاد پر بیٹھایا لیکن وہ ۳۳ سال کی عمر میں قضا کر گئے اور گدّی پھر خالی ہو گئی۔ مصنف تذکرۃ الصالحین کی روایت ہے کہ چھوٹے حضرت شاہ رکن الدین عشق کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ثاقب عظیم آبادی کا بیان ہے کہ حضرت عشق کی وصیت کے مطابق ان کے چھوٹے صاحبزادے شاہ محمد حسین کی تربیت حضرت ابوالبرکات قدس سرہٗ کے ہاتھوں ہوئی۔ حالانکہ مصنف کیفیت العارفین نے لکھا ہے کہ شاہ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہ کم سنی میں فوت ہوئے۔ اس لئے قرینہ یہ ہے کہ جن صاحبزادے کی تربیت ہوئی اور جو مسند مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے ان کا اسم گرامی شاہ احمد حسین تھا مگر ان کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ اس امر میں اختلاف ہے۔

بقول ثاقب نواب احمد علی خاں، مرزا فدوی دفائع نویس احمد شاہ بادشاہ دہلی، خواجہ محترم علی خاں محترم، علی اعظم خاں عاشق خلف خواجہ محمدی خاں رسالہ دار، نواب قاسم علی خاں، ناظم بنگالہ، شیخ غلام علی راسخ اور نواب سعد اللہ خاں عاشق، حضرت عشق کے مشہور مریدوں اور معتقدوں میں تھے۔ چنانچہ اور مریدین کی کثرت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طریقۂ ابوالعلائیہ کی شاخ ہندوستان میں ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی اور اب ایک بہت بڑی جماعت اس سے منسلک ہے۔

باب سوئم

تلامیذ عشق

عشق کی درسگاہ معرفت میں باریاب ہونے والوں کا حلقہ وسیع تھا، لیکن ان سے کسب سخن کرنے والوں کا دائرہ تنگ تھا۔ تذکروں کی روشنی میں چھ ایسی شخصیتیں ابھرتی ہیں جو عشق کے تخمخانۂ تصوف کے ساتھ ساتھ ان کے بادۂ سخن سے بھی فیض یاب ہوئی ہیں اور وہ ہیں مرزا محمد علی فدوی، میر غلام حسین شورش، خواجہ محترم خاں محترم، خواجہ مکرم خاں حریف، خواجہ عاصم خاں شور اور خواجہ اعظم خاں عاشق۔

تلامیذ کی قلت سے عشق کے کمالِ سخن دانی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اس لئے کہ ان کی استادی اور قادر الکلامی کے ثبوت میں صرف مرزا فدوی کی ذات کافی ہے جو وقائع نویس احمد شاہ بادشاہ دہلی، تھے۔ جن کو تمام مقامی و غیر مقامی تذکرہ نگاروں نے قابل اعتنا سمجھ کر اپنے تذکروں میں جگہ دی اور جو خود استاد کی حیثیت میں استاد بن کر خراج تحسین وصول چکے تھے۔ مرزا فدوی کے علاوہ شورش کی حیثیت بھی مسلّم ہے۔ وہ محض ایک شاعر ہی نہیں بلکہ ایک مستند تذکرہ نگار بھی تھے۔ دراصل قلتِ تلامیذ کا سبب میرے خیال میں صرف دو ہو سکتا ہے:

یا تو بقول ثاقب "حلقۂ تلامذہ بہت وسیع تھا[1] مگر افسوس ہے کہ امتداد زمانہ

---

[1] یادگار عشق ص ۶۳۔

کے ہاتھوں ہمیں تین بزرگوں سے زیادہ کے نام بھی معلوم نہ ہوسکے۔" یعنی یہ حضرات زمانہ کی بے اعتنائی کا شکار ہوکر تذکروں میں اپنا کوئی مقام پیدا نہ کرسکے۔

یا پھر یہ کہ عشق کا ذاتی نظریۂ حیات قلت تلامیذ کا باعث ہوا۔ ظاہر ہے کہ حال وقال کی حقیقت کا امتیاز کرنا صوفیہ کے علمی اور عملی مشن کا جزو اعظم ہے، نہ کہ شاگردوں کا لشکرِ جرار لے کر محافل مشاعرہ میں جلوہ افروز ہونا اور خود نمائی کرنا۔ عشق ایک مرد عارف تھے اور اپنے فرائضِ منصبی سے آگاہ۔ علم عرفان کی تشریح اور اخلاق و روحانیت کے رموز و نکات کی توضیح ان کا پہلا کام تھا اور درسِ شعر و سخن ثانوی مشغلہ۔ چنانچہ درونِ خانقاہ ان کا روحانی کنبہ اگر بڑھتا رہا تو کوئی حیرت کی بات نہیں اور اس خشک و بے رنگ و بو فضا میں اگر شعرا کا قبیلہ مختصر رہا تو یہ بھی بالکل فطری ہے۔ عشق کے شاگردوں میں وہی حضرات شامل ہیں جو اُن کے مُرید یا معتقد تھے اور ہر مُرید یا معتقد شاعر ہوتا، یہ بھی کوئی ضروری بات نہ تھی۔ لہذا، تذکروں کی مدد سے تلامذۂ عشق کے مختصر حالات اور نمونۂ کلام ذیل میں ترتیب وار درج ہیں:-

(۱) مرزا محمد علی فدوی

مرزا محمد علی نام، کچھو عرف اور فدوی تخلص تھا۔ ان کی تاریخ ولادت غیر معین ہے۔ فدوی کے حسب ونسب اور ان کے خاندان کی تفصیلات اب تک تاریکی میں ہیں۔ میر حسن، شورش، ابوالحسن، خلیل، لطف، عشقی وغیرہم نے انھیں شاہ جہان آبادی لکھا ہے۔ چنانچہ ان کا شمار بھی دہلی کے ان مہاجر شعرا میں ہے جو وطن مالوف کی تباہی و بربادی کے بعد گوشۂ امن اور آذوقۂ حیات کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ بلخی کے الفاظ میں "غالباً احمد شاہ کے مکحول کئے جانے کے بعد یہ بھی دلّی سے نکلے۔

کچھ دن مرشد آباد میں قیام رہا۔ پھر ۱۱۹۰ھ میں عظیم آباد میں آکر مستقل سکونت اختیار کی" مصنف "یادگار شعراء" کے نزدیک فدوی ۱۱۹۴ھ میں پٹنہ آگئے تھے۔ شورش، خلیل اور ذکا کا بھی یہی خیال ہے۔

فدوی کی علمی استعداد اور ان کے ذاتی کمالات کا اندازہ مقامی و غیر مقامی تذکرہ نگاروں کے حوالے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ شیفتہ، باطن اور نساخ نے انھیں احمد شاہ بادشاہ کا وقائع نگار لکھا ہے۔ یہ واقعہ فدوی کی علمی لیاقت و فضیلت کا بین ثبوت ہے۔ مزید برآں، کلام فدوی کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ زبان ریختہ کے ماہر تھے اور عربی و فارسی کی خاصی لیاقت رکھتے تھے۔ میر حسن، خلیل اور عشقی نے انھیں علم موسیقی اور فنِ ستار نوازی سے آشنا کہا ہے۔ بلجی کے الفاظ میں "فن موسیقی میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے" اور لطف کا بیان ہے کہ "علم موسیقی ہندی میں مناسبت بہت درست اور تان کی سُستی و چُستی کے جاننے میں نہایت چالاک و چُست تھے"

تذکروں کے حوالے سے فدوی کی شخصیت و کردار کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ قاسم نے انھیں 'خوش رو' اور 'سپاہی پیشہ' کہا ہے۔ میر حسن، شورش اور عشقی کے خیال میں فدوی عاشق مزاج اور گرم اختلاط تھے۔ اسی طرح مقامی و غیر مقامی تذکروں کی روشنی میں فدوی خوش طبع، خوش اختلاط، نیک اندیشہ، صاحب احتیاط، آزاد منش، دردمند، ظریف وضع، متلون مزاج اور سیر و تفریح کے دلدادہ تھے۔ میر حسن کے الفاظ ہیں "دریکجا قرار نمی کند، گاہے در عظیم آباد و گاہے بمرشدآباد، گاہے بہ فیض آبادمی نماید" فدوی اپنی مسحور کن شخصیت سے جہاں رہے، کامیاب رہے۔ بقول میر حسن بنگالہ میں نگر سیٹھ ان پر مہربان تھا تو عظیم آباد میں مہاراجہ کلیان سنگھ عاشق ان کے دلدادہ تھے۔ فدوی کی آزاد طبیعت نے انھیں تاہل کے قیود سے

بڑی رکھا۔ ان کی خانگی زندگی کا حوالہ کسی تذکرہ نگار کے یہاں نہیں ہے، اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ فدوی نے اپنی زندگی تجرّد میں گذار دی۔

جب سرگشتگی اور عشقبازی سے طبیعت بھر گئی تو عظیم آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ ایک ولی اللہ کا دامن پکڑا اور عاقبت سنوارنے میں مصروف ہو گئے۔ قاسم نے خوب کہا ہے کہ " آخرہا بہدایت سعادۃ سرمدی ورہنمونی نیک بختی ابدی بدست حق پرست یکے از اہل اللہ صاحبِ دل خدا شناس کامل دست بیعت در دادہ، بحلقۂ درویشاں درآمدہ بمشغولی حق درساخت و درمجالس درویشاں اہل سماع درآمدہ برقص و وجد صوفیان صافی می پرداخت "۔ یہ صاحبِ دل، خداشناس حضرت رکن الدین عشق تھے جن سے مرزا فدوی کو شرف بیعت و تلمذ دونوں حاصل تھا۔ فدوی کی زندگی کے آخری ایّام عشق کی معیت میں گزرے۔ اس کا اثر ان کی شخصیت و کردار پر نہایت ہی صحت مند پڑا۔

مرزا فدوی کو شعر و شاعری سے قدرتی لگاؤ تھا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کی شیریں بیانی، خوش گوئی اور سخن فہمی کا تذکرہ بڑے شاندار الفاظ میں کیا ہے۔ میرحسن ان کو " در مثل و محاورۂ ہندی یگانہ " لکھتے ہیں۔ شورش کے الفاظ میں بھی فدوی کی قادرالکلامی کا حال سنئے :۔ " غزل و قطعہ و مخمس و رباعی وغیرہ بوضاحت و سلاست تمام بزبان قلم می آرد و انداز و ادا بسیار دارد و در مشقِ سخن دستے بہم رسانیدہ کہ در زمین سنگلاخ بے تامل بیک چشم زدن غزلہائے یک دست باتصرام می رسانند "۔ دردانی نے انھیں زبان ریختہ کا مایۂ ناز شاعر کہا ہے۔ الغرض مرزا فدوی کی شاعرانہ صلاحیت کی داد تذکرہ نگاروں نے دل کھول کر دی ہے۔

اوائل میں فدوی کی حُسن پرستی اور عاشقانہ وارفتگی کے سبب سے ان کی ریختہ گوئی میں عشقِ مجازی کی تمام بے اعتدالیاں اور بے حجابیاں موجود ہیں لیکن عشق کے

رشتۂ تلمذ اور رشد و ہدایت سے فیضیاب ہونے کے بعد یہ بے باکی سنجیدگی اور بے حجابی پاکیزگی سے بدل گئی۔ کہا جاتا ہے کہ استاد کے اظہار ناپسندیدگی پر فدوی نے اپنا پورا دیوان دریا برد کر دیا تھا اور پھر سے کلام موزوں کر کے نیا دیوان مرتب کیا جو استاد کو مرغوب خاطر ہوا۔ میر حسن کے الفاظ میں "دیوان اوائل را بہ آب شستہ بعد از آں خوب تر گفتہ"۔

زمانہ، عشق کی حیات میں ہی، فدوی کے فکر و فن کی بلندی کا معترف ہو چکا تھا۔ اس کامیابی کا سہرہ استاد کے سر تھا۔ عشق کے اس شاگرد رشید کے شاگردوں کی تعداد بھی تذکروں کی روشنی میں اٹھارہ سے زائد ہے اور راسخ کے خیال میں بے شمار ہے۔ راسخ فدوی کے شاگرد رشید گزرے ہیں۔

کلیات فدوی مرتب ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ یہ ۵۱۷ صفحات پر محیط ہے۔ اس میں مثنوی، غزلیات، رباعیات، مخمسات، واسوخت، ترجیع بند، ترکیب بند، قطعات وغیرہ اصناف سخن شامل ہیں۔ غزلوں کی مجموعی تعداد ۸۲۵ ہے۔

فدوی کے سنۂ ولادت کی طرح ان کا سنۂ وفات بھی غیر معین ہے۔ تذکروں کی روشنی اور حالات کے پس منظر میں قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کی موت کا زمانہ سنہ ۱۲۰۳ھ تا سنہ ۱۲۱۵ھ ہے۔ فدوی تا دم آخر اپنے استاد و مرشد سے جدا نہ ہوئے اور مرنے کے بعد بھی اپنے پیر و دستگیر کے قریب ہی مدفون ہیں۔

نمونۂ کلام:۔

درد دل قابلِ بیان نہیں … ورنہ کس کے میاں زبان نہیں
لگی کو دل کے دل ہی جانے ہے … چوٹ کا اس کے کچھ نشان نہیں

ہاتھ وہ ہے جس سے پہنچے کچھ کسی کے ہاتھ میں ورنہ خالی ہاتھ سے بہتر ہے خالی آستیں

زخم دل بے حد ہیں ظالم اور مت بیداد کر ہم سے کس منہ سے ملے ۔ یہ باتیں یاد کر

آغوش میں ہم اپنے مہتاب دیکھتے ہیں یارب یہ واقعی ہے یا خواب دیکھتے ہیں

اس طرح داغ کو ہے میرے جگر سے پیوند مردمک رکھتی ہیں جیوں دیدۂ تر سے پیوند

بس اب تیری تاثیر اے آہ دیکھی نہ آیا وہ ظالم بہت راہ دیکھی

نقش بر آب زندگانی ہے یار اس پر عبث ابھرتے ہیں
گل پژمردہ کی طرح فدوی کیا پریشان دن گزرتے ہیں

کہنے کو کیا ہزار جی میں آخر رہی جی کی یار جی میں

مانند برق ایک جھلک بس دکھا چلے بجلی سی ہم پہ پڑنی تھی کیا آئے کیا چلے

گلے لگنے دے ہمیں رات چلی جاتی ہے اب تلک تیری وہی بات چلی جاتی ہے

کبھی گل رخوں کے جو باہم رہے ہیں تو ہم چشم تر مثل شبنم رہے ہیں

بس ابر میں آفتاب کب تک منہ کھول کہیں حجاب کب تک
پیمانۂ عمر بھر چکا یہ ! اے دل ہوس شراب کب تک
کیوں یار کوئی نگہ ادھر بھی یہ صاف ہمیں جواب کب تک
ہے منتظر جمال عالم بیدار ہو یار خواب کب تک

آفریں ہے دونو کو فدوی غرض غم کو کھایا تونے اس غم نے تجھے

دلِ پُر داغ کی دولت ہے نت گلزار پہلو میں　　جگہ تیری ہی خالی ہے قسم ہے یار پہلو میں

ان دلتوں پوچھو مت مکان کہیں　　قالب اپنا کہیں ہے جان کہیں
تین تیرہ کیا فلک نے آہ　　دل کہیں جاں کہیں مکان کہیں

بہار آئی جنوں نے سر اُٹھایا　　پھر اس کا فرنے سوتوں کو جگایا
کہو یاروں کو اپنی راہ لیویں　　رہے ہم تو ہمیں صحرا خوش آیا

غلط ہے دیدۂ تر سے جو ہم چشمی کرے شبنم　　مرا رونا اگر دیکھے ابھی پانی بھرے شبنم

بالفرض ہم نے ضبط اگر دل میں آہ کی　　صورت کوئی چھپی ہے مری جان چاہ کی

ایک تیرا خیال باقی ہے　　ورنہ کچھ مجھ میں حال باقی ہے

رُباعی

کیا خاک اثر اس کو مری آہ کرے　　ہر روز جسے مجھے مدّعی بدراہ کرے
جو کوئی بُرا چاہے کسی کا فدوی　　اس کا بھی وہی حال ہو اللہ کرے

(انتخاب از مسرّت افزا)

* * *

(۲) میر غلام حسین شورش

یہ "میر بھینا" کے نام سے معروف تھے۔ بقول ابوالحسن ان کے والد کا نام میر محسن تھا جو عظیم آباد کے رہنے والے تھے اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس اللہ سرہٗ کے فرزندوں میں سے تھے۔

عشقی کی روایت کے مطابق شورش پہلے میر باقر حزیں سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔ آخر میں انھوں نے اپنا دیوان شاہ رکن الدین عشق کی خدمت میں پیش کیا اور بقول خود " فوائد کافی حاصل نمودہ "۔ عشقی کا بیان ہے کہ شورش کا کلام بہ لحاظ معانی و بہ اعتبار الفاظ ستھرا ہوتا ہے اور انھیں ارباب صوفیہ کی محافل سماع میں شرکت کا بے حد شوق تھا۔ صحبتِ حال و قال سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے۔ شورش نے اپنے کلیات ریختہ کو چار ہزار اشعار پر مشتمل بتایا ہے۔

شورش شاعر سے زیادہ تذکرہ نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انھوں نے شعرائے ریختہ کا تذکرہ فارسی زبان میں لکھا ہے جسے عظیم آباد میں شعرائے اُردو کا پہلا تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کا نام شورش نے " یادگار دوستاں " رکھا ہے۔ مگر اس کا سنۂ تالیف " یادگار دوستان روزگار " سے نکلتا ہے۔ بہ اعتبار قدامت تذکرۂ شورش میر حسن کے تذکرے سے کم نہیں۔

ابوالحسن شورش کی شخصیت سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ وہ انھیں " خوش خلق و بے نیاز، صاف گو دیرہ آشنا " بتاتے ہیں۔ ان کے خیال میں شورش " روزگار پیشہ " بھی تھے۔ طبقات الشعرائے ہند میں ہے کہ " وہ (شورش) بہت مغرور اور متکبر آدمی تھا " اور خلیل کا کہنا ہے کہ " بعض پندار التفات بقبایح افکار خود نمی نمود "۔ بہر کیف شورش نے ماہ شعبان ۱۱۹۵ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا اور بقول ابوالحسن " در حسرت وافسوس بر روئے دوستاں کشودہ "۔

نمونۂ کلام :۔

مرا دل جو گھبرا کے جاتا رہے گا ـــــ بتا پھر تو کس کو ستاتا رہے گا

ہوا مجھ کو معلوم دل کی جلن سے ـــــ یہ جب تک رہے گا ستاتا رہے گا

تو بات کہے گا ہم سنیں گے　　وہ دن بھی خدا کبھی کرے گا
شورش یہ ترا ہمیشہ رونا　　معلوم نہیں کہ کیا کرے گا

جان تجھ بن رہا نہیں جاتا　　مجھ سے یہ دکھ سہا نہیں جاتا
کون دن ہے کہ آنکھ سے آنسو　　تری دولت بہا نہیں جاتا

یہ کیا غضب ہے غریب پرور　　لکھنا جو کبھی عتاب لکھنا

کیا جانئے کہ ہجر میں آنکھوں کو کیا ہوا　　جو تا تھا سیل اشک سے دریا بہا ہوا
آنسو جو آستیں سے نہ پونچھوں تو کیا کروں　　لخت جگر سے ہے مرا دامن بھرا ہوا

چھپائے چھپتا نہیں اب کسی طرح شورش　　ہمارا داغ جگر تھا سو آفتاب ہوا

نہیں ہوتی ہے تو اتنا حنا سرخ　　کئے ہیں کس کے خوں میں دست پا سرخ
یہ کس دست حنائی نے کیا چاک　　گریباں ہو رہا ہے جا بجا سرخ

مر گئے پر غبار دل نہ گیا　　آفریں یار تیرے کینے پر

مجھ سے ملتا نہیں ہے یار افسوس　　ایک افسوس کیا ہزار افسوس

آج نرگس کی آنکھ لگتی نہیں　　کس کا ہے انتظار گلشن میں

راحت کا منہ نہ دیکھا کم بخت دل کے ہاتھوں　　روتے ہی اپنی گزری یک لخت دل کے ہاتھوں

اب کون پیئے شراب تجھ بن　　دل جل کے ہوا کباب تجھ بن

دیکھنا یار میں کس طرح چلا آتا ہوں　　چشم تر خاک بسر آبلہ پا آتا ہوں

رو برو جانے کی رخصت نہیں دیتے درباں — حال اپنا پسِ دیوار سُنا آتا ہوں
کیا کہوں غیر کے تئیں اپنے ہی طالع کا قصور — بات جاتی ہے بگڑ جو نہیں بنا آتا ہوں

کچھ اور ہو نہیں سکتا ہے مجھ سے اے شورش — خفا کرے ہے وہ جب مجھ کو یار روتا ہوں

ہم جو روتے ہیں لوگ ہنستے ہیں — ہنستے ہی گھر بسنا ہے بستے ہیں
ایک بوسے کو تیرے اے ظالم — کتنی مدت سے ہم ترستے ہیں

جی میں تو ہے دل میں ترے جا کروں — بس نہیں چلتا ہے مرا کیا کروں

دل کو لے کر جلا دیا تو نے — شمع رو ہائے کیا کیا تو نے
سر پٹک کر موا ترے در پر — حال شورش کا کچھ سنا تو نے

کس ستم گر کو دل دیا ہم نے — ہائے رے ہائے کیا کیا ہم نے
گالیوں تک پہنچ گئی نوبت — نام بوسے کا جب لیا ہم نے

مری چشم خونبار ہے ان دنوں — گریبان گلزار ہے ان دنوں

یار آنکھوں میں تری خار ہوں میں — ورنہ اک باغ اور بہار ہوں میں

چھوڑ زنداں میں مجھے آپ گیا یار کے ساتھ — دل نے کیا کام کیا مجھ سے گرفتار کے ساتھ

جوں زلف ستم گر کی تصویر نظر آئی — وو ہیں مری آنکھوں میں زنجیر نظر آئی

کسی صورت سے وہ برجا نہیں — ہے بڑا بدگمان کیا کیجیے

یہ چمن سبز جو آتے ہیں نظر دنیا میں — ایک دم ہم کبھی روٹھے تھے اثر اس کا ہے

وہ تو سنتا نہیں ہماری بات　　کس سے اظہار مدعا کیجے

(گلزار ابراہیم)

*　*　*

(۳) خواجہ محترم خاں محترمؔ

ان کا ذکر میر حسنؔ، شیفتہؔ، ابوالحسنؔ، شورشؔ، عشقیؔ، خلیلؔ، ناصر وغیرہم کے یہاں ملتا ہے۔ شیفتہؔ اور ثاقبؔ ان کا نام خواجہ محترم علی خاں لکھتے ہیں۔ خلیلؔ نے خواجہ محمد محترم بتایا ہے۔

یہ خواجہ محمدی خاں، رسالہ دار نواب میر قاسم علی خاں ناظم بہار و بنگال کے بھائی تھے۔ محترم بقول میر حسنؔ نوکری پیشہ تھے اور خواجہ محمدی خاں کے ساتھ مرشد آباد میں قیام پذیر تھے۔ غالباً محمدی خاں کی وفات کے بعد عظیم آباد چلے آئے اور یہیں رہ گئے۔ شورشؔ ان کو محمدی خاں کا فرزند اور "متوطن دہلی" بتاتے ہیں۔ خلیلؔ نے محترم کے ساتھ حضرت رکن الدین عشقؔ کے اور اپنے دوستانہ تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ وہ محترم کے خلوص سے بہت متاثر نظر آتے ہیں اور انھیں "در عالم محبت یکتا" کہتے ہیں۔ محترم زبان ریختہ میں فکر کرتے تھے۔ خلیلؔ نے ان کی سخن گوئی کی تعریف میں "بہ موزونی اشعار طبعش رسا بود" لکھا ہے۔ محترم کو عشقؔ سے تلمذ تھا۔ ابوالحسنؔ کے الفاظ میں "او نیز دریں فن شاگرد حضرت عشقؔ است کہ از حسن خلق و تواضع مغرور و محترم زیست می کند۔" بقول عشقیؔ ان کے کلام میں سلاست اور روانی ہے۔ ثاقبؔ کا خیال ہے کہ سادگی اور ترنم کے ساتھ "استاد کا رنگ پورا پورا جھلکتا ہے۔"

نمونۂ کلام :-

جو جہاں سے گرے اہل دلوں کے وہ کدھر کا　　دنیا کا نہ دیں کا نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا

آہ ہم سیر کو کہاں جائیں ۔۔۔ یار بن سونی ہے سبھی جائیں
کوئی تیرا خیال جاتا ہے ۔۔۔ دل کو ہر چند یار سمجھائیں

ملنے کی میاں ترے ہوس کر ۔۔۔ رہ جاتا ہے ہائے دل ترس کر

سو بار گر لبوں پر آ میری جان پہنچے! ۔۔۔ تو بھی نہ دیکھنے کو وہ بدگمان پہنچے
پیغام تو جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک ۔۔۔ شاید ہمارے دن نزدیک آن پہنچے

جس نے دیکھی ہو بہار کی صورت ۔۔۔ کب خوش آئے بہار کی صورت
محرم کیا بیاں کروں تجھ سے ۔۔۔ اُس دلِ داغ دار کی صورت
خون ہو کر سرشک ہوتا ہے ۔۔۔ اُس میں ہوتی ہے یار کی صورت
پونچھوں اس کو اگر میں دامن سے ۔۔۔ شکل پکڑے نگار کی صورت
یعنی مٹتی نہیں ہے آنکھوں سے ۔۔۔ ہائے رے ہائے یار کی صورت

(انتخاب از تذکرۂ میر حسن)

ہمدم نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا ۔۔۔ جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا

مت اٹھا منت عبث تو ناخنِ تدبیر کی ۔۔۔ گلجھڑی کھلتی ہے کوئی اس دلِ دلگیر کی

ترے کرم کی کرے تو کرے نگاہ سفید ۔۔۔ نہیں نصیب کا کیا ہو لکھا سیاہ سفید

صبر و قرار و طاقت رخصت ہوئے سب ہم سے ۔۔۔ بچھڑے ہیں یار کیا کیا اک لخت دل کے ہاتھوں

کس بے وفا سے جا کے ہمیں آشنا کیا ۔۔۔ اس دل نے ہائے بیٹھے بٹھائے یہ کیا کیا

(انتخاب از شورش)

لب خشک رنگ زرد دل آزار لے چلے ۔۔۔ کیا کیا نہ ترے عشق میں اے یار لے چلے

(انتخاب از عشقی)

دل حلقہ بگوش ہو گیا ہر چند سنبھالا ۔۔۔ کیا طوق محبت میں ترے کان کا بالا

کیونکر مرا فسانہ کسو کو پسند ہو ۔۔۔ سمجھے وہ درد دل جو کوئی دردمند ہو

اے چشم مرے موتیوں کا ہار نہ ٹوٹے ۔۔۔ یہ اشک مسلسل ہی رہے تار نہ ٹوٹے

ہمدم نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا ۔۔۔ جو دل ہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا

بستا[1] ہے تو میرے یار جی میں ۔۔۔ تس پر بھی نہیں قرار جی میں

سر کے تئیں ہاتھ سے ہم اپنے قلم کرتے ہیں ۔۔۔ یہ تو رستم سے نہ ہو بار جو ہم کرتے ہیں

دل ہی افسردہ ہوا اب شادمانی پھر کہاں ۔۔۔ ہم تو وہ ہی ہیںگے لیکن نوجوانی پھر کہاں

مجبور ہو گیا ہوں میں سخت دل کے ہاتھوں ۔۔۔ دیکھا نہ تھا سو دیکھا کمبخت دل کے ہاتھوں

گن کے قدم وہ رکھے تھا یار یک دو سہ چار پنج و شش

مر گئے رہ سے خاکسار یک دو سہ چار پنج و شش

محترم کیا ہوا ترے دل کو ۔۔۔ دم میں روتا ہے دم میں ہنستا ہے

مشفقوں نے مرے کہا اس سے ۔۔۔ ق ۔۔۔ کہو تو محترم کو یاں لاویں

کہنے لگا کہ شرط کریو تم ۔۔۔ اپنی مجلس میں ہم جو بلواویں ۔۔۔ (انتخاب از مسرت افزا)

---

[1] شورش نے یہ شعر عاصم خاں تشوا کے ساتھ منسوب کیا ہے۔

اے محرّم اتنی اشک باری | کھل جائے ہے ابر بھی برس کر
روتا دیوے کہ اس کے رونے سے | ساری مجلس کے چھیچھے جا بٹی

(انتخاب از شیفتہ)

*   ..   *   *

(۴) خواجہ مکرّم خاں حریف

ان کا ذکر مقامی تذکرہ نگار شورش کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ یہ خواجہ محمدی خاں کے فرزند اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد (خواجہ محمدی خاں) "در وقت سلطنت احمد شاہ بہادر شاہ" صوبہ بہار تشریف لائے "اور بعد از آں خدمت بخشی گری نواب میر محمد جعفر خاں بہادر صوبہ دار بنگالہ مرحمت فرمود"۔ اسی لئے ان کے کل فرزندان موضع موتیہاری میں قیام پذیر تھے۔ حریف کی سکونت بھی وہیں تھی۔ حضرت رکن الدین عشق کی خدمت میں حاضر ہوئے اور "فکر شعر ریختہ بصلاح مرزا موصوف می نمودند"۔ حریف نے ایام شباب میں انتقال کیا۔

نمونۂ کلام:-

آزاد تھا جو دل سو گرفتار ہو چکا | بس لطف زندگی کا مجھے یار ہو چکا
کہنے لگا طبیب مری نبض دیکھ کر | کیا کیجئے یہ عشق کا بیمار ہو چکا

گو منفعت ہو اس میں یا ہو ضرر ہمارا | سب کچھ قبول ہم کو تو ہو اگر ہمارا

جوں نگیں میں نہیں ہوں نام طلب | عشق کی مجھ کو ہے مدام طلب

پہلے جب جی نثار کرتے ہیں — تب ستمگر کو یار کرتے ہیں
اپنی صورت دکھا کے یہ گلرو — آئینہ کو بہار کرتے ہیں

رکھ نظر میری آشنائی پر — مت کمر باندھ بیوفائی پر

جب دیکھتا ہوں تجھ کو ہنستے ہوئے چمن میں — پھولا نہیں سماتا گل اپنے پیرہن میں

شور ہے تیرے حسن کا بسکہ ہریک دیار میں — کیوں نہ گھمنڈ تجھ کو ہو ایک ہے تو ہزار میں

ہمارے حق میں بھلا ہووے یا بُرا ہووے — الٰہی یہ تو نہ ہووے کہ وہ جدا ہووے

رُباعی

جوں شمع گر آپ کو جلایا تو کیا — ور خاک میں جسم کو ملایا تو کیا
واقف نہ ہوا جہاں میں گر غم سے تو — آیا تو کیا وگر نہ آیا تو کیا

(انتخاب از شورش)

* * *

(۵) خواجہ عاصم خاں شوؔر

یہ بھی خواجہ محمدی خاں رسالہ دار کے فرزند تھے۔ شورش نے انھیں صاحب اخلاق، متواضع، عابد اور خدا ترس لکھا ہے۔ بقول ابوالحسن اپنے والد کی جاگیر موضع موتیہاری میں رہتے تھے اور رکن الدین عشق سے عقیدت کی بنا پر گاہے گاہے عظیم آباد آیا کرتے تھے۔ ابوالحسن انھیں ظریف طبع، سپاہی وضع، یار باش اور خوش معاش بتاتے ہیں۔ شعر و سخن سے دل چسپی تھی۔ ریختہ میں کلام موزوں کرتے تھے اور عشق سے

استفادہ کرتے تھے۔

نمونۂ کلام :-

آرزو یہ ہے کہ اس طرح سے دن رات کٹے　　جتنی باقی ہے مری عمر ترے ساتھ کٹے

رو برو سے تو ٹال آئینہ　　ہو گیا ہے وبال آئینہ

حیراں ہوں کیا کروں میں اس لخت دل کے ہاتھوں　　ایذا بہت اٹھائی، کم بخت دل کے ہاتھوں

صیاد تو ملول نہ کر اس بہار میں　　کیا حسرتیں بھری ہیں دلِ داغدار میں

بستا ہے تو میرے یار جی میں　　اس پر بھی نہیں قرار جی میں

ظاہر میں ملے ہیں گو کہ روکھے　　کرتے ہیں پہ تجھ کو پیار جی میں

سینہ کے سوز سے مری جلنے لگی زباں　　یہ آگ یارو آہ کہاں سے کہاں لگی

دن وہی تھے جو تیرے پاس کٹے　　باقی جتنے کٹے اداس کٹے

آہ و فریاد ترے خوف سے کم کرتے ہیں　　پر میاں دل ہی سمجھتا ہے جو ہم کرتے ہیں

فصلِ گل آئی اور اس وقت چمن چھوٹے ہے　　آہ بے وقت غریبوں سے وطن چھوٹے ہے

کس طرح سے سامنے اب اس کے یارو جایئے　　ہجر میں جیتے رہے کیا منہ اسے دکھلایئے

(انتخاب از شورش)

مرے نالے کو سن کہتا ہے ہنس کر　　سنی فریاد تیری شور بس کر

اس کے آنے خبر کن نے سُنائی مجھ کو	رات آنکھوں میں کٹی نیند نہ آئی مجھ کو

آہ مت پوچھو آہ مت پوچھو	بُری ہوتی ہے پیاہ مت پوچھو

کیا پوچھتے ہو میاں دوانے دل کی	کب سمجھو گے تم بات بیگانے دل کی
بے فائدہ ہے تم سے بیاں کرنا حال	دل جس کا لگا ہو وہی جانے دل کی

قاصد سے سنی ہوگی زبانی تو نے	اور ہجر کی میری سب کہانی تو نے
اس پر بھی تجھے رحم نہ آیا ظالم	افسوس مری قدر نہ جانی تو نے

کیا پوچھتے ہو ہجر کے مارے دل کو	چپکے رہو مت چھیڑو بچارے دل کو
بے تاب ہے سینہ میں مثالِ سیماب	روو گے جو دیکھو گے ہمارے دل کو

(انتخاب از عشقی)

* * *

(۶) خواجہ اعظم خاں عاشق

ابوالحسن، شورش اور نساخ ان کو خواجہ محمدی خاں کا فرزند بتاتے ہیں۔ ابوالحسن خواجہ عاصم خاں شور کا بھائی لکھا ہے جو رشتہ کے لحاظ سے درست ہے۔ لیکن عشقی اور ثاقب انھیں خواجہ محترم خاں محترم کا بھائی کہتے ہیں جو صریحاً غلط معلوم ہوتا ہے۔ خواجہ محترم تو محمدی خاں کے بھائی تھے اس لئے وہ اعظم خاں عاشق کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں، بلکہ ان کے چچا تھے۔ عاشق بقول شورش "درسخاوت یکتا" تھے۔ گاہے گاہے ریختہ میں فکر کیا کرتے تھے۔ حضرت رکن الدین عشق سے استفادہ کرتے تھے۔ ابوالحسن ان کے اوصاف ظاہری و باطنی کی تعریف میں لکھتے ہیں ـــــ

"گویند مرد عظیم الشان عمیم الامتنان، عاشق دوستان یکرنگ وشائق خدمت صاحبانِ دانش و فرہنگ بود۔ مدتے ترک مجالست اہل دول نمودہ شیوۂ خاکساری اختیار فرمودہ در بے نیازی وبے ریائی بسر بردہ۔ چند سال پیش ازیں راہ عدم پیمودہ۔ در فن شاعری شاگرد حضرت عشق بود"

..

نمونۂ کلام :۔

روز و شب تجھ سے گو ملا کیجئے ۔۔۔ چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجئے

یہ دل اور ہی طرح سے آج کچھ فریاد کرتا ہے ۔۔۔ کوئی بیداد گر شاید ہماری یاد کرتا ہے

شمع کی طرز کون رو جانے ۔۔۔ جس کے دل کو لگی ہو سو جانے

تسخیر کو عاشق کی نیا طور نکالا ۔۔۔ کیا طوق محبت ہے ترے کان کا بالا

ٹک غور کر دیوانہ وہ سب میں جلوہ گر ہے ۔۔۔ ہے یار پاس تیرے تو ڈھونڈھتا کدھر ہے

چشم بد دور یار کی صورت ۔۔۔ ہے قیامت بہار کی صورت

مرے دل کا ادب ہے تجھ کو لازم ۔۔۔ کہ اس میں ہے تمہارا اسم اعظم

(انتخاب از شورش)

باب چہارم

ماخذ کلامِ عشقؔ

(۱)

دیوان عشقؔ کی ترتیب میں میں نے آٹھ نسخوں سے مدد لی ہے۔ چھ قلمی اور دو مطبوعہ۔ ان نسخوں کے علاوہ اور کسی نسخہ کے وجود کا علم نہیں۔ ان آٹھ نسخوں کی تفصیل یہ ہے :۔

نسخہ ۱ — یہ مجلد قلمی دیوان کتب خانہ بتیا کی مِلک ہے۔ اس قدیم ترین اور مکمل نسخہ کا علم مجھے مئی ۱۹۶۲ء میں جناب سید حسن عسکری صاحب ڈائرکٹر کے۔پی۔ جیسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پٹنہ کی معرفت ہوا۔ آپ نے یہ دیوان مع دیگر مخطوطات کے انسٹی ٹیوٹ کے لئے مستعار حاصل کیا تھا۔ میری استدعا پر جناب عسکری صاحب اور جناب قیام الدین احمد صاحب، ریسرچ فیلو، کے۔پی۔ جیسوال انسٹی ٹیوٹ نے یہ نسخہ مجھے مستعار عنایت فرمایا۔

اس قلمی دیوان میں صرف ۳۱۱ اوراق ہیں جن پر نمبر شمار نہیں ہے۔ اس کی جلد سیاہ چرمی، روشنائی مصطفائی، کتابت نستعلیق اور تقطیع "۶×"$9\frac{1}{2}$ ہے۔ کاغذ کا رنگ زردی مائل سفید ہے۔ "کیچ ورڈ" ہر ورق کے نیچے حاشیہ پر تحریر ہے۔ عنوانات کے لئے سُرخ اور حاشیہ کے لئے سُرخ و سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ دیوان کے شروع اور آخر میں چھ سادے اوراق ہیں۔ اغلاط املا و کتابت بکثرت ہیں۔

حروف ت ٹ، ک گ، ھ ہ، ی ے کی کتابت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نقطے لگانے کی نہ کوئی حد ہے نہ پابندی۔

اس نسخہ کا آغاز مثنویات سے ہوا ہے۔ مثنوی 'در حکایت سنار'، 'ساقی نامہ' اور عارفانہ مثنوی کے بعد غزلیں درج ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد ۹۲۵ ہے۔ غزلوں کے ختم ہوتے ہی ایک نظم بعنوان 'سوز و گداز'، پانچ 'تضمین'، ایک 'مطلعہا در مثل'، اسّی 'عارفانہ رباعیاں'، سات 'قطعات' ایک 'تاریخ حوض' اور ایک قطعہ 'در توحید' کے بعد دیوان تمام ہوتا ہے۔ نیچے حسب ذیل عبارت تحریر ہے :-

"تمم تمام شد کار من نظام شد این نسخہ دیوان عشق من تصنیف مرزا عشق عرف شاہ گھسیٹا صاحب عظیم آبادی بتاریخ بست ۲۹ نہم شہر رجب المرجب سنہ مطابق ۱۲۱۷ھ بھادو سنہ ۱۲۱۷ یکہزار دوصد ہفت دہ فصلی بروز جمعہ بوقت چاشت اختتام یافتہ"

یہ نسخہ نہایت ہی خراب و خستہ ہے۔ اس کے اوراق منتشر، جلد شکستہ اور آدھی سے زیادہ ضایع ہو چکی ہے۔ تقریباً ہر ورق اور جلد کرم خوردہ ہے۔ صفحات پر جا بجا گہرے زردی مائل دھبے نمایاں ہیں۔ اپنی قدامت و ضخامت کے اعتبار سے اساسی حیثیت کا مستحق ہے۔

نسخہ ۲ — یہ قلمی نسخہ کتب خانہ رام پور کی ملک ہے۔ خط نسخ میں لکھا ہوا یہ دیوان آٹھ انچ چوڑا، دس انچ لمبا اور کل ۱۲۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ نمبر شمار ہر ورق پر تحریر ہے۔ نسخہ ۱ کی طرح اس میں بھی املا، کتابت اور نقطوں کی صحت سے بے توجہی برتی گئی ہے۔ مثنویوں اور غزلوں کا مسطر عموماً ۳۶ اشعار کا ہے۔ دوران کتابت میں چھوٹے ہوئے اشعار اشارات معینہ کے تحت حاشیہ پر درج ہیں۔

شروع کے ۱۷ اوراق پر ایک طویل اور عارفانہ مثنوی لکھی گئی ہے۔ غزلوں کا آغاز ورق نمبر ۱۹ سے ہوتا ہے۔ ایک درمیانی ورق (۱۸) غائب ہے جس پر تقریباً

تیرہ غزلیں درج ہونی تھیں۔ یہ غزلیں دوسرے نسخوں میں ہیں۔ ردیفوں کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق ہے۔ بعض ردیفیں مثلاً 'ت اور ٹ'، 'ک اور گ'، 'ن اور ی' مخلوط ہیں۔ ۸۹۵ غزلوں کے بعد ایک طویل نظم 'سوز و گداز'، پانچ 'تضمین'، ایک 'مطلعہا در مثل'، اکاسی 'عارفانہ رباعیاں' اور سات 'قطعات' درج ہیں۔ ان اصناف کے مثنوی 'در حکایت سنار' اور ایک طویل نظم 'ساقی نامہ' ہے۔ اس نظم کے ختم ہوتے ہی عبارت ذیل شکستہ حروف میں لکھی گئی ہے:-

"تمت ہذا دیوان من تصانیف جناب ہدایت مآب، رہنمائے سالکان، پیشوائے عارفان اعلیٰ حضرت پیر و مرشد برحق حضرت رکن الدین عشق قدس اللہ سرہ بتاریخ دوم بماہ شوال ۱۲۴۸ھ بمقام ...... بخط رکیک حقیر گنہ گار ہرجس رائے قوم کھتری ...... متوطن خوش باش غازی آباد از کتب خانہ سرکار جناب چھوٹے سرکار وغیرہ نقل کردہ شد۔"

اس نسخہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی میں نے حاصل کر لی ہے۔ اس نسخہ کے اوراق جا بجا کرم خوردہ ہیں۔ کہنگی اور بوسیدگی نے اکثر مقامات پر حروف کو دھندلا اور ناقابلِ فہم بنا دیا ہے۔ بعض ردیفوں میں کئی کئی غزلیں لاپتہ ہیں۔ اس دیوان میں اکثر غزلوں کے اشعار کی تعداد دوسرے نسخوں کی انھیں غزلوں کی بہ نسبت کم ہے۔

نسخہ ۳ — تقسیم ہند و پاکستان کے بعد یہ قلمی دیوان مولوی تمنا صاحب پھلواروی اپنے شامل ڈھاکہ لے گئے تھے لیکن وہاں پہنچنے کے بعد نہ معلوم کس طرح یہ نسخہ خواجہ محمد علی حسنین صاحب کے ہاتھ لگا جو صاحبِ سجادہ خانقاہ میتن گھاٹ "تکیہ عشق" کے عم بزرگوار ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں صاحبِ سجادہ جب ذاتی امور کی بنا پر ڈھاکہ تشریف لے گئے تو واپسی میں یہ دیوان اپنے ساتھ لائے۔ چنانچہ نسخہ ۵ کی طرح

یہ نسخہ بھی اب مملوکہ تکیہ عشق ہے۔ حسب منشا صاحب سجادہ میں نے اس کا مکمل عکس حاصل کر لیا ہے۔

سفید، نیلے، پیلے اور بھورے رنگ کے بوقلموں کاغذات پر خط نسخ میں تحریر کردہ یہ دیوان صرف ۲۵۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ صفحات نمبر شمار سے عاری ہیں۔ جلد کا رنگ آسمانی اور تقطیع ″۶ × ″۸ ہے۔ اغلاط املا بکثرت ہیں۔ کتابت میں حروف تہجی کی صحت نظر انداز کی گئی ہے۔ نقطے کہیں ضرورت سے زیادہ ہیں کہیں بالکل نہیں۔ ہر صفحہ کے نیچے 'کیچ ورڈ' لکھنے میں خاص پابندی برتی گئی ہے۔ تخلص اور عنوان سرخ روشنائی سے تحریر ہے۔ دوران کتابت میں چھوٹے ہوئے اشعار، مصرعے اور الفاظ کی جگہوں پر سرخ روشنائی سے مختلف نشانات بنائے گئے ہیں اور حاشیہ پر ان ہی نشانات کے نیچے سیاہ روشنائی سے ان (اشعار، مصرع اور الفاظ) کو لکھا گیا ہے۔ غزلوں کے وہ اشعار جو بطور قطعہ ہیں ان کی تخصیص مصرعوں کے درمیان سرخ روشنائی سے قطعہ لکھ کر کی گئی ہے۔ اشعار کا مسطر غیر معین ہے۔ غزلوں کی ترتیب ردیف وار ہے۔

اس دیوان کے شروع میں غزلیں درج ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد ۹۲۵ ہے۔ صنف غزل کے بعد ایک نظم 'سوز و گداز'، پانچ 'تضمین'، ایک 'مطلعہا در مثل'، اسی عارفانہ رباعیاں اور سات قطعات لکھے گئے ہیں۔ پھر عبارت ذیل پر دیوان ختم ہوتا ہے:-

"تمام شد کار من نظام شد این نسخہ کتاب دیوان شاہ عشق بوقت صبح روز جمعہ اختتام یافت کہ بتاریخ سوئم ماہ محرم الحرام ۱۲۶۶ھ فصلی نقل شد — فقط۔"

اس کی جلد صاف ستھری اور بہتر حالت میں ہے۔ اندر کے اوراق نہایت ہی کرم خوردہ و خستہ ہیں۔ دیوان کی ابتدا ایک میلے شکستہ ورق سے ہوئی ہے جس کے نیچے دوسرا کاغذ چسپاں کر کے اس کو برقرار رکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ سرورق "دیوان حضرت عشق قدس سرہ"

جلی حروف میں تحریر ہے - اکثر غزلوں میں کوئی شعر مکرّر درج ہے - بعض غزلیں ایسی بھی ہیں جن کے اشعار کی تعداد دوسرے نسخوں کی انھیں غزلوں کی بہ نسبت کم یا زیادہ ہے -

نسخہ ۴ — یہ مجلد قلمی دیوان کتب خانہ مجیبیہ پھلواری شریف کی ملک ہے - اس میں صرف ۲۷۲ اوراق ہیں جن پر نمبر شمار نہیں ہے - کاغذ کا رنگ زردی مائل سفید اور روشنائی سیاہ ہے - کتابت نسخ اور نہایت خوش خط ہے - سوائے "کیچ وارڈ" کے اس دیوان کا حاشیہ اور کسی قسم کی عبارت سے بالکل پاک ہے - املا اور کتابت کی خامیاں اور نسخوں کی طرح اس میں بھی بکثرت ہیں - اس کے حجم پر " دیوان عشق مملوکہ محمد علی حبیب " لکھا ہوا ہے - شروع کے پانچ سادے اوراق دیوان میں نہیں شامل ہیں - صفحہ نمبر چھ کے دائیں گوشے میں " نسخہ دیوان عشق " بائیں گوشے میں " دیوان عشق " اور ان دونوں کے درمیان " دیوان مرزا گھسیٹا قدس سرہٗ متخلص بحضرت عشق مملوکہ محمد علی حبیب قادری عفی اللہ عنہ، معرفت مولوی عمر دراز سلمہٗ از کتب خانہ اخوی مولوی ید اللہ مرحوم بماہ ربیع الثانی ۱۲۸۱ھ خریدہ شد " تحریر ہے -

اس نسخہ کے متعلق صاحبِ تذکرہ " تاریخ شعرائے بہار " نے بھی اپنی تصنیف میں اشارہ کیا ہے - میں نے اس کی تحقیق نومبر ۱۹۵۷ء میں کی - لیکن کتب خانہ مجیبیہ سے جواب نفی میں ملا - تقریباً دو سال بعد اردو مخطوطات و مطبوعات کی نمائش کے سلسلے میں کتب خانہ مجیبیہ کا جائزہ لیتے وقت یہ دیوان جناب سید حسن عسکری صاحب کی نظروں سے گزرا اور انھوں نے از راہ نوازش مجھے مطلع کیا - میں نے کتب خانہ مجیبیہ کی اجازت پر اس دیوان کا مکمل عکس ۱۹۵۹ء میں حاصل کر لیا -

اس نسخہ کی ابتدا مثنوی ' در حکایت ستار ' سے ہوئی ہے - اس کے بعد ' ساقی نامہ ' اور ' عاشقانہ مثنوی ' درج ہے - مثنویات کے بعد غزلیں، جن کی مجموعی تعداد ۸۹۴ ہے،

ردیف وار لکھی گئی ہیں۔ اس کے بعد ایک نظم 'سوز و گداز'، چار 'تضمین'، ایک 'مطلعہا درمثل' اور ۷۹ عارفانہ رباعیاں درج ہیں۔ دیوان رباعیوں پر ختم ہوتا ہے۔

اس نسخہ میں سنہ کتابت اور کاتب کا نام نہیں ہے۔ ابتدائی اوراق زیادہ کرم خوردہ ہیں۔ درمیان میں کہیں کہیں خستہ اور کرم خوردہ صفحات ملتے ہیں۔

نسخہ ۵ — یہ مجلد قلمی دیوان بھی مملوکہ "تکیۂ عشق" ہے۔ کلام عشق کے تجسس و تحقیق کی پہلی کڑی یہی ناقص الطرفین دیوان ہے جس کا علم مجھے سب سے پہلے ہوا۔ بقیہ نسخوں کی تلاش و دستیابی کا سلسلہ اپریل سنہ ۱۹۶۲ء تک جاری رہا۔

اس دیوان کا مکمل عکس لینے کے لئے اکتوبر سنہ ۱۹۵۷ء میں صاحبِ سجادہ تکیۂ عشق سے مراجعت کی گئی۔ ہماری استدعا پر صاحبِ موصوف نے یہ نسخہ صرف چار دن کے لئے کتب خانہ مشرقیہ کے حوالے کیا تاکہ اس کا عکس بحفاظت تمام لیا جا سکے۔ لہذا وقت معیّنہ کے اندر ہی میں نے اس کا عکس حاصل کر لیا۔

اس مجلد دیوان کی لمبائی دس انچ، چوڑائی ساڑھے چھ انچ ہے اور جلد کا رنگ ہلکا آسمانی ہے۔ شروع اور آخر میں کچھ سادے اوراق بھی ہیں۔ دیوان صرف ۱۵۴ اوراق پر مشتمل ہے جن پر نمبر شمار نہیں ہے۔ زردی مائل سفید کاغذ پر مصطفائی روشنائی سے خط نسخ میں یہ دیوان لکھا گیا ہے۔ اشعار کا مسطر غیر معین ہے۔ اغلاط املا و کتابت مانند اور نسخوں کے اس میں بھی ہیں۔ خصوصاً یائے معروف اور یائے مجہول میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ نقطوں کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ 'کیچ ورڈ' ہر صفحہ کے آخر میں درج ہے۔ قطعہ نما اشعار کی تخصیص مصرعوں کے درمیان قطعہ لکھ کر کی گئی ہے۔

اس دیوان کا آغاز ردیف 'ز' سے ہوتا ہے۔ اس میں محض ۲۵۷ غزلیں ہیں۔ غزلوں کے بعد ۹ رباعیاں، ۸ قطعات اور ایک نامکمل مسدّس درج ہے۔

چونکہ یہ دیوان ناقص الطرفین ہے اس لئے کاتب کے نام یا سنہ کتابت

کا تعین غیر ممکن ہے۔ اس کی آدھی جلد کرم خوردہ ہے مگر اندر کے اوراق اور نسخوں کی بہ نسبت بہتر ہیں۔

نسخہ ۶ — یہ قلمی نسخہ پروفیسر ذکی الحق صاحب، شعبۂ اُردو بی۔ این۔ کالج پٹنہ کی ملک ہے اور ان سے مجھے مستعار ملا ہے۔ ن۵ کی طرح یہ بھی ناقص الطرفین ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس میں سادے اوراق ملاکر اس کی شیرازہ بندی کرائی ہے تاکہ ضایع شدہ حصوں کی کتابت کرا سکیں۔

یہ دیوان سبز، نیلے، پیلے اور گلابی رنگ کے مخلوط کاغذ پر مصطفائی روشنائی سے خط نسخ میں لکھا گیا ہے۔ تخلص اور عنوانات سُرخ روشنائی سے تحریر ہیں۔ نمبر شمار ہر ورق کے سرے پر اور 'کیچ ورڈ' ہر ورق کے نیچے حاشیہ پر درج ہے۔ اس کی تقطیع ۵″×۸″ اور جلد کا رنگ سُرخ ہے۔ تعداد اوراق ۱۸۱ ہے۔ غائب شدہ اوراق ملاکر غالباً ۳۴۸ ہوں گے۔ اغلاط املا و کتابت حسب دستور اور نسخوں کے اس میں بھی ہیں۔ یہ نسخہ جابجا کرم خوردہ ہے۔

نسخہ ۷ — 'یادگارِ عشقؔ' مطبوعہ

مولوی سید حسن رضا ثاقب عظیم آبادی کی یہ تالیف ۱۳۴۸ھ میں اسلامی پریس صدر گلی، پٹنہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں مؤلف کی تمہید اور علامۂ عصر مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کا پُر مغز مقدمہ ہے۔ اس کے باب اول کے تحت حضرت عشقؔ کی حیات اور باب دوم میں ان کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے آخری حصے میں انتخاب کلام ہے۔ تقریباً ہر ردیف سے اشعار منتخب کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انتخاب 'ساقی نامہ'، انتخاب 'سوز و گداز' اور چھ رباعیاں بھی ہیں۔ اس کتاب کی تقطیع ۵″×۷″ ہے۔

نسخہ ۸ ـــ مطبوعہ

یہ نسخہ صرف ۴۸ اوراق پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے ایک نظم 'ساقی نامہ' ہے۔ اس کے ختم ہوتے ہی صفحہ تینتیس ۳۳ سے 'دیوان عشق' شروع ہوتا ہے۔ اس دیوان میں محض ردیف الف ہے جس کے تحت ۱۷۷ غزلیں درج ہیں۔ آخری غزل نامکمل ہے۔ یہ نسخہ غالباً ن۳ ن۴ کا انتخاب ہے۔ اس کی تقطیع ″۶½ × ″۱۰ ہے۔ کاغذ کا رنگ ہلکا زرد ہے۔

(۲)

کلیات عشق کی ترتیب و تدوین میں تذکروں، کتابوں اور رسالوں کے علاوہ جن ماخذوں سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے ان کی تفصیل پیش کرنے کے بعد چند اہم باتیں لائق گذارش ہیں۔

نسخہ ۱ جملہ نسخوں میں سب سے زیادہ قدیم اور مکمل ہے۔ چنانچہ اس کی اساسی حیثیت کے پیش نظر، کلیات کی کتابت اسی کے مطابق کی گئی ہے۔ دوسرے نسخوں، تذکروں اور کتابوں کے انتخاب کلام میں جو اختلافات نظر آئے ہیں ان کی تفصیل حاشیہ پر درج ہے۔ اغلاط املا کی تصحیح بھی حاشیہ پر کی گئی ہے۔ جو غزلیں ن۱ کے ماسوا دوسرے نسخوں میں ہیں، کلیات میں شامل کر لی گئی ہیں۔ ان کی تخصیص کے لئے ایک نشان (+) معیّن ہے۔ مختلف ردیفوں کی مخلوط غزلوں کی شناخت بھی اسی نشان سے ہو گی۔ گرچہ کلیات میں یہ غزلیں صحیح ردیفوں کے تحت لکھی گئی ہیں۔ ن۱ کے کرم خوردہ یا نسبتاً کم اشعار دوسرے نسخوں کی مدد سے متعلقہ غزلوں سے ملحق کئے گئے ہیں۔ قوسین ( ) کے اندر کی عبارت سے مراد یہ ہے کہ وہ عبارت یا لفظ کسی شعر یا مصرع سے ملحق یا خارج کیا گیا ہے۔

کلیات کی کتابت بہ اعتبار حروف تہجی صحت کے ساتھ کی گئی ہے اور مندرجہ ذیل الفاظ کے املا کی تصحیح کر دی گئی ہے :-

اوس (اس)، ایدھر (ادھر)، اودھر (اُدھر)، اُوڑ (اُڑ)، پہونچ (پہنچ)، سچہ (سچ)، مجسی (مجھ سے)، تجسی (تجھ سے)، تجکو (تجھ کو)، مجکو (مجھ کو)، جھوٹھ (جھوٹ)، ہات (ہاتھ)، ڈھونڈھ (ڈھونڈ)، یہہ (یہ یا یہہ)، وو (وہ)، ووہی (وہی یا وہ ہی)، موتہہ (منہ)، یونہی (یوں ہی)، کیونکے (کیوں کے یا کیوں کر)، یہاں (یاں یا یہاں)، وہاں (واں یا وہاں)۔

باب پنجم

عشق کی شاعری

مصحفی کا قول " شاعری و درویشی دوش بدوش می رود " تقریباً ہر صوفی کے حسب حال ہے۔ اکابر صوفیہ کے اقوال زرّیں اور افکار عالیہ ہمیشہ اسی سانچے میں ڈھل کر منظرِ عام تک پہنچے۔ تصوف کے دقیق اصول و نظریات اور معاملات دل کے پیچیدہ رموز و نکات برابر اسی زبان میں ادا ہوئے ہیں۔ تاریخ ادب اور شعرائے ریختہ کے قدیم تذکرے شاہد ہیں کہ صوفیائے کرام نے ذکر و فکر اور ریاضت و مجاہدہ کے دوش بدوش مذاق شعر و سخن کو بھی مشاغلِ دینی میں شمار کیا، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ عشق جیسا رہنمائے سلوک، سخن گو اور سخن نواز نہ ہوتا۔

عشق بھی شاعر تھے مگر روایتی و رسمی نہیں بلکہ حقیقی و فطری۔ ان کے کلام میں " عشق حقیقی " اور " رنگ مجازی " کا نہایت ہی دل کش امتزاج ہے۔ وہ مجاز و تغزل کے پردوں میں محبوب حقیقی سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ اس کے تغافل کا شکوہ اور اپنی محرومی و مہجوری کا اظہار بڑے پرکیف، پرسوز، دردناک اور بے ساختہ انداز میں کرتے ہیں۔ دل کی یہ شورش پنہاں انھیں چین نہیں لینے دیتی۔ دردمندی و سوختہ سامانی جیسے ان کی تقدیر بن گئی ہو :

ہوں سوختہ دل فکر کوئی تازہ نہیں ہے
اک مصرعۂ برجستہ مری آہِ حزیں ہے

اپنی تو درد و غم ہی میں گزری تمام عمر
کیا جانے شاد کون تھا ناشاد کون تھا

کلام کا یہی حزنیہ رنگ عشق اور میر میں مماثلت پیدا کر دیتا ہے۔ گرچہ دونوں کی افتاد طبیعت میں بعد المشرقین ہے۔ میر کا محبوب مجازی ہے، گوشت اور پوست کا بنا ہوا ان ہی جیسا ایک انسان جو ان کا ہم دم و ہم پلّہ ہے۔ جس سے اظہار محبت میں انھیں جھجک نہیں محسوس ہوتی۔ وہ اپنے قلبی واردات اور نجی کوائف کا بیان محبوب کے سامنے نہایت پرجوش اور والہانہ انداز میں کرتے ہیں۔ لیکن یہ جذبہ بالکل نجی، ذاتی اور انفرادی ہوتے ہوئے بھی انتہائی عمومیت و آفاقیت کا حامل ہے۔ میر کے دل کی دردناک صدا سے بازگشت اس عالم سفلی میں بسنے والے بے شمار قلوب انسانی میں سنائی دیتی ہے۔ جذبات محبت کی یہ ہمہ گیری میر کو فطرت انسانی کا ترجمان بنا دیتی ہے۔ برخلاف اس کے عشق کا محبوب مجازی نہیں حقیقی، عمومی نہیں خصوصی اور انسان نہیں خالق کونین ہے۔ یہاں عاشق و معشوق کے مابین ایک ایسا خطِ امتیاز ہے جسے ملحوظ رکھنا ہوگا، ایک دائرۂ ادب ہے جس سے تجاوز ممکن نہیں۔ خلاصہ یہ کہ عشق میر کی طرح دکھُل، نہیں سکتے۔ مثلاً کوچۂ محبوب کی ہیرا پھیری سے تنگ آکر میر کہتے ہیں:

تمہارے پاؤں گھر جانے کو عاشق کے نہیں اٹھتے
تم آؤ تو تمھیں آنکھوں پہ سر پر اپنے جا دیوے

عشق کی اتنی مجال کہاں۔ وہ تو اشارۂ معشوق پر چلنے کے عادی ہیں:

غلط ہے اِدھر یا اُدھر جائیں گے
جدھر تم چلو گے اُدھر جائیں گے

میر اپنے معشوق کی بے التفاتی سے جل کر کسی اور سے دل لگانے کی دھمکی دیتے ہیں :

تم کو تو التفات نہیں حالِ زار پر
اب ہم ملیں گے اور کسو مہربان سے

عشق کا باندھا ہوا پیمانِ وفا تا دمِ مرگ نہیں ٹوٹ سکتا :

تا زندگی تو میرے محبوب ہی رہے تم
مہماں ہوں کوئی دم کا اتنا حجاب کیا

محبوب کی گالیاں میر کو بدمزہ کر دیتی ہیں اور وہ اس کو 'بے دماغ' کہنے سے نہیں چوکتے :

دیں گالیاں انھیں نے وہی بے دماغ ہیں
میں میر کچھ کہا نہیں اپنی زبان سے

عشق ایسی گالیوں کے جواب میں صرف دعا دیتے ہیں :

عشق بازی میں عوض ہے پر جدا ہیں رسم سے
ہم دعا دیتے ہیں دل سے یہ تری دشنام سُن

معشوق کی بے جا اکڑ پر میر اپنا بانکپن دکھائے بغیر نہیں رہ سکتے :

اپنا شیوہ نہیں کجی یوں تو
یار جی ٹیڑھے بانکے ہم بھی ہیں

لیکن عشق کی بارگاہ محبت میں جب ایسے نازک لمحات آتے ہیں تو وہ منت و سماجت کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے :

بات اتنی تو سنو بندہ نواز   اپنے بندوں کے رہو بندہ نواز

لیکن اس بنیادی اختلاف کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عشق میر کے ہم خیال و ہم طرح نہیں ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

میر	عشق
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں	عشق نے یاں تلک کیا رسوا
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی	خاک چھانے ہے ننگ و نام پڑا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سر زمیں	تخم خواہش گلشن دل میں نہ پھینک
تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا	حق میں اپنے کانٹے تو بوتا ہے کیا
فقیرانہ آئے صدا کر چلے	ہیں خاک وخوں میں لٹا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے	میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
رہگذر سیل حوادث کا ہے بے بنیاد دہر	یاں دم کا بھروسہ نہیں تدبیر سے حاصل
اس خرابے میں نہ کرنا فکر تم تعمیر کا	کرتا ہے دوانے کوئی تعمیر ہوا پر
دل کے تئیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا	داغ دل کا تو کبھی ہم سے مٹایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا	یہ دیا وہ ہے جو دن کو بھی بجھایا نہ گیا

میر	عشق
جس خشم سے وہ شوخ چلا آج شب آیا	کیا پوچھتے ہو آہ کہ وہ شوخ کب آیا
آیا کبھو، یاں دن کو بھی یوں تو غضب آیا	جب ہم چلے دنیا سے خفا ہو وہ جب آیا
کیا پوچھتے ہو دب کے سخن منہ سے نہ نکلا	ہے قبلۂ حاجات جسے کہتے ہو کعبہ
کچھ دیکھتے اُس کو مجھے ایسا ادب آیا	جو سامنے اس کے ہوا اُس کو ادب آیا

میر	عشق
جنوں میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں	سنانے پر دلوں کے تم لگے کرنے ہو من چلیاں
نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں	سمجھ کر دیکھو ہم کہتے ہیں یہ باتیں نہیں بھلیاں

میر

تفاوت کچھ نہیں شیریں وشکر اور یوسف میں
سبھی معشوق اگر پوچھے کوئی مصری کی ہیں ڈلیاں
چمن کو آج مارا ہے یہاں تک رشک گل رونے
کہ بلبل سر پٹکتی ہے نہیں منہ کھولتیں کلیاں
صنم کی زلفیں کوچہ ہے سربستہ ہر اک موپہ
نہ دیکھی ہوں گی تو نے خضر یہ ظلمات میں گلیاں

عشق

زباں شیریں ولب شکر وہ بوسہ قند سے میٹھا
کروں کس کس کی تعریفیں یہ سب مصری کی ہیں ڈلیاں
درخت آرزو کو اے فلک یوں بے ثمر دیکھا
نہ پھولا گل تمنا کا گریں مرجھاکے یہ کلیاں
پیام دل شکستہ عشق اتنا دل سے کہہ دیجو
نہیں آساں قدم رکھنا کٹھن ہیں زلف کی گلیاں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدح شراب تجھ بن
نہ گلے سے میرے اترا کبھو قطرہ آب تجھ بن
ترے غم کا شکر نعمت کروں کیا اے مغبچے میں
نہ ہوا کہ میں نہ کھایا جگر کا کباب تجھ بن

یہ بہار باغ وصہبا ہوئی ہے خراب تجھ بن
کسے ہے دماغ ساقی جو پئے شراب تجھ بن
مرے دل کی کچھ نہ پوچھو کہ وہ ہجر میں جلا کیوں
نہیں دل جہاں میں ایسا کہ نہ ہو کباب تجھ بن

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا
صبر تھا ایک مونس ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا
دور بیٹھا غبار میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

وہ تصور میں کب نہیں آتا
ہم نہیں ہوتے جب نہیں آتا
دل ہے خانہ خراب بیت اللہ
اس کا تجھ کو ادب نہیں آتا
عشق یادش بخیر اے یارو
آگے آتا تھا اب نہیں آتا

عشق کی غزلیں اپنی سادگی وصفائی، روانی وبرجستگی، نزاکت ولطافت،

کیف و مستی، سوز و گداز، حسرت و ناکامی، اداسی و غمگینی ہیں دراصل خواجہ میر درد کی غزلوں کو چھوتی ہیں۔ خواجہ میر درد کی زندگی اور شاعری تصوف کی چھاؤں میں پروان چڑھی۔ چنانچہ وہ اس صنف کے مسلّم الثبوت استاد ہیں۔ متصوفانہ نکات کے ساتھ ساتھ درد و غم اور رنج و الم کی ترجمانی و عکاسی خواجہ صاحب کی اہم خصوصیات ہیں۔ یہی کیفیت عشق کی بھی ہے۔ ان کا کلام بھی عارفانہ نکات کا مظہر اور درد و تاثیر مملو ہے۔ وہ اپنے کلام کی اثر آفرینی کا سبب جانتے ہیں:

تاثیر نہ ہو قول میں کس طرح سے میرے
تم جس کو اثر کہتے ہو میں اس کا بیاں ہوں

آہ و نالہ عشق کا موزوں ہوا
شعر کہنے کو مہارت چاہیے

عشق خواجہ میر درد کے ہم طرح بھی ہیں اور ہم خیال بھی:۔

درد	عشق
ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے	عرش اور فرش میں گو وہ نہ سماوے عاشق
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے	دل میں رکھتے ہیں اسے اور کہاں رکھتے ہیں
ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت	نہیں ہے فی وجودٍ غیر واحد
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا	وہی مشہود ہے اور ہے وہ شاہد
بستے ہیں تیرے سایہ میں سب شیخ و برہمن	حرم میں نام سنا دیر میں نشاں دیکھا
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا	سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا	عیش و عشرت پر جہاں کے تو نہ ہو مغرورِ عشق
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا	واقعات دی پے اب دیکھ تو افسانہ تھا

درد

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصتِ ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

گرچہ وہ خورشید رو تا ہے میرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

عبث دل بیکسی اپنی پہ تو ہر وقت رونا ہے
نہ کر غم اے دوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

حجابِ رخِ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا

ہر گھڑی ڈھانپنا چھپانا ہے
الغرض نو بنو دکھانا ہے

وصل سے بھی تو سیری ہوتی ہے
کہیں اس بات کا ٹھکانا ہے

ترچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم
یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے

واہ ری یہ زبان کی تیزی
ہر طرح کچھ نہ کچھ سنانا ہے

دیکھیو کیجیو نہ بے دردی
درد کو بھی تو منہ دکھانا ہے

عشق

آہ شبنم ہیں یا صبا ہیں ہم
دیکھتے دیکھتے ہوا ہیں ہم

گو یار بے نقاب بھی ہو دیکھیں کس طرح
کرتا ہے اپنے دل کو تو اپنا حجاب سوخت

نامرادی عشق میں مطلوب ہے
ہر گھڑی ہر بات پر روتا ہے کیا

برنگ شمع و سایہ خود بخود پردا ہے تو اپنا
اُٹھا دے آپ کو پھر دیکھ کچھ حائل نہ ہوئےگا

اس کو منظور جو ستانا ہے
ہمیں ناچار غم ہی کھانا ہے

دل میں تو اپنے رکھ اسے ہر طور
آہ سا کوئی بھی یگانا ہے

سیکڑوں دعوے ہو چکے ظالم
جھوٹ کا تیرے کچھ ٹھکانا ہے

مرے شکوہ سے مت خفا ہونا
گلۂ یار دوستانا ہے

شعلۂ آہ سے ترے اے عشق
ایک عالم ابھی جلانا ہے

درد

جگ میں آکر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
اور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا
ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا
پہ اسے آہ نے اثر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما
اس طرف کو کبھو گذر نہ کیا
کیوں بھویں تانتے ہو بندہ نواز
سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا
کتنے بندوں کو جان سے کھویا
کچھ خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا
آپ سے ہم گزر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

عشق

عرش تا فرش سیر کر دیکھا
جلوہ گر تو ہوا جدھر دیکھا
تیر کے نام پر تڑپتا ہے
اس طرح کا کہیں جگر دیکھا
آبلہ آبلہ ہوئے سب عضو
نخلِ اُلفت نے یہ ثمر دیکھا
سحر میں سامری کے کیا قدرت
تیری آنکھوں میں جو اثر دیکھا
ٹک ایک انصاف سے اگر دیکھو
عشق سا کوئی چشم تر دیکھا
گو مری آہ نے اثر نہ کیا
پہ خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا
مژہ تیری نے کون سے دل میں
تیر کی طرح گھر میں گھر نہ کیا
زندگی نے مجھے بچا رکھا
ان نے تو یاد درگزر نہ کیا
ایک دن بھی خیال دلداری
نہ کیا آہ تو نے پر نہ کیا
مثل آئینہ دوبدو ہی رہے
کسو کے دل نے یہ جگر نہ کیا

درد

تجھ سے ظالم کے سامنے آیا
جان کا ہیں نے کچھ خطر نہ کیا
سب کے جوہر نظر میں آئے درد
بے ہنر تو نے کچھ ہنر نہ کیا

عشق

وار کو تیرے دل کے منہ پہ لیا
سینہ کے داغ کو سپر نہ کیا
کون سی رات خون دل سے عشق
دامن و آستیں کو تر نہ کیا

فدوی تو عشق کے شاگرد ہی تھے۔ اس لئے انھوں نے بھی اپنے استاد کی ہم طرح غزلیں کہی ہیں :-

فدوی

غماز ہووے گو لبِ خاموش نقشِ پا
رکھتا ہوں سیلِ اشک نشاں پوش نقشِ پا
ابرو کی تیرے جس دم شمشیر نظر آئی
جز مرگ نہ کچھ اپنی تدبیر نظر آئی
دیدہ کی دونوں نے ہم کیا کیا
یاد کر روئیں چشم نم کیا کیا

عشق

اتنا مری مزار پہ ہے جوشِ نقشِ پا
جو خاک ہو گیا ہے تن و توشِ نقشِ پا
مجنوں کی کہیں اس کو تصویر نظر آئی
جو ہاتھ میں لیلیٰ کی زنجیر نظر آئی
دل پہ گذرا ہے دم بدم کیا کیا
تس پہ کرتا ہے وہ ستم کیا کیا

عشق نے اپنے کلام میں ہر قسم کی بحر استعمال کی ہے۔ چھوٹی بحر کی غزلوں میں سلاست، روانی اور نشتریت زیادہ ہے۔ ان میں بندش کی چستی بھی نمایاں ہے۔ طویل بحروں میں روانی کم ہے مگر دل کشی اور غنائی کیفیت زیادہ ہے۔ اکثر غزلیں سنگلاخ زمین میں لکھی گئی ہیں۔ نامانوس قافیہ اور ردیف کا نمونہ بھی ملتا ہے۔ بعض غزلوں کے اشعار میں داخلی ربط و تسلسل پایا جاتا ہے۔ ان سب کے

نمونے ذیل میں ترتیب وار درج ہیں

چشم بد دور یار رکھتے ہیں ایک مثل ہزار رکھتے ہیں
وہ جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں ہم کہاں اختیار رکھتے ہیں
یہ غلط ہے جو کیجئے فکرِ معاش ہم بھی پروردگار رکھتے ہیں
کوئی آنکھوں میں اور کوئی دل میں یار و میرا غبار رکھتے ہیں
اس رخ و زلف کے تصوّر کو دل ہیں لیل و نہار رکھتے ہیں
تشنگی میری کے بجھانے کو تیغ وہ آبدار رکھتے ہیں
جب بگڑتے ہیں عاشقوں سے وہ ایک یا دو کو مار رکھتے ہیں
چشمِ نرگس جو ہیں کھلے رہتے کسو کا انتظار رکھتے ہیں
شیخ کردار خلق کو مت ٹوک وہ بھی تو کردگار رکھتے ہیں
کون ناصح کا ہووے منت کش جیب کو تار تار رکھتے ہیں

کچھ فقط نام عشق رکھا ہے
عاشقی کے شعار رکھتے ہیں

عشق کا میں پیا ہوں جام عقل کہاں اور میں کہاں
دور ہوا ہے ننگ و نام عقل کہاں اور میں کہاں

جب سے جنوں ہوا ہے یار جیب ہوا ہے تار تار
ہوش سے سخت ہے ننگ و عار عقل کہاں اور میں کہاں

وہم خودی ہوا ہے دور خاک میں مل گیا غرور
عشق کا یاں ہوا ظہور عقل کہاں اور میں کہاں

عشق کی ہیں ہوا زباں عقل کا پھونکا خانماں
ہے یہ عیاں نہیں نہاں عقل کہاں اور میں کہاں

زلفِ بتاں میں تاب ہوں چشم میں ان کی خواب ہوں
رنگوں میں مثلِ آب ہوں عقل کہاں اور میں کہاں

جام ہوں یا شراب ہوں گوہر ہوں یا حباب ہوں
کیا کہوں آپ آب ہوں عقل کہاں اور میں کہاں

مجھ سے دو چار عشق ہے صاحب کار عشق ہے
ہمدم و یار عشق ہے عقل کہاں اور میں کہاں

غنچہ میں گو ہزار ہوا رنگ اور نمک — مُنہ دیکھو اس کا ایسا دہان تنگ اور نمک
اے مے کشو خبر لو دلوں کی کہ محتسب — آتا ہے میکدے میں لئے سنگ اور نمک
باتیں ملاپ کی تو بہت میٹھی ہیں پہ یار — یہ اختراع نیا ہے کہ ہو جنگ اور نمک
حُسنِ ملیح ہو جو مخطط تو کیا ہے زیب — مرغوب ہے یہ کس کو کہ ہو بنگ اور نمک

دنیا میں گرچہ شور ہے باغ و بہار کا
پر داغ عشق میں ہیں کئی رنگ اور نمک

مرنے سے اگر ملے تو مر چک — ارمان رہے نہ یہ بھی کر چک
جو ہونی ہو ایسی آگے ہووے — سر اپنے کو پانو پر تو دھر چک
کیفیتِ بے خودی ہے آگے — پیمانۂ عمر کو تو بھر چک
تب دعوئ قول و فعل کیجیو — پہلے تو کچھ آپ تو ٹھہر چک

تب عشق کا عشق نام لینا
جاں اپنے سے پہلے تو گذر چک

تم سا ہی کوئی تم کو کہیں کیا نظر آیا
جو ان دونوں آنکھوں میں یہ لختِ جگر آیا

آنکھوں میں اتر تا ہے لہو دیکھ کے تجھ کو
کیا ہو گیا جو ناز سے تو بے خبر آیا

ہم سے بھی تو کچھ ہمدمی اس کی تو بیاں کر
یا تیری طرح وہ بھی ہے اپنا نہ پرایا

کس خانہ بر انداز سے الجھا ہے ترا دل
یک بارگی گھر بار سے جو تو بدر آیا

رخسار پہ یوں اشک ہیں جوں گل پہ ہو شبنم
خالی نہیں سچ کہئے یہ دل کیوں کہ بھر آیا

عاشق سبھی ہم راز ہیں آپس میں چھپا مت
کیا آنکھوں نے دیکھا جو یہ دل دھوم پر آیا

کہنے لگا ہیں عاشق و معشوق تو واحد
عشقؔ اس شجرِ عشق میں اب یہ ثمر آیا

عشقؔ کے یہاں شعرائے دہلی کے روایتی عاشقانہ مضامین کی کمی نہیں مگر اس روایت میں بھی انفرادیت جلوہ گر ہے۔ وہ شاہدِ حقیقی سے جب پردۂ مجاز میں سرگوشیاں کرتے ہیں تو ان کی آواز دردؔ کی آواز سے بہت مشابہ معلوم ہوتی ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:-

کششِ حسن ؎

یہ حُسن یہ ادا یہ نگاہیں یہ گرمیاں
نام خدا کہاں ہیں کسی طرحدار میں

جذبۂ حُسن تجھے ایک کشش لازم ہے
ورنہ اس وادیٔ فرقت میں رہا جاتا ہوں

سوختہ سامانی ؎

جب دھواں دل سے یار اٹھتا ہے
آسماں تک غبار اٹھتا ہے

جا کے اختر فلک بنتا ہے
دل سے جو جو شرارا اٹھتا ہے

نخلِ امید اپنا خزاں میں ہی جل گیا
کہیو سلام یارو ہمارا بہار کو
منت کش صبا نہ ہوا یہ بھی شکر ہے
کھلا گیا یہ غنچۂ دل ہی بہار میں

زارِ نالی سے

خوں ہی بہتا رہا ان آنکھوں سے
پاٹ دامن کا آستیں نہ ہوا
روتے روتے کبھو جو سوتا ہے
نام تیرا پکار اُٹھتا ہے
ترے کوچے میں آئے مانند ابر
ذرا ٹھہرے آنسو بہا کر چلے
یعنی میں غریقِ رحمت ہوں
چشم رو رو کے پانی پانی کی

دمِ آخریں سے

ہلتے تھے ہونٹ اس کے وقتِ اخیر دیکھا
لے ہی گیا یہ حسرت دیدار تک نہ پہنچا
مانند شمع گزری اوّل سے عمر آخر
پر دردِ دل ہمارا گفتار تک نہ پہنچا

یہ نفس کا جو تار باقی ہے
یار جی کا دیار باقی ہے

یاس و حرماں ؎

ترا چینِ ابرو، مرا غنچۂ دل
یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتے نہ دیکھا

اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم
خاک میں آپ کو ملا دیکھا

شدتِ انتظار ؎

آنکھیں پتھرائیں مثلِ آئینہ
کیا کہوں انتظار کی صورت
ممکن نہیں جی بچے سحر تک
باقی ہے ابھی دو پہر رات

وحشت و جنوں ؎

چاکِ دل تا بہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
لختِ دل زینتِ داماں نہ ہوا تھا سو ہوا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد
اس پہ وہ میرے گھر نہیں آتا

ہجر کی گھڑیاں اور تمنائے وصال ؎

وصل تیرا اگر میسّر ہو
زندگی کی بہار باقی ہے

زندگی موت ہو گئی تجھ بن
فائدہ کیا جہاں میں گورسے

دنیا و دین لذتِ عیش و نشاط عمر
جاتے رہیں بلا سے میاں تو جدا نہ ہو

نکلے ہی پڑتے ہو جامہ سے ہمارا نام سُن
کیا بلا لاؤ گے سر پہ وصل کا پیغام سُن

ضبط گریہ سے

فقط داغ سے دل ہی جلتا نہیں
گلا آہ سے عشق چھِل چھِل گیا

مناسب نہیں زخم کو آب سن
خبردار اے چشمِ تر نم نہ ہو

مرے دل کے سب زخم ہنستے رہیں
الٰہی کبھی ان کو مرہم نہ ہو

پیمانِ وفا کی استواری سے

ناصح تری بات مانوں کیونکر
کب ہوتے ہیں آشنا فراموش

بیٹھا ہے نگیں کی طرح گھر کر
یہ دل ہے اِدھر اُدھر نہ ہو گا

نامہ و پیام سے

اتنا پیام کہیو کوئی چشمِ یار کو
نومید کیوں کیا دلِ امیدوار کو

مجملاً تو نہ کھیو اے قاصد
داغ دل کے شمار کر کہنا

شکر آمیز شکوے سے

اتنا مرا پیام کوئی اس سے جا کہے
ہم خاک میں ملے پہ میاں تو نہ آ ملا
عمرِ دراز گرچہ تری چاہ میں کٹی
پر مثلِ شمع جلنے سوا کیا بھلا ملا
پرائے گھر میں گھسنے خوف سب کے دل کو آتا ہے
یہ بے باکی تجھی سے ہو خدا کے گھر میں گھر کرنا

آستانۂ یار سے

کعبہ و دیر سے فراغت دی
تیرے قربان آستانے کے
سر اٹھائے اگرچہ تیغ جفا
سر نہ اٹھے اس آستانے سے

ستم ظریفیٔ محبوب سے

دے دے کے مجھ کو داغ یہ ہنس ہنس کے کہتے ہیں
گل پوشش بھی کریں گے تمہارے مزار کو
سر بھی قاتل کو گو دیا ہم نے
رہا گردن پہ تو بھی حق باقی

عشق کا اصل رنگ ان کے عارفانہ کلام سے ترشح ہوتا ہے۔ معرفت کے ادق

مسائل شاعر کے حسن بیان اور رنگینیٔ تخیل سے آراستہ ہو کر اثر آفریں و دل نشیں بن گئے ہیں۔ اس رنگ میں بھی عشق خواجہ میر دردؔ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔

نمونۂ کلام درج ذیل ہے :-

شاعر کے نزدیک عشق حقیقی کائنات کی سب سے بڑی قوت محرکہ ہے۔ نظام عالم میں جو توازن نظر آتا ہے وہ اسی کا کرشمہ ہے۔ 'ماہ سے لے تا بہ ماہی' سب اسی کے اسیر ہیں۔ دل داغدار کے بغیر حشر میں بھی رسوائی ہوگی۔ عرش سے فرش تک اور ازل سے ابد تک اسی کا ڈنکا بجتا رہا ہے۔

کب زباں پر آسکے ہے رازِ عشق — گوش دل میں آتی ہے آوازِ عشق

وہم جن وانس سے ہے وہ پرے — عرش پر بجتا ہے یارو سازِ عشق

ماہ سے لے تا بماہی داغ ہیں اس آگ سے

اب تلک روشن نہیں دل پر ترے تاثیر عشق

عشق تیرے قول پر اللہ اکبر ہے گواہ

مُردے کو دیوے حیاتِ دائمی تکبیر عشق

بھلا کس طور ہو گا سرخرو محشر کے میداں میں

جو کوئی عشق کی شمشیر سے گھائل نہ ہووے گا

اگر عشق عاشق نہ ہوتے جہاں میں

کوئی سحر کرتا نہ اعجاز ہوتا

قلب انسانی کو جو عظمت حاصل ہے وہ اسی جذبہ کی بدولت۔ انسان بجا طور

خدا کا مسکن ہے اور خدا خود مظہر عشق ہے۔

دیر و کعبہ میں کیا کروں جا کر
دل میں تیرا مکان دیکھ لیا
آئینہ کو جلا جو دیتا ہے
اے صبا وہ غبار ہے میرا

کسی کی کیا مجال ہے کہ جلوۂ ایزدی بالمشافہ دیکھ سکے، اس لئے صاحبِ تخلیق اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا اظہار تعینات کے پردوں میں کیا کرتا ہے۔

تکلف بر طرف یہ ہستیٔ موہوم لاشے ہے
برنگِ طور جل ہی جاؤں گو دیدار ہو پیدا
شکر اس کا کس طرح ہو مو بمو گو ہو زباں
صاحبی اپنی دکھائی عشق کو پیدا کیا
وہ اظہر من الشمس ہے کیا کہوں
میں اپنا ہی اب آپ پردہ ہوا

منبع تخلیق خود ذات باری ہے، اس لئے اس کائنات کا ہر 'جزو' اپنے 'کُل' کا مظہر ہے۔

فرق اتنا ہوا تفتیش نظر سے معلوم
بلبلا آپ کو اور تجھ کو میں دریا سمجھا
دُور بیں لب کہ عنایت ہوئیں آنکھیں چکھا
مے کا انگور سے اور گل سے پنیری کا مزہ

گو کہ مدت سے اس قفس میں ہیں
پر قدیم اپنا آشیاں ہے یاد

جب یہ 'جزو' 'کل' سے واصل ہو جاتا ہے تو خودی سے بے خودی کی منزل آجاتی ہے۔

خودی کو بے خودی کہتے ہیں آ تو مجھ میں فانی ہو
نہ کھووے گا جو کوئی آپ کو واصل نہ ہووے گا

خود فراموشی عین ہوشمندی کی دلیل ہے۔ یہ انجذاب کی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر مادّی بصارت دھیمی اور روحانی بصیرت تیز ہو جاتی ہے۔

ہے تجھے منظور اگر کشف سرّ
بے خبری سے تو خبردار ہو

کفر و اسلام کے جھگڑے بے کار ہیں اور دیر و کعبہ کی حجت فضول۔

اسلام و کفر سنتے ہو موقوف دل پہ ہے
ظاہر میں گرچہ سبحہ و زنّار ہو نہ ہو

دوئی باطل ہے اور حق موجود
دید میں ایک ہیں یہ کعبہ و دیر

'ذات' واحد ہے۔ یہاں دوئی کا کوئی امکان نہیں۔

آپ ہی آپ ہے بہر صورت
ہے دوئی یار اس جگہ مفقود

بحرِ وحدت میں سیر جو چاہے
عشق دریائے معرفت کو تیر

دراصل یہی 'وحدت' کثرت میں نمایاں ہوتی ہے۔ محض سمجھنے کی بات ہے۔

میں تو دیوانہ نہ تھا ڈھونڈتا جو جھاڑ پہاڑ
کون سی جا تھی جہاں شعلۂ دیدار نہ تھا
نسخۂ وحدت وکثرت کا تفاوت سمجھا
خوب دیکھا تو بجز پردۂ پندار نہ تھا
عرض کیا اور کیا جوہر کوئی ظاہر کوئی مظہر
محقق کہتے ہیں ان سب کو اس دلدار کی صورت

صورت پرست و راج پرست و صنم پرست
معنی میں دیکھئے تو سبھی ہیں خدا پرست

بجز ذات باری کے "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ"۔

نابود و بود مجھ سے نہ پوچھ اس جہان کی
جو بُلبُلا نمود ہوا پھر عدم ہوا
اس دم کا بھروسا کرے نادان جو کوئی ہو
جو آ گیا وہ صبح کو تو شام نہ آیا
یاں دم کا بھروسا نہیں تدبیر سے حاصل
کرتا ہے دوانے کوئی تعمیر ہوا پر!

اس لئے موت کو لبیک کہنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ موت کا خوف غیر صحت مند طبیعت کی نشانی ہے۔ آگے پیچھے سبھی کو جانا ہے۔ "رہے نام باقی بس اللہ کا!"

ہوتی ہے ایک دم میں رہ زندگی تمام
جانِ عزیز دل نہ چرا اس سفر سے تو
سیر دشتِ عدم میں آ دیں گے
جو جو پیچھے رہے ہیں دم لے کر

انسان کی بے بضاعتی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ ــــ

لائق بندگی بھی ہو نہ سکے
کس طرح سے کہیں خدا ہیں ہم
آسمان و زمین و ما فیہا
کچھ ٹھہرتا نہیں کہ کیا ہیں ہم

اس ہیچ مقدار بندہ کے لئے بس خدا کی ذات کافی ہے۔

میں کس طور سے نام لوں چاہ کا
مرے پاس ہے نام اللہ کا
یہ تمنا ہے مجھے ہر وقت اس معبود سے
ماسوا کا دل پہ میرے جو کبھو بھی غم نہ ہو

قناعت و توکّل بہترین دستورِ حیات ہے۔

سوائے رنج نہیں ہیں جہاں کی تدبیریں
گزرتی خوب ہے اس کی جسے توکل ہے
وہ شکر و شکایت کرے جو آپ بھی کچھ ہو
عارف کی نظر میں نہ چناں ہے نہ چنیں ہے!

بندہ گنہگار اور خدا بخشنے والا غفار ہے ــــ

سُن کریمی کو تیری نا مخدوم
گنہ بے شمار لایا ہوں

اسی لئے مایوسی کفر ہے ــــ

میں لا تقنطوا سنا ہے بجاں
کچھ بھی ہو دل کو میرے یاس نہ ہو

کلیات عشق میں فلسفیانہ، واعظانہ اور اخلاقی مضامین کی بھی کمی نہیں ہے۔ ایسے اشعار کے چند نمونے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

خاکساری و فروتنی عظمت کی دلیل ہے۔

قیمت اگر چاہے کہ ہووے بلند
عجز کے معنی کا خریدار ہو

میں خوش ہوں خاکساری کی رفعت سے اے خدا
ہرگز مزا نہ دیجو مجھے حبّ جاہ کا

اعلان حق برملا کرنا چاہیے۔

سخن حق پکار کر کہنا
ایک ہو تو ہزار کر کہنا

جاہ و منصب کا غرور بری چیز ہے۔

دَور سے سلطنت کے عبرت کر
جَم کہیں ہے کہیں ہے جام پڑا

دل توڑنا آسان، جوڑنا مشکل ہے۔ اسی طرح رشتہ الفت اگر مجروح ہوا تو پھر استوار ہونا محال ہے، کیونکہ کوئی مرکر زندہ نہیں ہوتا۔

میرا دلِ شکستہ جو تجھ سے نہ بن سکا　　شیشوں کو توڑ توڑ بنایا تو کیا ہوا

یہ رشتۂ عمر و الفت کا قیامت سخت نازک ہے
تکلف برطرف گنٹھتا نہیں ہے یہ جہاں ٹوٹا

عموماً ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔

اے عشق نہ کر سوچ یہ ہے رسم جہاں کی
راحت کسو کی ہوتی ہے آزار کسو کا

دوست نما دشمن سے پرہیز لازم ہے۔

پردۂ دوستی میں دشمنی جو صرف کریں
ایسی صحبت میں میاں کام نہیں رہنے کا

ہُنر کے بغیر عیب کا اثبات مشکل ہے۔

دنیا میں ہُنر جو ہُنر اپنے نہ دکھاتا
باللہ کہ معیوب بھی معیوب نہ ہوتا

اہل بصیرت کے نزدیک یہ دنیا دار المحن ہے۔

فرصت عیش بہت تنگ ہے بینا دل کو
مردمک کاٹتی ہے عمر سیہ پوشی میں

سکون کا راز تصفیہ قلب میں مضمر ہے۔

کانٹے جو دل میں چبھتے ہیں ان کا علاج کر
بستر جو تونے گُل کا بچھایا تو کیا ہوا

حسن چند روزہ پر اترانا بُرا ہے۔

حُسن صورت پہ تو نہ ہو مغرور
آخر الامر ہے فنا صورت

ہر کی پسند جدا ہے۔

ہر ایک کا جدا ہے جہاں میں پسند طبع
جس کو درست کہتے ہو تم اس کو ہم غلط

ریاکار صوفی اور بگلا بھگت شیخ کا کردار اُردو شاعری کا دلچسپ ترین موضوع رہا ہے۔ اکثر شعرا نے ان بچاروں کی ہجو کاوا کی اور ابتذال کی حد تک کی ہے۔

لیکن عشق کے مذاق کی لطافت و سنجیدگی نے انھیں طنز و مزاح کے قیود سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اس روایتی مضمون کو بھی وہ اپنے انفرادی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

طنزیہ رنگ۔

شیخ جی میری مسلمانی کو تم ہنستے ہو کیا
جن نے دیکھا اس بتِ کافر کو کافر ہو گیا

عمامہ و تسبیح پہ موقوف نہیں ہے
اے شیخ تجھے شیوۂ اسلام نہ آیا

شیخ جی بات میں کھولے ہیں لگاوٹ دل کی
انھیں کے چہرے پہ پھبتی ہے یہ تقریر اداس

دماغ دل کو کہاں ہے جو تجھ سے بحث کرے
وگرنہ تیری حقیقت ہے سب عیاں واعظ

ہولی میں نہ نکلیں شیخ باہر
ہے سخت انھوں کو رنگ کا خوف

مزاحیہ رنگ۔

زاہد کا یہ پگڑی کرتا   مکڑے کا سا ہے گا جالا

دخترِ رز کے مصاحب ہوئے جب سے ساقی
شیخ جی کو نہیں لیتا ہے کوئی تاک کے مول

کھان منیوں کی سی یہ ٹوپی ہے
شیخ صاحب کے سر پہ تاج نہیں

گربہ شا شید گفت بادا لسنت
شیخ صاحب کی ہیں کراماتیں
اتنی بک بک بھی شیخ خوب نہیں
اور کیا بے زبان بیٹھے ہیں
نشۂ عشقؔ سے ہے سر کو بزرگی بے مغز
ورنہ مندیل تری شیخ یہ کدو سی ہے

عشقؔ کا کلام ان کے حالات زندگی پر تفصیلی روشنی نہیں ڈالتا - وہ اپنے عہد کے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی رجحانات کا ترجمان بھی نہیں- اس میں حد سے زیادہ 'داخلیت' اور 'مرکزیت' ہے اس لئے کہ افکار عشقؔ کی جولانگاہ 'نہاں خانۂ دل' سے لے کر دروں خانقاہ تک محدود رہی - چنانچہ ان کے کلام میں وہ پھیلاؤ کہاں سے پیدا ہو سکتا تھا جو وسیع مشاہدات، گوناگو تجربات اور نیرنگیٔ تخیل کا ثمرہ ہوتا ہے۔ تاہم کلیات عشقؔ میں کچھ ایسے اشعار ضرور ہیں جو ان کے ذاتی عقائد اور نجی زندگی سے متعلق تجربات پر مبنی ہیں۔

عشقؔ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے غیر معمولی الفت و عقیدت تھی- اس کی شہادت ایک مثنوی کے علاوہ ان کی غزلوں کے متعدد اشعار سے ملتی ہے -

اے علیؑ ولی گدا تیرے   بندہ کو کیقباد کرتے ہیں

یہ بندۂ بے قید جو اس ہند میں اب ہے
بے شک زغلامانِ امیرِ عربی ہے
نہ ہمیں کبھو پلا دے قدح شراب بھر کر
کرے کس سے عشقؔ نالش شہِ بوتراب تجھ بن

ظاہر و باطن میں ہرگز فکر اس کو کچھ نہیں
ہے امیر المومنیں بے شبہ یارو میر عشق!

تذکروں کی روشنی میں یہ ثابت ہو چکا کہ حوادث روزگار کے تھپیڑوں نے عشق کو گھر سے بے گھر کیا۔ یہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا اس لئے کہ وطن چھوڑنا آسان نہیں۔ ہجرت کے بعد دیارِ غیر کی سرگشتگی میں شاعر کو کیسے کیسے تلخ تجربات ہوئے اور وطن مالوف کی یاد نے کس کس طرح سے دل میں چٹکیاں لیں، ان کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے بخوبی ہو جائے گا ـــ

تکلف برطرف یہ بات آخر ہم نے سمجھی ہے
غلط فہمی ہے دنیا میں کسو کو آشنا کہنا

سب کو جہاں میں دعویٔ الفت ہے دوستاں
کوئی نہیں پڑا ہے نظر آشنا پرست

غیر کے شکوے سے زباں بند کر
اپنا میاں آپ ہی تو یار ہو!

ان سب خرابیوں کو تو آج دیکھنا ہے
ہم جانتے تھے پہلے جس دن وطن سے نکلے

ہے یہ غضب کہ یار جدا ہووے یار سے
غربت ہے سہل پر جو نہ ہو ہم وطن جدا

گلہ نہیں فلک سے کچھ عشق شوکت کا
مگر یہی کہ چمن میں مجھے وطن نہ دیا

تعلی اور ڈینگ ایک بزرگ کے شایان شان نہیں، اس لئے عشق کے یہاں وہ فخر و مباہات نہیں جس کے زعم میں آکر میر نے کہا ـــ

"مستند ہے میرا فرمایا ہوا"

لیکن اپنے فن کی بلندی کا سچا اور صحت مند احساس کوئی عیب نہیں ہے ۔ عشق اپنی فنی بلندی کا مناسب احساس رکھتے تھے ۔ چنانچہ وہ بجا طور پر فرماتے ہیں ـــ

پڑھ کر اشعار ہونٹ چاٹتے ہیں

نمکیں ہے مرے کلام کا شور

کس کی زلفوں کا بیاں تو نے کیا

شعر لے گئے ہند سے جو شام کو

ہوں نمک خوار خوبرویوں کا

کیوں نہ ہووے مرا بیاں نمکیں

عشق کا اپنا ایک نظریۂ فن بھی تھا ـــ

ملے رتبا اسے گوہر سے افزود

سخن پہنچے اگر صاحب سخن کو

انداز و لطف شعر میں تصویر جیسے ہوں

اچھا سخن نہیں جو سخن در سخن نہ ہو

عشق کی غزلوں میں داخلی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خارجی محاسن بھی موجود ہیں ۔ فنی اور لسانی اعتبار سے انھوں نے شعرائے دہلی کا پورا پورا اتباع کیا ہے ۔ وہ اپنے اشعار میں سودا، درد اور میر کی طرح مختلف صنائع و بدائع کا استعمال بڑی قادرالکلامی کے ساتھ کرتے ہیں ۔ عشق کی شاعرانہ صنعتوں کی تفصیل ذیل میں درج

کی جاتی ہے۔

تشبیہ —

زبس شعلہ بلند ہو داغ دل کا چرخ پر پہنچا
برنگِ ماہ نخشب بن گیا مہتاب آتش کا

شعلہ رو ناگاہ رونے میں نمایاں ہو گیا
اشک جوں قندیل ہو روشن چراغاں ہو گیا

مٹ ہی گیا وہ اُٹھ نہ سکا مثل نقشِ پا
کوچے میں تیرے جس کو فلک نے بٹھا دیا

لوحِ مزار ہو کہ سرِ تاج دار ہو
مانندِ گل عزیز رہے ہم جہاں رہے

استعارہ —

نسیمِ زلف خوباں جو نہ ہوتی
کبھو یہ غنچۂ دل وا نہ ہوتا

انجم نہیں یہ آبلے ہیں دیکھ غور سے
سینہ فلک کا آہ کی گرمی سے پھل گیا

نگاہِ گرم پہ تیری نثار عاشق ہے
ہر ایک داغ کو سینہ کے آفتاب کیا

دو پیالے جو ہوش کھوتے ہیں
یار آنکھوں کے ہیں وہ تیری ایاغ

رعایت لفظی —

تھا خاندان چشم تو روشن جہاں کے بیچ
اے طفلِ اشک تو نے یہ گھر ہی ڈبو دیا

نہ کر لوحِ مزار اس کی بجز یاقوت احمر کے
کہ دل میں لے چلا ہے اپنے لعل یار کی حسرت

کچھ ہوا العجب نہیں ہے نرگس اگر کرے گل
یہ مشت خاک اپنے آنسو سے سانتا ہوں

کلیجہ آئینے کا دیکھ تجھ کو آب ہوتا ہے
تعجب کیا جو ہو جائے ہمارا بھی جگر پانی

حسن تلمیح —

خسرو کا دل نہ پھیرا، شیریں کا دل نہ توڑا
تیشہ کو کوہکن نے گو تان تان مارا

یوسف کو زلیخا سے کوئی کیوں کے بچاتا
اے عشق اگر گریۂ یعقوب نہ ہوتا

عشق جمشید کو ہر وقت یہی کہتا ہے
نام رہ جائے گا اور جام نہیں رہنے کا

عشق کے کھیل ہیں میاں یہ سب
ہے ایاز اب کہاں کہاں محمود

رمز و ایماء ــــ

جگر داغ، دل درد، آنکھوں میں لوہو
اگر عِشق یہ ہے تو کیا کیا نہ ہوگا
بندھی مٹھی کب تک غنچہ رہے گا
زرِ گل کی چوری کا اظہار ہوگا
آگے کچھ کچھ جو ہم سے کہتے تھے
اس سے کچھ تم کو مہرباں ہے یاد
واقف نہ جن دنوں تھے میاں اپنے حسن سے
ہے یاد بندگی میں یہی خاکسار تھا

تعقید ــــ

جان و دل میرے پہ کیا کیا تیری خاطر ہو گیا
دل تو غم سے گل گیا اور جی مسافر ہو گیا
اتنی کج خلقیاں نہیں ہیں خوب
جان اپنی سے کوئی جاوے گا
مژہ تیری نے کون سے دل میں
تیر کی طرح گھر میں گھر نہ کیا
رنگ مرے کے ہیں یہ رنگ، ڈھنگ مرے کے ہیں یہ ڈھنگ
صلح کہاں، کہاں ہے جنگ، عقل کہاں اور میں کہاں

حسن محاکات ــــ

مجنوں کی روح سے کیا میں یہ سوال جب
دیوانگی سے تو نظر استاد کیجیو

سوء الادب ہے غرض جو خدمت میں کچھ کہیں
لیکن نکاتِ عشق سے ارشاد کیجیو
بھر آہ ایک ان نے زباں سے یہ ہی کہا
مثلِ سپند جلیو نہ فریاد کیجیو!
کل جو گذر ہوا تھا ہمایوں کی قبر پر
لوحِ مزار اس کی پہ یہ تھا رقم ہوا
کر لے جو کچھ کہ چاہیے اے عشق جلد تو
جس کو دیا وجود وہ آخر عدم ہوا

حسنِ تکرار ـــــ

جب سے ہوا ہے وہ بتِ عیار یار یار
روتا ہوں تب سے برسرِ بازار زار زار
آتا تھا پچھلے گھر مرے ناگاہ گاہ گاہ
بھڑکا یا تو نے آہ شرربار بار بار
ناحق اسے تو رشتۂ جاں سے نہ سی نہ سی
دل کر چکا ہے جیب گرفتار تار تار
گو تم جو آئے منہ کو چھپائے چھپے چھپے
خورشید چھپ سکے ہے جو آئے چھپے چھپے
بوئے کبابِ دل تو جہانگیر ہو گئی
کس کس جتن سے داغ تھے کھائے چھپے چھپے
تصویر دیکھ میری شگفتہ ہو یہ کہا
یہ وہ ہے جن نے جور اٹھائے چھپے چھپے

کلیاتِ عشق میں طویل نظم اور مثنویاں بھی ہیں۔ حسبِ دستور یہ منظومات بھی عاشقانہ مضامین اور حکیمانہ خیالات پر مبنی ہیں۔ یہاں عشق نے اخلاق و تصوف کے دقیق مسائل بڑی روانی اور چابکدستی کے ساتھ عشقِ مجازی کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ صوفیانہ شاعری کی تمام داخلی خصوصیات ان میں موجود ہیں۔ مثلاً 'عشقِ حقیقی' کی مدح و توصیف، حسنِ ازلی و جلوۂ طور کی تجلیاں، جذبات و واردات کی پاکیزگی، اخلاق و حکمت کا درس، کثرت و وحدت کی رزم آرائیاں، کفر و ایمان کے جھگڑے، شیخ ریاکار اور خرقۂ سالوسی، بے ثباتیٔ عالم، الم کشی و عزلت گزینی وغیرہ وغیرہ۔ ان منظومات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

ساقی نامہ —

یہ ایک مخصوص صنفِ نظم ہے جس میں شاعر ساقیٔ برحق سے بادۂ الست کا طلبگار ہوتا ہے تاکہ اس کی سرمستی کے سہارے، جو عین ہوشمندی ہے، رموزِ کائنات سے آگاہ ہو سکے۔ عشق کا تخلیق کردہ ساقی نامہ انھیں خوبیوں کا حامل ہے۔ اس میں انھوں نے نکاتِ تصوف کا بیان مجازی رنگ میں کیا ہے۔ یہ نظم آٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔

سب سے پہلے شاعر ساقیٔ برحق کے گذشتہ الطاف و عنایات کا ذکر کرتا ہے —

تری اگلی الفت کو دیکھ اے صنم
مرے عشق کی لوگ کھاتے قسم

لیکن نہ معلوم کیوں حالات بدل گئے۔ ساقی کی نگاہ لطف و کرم، مائل بہ تغافل ہوئی —

پھریں آنکھیں اس دور میں جائے جام
جفا ہو چکی اور وفا ناتمام

اس پر طرہ یہ کہ معتوب بندہ سببِ بدگمانی سے بھی ناآشنا ہے —

سبب بدگمانی کا اظہار کر　　گرفتار کو اپنے مختار کر

ایک بندۂ حقیر اپنے رب سے ہمیشہ انصاف کا امیدوار ہے —

ٹک اک غور کر یہ ستم خوب ہے
یہ بیچارہ دل ہے نہ ایوب ہے

اس لئے ساقیٔ حقیقی کو پے در پے قسمیں دیتا ہے —

تجھے سوگواروں کی شادی کسوں
تجھے کشتۂ نامرادی کسوں
تغافل کو اپنے نہ فرما تو کام
کہ جوشش سے دے بھر کے اب مجھ کو جام

تاکہ اس کی صفت ربوبیت کے جلوے منکشف ہو جائیں —

نمایاں ہو کثرت میں وحدت تمام
کہ روشن ہو وحدت میں کثرت تمام

دراصل یہی معراج عرفان ہے —

اگر یہ نہ ہوتا نہ ہوتا نظام
ظہور محمد علیہ السلام

اگر اس منت و سماجت کے باوجود ساقیٔ برحق مائل بہ کرم نہ ہو تو بندہ مجبور محض ہے -

جو دیتا نہیں مجھ کو جامِ شراب — تو دے جام ہی زہر کا بھر شتاب
کہ تا لخت لخت ہو کے بہ جائے دل — ملے آپ میں آب اور گِل میں گِل

ہو دل کی تپش اور تمنا تمام
یہی عرض ہے مان لے والسلام

یہ نظم حسنِ معنی، شگفتگیٔ بیان اور اثر آفرینی کا مجموعہ ہے۔ لیکن مختلف بندوں اور اشعار کے درمیان داخلی ربط و تسلسل کی کمی سے خیالات گنجلک ہو گئے ہیں -

مثنوی در حکایت سنار —

عشق کی یہ واحد مثنوی ہے جس میں کہانی کا عنصر ابتدا تا انتہا بڑے ربط و تسلسل کے ساتھ کارفرما ہے۔ اس لئے کلام کا محاکاتی حسن زائل نہ ہو سکا۔ دراصل یہ بھی ایک متصوفانہ نظم ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی تعریف و توصیف اور ان کے کشف و کرامات کے بیان میں لکھی گئی ہے۔ لیکن شاعر نے نکات معرفت کے بار گراں سے نظم کے محاکاتی اجزاء کو مفلوج نہیں ہونے دیا بلکہ اپنا مقصد آخر میں ضمناً بیان کر دیا ہے۔

قصہ یوں ہے کہ —

'کہتے ہیں ہندوستاں میں تھا اک سُنار'

جس کی فنی مہارت کا یہ عالم تھا کہ —

جتنے تھے اس وقت میں اس کام کے
کان اپنے تھے پکڑتے نام لے

خوش قسمتی سے اس کے گھر میں مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ —

'تھی مصاحب اس کے گھر میں ماہرو'

وہ دونوں چین و سکون کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک قسمت نے پلٹا کھایا اور فلک گمراہ نے —

'جاہ سے لے کر بٹھایا چاہ میں'

جب عزت کے لالے پڑ گئے تو بچاروں نے طے کیا —

'چھوڑیئے اس شہر کو اب خود بخود'

اس لئے کہ — شان و شوکت سے جہاں کی ہو معاش
کریئے اس جا مکڑے روٹی کے تلاش

نشیب و فراز سوچ کر —

'الغرض وہ دونوں نکلے نازنیں'

چلتے چلتے پاؤں میں آبلے پڑ گئے' ستم بالائے ستم —

'پیش آیا ان کے جنگل ایک سخت'

اب مصیبت یہ تھی کہ اگر —

پیچھے پھر جاویں تو منزل ہے بعید

جو چلیں آگے تو ہوتے ہیں شہید

غریب ابھی اس ادھیڑ بن میں تھے کہ پیچھے سے ایک دیو پیکر نوجوان جو چہرے سے "نائب شیطان" نظر آتا تھا ایک 'دیوزاد' گھوڑے پر سوار' سامنے آیا اور —

اس پری کو دیکھ کر یک بارگی

کرنے لاگا مکر سے غم خوارگی

زرگر کو اس کی مداخلت بیجا پسند نہ آئی' جل کر بولا —

جس طرف کو ہے ارادہ جا ادھر

ہم غریبوں سے تجھے کیا درگذر

لیکن وہ "ذوفنون" جھوٹی ہمدردی اور مکر و فریب کی باتوں سے بہلا کر ان غریبوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا - آخر کار زرگر نے کہا —

تو حقیقت میں اگر قزّاق ہو

دیدہ و دانستہ ہم دیں جان کو

یہ سن کر اجنبی نے فوراً حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا حوالہ دے کر کہا —

'ضامن اس کو لے تو مجھ سے اے غریب'

زرگر راضی ہوا مگر اجنبی کے اقرار کرنے پر کہ اگر میں بد کروں —

'تو سزا پاؤں ترے آگے مروں'

اس کے بعد —

الغرض آپس میں کر قول و قرار
نام لے مشکل کشا کا اُٹھے زار

چلتے چلتے نازنیں کے پاؤں جب خار دشت سے زخمی ہو گئے تو اجنبی نے کہا —

'اس ضعیفہ کو تو کر میرا ردیف'

وہ پیکرِ حیا تڑپ کر بولی —

'مرگ بہتر پر نہ ہوں گے ہم ردیف'

آخر شوہر کے بہت سمجھانے پر اجنبی کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہوئی مگر اس انداز میں کہ —

'جیتے جی تھی قبر میں گویا گڑی'

پھر وہ اس طرح چلے کہ آگے آگے زرگر اور پیچھے وہ سوار — ابھی چند ہی قدم گئے تھے کہ اچانک —

بے تامّل مار بیٹھا بے حیا!
سر ہوا بیچارے کا تن سے جدا

شوہر کے اس انجام پر مصیبت زدہ بیوی 'زار و باراں' روتی اور مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی ہوئی آگے بڑھی۔

اجنبی بولا —

پیچھے پھر کیا دیکھتی ہے تو بتا
روبرو مارا ترے وہ مر گیا

نازنیں نے جواب دیا ـــ

دیکھتی ہوں ہے مرا ضامن کہاں
ضامنی پر جس کے ہوئی بے خانماں

اچانک "برقعہ نور" میں مستور ایک شہسوار نظر آیا اور ـــ

دیکھتے ہی یہ پکاری داد داد
اے شہِ خیبر کشا عالی نژاد

پھر تو فریاد رسں مولیٰ نے ـــ

جو ڈپٹ گھوڑے کو بھالے کو جڑا
فاش زیں سے اور زمیں پر وہ گرا

جب شیطان واصلِ جہنم ہو چکا تو ـــ

اس کو فرمایا کہ چل شوہر کے پاس
اس کے مرنے سے نہ کر دل میں ہراس

پھر ـــ

سر کو لے دستِ مبارک میں اٹھا
سر کو رکھ گردن پہ اس کی یہ کہا
زندہ ہو فرمانِ ربّا سے اے غریب
کھول آنکھیں دیکھ سر پر ہے حبیب
سنتے ہی یہ بات وہ زندہ ہوا
سر کو رکھا پانو پر بندہ ہوا

پھر اس کی بیوی بھی ـــ

لَا اِلٰہَ پڑھ مسلماں ہو گئی غم سے باہر ہو گئی شاداں ہوئی

حاصل کلام ہوا ـــــ

عشق کو بھی یا علی ایمان دے
دین دے، اسلام دے، عرفان دے

عارفانہ مثنوی ـــــ

عشق کی یہ مثنوی ۶۳ صفحات پر محیط ہے۔ اتنی طوالت کے باوجود اس میں کوئی مسلسل و مربوط کہانی نہیں ہے۔ یہ پندرہ بندوں پر مشتمل ہے۔ پہلے بند کے ماسوا، ہر نیا بند ایک رباعی سے شروع ہوتا ہے۔ ابتدائی تین بندوں میں حمد اور نعت کے بعد شاعر نے اپنے سلسلۂ تصوّف کی توضیح کی ہے۔ چوتھے بند میں مثنوی کہنے کا سبب یوں بیان کرتے ہیں :ـــ

ہوا استاد کا جب حکم ناچار — زباں پر آئے تب یہ رمز و اسرار
مترجم ہوں کلامِ عاشقوں کا — نہ کاذب ہوں محب ہوں صادقوں کا
بیاں کرتا ہوں ان کے ذوق و اسرار — خدا مجھ کو بھی دیوے ان کے اطوار

پھر آگے چل کر کہتے ہیں ـــ

حفیظ اللہ ہے اس شاہ کا نام — کرے جو ورد اس کو صبح اور شام
چھٹے تدبیر سے صبح و مسا کی — پڑے ہرگز نہ چنگل میں بلا کی

غالباً یہ مثنوی عشق نے کسی بزرگ 'شاہ حفیظ اللہ' کی ایما پر لکھی تھی۔ اس کے بعد کے بندوں میں مختلف عارفانہ حکایتیں بیان کی گئی ہیں جن سے عشقِ حقیقی کی فضیلت مترشح ہوتی ہے۔

آخر کے دو بندوں میں 'وجود'، 'خودی'، 'خدا' اور 'کائنات' پر عارفانہ نگاہ ڈالی گئی ہے۔

کرتا ہوں بیاں تو سن مجھ سے راز وجود — کہتے ہیں وجود ہے وہ مطلق موجود
ہستی سے مراد یعنی اس سے مطلق — یاں معنیٔ مصدری نہیں ہے مقصود

اصنافِ سخن کے انتخاب میں عشق نے اُردو شاعری کی روایتی پابندیوں کا بڑی حد تک احترام کیا ہے۔ ان کے کلیات میں غزل اور مثنوی کے علاوہ قطعہ، رباعی، تضمین، واسوخت وغیرہ جملہ اصناف بھی موجود ہیں، مگر نفسِ مضمون سب کا صوفیانہ و عارفانہ ہے۔

کلیات میں عشق کا صرف ایک ہی واسوخت بعنوان سوز و گداز ہے۔ یہ نظم اسم بامسمّٰی ہے۔ اس کا لب و لہجہ ایسا سوگوار اور دل گداز ہے کہ اس کی اثر آفرینی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :—

ہائے حسرت کو مری غیر خدا جانے کون — غمِ جاں سوز کو جز عشق کے پہچانے کون
میں کس آگے کہوں اور اس کو بھلا مانے کون — پردۂ دل میں اس آتش کے تئیں چھانے کون
رگ گردن کو نہ تیغ بلا تانے کون — موت کو شمع صفت سر پہ بھلا ٹھانے کون

غیرِ پروانہ جگر نیست کہ گردت گردد
طاقتِ ہیچ بشر نیست کہ گردت گردد

مت اٹھا چشمِ مروت کو تو ہم سے اے یار — کیوں کھٹکتے ہیں تری آنکھوں میں ہم مثلِ خار
بارے خوباں میں تجھے کن نے بنایا دلدار — فنِ معشوقی میں کن نے کیا تجھ کو عیّار
سچ بنائی تو کلیوں میں ہوا تو نکدار — پیش ازیں گنتے تھے خوباں میں مگر تجھ کو یار

نالۂ بلبلم افروخت گل روئے ترا
شعلۂ بے سرو پا کرد صنم خوئے ترا

عشقؔ کی ہر تضمین حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ کے اشعار پر مبنی ہے اور اس کا لب و لہجہ صوفیانہ و عاشقانہ ہے۔ قطعات اور رباعیاں بھی صوفیانہ موضوع پر مبنی ہیں۔ لیکن عشقؔ کے قطعات میں وہ زور اور ان کی رباعیوں میں وہ نشتریت نہیں جو ان کی غزلوں کی جان ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

قطعہ در توحید

ہر ایک شئے کا جدا حکم ہے شریعت میں . الٰہی کی نسبتوں کا ہے بیاں طریقت میں
برنگ دانۂ انگور و آب پاک بلند وگرنہ ایک حقیقت ہے فی الحقیقت میں

رباعیات در توحید

اس رمزِ حقیقت سے جو ہووے آگاہ اس بات پر اب عشق کی بے شک ہو گواہ
ممکن نہیں ہے غیر بجز واجب کے ہے عابد و معبود وہ اللہ اللہ

اثبات وجود اپنے پہ لا کوئی گواہ تب قدرت و فعل اپنے پہ تو کیجیو نگاہ
اس ہستئ موہوم پہ نازاں جو ہو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

دوزخ میں ہمیں یا تو بہشتوں میں رکھ یا آدمیوں میں یا فرشتوں میں رکھ
ہم تم سے جدا نہیں نہ تو ہم سے جدا پھر نام کو یا خوبوں میں یا زشتوں میں رکھ

محاسن کے ساتھ معائب کس شاعر کے کلام میں نہیں ہوتے۔ جب میرؔ جیسا بلند بانگ شاعر جس کا دعویٰ ہے کہ ــــ

"مستند ہے میرا فرمایا ہوا"

اپنے دیوان کو صرف "بہتّر نشتر" عطا کر سکا تو عشقؔ کے کلام میں رطب و یابس کیوں نہ ہو۔ عشقؔ کا دعوائے سخن گوئی بس اسی حد تک ہے ــــ

"نمکیں ہے مرے کلام کا شور"

اس میں شک نہیں کہ کلام عشقؔ کا کچھ حصّہ واقعی "نمکین" اور لاجواب ہے۔ لیکن زیادہ تر اشعار اوسط درجے کے ہیں اور کچھ بالکل پھیکے اور سپاٹ۔
اکثر غزلوں میں انتہائے سادگی کے سبب سے نثریت پیدا ہو گئی ہے مثلاً ــــ

روز تو رو رو کٹا شب ہے سو ہے
تھا سو تھا اور ہو سو ہو اب ہے سو ہے
خلق کی بدنامی جو کچھ ہو سو ہو
کون ڈرتا ہے کہیں، سب ہے سو ہے
عشقؔ کا تم ذکر بارو مت کرو
اس بلاکش سے ہیں ڈھب ہے سو ہے

بعض اشعار ثقیل الفاظ کی تکرار سے صوتی گرانی کے حامل ہیں ــــ

تا جاں نہ ہوئی عدول حکمی
تو نے کہا مر، تو مر گئے ہم

اکثر غزلیں ثقیل اور نا مانوس قافیہ و ردیف کے سبب سے تغزل کی لطافت و نزاکت سے عاری ہو گئی ہیں ــــ

نہیں ملتا کسو کے ساتھ یہ دل
الٰہی کس طرح کا ہے یہ ڈولا
ترے کوچے میں کیا قدرت جو آوے
دہن سے گو نکالے عشق ڈھولا

آنکھیں میری یہ گئیں اب پھوٹ پھوٹ
تو بھی جانا تو نے اس کو جھوٹ جھوٹ
جل کے سینہ خاک تودا ہو گیا
اے خدنگِ عشق جلدی چھوٹ چھوٹ

تعقید کی وجہ سے بعض اشعار گنجلک اور دیر فہم ہیں ــــ
آنکھوں کے تیری ڈوروں کی کیفیتوں کو دیکھ
انگور کی رگوں میں ہوئی ہے شراب سوخت
کسے ہے ننگ و عار اب اس جنوں سے
نہ بلکہ ہوشیاری کے فنوں سے

کلام میں جدتِ بیان اور نیرنگیٔ ادا کے باوجود، تازگیٔ مضامین کی کمیابی دل و دماغ پر شاق گزرتی ہے۔ قاری کا ذہن ایک صوفی کے داخلی کوائف کی بے رنگ و بو دنیا میں اسیر ہو جاتا ہے۔ عشق کو خود ہی اپنے کلام کی یکسانیت و یکرنگی کا احساس تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں ــــ

مختلف عشق کے اشعار اگر رنگ میں ہیں
سر سے لے پانوں تلک معنی و انداز ہے ایک

مگر اس یکرنگی کا کوئی علاج نہ تھا۔ عشق اپنی دنیا کی محدودیت اور اپنے مسلک کی ذمہ داریوں سے مجبور رکھے۔ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ روحانی تعلیمات اور ارشادات عالیہ پر مشتمل ہے۔ ایسے مضامین عام طور پر غیر دلچسپ اور غیر متنوع ہوتے ہیں۔

عشق کے فنی معائب پر روشنی ڈالنے کا مقصد ان کی شاعرانہ عظمت کو گھٹانا نہیں بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ ایک پر گو شاعر کا ہر شعر انتخاب نہیں ہو سکتا۔ عشق کی تقدس مآب شخصیت کی طرح ان کا کمال سخندانی بھی مسلّم ہے۔ اگر وہ ایک عظیم الشان شاعر نہیں کہے جا سکتے تو ان کے "قادر الکلام" کہنہ مشق اور پُر گو ہونے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

عشق کے ہم عصر اور زمانۂ مابعد کے اکثر مقامی و غیر مقامی تذکرہ نگاروں نے ان کا صحیح مرتبہ پہچانا ہے اور انھیں اپنے تذکروں میں جگہ دی ہے:-

میر حسن لکھتے ہیں "شعر عارفانہ در کلامش بسیار ست"

شورش کا بیان ہے "غزل را در یک نوجہ انصرام می نماید و تلاش روزمرہ ہندی بسیار می کند۔ مثنوی در مسائل صوفیہ خوب گفتہ، گفتگوئے شستہ و صاف دارد"

حکیم قدرت اللہ قاسم کے الفاظ ہیں "شعرش باکیف و تصوف آلودہ و پر مزہ و درد آلودہ است"

عشق کا فیصلہ ہے "کلامش از طرز سلاست و روانی خالی نیست، از جملہ کلماتش مثنوی در مسائل ارباب تصوف یادگار ست"

ذکا کا کہنا ہے "کلامش تصرف آمیز و نہایت درد آگیں و فصیح و بلیغ است"

کیفی کہتے ہیں "تغزل میں تصوف کی چاشنی بھری ہوئی ہے - انداز بیان دل نشین، زبان سلیس اور اثر انداز، ترکیب میں بے ساختگی ہے۔"

سید سلیمان ندوی کی رائے ہے "عشق کے کلام میں .... صوفیانہ مضامین کی آمد وہی ہے جو درد میں ہے مگر درد کا مختصر سا بیان غم یعنی ان کا دو جزو کا مختصر دیوان عشق کے ۵۰ جزو کی شرح الم یعنی ان کے کلیات کے ساتھ سمندر اور قطرہ کی نسبت رکھتا ہے۔"

الغرض عشق کی قادر الکلامی اور استادی مسلّم ہے -

باب ششم

عشقؔ کی زبان

عشقؔ زبان ریختہ کے استاد تھے۔ ان کے کلام میں اُردو، فارسی، عربی اور ہندی الفاظ کی بہتات ہے۔ خالص عربی اور عربی فارسی تراکیب کا استعمال بڑی چابکدستی کے ساتھ کرتے ہیں۔ عشقؔ کی فارسی تراکیب بھی شان بلاغت سے عاری نہیں ہیں۔ ہندی الفاظ کی کثرت سے کلام میں مقامی رنگ پیدا ہوگیا ہے۔ محاورات اور ضرب الامثال پر خاص دسترس رکھتے ہیں اور ان کے برمحل استعمال سے کلام کی جاذبیت دوبالا ہوگئی ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے عشقؔ کی لسانی وسعت کا ذکر کیا ہے اور ان کی زباندانی کو سراہا ہے:۔

"تلاش روزمرہ ہندی بسیار می کند..... گفتگوئے رشستہ وصاف دارد"

(میر حسنؔ)

"کلامش از طرز سلاست و روانی خالی نیست"

(عشقیؔ)

"زبان سلیس اور اثر انداز ہے" (کیفیؔ)

ذیل میں عشقؔ کے عربی الفاظ و مرکبات، فارسی الفاظ و مرکبات اور عربی فارسی مرکبات، ہندی الفاظ، محاورات اور ضرب الامثال کے نمونے ترتیب وار درج کئے جاتے ہیں:۔

عربی الفاظ و مرکبات :۔

ید، بیضا۔ شان، شوکت ۔ معاش ۔ نون ۔ لحمک لحمی ۔ قول، قرار ۔ مقطع، جز ۔ برقعہ، نور ۔ صورت، معراج نبوی ۔ نائب، مولا ۔ قل ھو اللہ احد، لا الٰہ الا اللہ، اشہد ان لا الٰہ، الٰہ، باھلہ ۔ اقرار اللسان ۔ معنیٰ، قبلہ، حاجات ۔ معنی، لاہوت ۔ بسملہ ۔ آجام، بداع ۔ اسرار، معارک مصحف، موجود ۔ مخفی، جلی ۔ عارف الا اسرار غین ۔ ببنبع، سرِ رسول ۔ ھل اتیٰ ۔ احسن الاخلاق ۔ عز، وقار ۔ شعلہ، طور ۔ خط، خال ۔ ورع ۔ تسطیر ۔ حدوث، قدوم ۔ تعین ۔ جوہر ۔ عرض ۔ قبلہ، دین ۔ جلال، جمال ۔ مغتنم ۔ بحث ۔ کُنتُ کَنزاً ۔ شیونات ۔ کل اللسانی ۔ شئیت ۔ انا اعرف ۔ ارحم الراحمین ۔ شفقت ۔ رحمت ۔ صلوا علیہ ۔ اصول الاصل ۔ منظر ۔ اللہ الصمد ۔ رحمت اللعالمین ۔ نعلین، مبارک ۔ نجات، عصیان ۔ مشتاق، عصیان ۔ کفر ۔ خیر الوریٰ ۔ تنزیہ ۔ تشبیہ ۔ سامعہ ۔ جوارح ۔ تفسیر، حدیث ۔ رمز، اسرار، نحن اقرب ۔ وھو معکم ۔ مارمیت ۔ فاین ما تولّوا ۔ من رانی ۔ کلام اللہ ۔ لو اما اعظم شانی ۔ انا الحق ۔ انا اللہ ۔ محبوب، باری ۔ لباس، فاخرہ ۔ متاع، صبر ۔ خیال، وہم ۔ مفتاح ۔ اہل، ارشاد ۔ اقطاب ۔ ابدال ۔ ظہور، معجزہ ۔ خرقہ، عادات ۔ علم، ارادت ۔ انوار، رحمانی ۔ آیات، قرآن ۔ سالک، سیر الی اللہ ۔ فادعونی ۔ خالصاً للہ ۔ بیت الحرام ۔ طواف، کعبہ ۔ صلوٰۃ، صوم ۔ مومنیت ۔ مرغوب، سبحان ۔ طعنہ، عام ۔ مفتاح الفرج ۔ رحمان ۔ امیر العارفین ۔ رموز ۔ سجدہ ۔ واسجد واقترب ۔ لا فتیٰ ۔ تلاوا ۔ این کُنتُ، فَقَالَ عِندَ رَبِّی ۔ قُلُوبُ العَارِفِینَ لَہَا عُیُونٌ ÷ تَرَیٰ مالا یرا الا النّاظِرونَ ۔ رشحات ۔ احاطت ۔ بساطت ۔ کمحوا لقطرہ ہو فی البحر ۔ استہلاک ۔ منظر، کل ۔ قوسین ۔ عینین ۔ مارمیت اذ رمیت ۔ ما قضیت اذ قضیت ۔ اثنین ۔ مبدا ۔ مستغرق ۔ اولیٰ ۔ درۃ التاج ۔ جعل، جاعل ۔ ماہیات، ممکنہ ۔ احتیاج، مطلقہ ۔ بسیط ۔

تاثیر، طامات - مرات، اعیان - وسائط - مزج - شرک، خفی - اثبات، جالی - معمولات، وضعی - یکون اللہ - لم یزل - شہود - توحید، معلٰی - صمد، واحد - الان کما ل کان - عرفت ثابتُ - ربی یربی علیھم، الٰہی - عالم، ارواح - فی احسن تقویم - قم باذنی - شق القمر - آیات، بینات - لیل، نہار - قمری، نسیم، سحر - خال، خط - کل شیئٍ ما خلا اللہ باطل - ثم وجہ اللہ - ثبت العرش - شعلۂ جوالہ - خاص لا یجب النقاص - سن بالسن والجروح قصاص - سنت اللہ، خلعت - مغیلاں - یبکوا کثیرًا - بنت العنب - بنیان رب الحکم للّٰہ - اللہ معک - لا حول ولا قوۃ الا باللہ - ارنی ولن ترانی - انصنا انعمکم - العادت لا یتید الا فی الموت - من جد وجد -

فارسی الفاظ و مرکبات اور فارسی عربی مرکبات :-

رنگ و رو - دست کار - ماہ دغور - مو بمو - پشت خم - دست و بازو - پنجۂ خورشید - جاہ - چاہ - مطلع خورشید - جون نگاہ تند خوباں - شۂ خیبر کشا - آئینہ فام - گلعذار - پامال و خراب - کشتۂ نامرادی - سوگند - چاہ زنخداں - کج روحیلہ ساز جہاں - خود فروش - خشک مغزی - اشک گلرنگ - ہویدا - خانہ بر دوش - درویش شیدا - راز و نیاز - فروشندہ - مغز و پوست - سرو آزاد - گلخن - گاؤدی - ہیزم کش - شۂ والا - امروز فردا - بادہ - گبر - ہژدہ ہزار - خنجر مژگاں - مانند پرِ کاہ - داغ بندگی - خانۂ مردم - گوشۂ داماں - شیشہ بازی - باد نخوت - شش و پنج - تنور لالہ - برنگ - دانۂ گوہر - تگرگ - خنجرِ چشم - دمے خوش - دل سوختہ - تلاش مے - خیال بت - دود آرہ دل - عمر کاہی - تر با کے - دست نگر - گل پیرہن - کشتی چشم - دست قدرت - نقش نگیں - مبتلائے درد بے درماں - سر پیچم ز شمشیر حبیب - با صلاح و بے صلاح - طعمۂ مرگ - حلقۂ زنجیر لرزاں - عالی نژاد - راہ طبیعت - تاجدار کشف - شاہ جلیلی - گوشوار عرش - حامل سوز و ساز - حائع نارسا - دور و تسلسل - گرم مہمیز - رنج و تعب - شہباز غمزہ - قدم بوس - چراغ تنجتر - نقش دنگار -

چادر آبشار - چہ ارواح وچہ اجسام - آفتاب روزِ محشر - وفورِ بے خودی - گلزارِ وحدت - امیدِ عفو - خاکسترِ غربت - باغ و بستان - شمشیرِ الفت - آشوبِ دوراں - دل و دیں باختہ - بانگِ ونا موس - خروسِ صبح - برقعۂ شب - بدرۂ زر - طالبِ شیدا - شہِ کون ومکاں - مفتاحِ سینہ - شہِ لولاک - آفت زدہ - لالہ ہائے چار داغ - ہادیِ برحق - برنگِ عود - شامِ غریباں - کاسۂ نرگس - خارستانِ مژگاں - اندیشۂ قلم - زلفِ بتاں - برنگِ گورِ غریباں - بستۂ دامِ قضا - کشتۂ تقدیر - چشمِ شہلا - غبارِ دامن - باغِ ارم - گریباں دریدہ - پیمانۂ مراد - کشتۂ تیرِ نگہ - گردشِ دوار - بازیچۂ اطفال - آتشِ یاقوتِ سیّال -

ہندی الفاظ :-

گھڑنا - جھمکنا - سیس پھول - تڑنگ - بہنی - اورلسی - نورتن - پالن - لاگتا - ٹکٹ - نہٹا - بھبن - کسوں - پیکھنا - گھگھیانا - منکا - بھید - چھُٹ - انگوچھا - اینچپا - پرنی - گوشالہ - چھنال - ڈھب - بچھڑنا - لوتھ - گنٹھنا - سنمکھ - ماٹی - گھمنڈ - گھٹا - سنجوگ - نبیڑا - تھپیڑا - لتھیڑا - چھپیڑا - ڈڑیرا - تریڑا - ٹھور ٹھکانہ - دھنتّر - چوکھٹ - ڈھرا - نپٹ - ٹھاٹ - لکھنا - پیرنا - ہانکنا - ڈھانکنا - بھٹی - اچپلاہٹ - نیگوڑا - ادھیڑبن - چھتری - دیپک - پرکھنا - باڑ - لڑھانا - بتیسی - سہج - اوجڑ - راکھ - باولا - جھڑکنا - سست - سانبھن - چاپلوسی - جھروکہ - تھمنا - پھپھولا - بھبھوت - بان - دھونی - ہنڈولہ - تان - کسو - اٹکھیلیاں - چت بھنگ - پاٹ - لون - گھورنا - پھلجھڑی - سمرن - منڈچڑی - گھونٹنا - بھانت - ترنگ - بچھوڑے - جیبھ - بھاویں - دوش - دھڑ - بھبھوکا - کلکل - جل بل - تھوتھنی - ناہ نو - مواد - پتھروٹا - رار - ڈھکانا -

سرا ہنا۔ پچھلا سرا۔ لوہو۔ تروار۔ لاج۔ ماتھا۔ تلک۔ کمان۔ ہٹ۔ ٹھوکر۔ نڈر۔ سیکھیں۔ کھلاڑی۔ پنجرہ۔ برچھی۔ جالا۔ پگڑی۔ کرتا۔ دیا۔ دارو۔ چھاتی۔ انوکھا۔ نڈھال۔ سمیت۔ چولی۔ جھولا۔ پولا۔ گیرو۔ داؤ۔ دُھن۔ کھوپڑی۔ چوکا۔

محاورات اور ضرب الامثال :۔

کان پکڑنا۔ تجھ پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ رنج کھینچنا۔ جان دینا۔ دل جل کر تو تنیا ہونا۔ جان سے گزرنا۔ منہ بھرائی دینا۔ شہر میں خاک اُڑانا۔ جان سے ہاتھ دھونا۔ لہو پینا۔ منہ کالا ہونا۔ دربدر پھرنا۔ دل آزاری کرنا۔ دل چھیننا۔ گل کھانا۔ ہاتھ آنا۔ منہ لگانا۔ سر پر دنیا اٹھانا۔ زخم دل ہرا ہونا۔ آنکھیں پتھرانا۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا۔ چشم سے گرنا۔ سر منڈاتے اولے پڑنا۔ منہ پر ہوائیاں چھوٹنا۔ گھٹ گھٹ کے بیمار رہونا۔ گھر ڈبونا۔ دل سے زباں تک آنا۔ آنکھیں دکھانا۔ آب آب ہونا۔ دل کباب ہونا۔ دل و جگر کباب کرنا۔ سر پھوڑنا۔ آنکھیں دو چار کرنا۔ خاک چھاننا۔ پتھر میں جونک لگنا۔ آڑے ہاتھ لینا۔ آنکھوں کا پھل جانا۔ یک جان دو قالب ہونا۔ پتھر پگھلنا۔ آسمان ٹوٹنا۔ دل چرانا۔ راہ تکنا۔ رُخ نہ دینا۔ دھوم پر آنا۔ آنکھوں میں کھٹکنا۔ انگاروں پر لوٹنا۔ گل کرنا۔ داغ جگر نمودار ہونا۔ کفر چھوٹنا۔ بے سر و ساماں ہونا۔ پاس سخن ہونا۔ سر خم کرنا۔ دو دن کی زندگی۔ ہنس ہنس کر کاٹنا۔ تا دم مرگ ہاتھ ملنا۔ آرزو کا شجر پھولنا پھلنا۔ شمشیر کھینچنا۔ مٹی خراب ہونا۔ اینٹ اینٹ اڑا دینا۔ مہم زندگی سر کرنا۔ ڈاواں ڈول ہونا۔ آبلۂ دل انگور ہونا۔ ندی ناؤ کا سنجوگ ہونا۔ شادی مرگ ہونا۔ منہ بھر جانا۔ تھوک کر چاٹنا۔ منہ پر تھوکنا۔ جان کا دشمن ہونا۔ خاک کا سرمہ لگانا۔ لوکا لگا دینا۔ کام تمام کرنا۔ آفت کا پہاڑ ٹوٹنا۔ تقدیر کا لکھا نہ مٹنا۔ منہ سے پھول جھڑنا۔

دو دن کا میلا - در و دیوار تکنا - آنکھیں بھر آنا - بل کھانا - فرش راہ ہونا - غم کھانا - ٹکٹکی لگانا - ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا - چار دن کا مہمان ہونا - ہانک لگانا - کان دھر کر سُننا - کان بہرہ ہونا - ٹالے نہیں ٹلنا - خود کردہ را علاج نیست - دل باغ باغ ہونا - پیمانۂ عمر بھرنا - پلکوں کی باڑ چلنا - ہونٹ چاٹنا - پتھراؤ ہونا - پیچ تاب کھانا - آگ بھانکنا - منہ دکھانا - جامہ سے نکل پڑنا - چٹکیاں لینا - دل میں ٹھان لینا - پتھراؤ کرنا - گربہ کشتن روز اول - ... مٹی کی ٹوپی ہونا -

---

اغلاط نامہ

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۵	۱۸	قند و نہایت	قند و نبات
۱۸	۹	بوقار سر برد	بوقار بسر برد
۱۹	۱۶	در قبرین	در قبر من
۳۱	۱۲	ارشا کردند	ارشاد کردند
۳۷	۲	فیض پاب ہوئے	فیض یاب ہوئے
۳۷	۷	ریاضت وعبات	ریاضت و عبادت
۵۰	۱۱	تربیت کے	تربیت کے لئے
۶۵	۱۳	چنانچہ اور مریدین	چنانچہ خلفاء اور مریدین
۸۲	۱	آنے خبر	آنے کی خبر
۸۸	۶	کتابت نسخ اور نہایت خوش خط ہے	کتابت نسخ صاف اور نہایت خوش خط ہے
۱۰۶	۱۲	باقی ہے ابھی دو پہر رات	باقی ہے ابھی تو دو پہر رات

کتابیات

مقدمۂ کلیاتِ عشق کے سلسلے میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، انھیں مجموعۂ 'الف' اور جو نظر سے گذری ہیں، انھیں مجموعۂ 'ب' کے تحت درج کیا جاتا ہے :-

'الف'

نمبر شمار	نام تذکرہ	نام مصنّف
۱	تذکرہ شعرائے اُردو	میر حسن دہلوی
۲	طبقات الشعراء	قدرت اللہ صدیقی شوق سنبھلی
۳	یادگار دوستاں	میر غلام حسین شورش
۴	گلشنِ سخن	میرزا کاظم مخاطب بہ مردان علیخاں مبتلا
۵	مسرّت افزا	ابوالحسن امیرالدین احمد عرف امراللہ
۶	گلزار ابراہیم	نواب علی ابراہیم خاں خلیل
۷	تذکرہ ہندی	غلام ہمدانی مصحفی
۸	گلشن ہند	سید حیدر بخش حیدری
۹	گلشن ہند	مرزا علی لطف
۱۰	عیار الشعراء	خوب چند ذکا
۱۱	تذکرہ عشقی	وجیہہ الدین عشقی

نمبر شمار	نام تذکرہ	نام مصنف
۱۲	عمدہ منتخبہ	اعظم الدولہ سرورؔ
۱۳	مجموعۂ الانتخاب	شاہ محمد کمالؔ
۱۴	مجموعۂ نغز	قدرت اللہ قاسمؔ
۱۵	طبقات سخن	غلام محی الدین مبتلاؔ
۱۵ (الف)	دستور الفصاحت	احمد علی خاں یکتاؔ
۱۶	گلشن بے خار	مصطفٰے خاں شیفتہؔ
۱۷	گلستان بے خزاں	قطب الدین باطنؔ
۱۸	خوش معرکۂ زیبا	سعادت خاں ناصرؔ
۱۹	طبقات الشعرائے ہند	کریم الدین و فیلن صاحب
۲۰	سراپا سخن	محسن علی محسنؔ
۲۱	یادگار شعراء	اشپرنگر
۲۲	گلشن ہمیشہ بہار	نصر اللہ خاں خورجوی
۲۳	سخن شعرا	عبد الغفور نساخؔ
۲۴	شمیم سخن حصہ اول	عبد الحی صفاؔ
۲۵	عروس الاذکار	نصیر الدین احمد نقشؔ
۲۶	طور کلیم	سید نور الحسن
۲۷	بزم سخن	سید علی حسن خاں
۲۸	تحفۃ العارفین	شاہ حیات اللہ
۲۹	اخبار الاولیا	قاضی محمد اسمٰعیل
۳۰	مراۃ الکونین	غلام نبی فردوسیؔ
۳۱	تذکرۃ الصلحا	مولوی عبد الحیؔ

نمبر شمار	نام تذکرہ	نام مصنف
۳۲	حیات فرہاد	شاد عظیم آبادی
۳۳	یادگارِ عشق	سید حسن رضا ثاقب
۳۴	تذکرۃ الصالحین	محمد حبیب اللہ
۳۵	تاریخ شعرائے بہار	سید عزیز الدین بلخی راز
۳۶	تذکرۃ الکرام	سید شاہ محمد کبیر
۳۷	کیفیت العارفین	سید شاہ عطا حسین
۳۸	جواہر سخن	محمد مبین کیفی
۳۹	شعرالہند	عبدالسلام ندوی
۴۰	نقوش سلیمانی	سید سلیمان ندوی
۴۱	مقام محمود	عبدالمالک آروی
۴۲	دو نایاب زمانہ بیاضیں	عبدالباری آسی
۴۳	بہار اور اردو شاعری	محمد معین الدین دردائی
۴۴	کلام میر	عبدالمنان بیدل
۴۵	مرزا محمد علی فدوی ان کا عصر، حیات، شاعری اور کلام	سید محمد حسنین
۴۶	مثنویات راسخ	ممتاز احمد
۴۷	بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا ۱۸۵۷ء تک	سید اختر احمد اورینوی
۴۸	راسخ عظیم آبادی	حضرت حمید عظیم آبادی
۴۹	گلستان ہزار رنگ	سید بہار الدین

نمبر شمار	نام تذکرہ	نام مصنّف
۵۰	چمن بے نظیر	منشی محمد ابراہیم

’ب‘

نمبر شمار	نام تذکرہ	نام مصنّف
۵۱	نکات الشعرا	میر تقی میرؔ
۵۲	گلشنِ گفتار	حمید اورنگ آبادی
۵۳	تحفۃ الشعرا	افضل بیگ قاقشال
۵۴	ریختہ گویاں	فتح علی حسینی گردیزی
۵۵	مخزن نکات	قیام الدین قائمؔ
۵۶	چمنستان شعرا	لچھمی نرائن شفیقؔ
۵۷	ریاض الفصحا	غلام ہمدانی مصحفیؔ
۵۸	دیوان جہاں	بینی نرائن جہاںؔ
۵۹	تذکرۃ الشعراء	ابن امین طوفاںؔ
۶۰	مخزن شعرا	نورالدین خاں فائقؔ
۶۱	گلستانِ سخن	قادر بخش خاں صابرؔ
۶۲	آب حیات	محمد حسین آزادؔ
۶۳	آب بقا	خواجہ محمد عبدالرؤف عشرتؔ
۶۴	ماثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد	میر غلام علی آزاد
۶۵	عقد ثریّا	غلام ہمدانی مصحفیؔ
۶۶	خزانۂ عامرہ	میر غلام علی آزادؔ
۶۷	سفینۂ ہندی	مرتبہ سید شاہ محمد عطاء الرحمن عطاؔ

نمبر شمار	نام تذکرہ	نام مصنّف
۶۸	سفینۂ خوش گو	مرتبہ سید شاہ عطار الرحمٰن عطا
۶۹	گل رعنا	عبدالحیؒ
۷۰	تذکرہ نادر	مرتبہ سید مسعود حسن رضوی
۷۱	تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ
۷۲	تاریخ فرشتہ	ملا محمد قاسم ہندو شاہ
۷۳	تاریخ مگدھ	سید فصیح الدین بلخی
۷۴	سیر المتاخرین	سید غلام حسین طباطبائی
۷۵	کاشف الحقائق	نواب سید امداد امام
۷۶	دلّی کا دبستان شاعری	ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی
۷۷	لکھنؤ کا دبستان شاعری	ڈاکٹر محمد ابو اللیث صدیقی
۷۸	چشمۂ کوثر	شیخ محمد اکرام آئی۔سی۔ایس۔
۷۹	رود کوثر	ایضًا
۸۰	آب کوثر	ایضًا
۸۱	موج کوثر	ایضًا
۸۲	تذکرۂ علمائے ہند	رحمان علی
۸۳	خزینۃ الصفیہ	مولوی غلام سرور
۸۴	اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام	عبدالحق
۸۵	اردو تنقید پر ایک نظر	کلیم الدین احمد
۸۶	اردو شاعری پر ایک نظر	ایضًا

نمبر شمار	نام تذکرہ	نام مصنّف
۸۷	گلستان مسرت	عبدالرحمٰن خاں
۸۸	کلیات میر	مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی
۸۹	دیوان میر دردؔ	خواجہ میر دردؔ
۹۰	کلیات سوداؔ	مرزا محمد رفیع
۹۱	مثنویات میرؔ	مرتبہ ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان
۹۲	قرآن و تصوف	ڈاکٹر میر ولی الدین
۹۳	عوارف المعارف	رشید احمد ارشد

تمّت بالخیر

حصّہ دوئم
کلیّاتِ عشق

یارب کریم

رَب یسر وتمم بالخیر

کہتے ہیں ہندوستاں میں تھا سنار
برنگ اور روپ جس کے کتنے ہوشیار

دست قدرت نے گھڑی تھی ایسی گات
مانی و بہزاد ہو ویں دیکھ مات

خوشنما خوش رنگ مانندِ بہار
تھا عجائب کاریوں میں دست کار

چوں یدِ بیضا اُسے اعجاز تھا
دست کاروں میں وہی ممتاز تھا

نرگس و نسرین و لالہ تازہ بو
سونے روپے کی بناتا ہو بہو

شکل انساں کی پری کی دیو کی
بت پرستوں کی بتوں کی شیو کی

جتنے تھے اُس وقت میں اس کام کے
کان اپنے تھے پکڑتے نام لے

نھی[1] مصاحب اس کے گھر میں ماہ رُو
سُن حقیقت اُس کی مجھ سے مو بمو

اس طرح اُس کا جھمکتا سیس پھول
دیکھ جس کو ماہ و خور ہو ویں ملول

اس کے بینی کا کروں میں کیا بیاں
سر پر اپنے ہے اُٹھایا آسماں

دیکھ لکی اور بسی پر کی نگاہ
تھے شہر سپند[2] کے خورشید و ماہ

خوبی چھب تخنی[3] کی کیا کیجئے بیاں
پُشت خم ہے جس کے آگے آسماں

دست و بازو کا کروں میں کیا بیاں
آستیں ہو جس کے اوپر کہکشاں

پنجۂ خورشید دل کیوں کر گھے
پھرتے ہیں خورشید داں انگلی لگے

.... نہ فلک کی خوبیاں[4]
نورتن ٹھہرائیے بازو کا میاں

۱ل۲ مُنی۔ ۲ سپندِ شہر۔ ۳ ل۲ کا غلط۔ ۴ یہ کرم خوردہ شعر صرف ل۲ میں ہے

۱........ جہانگیری کی بات | رشک سے جس کے خجل ہو آفتاب

۲........ اس کے آگے خوب ہے | جو حیا سے نازنیں محجوب ہے

۳........ تھی وہ بہت مہ جبیں | جس طرح ہو نامور نقش نگیں

اتفاقاً اس فلک گمراہ نیں | جاہ سے لے کر بٹھایا چاہ میں

محو ہو گئے یک بیک عیش و طرب | نازنینوں پر مصیبت ہے غضب

مفلسی سے سر بسر حیراں ہوئے | مبتلائے درد بے درماں ہوئے

حال تھا اُن کا پریشانی سے تنگ | تسپر آفت یہ تھی ہم چشموں میں ننگ

مشورت آپس میں کی یہ بیٹھ کر | مثلِ ماہ و خور نہ ہو جئے دربدر

چھوڑیئے اس شہر کو اب خود بخود | یعنی ذلّت ہے وطن میں سخت بد

شان و شوکت سے جہاں کی ہو معاش | کرئے اُس جا ٹکڑے روٹی کے تلاش

درد و غم کو کیجئے زاد سفر | یہ شبِ تاریک شاید ہو سحر

سر بصحرا مارئے چلئے شتاب | یا بلا پیش آوے یا آوے صواب

الغرض وہ دونوں نکلے نازنیں | کب چلے تھے راہ وہ خانہ نشیں

بیٹھتے اُٹھتے کئی منزل گئے | پانو اُن کے آبلوں سے چھل گئے

ہر قدم رو رو اُٹھاتے ناتواں | گرتے پڑتے ہنستے روتے نیم جاں

پیش آیا اُن کے جنگل ایک سخت | پیٹ کر سر کہنے لاگے وائے بخت

پیچھے پھر جاویں تو منزل ہے بعید | جو چلیں آگے تو ہوتے ہیں شہید

یاں رہیں تو یاں بھی رہ سکتے نہیں | یعنی ویرانہ ہے آبادی نہیں

سخت مضطر اس بلا میں تھے غریب | رو رو پڑھتے تھے یہی شعرِ عجیب

۱، ۲، ۳ یہ کرم خوردہ اشعار صرف ل۲ میں ہیں۔ ۴۔ نے۔ ۵ ل۲ کا غلط ہے۔ ۶ ل۲ میں یہ شعر نہیں ہے

سر نمی پیچم ز شمشیرِ حبیب [۱]   ہر چہ آید بر سرِ من یا نصیب

جو یکایک آیا پیچھے سے جواں   تھا جواں وہ یا بلائے ناگہاں

فیل منگلوسی کہوں یا دیو تھا   دیو کیا بلکہ مجسّم ریو تھا

تھا سواری میں بھی اُس کی دیوزاد   گرد کو اُس کی نہ لگ سکتی تھی باد

با صلاح و بے صلاح و ذو فنون   نائب شیطان با مکر و فسون

اُس پری کو دیکھ کر یکبارگی   کرنے لاگا مکر سے غم خوارگی

یعنی زرگر سے کہا کہ اے جواں   کس مصیبت سے ہوا تو نیم جاں

نیک بخت ہے ساتھ تیرے کون یہ   کچھ مصیبت درد اپنا مجھ سے کہہ

ہو ترش رو اُس سے زرگر نے کہا   زرگری ہم سے نہ کر تو اے دغا

ہے مثل مشہور ہم کو تو نہ چھیڑ   تجھ پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ

جس طرف کو ہے ارادہ جا اُدھر   ہم غریبوں سے تجھے کیا درگزر

رحم کی صورت بنا اُن نے کہا   تم جو کچھ کہتے ہو سو سب ہے بجا

رحم آتا ہے تمہارے حال پر   میں کہاں یارو کہاں یہ دردِ سر

پہلی منزل ہے دو چنداں یاں سے اب   تم اُدھر جاؤ بھلا پہنچو گے کب

یاں رہو تو آب و دانہ بھی نہیں   دور یا نزدیک بستی ہے کہیں

مُنہ پہ ایسے دشت کے بیٹھے ہو تم   عقل شیروں کی جہاں ہوتی ہے گُم

جنگلا ہے یہ مخوف ہولناک   جو رہو گے رات کو ہو گے ہلاک

دن ابھی باقی ہے ٹک ہمّت کرو   بے اجل اس دشت میں کیوں مرتے ہو

تب کہا زرگر نے سُن تو اے عزیز   کیا تجھے اتنی نہیں ہے اب تمیز

ال۲ یا حبیب۔

ہم مسافر تیرے کر سے واقف نہیں — تو نے باتیں چاپلوسی کی کہیں
مانیں ان کو ہم بھلا کس طور سے — ہاتھ اُٹھا تو اس ہمارے غور سے
تو حقیقت میں اگر قضاک[1] ہو — دیدہ و دانستہ ہم دیں جان کو
بیٹھے ہیں ہم جان بوجھ اس راہ پر — تاکہ ہو ویں جمع کتنے ہم سفر
چلئے مِل کے قطع کیجئے دشت کو — آگے اس کے پھر جو کچھ ہونی ہو، ہو
ساتھ تیرے اُٹھ چلیں جو ہم ضعیف — شیر کا خرگوش کیوں کر ہو حریف
تب کہا اُن نے کہ میرا پیر ہے — بے تکلف حاکمِ تقدیر ہے
مشکلوں میں کرتے ہیں یادِ علی — ہے گھڑی تو نے کبھی نادِ علی
عین مُشعر ہے کہ ہے وہ ذاتِ حق — فرش و عرش اوپر گیا ہے لے سبق
لحمکِ لحمی دلیل لام ہے — دو جہاں میں سب کو اُس سے کام ہے
یا منادی ہے ضعیفوں کو کہ ہاں — مشکلیں اپنی کرو آکر بیاں
نام اُس کا اس جہاں میں ہے علی — افتخارِ ہر نبی و ہر ولی
ضامن اس کو لے تو مجھ سے اے غریب — طالعِ بیدار ہیں تو ہو مجیب
سُن کے اُس آفت زدہ نے یہ سخن — کہنے لاگا ہم نے مانا دے بچن
قول دے یہ کہہ اگر میں بد کروں — تو سزا پاؤں ترے آگے مروں
الغرض آپس میں کر قول و قرار — نام لے مشکلکشا کا اُٹھے زار
دو قدم چلتے تھے سو سو رنج سے — یہ مصیبت حق کسو کو اب نہ دے
تھی مصیبت میں خصوصاً وہ پری — سر بسر مرغوب علت سے بری
چھالے اُس کے پانو میں تھے بیشمار — وہ برہنہ پانو اور وہ دشت خار

۱۔ قزاق۔

ہر قدم پر سیکڑوں کرتی تھی آہ / کہتی میں نے کیا کیے[1] یا رب گناہ
جو بلا اب[2] مجھ پہ یہ[3] نازل ہوئی / جو سنانِ خار سے گھائل ہوئی
تب کہا اُن نے کہ سُن تو اے ضعیف / اس ضعیفہ کو تو کر میرا ردیف
گو کہ تجھ پر قافیہ یہ تنگ ہے / بیت کا پر تیسرا مصرع لنگ ہے
گرچہ ناموزوں ہے رسمیات میں / سر بسر بے ربط ہے عادات میں
مطلع خورشید کو کیجیے بزور / مقطع جور و جفا ٹک کر تو غور
سُن کے زرگر نے کہا ناچار ہو / یہ اگر مانے تو تم اس سے کہو
سُن ضعیفہ نے کہا کہ اے شریف / مرگ بہتر پر نہ ہونگے ہم ردیف
مرد بے گانے[4] سے اتنا اتصال / ننگ و غیرت پر سراسر ہے وبال
چھوڑتے جو ننگ اور ناموس ہم / کاہے کو تو پیش آتے رنج و غم
تب کہا شوہر سے اس کے اُن نے یہ / تو تو عاقل ہے اسے سمجھا کے کہہ
دن ہے تھوڑا راہ ہے دور و دراز / چھوڑ دو مانو کہا ناز و نیاز
رات ہے درپیش اور یہ دشت ہے / سو بلا کا اس جگہ پر گشت ہے
پھاڑ کھائیں گے تمہیں یہاں گرگ و شیر / موت پر ناحق نہ ہو اتنے[5] دلیر
نازنیں کو اس کے شوہر نے کہا / سخت ناچاری ہے تو گھوڑے پہ جا
طعمۂ مرگ و بلا ناحق نہ ہو / زندگی کو مفت مفت اپنی نہ کھو
کہنے سے شوہر کے گھوڑے پر چڑھی / جیتے جی تھی قبر میں گویا گڑی
راہ سیدھی وہ چلا کتنے قدم / شوہر اس کا پیچھے رہتا دمبدم
باگ لے گھوڑے کی اس کو یہ کہا / پیچھے مت رہ آگے چل اے بے نوا

۱ل گیا کیا۔ ۲ل یہ ۳ل اب ۴ل بیگانہ۔ ۵ل اتنا۔

راہ ہے پر خوف تو ہے پائے لنگ
جس طرح ہو آگے چل مت کر درنگ

آگے آگے وہ تھا پیچھے وہ سوار
کھینچ کر یکبار[1] تیغِ آبدار

بے تامل مار بیٹھا بے حیا
سر ہوا بیچارے کا تن سے جدا

نازنیں نے دیکھ شوہر کا یہ حال
منہ کو پیٹا رو رو نوچے سر کے بال

کہنے لاگی اے خدا یہ کیا ہوا۔
دکھ میں دکھائے میرے رب یہ کیا ہوا

اُن نے گھوڑے کو ڈپٹ واں سے چلا
یعنی جو مقصود تھا حاصل ہوا

گھوڑا دوڑائے گیا وہ تھوڑی دور
کھوج بدنامی کا کھونا تھا ضرور

معذرت دلداری پھر کرنے لگا
کہ نہ ہو مغموم تو اے دلربا

اُس کے بدلے میں ترا بندہ ہوں اب
مال و دولت جو کچھ اب میرا ہے سب

نذر ہے تیری خوشی ہو کر قبول
دل کو اس غم میں نہ کر اپنے ملول

وہ بیچاری زار و باراں روتی تھی
منہ کو اپنے خونِ دل سے دھوتی تھی

تھی مصیبت میں بیچاری غمزدہ
اُس کے آگے تھا جہاں آتشکدہ

دیکھتی آتی تھی پھر پھر کے وہ راہ
اُن نے دیکھا کرتی ہے پیچھے نگاہ

پیچھے پھر کیا دیکھتی ہے تو بتا
رو برو مارا ترے، وہ مر گیا

دیکھتی ہوں ہے مرا ضامن کہاں
ضامنی پر جس کے ہوئی بے خانماں

تھی انھیں باتوں میں وہ زار و نزار
جو نظر آیا اُسے وہ شہسوار

برقعۂ نور اُس کے منہ پر ہے پڑا
پردۂ نور اپنے میں آپ ہے چھپا

ذات حق پر جیسے حاجب ہے صفات
ہے تخلل جو ہو[2] ظاہر صرف ذات

ہے سواری اُس کی میں ایسا فرس
ہاں بجا ہے جو کہوں فریاد رس

---

[1] یکبارگی۔ غلط ہے۔ [2] ہو جو۔

دانت ٹیکے تھا صدا[1] سے تیز رو　　جوں خیالِ عشق بازاں جلد رو

سُم نہ کرتے تھے زمیں کو صرف چاک　　ڈالتے تھے باؤ کی آنکھوں میں خاک

نعل سے اُس کے اگر نکلے شرر　　سیر کوہ قاف وہ جلدی سے کر

اتنی فرصت میں پلٹ کر پہنچے ہاں　　جو وہ چنگاری عدم ہووے نہ یاں

یاں تکلف شاعری کا کچھ نہیں　　درحقیقت ہیں جو یہ باتیں کہیں

گفتگو پر میری مت کیجیو سخن　　شاہدِ قول[2] اس پہ ہے قولِ کہن

راکب اُس کا جب پڑھے اُم الکتاب　　اتنے میں جو یہ رکاب اور وہ رکاب

اُس کے مرکب سے بھی یہ مشکل نہیں　　جلدیاں جو یارد یہ ہیں نے کہیں

دوسری تائید سُن تو مجھ سے اب　　جو بیاں کرتا ہوں تجھ سے بے تعب

یعنی میں جلدئ براق اب کہوں　　صورت معراج نبوی کو لکھوں

آگے بھی تو نے سُنا ہے یا نہیں　　عرش پر جا کر پھر آیا بر زمیں[3]

حلقۂ زنجیر لرزاں تھی ہنوز　　گرمئ بستر نمایاں تھی ہنوز

ہو نبی کا اسپ اتنا جلد رو　　چاہئے گھوڑا ولی کا تیز رو

یعنی وہ اُس کا خلیفہ ہے میاں　　مانتے ہیں اس کو جب کون مکاں

تھی کمر میں اُس کے تیغِ آبدار　　نام ہے مشہور جس کا ذوالفقار

جن نے عنتر کو کیا معہ خود دو　　کس طرح اژدر کو چیرا دیکھ تو

ہاتھ میں تھا اُس کے بھالا خوں فشاں　　جوں نگاہِ تند تو بانِ جہاں

دیکھتے ہی یہ پکاری داد داد　　اے شہِ خیبر کشا عالی نژاد

جو ڈپٹ گھوڑے کو بھالے کو جڑا　　فانش زیں سے اور زمیں پر وہ پڑا

۱؎ سدا۔ غلط ہے۔　۲؎ فعل　۳؎ تا زمیں۔

اس کو فرمایا کہ چل شوہر کے پاس | اُس کے مرنے سے نہ کر دل میں ہراس
آگئے ہو قادر کی قدرت دیکھ لے | یاس کو تو اپنے دل میں رہ نہ دے
لے گئی اس شاہِ عیسیٰ دم کو واں | خاک و خوں میں تھا پڑا جس جا جواں
اُترے مرکب سے شہنشاہِ جہاں | معجزہ کا اس کے آگے سُن بیاں
سرکو لے دستِ مبارک میں اُٹھا | سرکو رکھ گردن پہ اس کی یہ کہا
زندہ ہو فرمانِ ربّ سے اے غریب | کھول آنکھیں دیکھ سر پر ہے حبیب
سنتے ہی یہ بات وہ زندہ ہوا | سرکو رکھا پانو پر بندہ ہوا
کہنے لاگا اے شہِ مشکل کشا | نائبِ مولا ہو تم یا ہو خدا
جان دینا تو خُدا کا کام ہے | حیّ و قیوم اب اسی کا نام ہے
فی الحقیقت کون ہو بتلاؤ تم | بے طرح ہے دل پہ میرے اشتلم
شہ نے فرمایا یہ میرا کام ہے | بخشش حق سے یہ فیض عام ہے
جو مصیبت میں مجھے کرتا ہے یاد | بے تکلف اس کی میں دیتا ہوں داد
میں نے سلماں کو چھڑایا شیر سے | کام ہے میرا یہی اب دیر سے
عشق لازم ہے سمجھے یہ واردات | تاکہ ہو معلوم سب کو یہ نکات
یہ روایت ہے علیٔ مُرتضےٰ | بام پر تھے مثل خورشید سماء
اور خرما نوش بھی کرتے تھے واں | اس مکاں سے گذرے سلماں ناگہاں
راہ طیبت سے شہِ عالی قدر | تخمِ خرما پھینکے واں سلمان پر
سر اُٹھا سلمان نے ان سے یہ کہا | میں بڑا عمروں میں ہوں اے پیشوا
مجھ سے طیبت کو روا رکھتے ہو تم | ہوش میرے ہوتے ہیں اب اس میں گم

۱ـــ دل میں اپنے ۔ ۲ـــ معجزے ۔ ۳ـــ یاتم ۔

ہنس کے شاہنشہ نے سلماں سے کہا
عمر میں بیشک ہوں تجھ سے میں بڑا

الغرض سلماں گئے پیش نبی
بات جو گزری تھی سب اُن سے کہی

لانے میں شاہِ ولایت پہنچے واں
والیٔ ہر دو سرا شاہِ جہاں

تب کہا سلمان نے شیرِ خدا
کیوں کہے ہے تو عمر میں مجھ سے بڑا

تب کہا شیر خدا نے یاد کر
دشت ارزن میں جو تھا وہ شیر نر

چاہتا تھا تجھ کو وہ لقمہ کرے
پنجہ اپنا تیرے سر اوپر جڑے

میں طمانچہ اُس کے مُنہ پر مار کر
تھا بچایا تجھ کو اے صاحب ہنر

عمر پھر دونوں میں کس کی ہے بڑی
غور کر دیکھو، نہ دیکھو سرسری

جب کہا سلماں نے سچی ہے یہ بات
آگے اس کے پھر کہا اے عالی صفات

تب کہا شہ نے کہ تم آگے کہو
دخل دل میں شک کو اپنے تم نہ دو

تب کہا سلماں نے اس جنگل کے پھول
نذر لایا اس جواں کی میں فضول

نام ان پھولوں کا کیا تھا کیا تھا رنگ
تا یقیں پیدا کرے دل اُٹھے زنگ

بے تامل آستیں میں ہاتھ ڈال
دستۂ گل کو نکالا بے ملال

ہنس کے فرمایا یہی تھا یا وہ اور
منصف ہو جیے دیکھئے اب کر کے غور

تھا ترو تازہ وہ گلدستہ وہیں
پتیاں پھولوں کی مرجھائیں نہ تھیں

تب کہا سلماں نے اے شاہِ زمن
بندے ہیں سب تیرے کیا تو کیا کہن

دستگیری جس طرح سلماں کی کی
عشق کی کر دستگیری یا علی

دین و دنیا کی مصیبت اس سے کھو
اپنی خدمت میں اسے رکھ رُوبرو

پھر کہا ذرگر نے اے شاہ جہاں
بادشاہِ عارفاں و عاشقاں

مجھ کو تلقیں تم کرو دین مبیں
گرچہ حاصل ہے مجھے نورِ یقیں

پر تو نے تیرے کھویا دل سے زنگ
قلب کا میرے ہوا ہے اور رنگ

اصل میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۱۲ مقدمہ

کفر سے اور کافری سے ہوں بری — شیشۂ دل میں ہے ایماں جوں پری

نور ایماں ہے مرا تا آسماں — ہیں گواہ اس امر کے کون و مکاں

یہ نتیجہ تیرے حُب کا ہے ملا — گر مجھے ظاہر ہیں بھی تو آشنا

کرتے ہیں اقرار اور تصدیقِ قلب — تاکہ کفرِ ظاہری ہو مجھ سے سلب

تب کہا حضرت علی نے اے جواں — قل ہو اللہ احد کو پڑھ تو ہاں

لا الٰہ کہہ اور الا اللہ کہہ — پھر محمد یا رسول اللہ ہیں رہ

معنی اس کے اشہد ان لا الٰہ — ہے جہاں تیری شہادت پر گواہ

کہ تو معبودِ حقیقۂ احد — یا الٰہ باطلہ تا ہو دیں رد

اس کے تئیں کہتے ہیں اقرار اللساں — ہو زبان و دل سے یہ جاری بیاں

اس کے آگے دوسرے معنی یہ ہیں — چشم میں اور دل میں یہ حاضر رہیں

تیغِ لا در قتل غیرِ حق براند — در نگر کہ بعد الا اللہ چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت — شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

تاکہ دل تیرا ہو اس سے ایک سو — تاکہ ہووے قبلۂ حاجات ہُو

ماسوا کی خواہشیں[1] ہوں دل سے گم — دور ہو ویں فہم دل سے ہم اور تم

نور وحدت چشم میں ہو جلوہ گر — ہے یہ ایمانِ حقیقی کا ثمر

صدق دل سے پڑھ کہا اُن نے کہ شاہ — اشہد ان لا الٰہ ہے گواہ

جو میں اُمّت میں محمد کی ہوا — دستگیری تیری سے اے پیشوا

دوستی تیری ہے جنت کی کلید — جس سے ہووے[2] ناامیدوں کو اُمید

وہ ضعیفہ پڑھ شہادت کو بجاں — کہنے لاگی اے شہنشاہِ جہاں

لا الٰہ پڑھ مسلماں ہو گئی — غم سے باہر ہو گئی شاداں ہوئی

عشق کو بھی یا علی ایمان دے — دین دے اسلام دے عرفان دے

۱؎ خواہشیں۔ غلط ہے۔ ۲؎ ہوئے۔

اس کی گردن پر خطِ شمشیر تھا | جس طرح سے ہو نہٹا شیر کا
جوں سلیمانی میں خط ہو وے پڑا | خط گردِ اگرد اس گردن کے تھا
بلکہ فرزندوں تلک اس کے نشاں | کہتے ہیں ہوتا ہے گردن پر عیاں
جو کوئی تفتیش سے تھا پوچھتا | اس سے کہتا زرگر اپنا ماجرا
معجزہ تو کہہ چکا اے عشق تو | کر بیاں اب یاں سے اپنی آرزو
اے شہِ مشکل کشا شاہِ دو کون | سرورِ سردار مفتیٔ سلون
تاج دارِ کشف تو شاہِ جلیل | بابِ علم اور اُوستادِ جبرئیل
نفسِ پیغمبر وحیٔ مصطفےٰ | حق کہے جس کو علیؑ مرتضےٰؑ
ہے مہندس غیب کے ہاہوت کا[1] | ہے مصور معنئ لاہوت کا
بسملہ ہے نسخۂ مورود کا | فاتحہ ہے مصحفِ موجود کا
وہ تو ہی ہے حیدر اجامِ براع | ہے وہ اسرارِ معارک اختراع
تو امامِ اوّلیں ہے اے علی | واقفِ اسرار مخفی و جلی
ہے حقیقت حرفِ پاکی تو تو شاہ | تجھ سے ہے میری ہمیشہ التجاہ
التجا میری کو سن شاہِ ھمام | از برائے حضرتِ ثانی امام
سیدمن عارف الاسرار غین | مصطفےٰؐ اور فاطمہؑ کا نور عین
بضع در سرِ رسول مصطفےٰ | حادئ اسرار شاہِ ھل اتیٰ
گوشوارِ عرش شاہِ ذوالمنن | احسن الاخلاق تحسینِ حسن

سرور و سرتاج عالم پیشوا
شاہ ما و شاہِ ما و شاہ ما

---

[1] الہٰ را، غلط ہے۔

یا رب

رب یسر وتمم بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُن اے ساقیٔ مستِ ناز[۲] و غرور — سُن اے آتشِ اندازِ صد[۳] کوہ طور
سُن اے ساقیٔ تاجدارِ بہار — سُن اے ساقیٔ رونقِ روزگار
سُن اے ساقیٔ حاصلِ سوز و ساز — سُن اے لطف پرداز ناز و نیاز
سُن اے بے قراروں کے صبر و قرار — سُن اے ناتوانوں کے عز و[۴] وقار
سُن[۵] اے کبر سوزِ مناجاتیاں — سُن اے پادشاہِ خراباتیاں
سُن اے ساقیٔ رونق افزائے جام — لبالب کر اب جام آئینہ فام
نہ کھچوا مجھے اس قدر تو خمار — کہ ہے مہرباں تو ہی تو غمگسار
تری مہربانی سے ہے سخت دور — کہ سنگِ تغافل سے شیشہ[۶] ہو چور
ٹک اک سوچ کر دیکھ تو میری جاں — کہ یہ زندگی ہے سراپا گماں
یہ بنیادِ ہستی ہے خانہ خراب — کہ جیسے ہو شیشے[۷] میں مے کے حباب
تغافل کو مت دیجیو دسترس — کہ باقی نہیں دم میں بیش از نفس
ترا مجھ سے ہرگز نہ تھا یہ قرار — کیا تو نے جو مجھ سے اے گلعذار
تری اگلی الفت کو دیکھ اے صنم — مرے عشق کی لوگ کھاتے قسم
تری مہربانی تھی جب مہرباں — تصدق ترے تھی یہ تیری زباں
کہ تجھ بن نہ یہ سیر بھاوے مجھے — ہوائے جہاں کب خوش آوے مجھے

---

۱ صرف ر؟ میں اس شعر کے پہلے "ساقی نامہ" بطور عنوان درج ہے۔ ۲ ل، مست و ناز۔ ۳ ل، صید۔ غلط ہے۔ ۴ ل۲ ل، عز و وقار۔ ل، عز و نیاز۔ ۵ ل۲ ل۳ ل، میں یہ شعر یوں درج ہے ع سن اے پادشاہِ خراباتیاں، سن اے کبر سوزِ مناجاتیاں۔ ۶ ل۲ ل، شیشہ۔ درست ہے۔ ۷ ل۲ ل، شیشہ

خمار اس کا ہوں کھینچتا اس قدر — نہیں جام مجھ کو بجز چشمِ تر

پھریں آنکھیں اس دور میں جائے جام — جفا ہو چکی اور وفا ناتمام

نہ کر سرکشی خاکساروں کے ساتھ — کہ آخر کو دامن تر ان کے ہاتھ

نہیں مجھ کو معلوم اپنا گناہ — کہ رحمت کی کیوں کر پھری ہے نگاہ

نہ سر پھیرا ظالم ترے وار سے — نہ مُنہ موڑا میں تیری تروار سے

ترے جور کی کچھ شکایت نہ کی — تمنا[1] سے کچھ بھی[2] حکایت نہ کی

نہ کی آرزوِ دل کی تجھ سے[3] بیاں — نہ کی چشم کی توں فشانی عیاں

چھپایا ترے عشق کا دل میں داغ — ہوا داغ بھی[4] دل کو چشم و چراغ

سبب بدگمانی کا اظہار کر — گرفتار کو اپنے مت خار کر

اُٹھایا ہے تو نے وفا سے تو ہاتھ — جفا کو تو سرگرم رکھ میرے ساتھ

طریق[5] جفا سے میاں مت گزر — رسومِ دل آزاری سے رم نہ کر

نہ کر قطع ظالم مری دوستی — یہی دشمنی ہے یہی دوستی

نہ کر چشم کو چشم[6] سے آشنا — اگر آشنا ہے نہ تیور پھرا

نہ ذرّے کو گستاخ کر آفتاب — اگر ہو نہ کر پائمال و خراب

جسے باندھے فتراک ہوتا ہو خوار — اسے کیجئے کاہے کو ظالم شکار

روا ہے اسیروں کی پروا نہ کر — گرفتار کر اور پروا نہ کر

کہ ہے بے پروں کو رہائی وبال — اُنھیں زندگی اپنی ہوئی ہے ملال

پس ایسے گرفتار کو تو نہ بھول — مجھ آفت رسیدہ[7] کو مت رکھ ملول

ٹک اک غور کر یہ ستم خوب ہے — یہ بیچارہ دل ہے نہ ایوبؑ ہے

۱۔ ا۲ کی۔ ۲۔ ک کچھ بھی۔ ۳۔ ک کچھ بھی عیاں۔ ۴۔ ا۲ ک ن ہی۔ ۵۔ گزر۔ ۶۔ ا۲ خشم۔ ن حشم۔ خشم درست ہے۔
۷۔ ا۲ ن رسیدہ۔ درست ہے۔

تغافل نہ کر درد سُن اے صنم | کہ ناچار دیتا ہوں تجھکو قسم

قسم[۱] ہے تجھے جانِ بیتاب کی | قسم ہے تجھے عالمِ آب کی

تجھے بے نیازی کی اپنی قسم | تجھے حیلہ سازی کی اپنی قسم

قسم[۲] ہے تجھے سینۂ چاک کی | قسم ہے تجھے سایۂ تاک کی

نگاہِ مروّت کی تجھ کو قسم | شرابِ محبت کی تجھکو قسم

قسم ہے تجھے سُرخیٔ چشم کی | قسم ہے تجھے ناز سے خشم کی

تجھے بادشاہی کی اپنی قسم | تجھے کج کلاہی کی اپنی قسم

قسم ہے تجھے چشمِ پُرخواب کی | قسم ہے تجھے زلفِ پُرتاب کی

ملاحت کے تجھ کو نمک کی قسم | صباحت کی تجھ کو چمک کی قسم

قسم ہے رُخ و زلف کے نام کی | قسم ہے تجھے صبح اور شام کی

مقدس نگاہوں کی تجھکو قسم | تحیر پناہوں کی تجھ کو قسم

قسم ہے تجھے آبِ انگور کی | قسم ہے تجھے چشمِ ناسور کی

کبابِ جگر کی ہے تجھ کو قسم | شرابِ دگر کی ہے تجھ کو قسم

قسم ہے تجھے سینہ[۳] کے داغ کی | قسم ہے تجھے داغ کے باغ کی

تجھے اپنے ساقی گری کی قسم | تجھے شیشہ[۴] میں کی[۵] پری کی قسم

قسم ہے تجھے جانِ بیدار کی | قسم ہے تجھے اپنے بیمار کی

تجھے دلربائی کی اپنی[۶] قسم | تجھے بے وفائی کی اپنی[۷] قسم

قسم ہے تجھے قلب کے نور کی | قسم ہے تجھے شعلۂ طور کی

تجھے اپنے[۸] ناز و ادا کی قسم | تجھے اپنے جور و جفا کی قسم

---

۱ صرف ل؍ میں اس شعر کے پہلے "ساقی کو قسمیں" بطور عنوان درج ہے۔ ۲ ل؍ قسم ہے تجھے سایۂ تاک کی + قسم ہے تجھے سینۂ چاک کی۔ ۳ ل؍ ۲ سینۂ۔ ۴ ل؍ ۲ شیشہ۔ ۵ ل؍ کے۔ غلط۔ ۶ ل؍ اپنے۔ ۷ ل؍ اپنے۔ ۸ ل؍ اپنی۔

قسم ہے تجھے سوز اور ساز کی — قسم ہے تجھے عجز اور ناز کی
تجھے میرزائی کی اپنی[1] قسم — تجھے خود نمائی کی اپنی[2] قسم
تجھے اپنے اس بانک پن کی قسم — تجھے اپنے ظالم پھبن کی قسم
قسم ہے تجھے قیس و فرہاد کی — قسم ہے تجھے جانِ ناشاد کی
قسم پر قسم تجھ کو دیتے ہیں ہم — ٹک اک مان دل سے ہماری قسم
تجھے اپنی آنکھوں کی گردش کسوں — تجھے اپنی پلکوں کی جنبش کسوں
تجھے چشم[3] نرگس کی[4] حیرت کسوں — تجھے داغِ لالہ کی حسرت کسوں
تجھے[5] اپنی آنکھیں دکھانے کسوں — تجھے اپنے تیور پھرانے کسوں
تجھے اپنی آنکھیں ملانے کسوں — پھر آنکھیں چھپا مسکرانے کسوں
تجھے آئینہ کی محبت کسوں — تجھے خود پرستی کی شوکت کسوں
تجھے چشم شبنم کے[6] رونے کسوں — تجھے عارضِ گل کے[7] دھونے کسوں
تجھے عاشقوں کی حرارت کسوں — تجھے مغبچوں کی شرارت کسوں
تجھے جام کے مسکرانے کسوں — صراحی کے آنسو بہانے کسوں
تجھے موج کی اضطرابی کسوں — تجھے بلبلے کی خرابی کسوں
تجھے نبضِ عاشق کی حرکت کسوں — تجھے جنبشِ دل کی برکت کسوں
تجھے سوگواروں کی شادی کسوں — تجھے کشتۂ نامرادی کسوں
تغافل کو اپنے نہ فرما تو کام — کہ جوشش سے دے بھر کے اب مجھکو جام
کہ لے کر کے[8] میں اُس آتشیں جام کو — جلاؤں میاں ننگ اور نام کو
زباں پر نہ آوے کوئی گفتگو — رہے دل میں میرے نہ کچھ آرزو

---

[1] ا: اپنے۔ [2] ا: اپنے۔ [3] ا: جسم۔ [4] ل: کے۔ [5] ش: میں یہ شعر نہیں ہے۔ [6] ل: کی۔
[7] ل: کی۔ [8] ل ۲ ل: کہ لے کر۔ ل: کہ پی کر۔

سرو کار دل کو نہ ہو تجھ بغیر — کسو سے نہ الفت کسو سے نہ بیر
طلب ہے یہی اور یہی جستجو — یہی آرزو ہے یہی آرزو[1]
پلا اُس مئے آرزو سوز سے — فراغت ہو مجھ کو شب و روز سے
شتابی سے بھر جامِ یاقوت رنگ — کہ چھٹ جائے اس آئینہ[2] دل سے زنگ
مری جان وہ مے مجھے تو پلا — بصیرت کی[3] آنکھوں کو جو دے جلا
کہ ہو دور آنکھوں سے یہ احولی — نمایاں ہو مجھ پر خفی[4] و جلی
تجھے سب میں اور سب کو[5] تجھ میں عیاں — میں دیکھوں نہ ہو اس میں شک اور گماں
تو ہم کا ہو کار تھا نہ عدم — اور اُٹھ جاوے[6] بحثِ حدوث و قدم
نمایاں ہو کثرت میں وحدت تمام — کہ روشن ہو وحدت میں کثرت تمام
اگر یہ نہ ہوتا نہ ہوتا نظام — ظہور محمد علیہ السلام
سُن اے جان و ایمان کے[7] رازدار — سُن اے کنز مخفی کے مفتاح کار
چمن ہے رسالت کا پُر آب و تاب — شتابی سے لا جامِ گلگوں شراب
نہ ترسا نہ کھچوا مجھے تو خمار — تری جان کیسوں کہ ہوں بیقرار

مری[8] اضطربی کو تو جان لے — قسم سچ ہے میری ارے مان لے
مجھے تیری[9] سوگند کھانے کسوں — ستانے کسوں اور کڑھانے کسوں
مجھے تیری زلفیں چھپانے کسوں — چھپانے کسوں پھر دکھانے کسوں
جفائیں کسوں اور وفائیں کسوں — نگاہوں کسوں اور ادائیں کسوں
مجھے عشق کی نارسائی کسوں — مجھے حُسن کی پارسائی کسوں

۱؎ تمنا یہی۔ ۲؎ چھوٹے اس آئینۂ۔ ۳؎ کے۔ ۴؎ ۲ اور۔ ۵؎ ۲ سب کچھ۔ ۶؎ ۱ اٹھ جائے۔ ۷؎ ۲ ایمان رازدار۔ غلط ہے۔ ۸؎ میں اس شعر سے پہلے "جواب قسم" بطور عنوان تحریر ہے۔ ۹؎ ۱ مجھے میری

بجھے برق کی اچپلاہٹ کسوں ۔۔۔ ہے یعنی تری چنچلاہٹ کسوں
بجھے نالۂ دل شکستوں کسوں ۔۔۔ مجھے شور و فریاد مستوں کسوں
مجھے غنچے[1] میں بو کے بسنے کسوں ۔۔۔ بجھے یار اب گل کے ہنسنے کسوں
تری خود پرستی[2] کی مجھ کو قسم ۔۔۔ ترے ناز و مستی کی مجھ کو قسم
قسم ہے بجھے رونق باغ کی ۔۔۔ قسم ہے بجھے لالہ کے باغ کی
بجھے طالعِ نارسا کی قسم ۔۔۔ مجھے شوخ تیری[3] ادا کی قسم
قسم آرزو اور تمنّا کی ہے ۔۔۔ قسم نا اُمیدی کے سودا کی ہے

قسم[4] ہے بجھے نازِ معشوق کی ۔۔۔ قسم ہے مجھے سازِ معشوق کی
مرے درد سے دردِ سر دنگ ہے ۔۔۔ مرے ہاتھ سے صبرِ دل تنگ ہے
مری سخت جانی سے ڈرتی ہے مرگ ۔۔۔ مری زندگانی سے مرتی ہے مرگ
کہ میں بے زبانی میں اُستاد ہوں ۔۔۔ کہ جوں نَے سراپا میں فریاد ہوں
اے ساقیٔ قبلۂ دین و دل ۔۔۔ ارے جام و مینا[5] سے ہو مشتغل
پلا جام اے بدگماں مہرباں ۔۔۔ کہ چکر میں آجاویں[6] کون و مکاں
پیالے لبالب کے بخش جام ۔۔۔ کہ دور و تسلسل[7] سے حاصل ہو کام
جو لبریز ہو آتش و آب سے ۔۔۔ لبالب ہو یاقوتِ پُرتاب سے
یہ تو تو یہ میں میں بھلا تا کجا ۔۔۔ رہے تو ہی تو اور میں ہوں فنا

حکایت ہے یہ شیشہ و جام کی ۔۔۔ کہ ساقی پرستوں کے ہے کام کی

۱ل۲ غنچہ۔ ۲ لڈ خود پسندی۔ ۳ لڈ تیرے۔ ۴ لڈ میں اس شعر سے پہلے "ناچار شدن از غم و قسم خوردن پیہم بطور عنوان درج ہے۔ ۵ سک لڈ جامِ مینا۔ ۶ ل۲ آجاوے۔ ۷ ل۲ لڈ د.. تسلسل۔ ۸ لڈ میں اس شعر سے پہلے " در تعریف سراپائے ساقی من وجہ باقی" بطور عنوان تحریر ہے۔

وہ ساقی کہ ہے مے پرستوں کی جاں ‏ نظر اُس کی سے مست ہیں دو جہاں

یہ دل کھینچ کر مثل زر اربعیں ‏ کیا اُن نے صاف اپنا یار و یقیں

مصفا ہوا وہ برنگِ شراب ‏ لبوں کا کیا اُن نے جام انتخاب

کہ جوں جامِ دل اب وہ لبریز ہے ‏ بطورِ نشہ گرم مہمیز ہے

فضائے تمنا میں وہ بے پا و سر ‏ صبا گل پہ کرتی ہے جیسے گذر[1]

خط و خال ساقی کے کرتا ہے ذکر ‏ ٹک اک فکر سے سُن تو اب اس کی فکر

ارے ساقیٔ بے بہا در شعار ‏ رگ و ریشۂ تاک کرتا رتار

بنے ریشۂ تاک سے مو قلم ‏ اُٹھاوے ترے وصف کا وہ علم

کہ یاں عشق کے رنگ تیار ہیں ‏ چھپیں کیوں کہ مشتاقِ اظہار ہیں

کہ تا فہم تصویر کھینچے تری ‏ دوانی[2] جسے دیکھ ہووے تری

مرقع کروں پارۂ دل کے تئیں ‏ کروں مثلِ گلذار[3] اس گل کے تئیں

کہ ساقی سے مقصود ہے تو ہی جاں ‏ یقیں ہے یقیں ہے نہیں ہے گماں

کہ ان ساقیوں میں بہادر ہے تو ‏ تجھی سے مرے دل[4] کو ہے گفتگو

مجھے ساقی سے تو ہی منظور ہے ‏ یہ ذاکر ترا[5] تو ہی مذکور ہے

اگر ایک دے جا گلابی سبے ‏ شرابی ہو زاہد ورع کو تجے

جبیں کی کہوں اُس کی کیا آب و تاب ‏ چمکتا ہے جس طور سے آفتاب

فلک ہر مہینے کمانِ ہلال ‏ اُس ابرو کی اب نذر لاوے نکال

ترے رُخ کا پر تو ہے یہ آفتاب ‏ کہ جوں آب گل عکس ہوتا ہے آب

نہ پلکیں وہ ہیں خنجرِ آبدار ‏ نہ آنکھیں وہ دو مست ہیں میگسار

نہ پتلی ہے مردم یہ ہے پیکھنا[6] ل ‏ طرف اُس کے مت دیکھیو[7] دیکھناں

۱- گزر- نسخہ نظر- ۲ نسخہ ۲ جسے دیکھ دیوانی ہووے پری نسخہ ۲ جسے دیکھ ہووے دیوانی پری- ۳ نسخہ گلزار درست ہے ۴ نسخہ ۲ دل کی- ۵ نسخہ تری- غلط ہے- ۶ پیکھنا- ۷- دیکھنا۔

الف جان یعنی کو اے جان پاک — سمجھنا ہے اس حرف کو فہم ناک
نہ ہوں جاں بلب شوق سے کیوں کہ اب — کہ پیمانۂ عمر گویا ہیں لب
وہ دنداں کہ موتی ہوں جس پر نثار — صدف دانت دکھلائے گھگھیا کے یار
چھمک اُن کی بیبی جو دیکھے اگر — عجب کیا ہے جو دانت پیٹھے[1] مگر
اگر پان کھا کر وہ اُگلے اُگال — تو غنچہ دہن ہو ویں اک لخت لال
سخن اس کا بوسے[2] سے تو کم نہ جان — کہ جیتے ہیں دم میں نہیں جن میں جان
جو ہیں نکتہ داں سو تو حیران ہیں — کہ غنچہ دہن کہہ پشیمان ہیں
نہ چاہِ زنخداں میں ہے آب و گل — کہ جوں یوسف اس جا ہے عاشق کا دل
صراحی[3] سی گردن اگر میں کہوں — نئے سر سے پھر ساقی نامہ لکھوں
پر اب اس کے ہاتھوں سے ہوں سینہ چاک — صدا[4] غم سے ہوں ڈالتا سر پہ خاک
بر و دوش اس کے کہوں کیسے ہیں — کوئی دل سے پوچھو مرے جیسے ہیں
اگر خوش چھبی اُس[5] کی کیجے بیاں — تو اب قطع ہوتی ہے یا روزیاں
وہ ہے جامہ زیب اس قدر دلفریب — کہ جامے[6] کو انساں کے ہے اس زیب
کمر اس کی باریک ہے وہم سے — صفت اس کی باہر ہے ہر فہم سے
بیاں کیا کروں اس کے دامن کا گھیر — سمندر کا معلوم ہے کس کو پھیر
کیا اوڑ چھوڑ اس کا جب میں نے غور — کہ ہے دُور دامن کا اب دور دور
پر اس دور میں[7] بھی مخمور ہوں — جگر چاک و دامن[8] سے پر دور ہوں
اسی واسطے میں ہوا خاکسار — کہ دامن تلک پہنچوں مثلِ غبار
ولے خاکساری میں رفعت نہ ہوئی — یہ دولت مرے یار قسمت نہ ہوئی

۱۔ ن۲ پیٹھیں۔ ن۳ چپیں۔ ۲ ن۲ بوسہ۔ ۳ ن۳ صراحی ہی سی غلط ہے۔ ۴۔ سدا۔ ۵ ن۲ اس کو۔ ۶ ن۲ جامہ
۷ ن۲ ن۳ میں میں ہیں۔ ۸ ن۳ چاک دامن۔

چلے دل ہمارا انھیں چاؤں[1] میں — لگائی میاں مہندی کو پانوں[2] میں
مرے خونِ دل سے ہے مہندی کو لاگ — لگے کیوں نہ اب مجھ کو تلووں سے آگ
حکایت ہے تیرے[3] ستم سے نہ یاں — شکایت ہے بلکہ فلک سے میاں
اسے دشمنی عشق بازوں سے ہے — اسے دوستی حیلہ سازوں سے ہے
جو عاشق ہیں[4] حیلوں سے واقف نہیں — کدر[5] سے ملی ہے صفائی کہیں
تری دیکھ جوشش کو یہ وا اثر گوں — شرارت سے پھرتا تھا[6] یہ سرنگوں
ولے دل میں تھا اس کے مجھ سے غبار — کہ کھنچواؤں گا اس کو آخر خمار
میسر کیا وضع تیری[7] کو جاں — تجھے یاں تلک کر دیا بدگماں
کہ ہے زندگی میری تجھ کو ملال — ملامت تری ہے مرے پر وبال
مری زندگی ہے مجھے عار و ننگ — اور اس سخت جانی سے دل ہے بہ تنگ
یہ دل مرگ سے یار مجبور ہے — زمیں سخت اور آسماں دور ہے

ارے[8] کج روِ[9] حیلہ سازِ جہاں — ستا کر تو پھرتا ہے مجھ کو کہاں
طرح کیفیوں کے بہکتا نہ پھر — کہ یوں ٹوٹے مستوں پہ ظالم نہ گر
ارے بے مروت نہ کرا تنے جور — ارے دل میں ٹک دیکھ تو کر کے غور
کئی دن کے ہم تیرے ہیں میہماں — یہی میہمانی ہے اے میزباں
ہزار آفریں ہے تری بوجھ پر — کروڑوں ہیں[10] تحسیں تری سوجھ پر
یہ ساقی گری کیسی پھیلائی ہے — خدائی ترے گھر میں کیا آئی ہے
کہ ہر شخص شیشہ کو دل کے بھرے — لئے دور میں تیرے ظالم پھرے

---

۱ ؎ چاؤ- درست ہے- ۲ ؎ پانو- ۳ ؎ تری غلط ہے- ۴ ؎ ہے- ۵ ؎ گدر - ۶ ؎ پھرتا ہی تھا، ؎ پھرتا ہے یہ-
۷ ؎ کو تری- ۸ اس شعر سے پہلے ؎ میں یہ عنوان ہے، حکایت شکایت فلک جور مزاج در پریشاں گوئی عشق وہاج -
۹ ؎ کجروی غلط ہے - ۱۰ ؎، ؎ ہی-

خیالِ عدم ہے فراغت کا نام ۔۔۔ کہ شیشہ سے مے آوے تا چشمِ جام

جہاں میں یہ اب نقل مشہور ہے ۔۔۔ خوشی دل کی روتے[1] کو منظور ہے

سو اتنی خوشی کی ہے فرصت کہاں ۔۔۔ کہ خالی کروں دل کو گوشے[2] میں ہاں

کبھو ہو میسر مجھے جو شراب ۔۔۔ گذک[3] کے عوض دے تو دل کے کباب

ارے بے مروّت بھلا بے سبب ۔۔۔ روا کب ہے مہمان پر یہ غضب

یہ کیا وضع تونے ہے کی انتخاب ۔۔۔ یہ کچھ بھی مروت ہے خانہ خراب

پھر اب راستی پر کجی چھوڑ کُور ۔۔۔ کہ ہے سُن زبردست پُر دستِ زُور

نہ رکھ عشق بازوں سے دل میں غبار ۔۔۔ نہ کر اُن پہ[4] تاریک لیل و نہار

رُخ و زلف سے اُن کو ایذا ہے کم ۔۔۔ جو کرتا ہے اُن پہ[5] تو جور و ستم

ٹک اک حال پر ان کے تو اُن کو چھوڑ ۔۔۔ ذرا باز رکھ اپنے دل کو مروڑ

نہ کر سعی اتنی اذیت پہ تو ۔۔۔ ستانے پہ ان کے نہ کر جستجو

نہ کھا چرخ اتنا نہ کر فکر اب ۔۔۔ کہ ہیں شوق میں جام کے جاں بلب

بر آوے گی بے رنج یہ جستجو ۔۔۔ تمنّا تری اور تری آرزو

یہی آرزو ہے کہ ہوں یہ خراب ۔۔۔ نہ حاصل ہو اب ان کو جامِ شراب

غرض تیرے دل میں جو کچھ پیچ ہے ۔۔۔ یقیں جان تو ہیچ ہے ہیچ ہے

کہ ہے دستِ قدرت تجھے یاں تلک ۔۔۔ نہ رکھے جہاں میں وفا کی جھلک

جو خوباں کے دل سے وفا ہو گئے[6] دور ۔۔۔ جفا کو وہ سر گرم رکھیں ضرور

بھلا عشق کے دل جو نخچیر ہیں ۔۔۔ جفا سے بتا کب وہ دلگیر ہیں

---

[1] ا، ب: رونق یہ۔ [2] ا، ب: گوشہ۔ [3] ا: گزک۔ درست ہے۔ [4] ا، ب: پے۔ ا: پر۔ [5] ا: پر۔ [6] ا، ب: ہوئے۔

ولے ان کو ایذائیں جو دل سے ہیں — سو وہ ہم ترے آگے اب کیا کہیں
غرض تیرے حق میں یہ بہتر ہے جان — بھلا ہے ترا اس میں یہ بات مان
کہ اِن دل جلوں سے تو اب ہاتھ اُٹھا — کر اب قطع اس جور کا سلسلا[1]
نہ بھول اپنی گردش پہ اے خشک مغز — سخن سربسر عاشقوں کے ہیں نغز
وگرنہ تجھے گردشِ چشم یار — دکھاؤں گا کھینچے گا تو بھی خمار
معاً بھول جاوے گا[2] تو اپنی چال — تجھے زندگی اپنی ہو گی وبال
پر آنکھوں میں تیری کہاں ہے یہ نور — کہ دیکھے تو اس مہ کا ذرہ ظہور
ولے[3] مصلحت اور یہ خوب ہے — یہ دانائی کا زور اسلوب ہے
کروں عشق سے تیری فریاد اب — کہ بالکل یہ اُٹھ جائے[4] رنج و تعب
نہ گردش سے تیری[5] رہے کچھ گلہ — کہ ہو قطع یک لخت یہ سلسلا[6]
اُٹھا صبح دم عشق کا دل میں جوش — کہا عقل نے جمع کر اپنے ہوش
قلم ہو تو سرگرم تحریر ہو — یہ مضمون وحشت کا تسطیر ہو
کیا طبع نے عقل سے یہ بیاں — قلم ہوتی ہے یاں قلم کی زباں
قلم جو لکھے عشق (کا)[7] داستاں — یقیں ہے کہ جل جائے سب نیستاں
ولے یہ قلم ہووے پیدا کہاں — جو لکھے میاں عشق (کا)[8] داستاں
قلم آہ سے گر تراشوں نئی — لکھوں نکتۂ عشق تب[9] میں کئی
کروں عشق کے رنگ گر میں بیاں — تو لے رنگ رنگین ہو مہرباں
جہاں میں جو کچھ رنگ ہیں عشق کے — زمانے[10] میں جو کچھ ڈھنگ ہیں عشق کے

۱۔ سلسلہ۔ ۲۔ ش بھول جاؤں گا۔ غلط ہے۔ ۳۔ ش دلی۔ ۴۔ ر، ش اُٹھ جاوے۔ ۵۔ ش تیرے
۶۔ سلسلہ۔ ۷۔ کی۔ ۸۔ کی۔ ۹۔ ش کے تب۔ ۱۰۔ ل زمانہ +

زمیں عشق ہے آسماں عشق ہے — مکیں عشق ہے اور مکاں عشق ہے
شرر[۱] اور کلیم عشق کے نام ہیں — نعیم[۲] اور جحیم عشق کے نام ہیں
نہاں عشق ہے اور عیاں عشق ہے — زباں عشق ہے داستاں عشق ہے
بہار و خزاں عشق کے رنگ ہیں — خمار و نشہ عشق کے ڈھنگ ہیں
مزا عشق کا ہے شراب و کباب — بیاں عشق کا ہے صدائے رباب
جنوں عشق ہے اور فنوں عشق ہے — دعا عشق ہے اور فسوں عشق ہے
حسب عشق ہے اور نسب عشق ہے — جہاں میں جو کچھ ہے لقب عشق ہے
وفا عشق ہے اور جفا عشق ہے — بلا عشق ہے مبتلا عشق ہے
یہ سب عشق کے فن ہیں ناز و نیاز — ہنر عشق کے ہیں یہ سب سوز و ساز
یہ دیر و حرم ہیں مکاں عشق کے — یہ دو مرتبے ہیں میاں عشق کے
یہ اسلام اور کفر ہیں راہِ عشق — یہ ہندو مسلماں ہیں آگاہِ عشق
خروش و فغاں نے میں ہے عشق کا — یہ جوشِ نشہ مے میں ہے عشق کا
یہ مستی ہے انگور میں عشق کی — یہ سوزش ہے ناسور میں عشق کی
یہ جو حرکتیں[۳] ہیں سو ہیں عشق کی — یہ جو برکتیں[۴] ہیں سو ہیں عشق کی
یہ گنج[۵] نہاں عشق ہی عشق ہے — یہ سود و زیاں عشق ہی عشق ہے
نماز اور روزہ میاں عشق ہے — یہ سوز اور گدازِ نہاں عشق ہے
وجود اور عدم عشق کے نام ہیں — حدوث اور قدم عشق کے نام ہیں
نوا اور لب اور نَے عشق ہے — غرض عشق ہے عشق ہی عشق ہے
اگر قلب پر عشق ہو جلوہ گر — حقیقت تجھے دم میں آوے نظر

---

۱ لـ شرار۔ ۲ لـ جم۔ غلط ہے۔ ۳،۴ لـ کے غلط ہے۔ ۵ لـ کنج

جہاں عشق کی شمع روشن ہو یار　　تو جبریل صدقے ہو پروانہ وار
طبیب ہو اگر عشق سے آشنا　　تعین کا بیمار پا دے شفا

سُن اے ساقیٔ خوبیٔ بزمِ عشق　　سُن اے رونقِ خوبیٔ رزمِ عشق
زمانے[۲] میں یہ رسم اور رنگ ہے　　کبھی صلح ہے اور کبھی جنگ ہے
مئے عشق سے دے مجھے بھر کے جام　　کہ اس میں نکلتا ہے عاشق کا نام[۳]
ارے قید ہستی سے آزاد کر　　خیال و توہم[۴] کو برباد کر
ارے عاشقوں کی سمجھ قدر تو　　کہ ہے مے پرستوں میں اب صدر تو
نہ دے حُسن کو عشق سے امتیاز　　کہ بے سوز کس کام کا ہے یہ ساز
اگر عشق پیدا نہ کرتا نیاز　　تو کرتا بھلا کس پہ اب حُسن ناز
اگر دل کے چورنگ ہوتے نہ یاں　　تو ابروکی[۵] شمشیر لگتی[۶] کہاں
نہ ہوتا اگر پار سینہ صفا　　تو پلکوں کے تیروں کو تودانہ تھا
اگر زخم دل میں نہ ہوتی ٹپک　　ملاحت کا کس کام آتا نمک
نہ آتا اگر عشق ہی دام میں　　تو یہ زلف آتی تھی کس کام میں
نہ کرتا اگر عشق گردن بلند　　تو کاکل کی ہرگز نہ پڑتی کمند
نہ بنتا اگر عشق کا جانور　　تو شہبازِ غمزہ ہلاتا نہ پر
نہ بیمار ہوتا کوئی دل جلا　　مسیحائی اب کس کی کرتے[۷] بھلا
ارے جام اپنے[۸] کو گردش میں لا　　سلاسل کو الفت کی[۹] جنبش میں لا
کہ آجاوے دیوانگی میں بھی ہوش　　سنایا ہے اس عقل نے خود فروش

۱ۓ میں اس شعر سے پہلے " خطاب عاشق بہ معشوق خود کام غیور " بطور عنوان درج ہے۔ ۲ۓ ۲ زمانہ۔ ۳ۓ کام
۴ۓ خیالِ توہم۔ ۵ۓ کے۔ غلط ہے۔ ۶ۓ لگتے۔ غلط۔ ۷ۓ کرتی۔ غلط ہے۔ ۸ۓ ۲ کو اپنے۔ ۹ۓ کے۔ غلط ہے۔

جو وحشت کا میں بھی اُٹھا کر علم
ہوں مجنوں و فرہاد کا ہم قدم

نمایاں کروں سوزشِ دل کے تئیں
جلاؤں میاں سنگ اور سب کے تئیں

پھروں دشت کے گرد جوں گردِ باد
کہ اس چرخ کھانے میں فنا یہ ہوں شاد

مرے فیضِ دامن سے صحرا میں یار
ملیں خلعتیں خار کو جامہ وار

دوانوں کا ٹک دیکھ فیضِ قدم
کہ سرسبز ہے دشت و کوہ اے صنم

اگر قیس بستی سے جاتا نہ واں
غزالوں کی خوبی نہ ہوتی عیاں

نہ ہوتا اگر عشق کا سینہ ریش
تو مرہم نہ آتا کبھو یار پیش

اگر عشق سر سے بچھاتا نہ خاک
تو رکھتا قدم کس طرح حسنِ پاک

غرض عشق سے حسن کو آب ہے
اگرچہ میاں عشق بیتاب ہے

نہ کر حق تلف جام دے جام دے
ارے نامرادوں کے تئیں کام دے

ار[1] اے ساقئ مے پرستوں کے یار
نہ کر آرزو کش مجھے زینہار

مرے درد کو سہل مت کر قیاس
سخن کو مرے سمجھو مت لباس

نگاہِ تلطف سے دیکھ اس طرف
میں مرتا ہوں پھرتا ہے تو کس طرف

شکایت سے مجھ کو نہ کر آشنا
دنا کی حکایت کو مت دے بھلا

اگرچہ شکایت ہے الفت میں غیر
ولے دوستی میں جو پڑ جاوے بیر

تو ناچار ہوں میں شکایت سے اب
میاں اس طرح کی حکایت سے اب

ٹک اک غور کر دل میں یہ سلسلہ
کہ خالی نہیں دوستوں کا گلہ

گلہ کب ہے، ہے مہرباں دوستی
کہ ہے شکوۂ دوستاں دوستی

---

[1] ار ۸ میں اس شعر سے پہلے "خطاب ثانی بہ معشوق بدمزاج نازک ادا" تحریر ہے۔

ولیکن مجھے صرف شکوا نہیں ۔۔۔ کہ ہے شکر بھی ساتھ اس کے یقیں
کیا چشم کو چشم سے آشنا ۔۔۔ کیا لذتِ درد کا مبتلا
کیا عشق کے دل کے تئیں رازدار ۔۔۔ منازل سے واقف کیا گلعذار
سمجھنے لگا ناز اور رازِ عشق ۔۔۔ سمجھنے لگا سوز اور سازِ عشق
سمجھنے لگا نقش چین جبیں ۔۔۔ ہوا عشق کے فن میں میں نکتہ چیں
لبوں کی مسیحائی کرنے لگا ۔۔۔ نگاہوں کے پردے میں رہنے لگا
پریشانئ زلف جو تھی نہاں ۔۔۔ ہوئی مو بمو مجھ پہ ظالم عیاں
اور ایمائے ابرو اشارات چشم ۔۔۔ ادائیں تلطف کی اور نازِ خشم
نشہ سے بہکنے کی کیفیتیں ۔۔۔ غضب سے دہکنے کی کیفیتیں
نگاہوں کی گرمی اداؤں کے طور ۔۔۔ تبسم کے لطف اور پلکوں کے جور
نظر میں ہے پہلے صنم ڈانٹنا ۔۔۔ پھر آنکھیں ملا اُلفتیں بانٹنا
کبھو تیغِ ابرو کے تئیں کھینچنا ۔۔۔ کبھو دام سے زلف کے اینچنا
کبھو مہر سے یار بن بیٹھنا ۔۔۔ غضب سے کبھو زلف سا اینٹھنا
چھپانا کبھو اپنے تئیں ساز سے ۔۔۔ دکھانا کبھو شوخی اور ناز سے
سنانا کبھو مژدۂ وصل کو ۔۔۔ جتانا کبھو ہجر اور فصل کو
کروں لطف میں وصل کا کیا بیاں ۔۔۔ کہ گویا نہیں منہ میں میرے زباں
مزے کے جو کچھ اس میں ہیں اختلاط ۔۔۔ بیاں سے نہیں اس میں کچھ ارتباط
فقط گریۂ وصل طوفان ہے ۔۔۔ جو رونا کہوں میں تو بہتان ہے

۱ل۲ شکوہ درست ہے۔ ۲ل۲ تے۔ ۳ل۲ پردہ۔ ۴ل۸ نازِ خشم۔ ۵ل۸ گردش
۶ل۲ کا۔ ۷ل۲ د۔

کہوں وصل کی گر میں حیرت کا حال | تو آئینہ ہو جاوے دل کا خیال
یہ حیرت نہیں بلکہ حیرت یہ ہے | وہ سمجھے جو دریائے دل میں بہے
جو کچھ دیکھتے تھے نہیں دیکھتے | جو کچھ دیکھتے ہیں کہیں دیکھتے
اُسے دیکھا تھا دلے یہ نہ تھا | اگر تھا یہی تو، تو وہ یہ نہ تھا۔
کہوں وصل کے دن کا کیا اضطراب | کہ نکلے[۱] ہے دل ہو کے آنکھوں سے آب
کہوں اشک کی کیا میں شیشہ گری | کہ ہر شیشہ میں ہے بنا تا پری
کروں سوز کو ہجر کے کیا بیاں | کہ جلتے ہیں جوں شمع یہ استخواں
غرض شمع ہوتی ہے جل کر تمام | لگی دل کی بجھتی نہیں صبح و شام[۲]
جو آغاز ہے اُس کو انجام ہے | بھلا یا بُرا کچھ سرِ انجام ہے
بدایت ہے اس کو نہایت نہیں | حقیقت ہے دل کی حکایت نہیں
میاں دل سے سُن دِل کی اب گفتگو | ملاقات کی دل سے رکھ آرزو

کیا[۳] عقل نے طبع سے یہ سوال | کہ تعریف دل کی زباں سے نکال
حقیقت میں جوہر وہ ہے یا عرض | مرکب وہ ہے یا وہ مفرد غرض
ہوا سے ہے یا نار سے مشتمل | بنا اصل اُس کا ہے یا آب و گل
ہیولا کہوں یا کہ صورت میاں | وہ ہے جان یا جسم یا جانِ جاں
دیا عقل نے طبع کو یہ جواب | کہ یاں زہرۂ فہم ہوتا ہے آب
مُبرّا ہے جو ہر غرض سے غرض | وہی جوہر اب ہے وہی ہے غرض[۴]

---

۱ ک ۲ ہ نکلا۔ ۲ ک ۲ صبح شام۔ ۳ ک ۲ میں اس شعر سے پہلے "در صفت دل" بطور عنوان درج ہے۔ ۴ ک ۲ غرض۔

نہ یہ آب و گل ہے اور ہے آبِ گل
وہی سب کچھ ہے جس کو کہتے ہیں دل

ہیُولا نہ صورت میں موجود تھا
کہ وہ ساجدِ ربِّ معبود تھا

وہی مغز ہے اور وہی پوست ہے
وہی جی کا دشمن وہی دوست ہے

وہی گل وہی غنچۂ تنگ ہے
وہی عندلیبوں میں آہنگ ہے

خرا باتی ہے وہ خرابات ہے
سکندر وہی اور ظلمات ہے

وہی ہے بلند اور وہی عشق پست
وہی بت پرست ہے وہی خود پرست

چراغِ کنشت اور شمعِ حرم
یہ روشن ہے اس نور سے بیش وکم

کبھو بن کے پھرتا ہے زنّار دار
کبھو دیر میں ہے وہی تاج دار

کبھو دلبری دل کی کرتا ہے دل
کبھو ہمسری گل کی کرتا ہے دل

یہ دل ہے کہ ہوتا ہے شمعِ مزار
یہ دل ہے کہ ہوتا ہے زار و نزار

یہ وہ ہے[1] کہ ہر رنگ میں آب ہے
یہ وہ ہے[2] کہ آنکھوں میں خوں ناب ہے

نکالا ہے اس دل نے رستم کا نام
اُٹھاتا ہے یہ سر پہ صمصامِ صام[3]

جہاں میں غرض دل کے سب کام ہیں
جو کچھ نام ہیں اس کے ہی نام ہیں

اگر دل نہ ہوتا نہ ہوتا جہاں
کہ جز دل کے گھر عشق کو تھا کہاں

اگر مرد ہے دل کا دامن پکڑ
سمجھ، اپنے اوقات ضایع نہ کر

گدائی کراب کوچۂ دل کے بیچ
نمایاں ہے وہ نور اس گل کے بیچ

اسی قطرہ[4] میں بحر[5] ہوتا ہے گم
اُسی کا جہاں میں ہے یہ اُشتلم

پڑے دل کا جس شخص پہ پر تُوا
پھرے ڈھونڈتا اس کو یارو ہُما

جو کوئی چشم سے یار[6] دل کے گرا
وہ مردود ہے پیشِ اہلِ صفا

۱، ۲، ف ہی۔ ۳ ل ۲ ف سام۔ درست ہے۔ ۴ ف قطرے۔ ۵ ل۲ پھر۔ غلط ہے۔
۶ ل۱ ل۲ یارو۔

سو وہ دل مرا دیکھ بیمار ہے — دوا ہاتھ میں تیرے خمار ہے
ارے رونق افزائے بازارِ دل — تجھے کہتے ہیں سب خریدارِ دل
حقیقت کو دل کی مرے[۱] گوش کر — پلا کر شراب اس کو بے ہوش کر
نہیں مجھ کو معلوم کیا ہے یہ دل — مگر لائے مے سے بنا ہے یہ دل
کہ بن مے نہیں اُس کو ہرگز قرار — یہی چاہتا ہے یہ لیل و نہار
عنایت کر اب پھر مجھے جامِ مے — کہ خالی کروں دل کو میں مثلِ نے
ہوا ہو تو ہو نیر[۲] لب کی صنم — کہ بے دم کو گویا ملے یار دم
اُسی دم کی ساقی یہ تاثیر ہے — مسیحا اُسی دم کا نخچیر ہے
مجھے دم دے دلدار پر دم نہ دے — پیا پے بہت جام دے کم نہ دے
کہ بن مے کے آرام مجھ کو نہیں — مگر رحم بے رحم تجھ کو نہیں
کہ سُن درد میرا تو خاموش ہے — مرا حال اب تک فراموش ہے
اگر مرگ سے میری[۳] تو شاد ہے — تو یہ درد فریاد برباد ہے
بلا سے مری سُن نہ سُن میری جان — کہوں گا یہی مان تو[۴] یا نہ مان
کہوں کس سے بن تیرے اے نک پلک — کہ جوں دوڑ ملّا کی مسجد تلک
تجھے قبلۂ دین سمجھا ہوں میں — تجھے یار کس طرح سمجھاؤں میں
میں سجدہ کروں کس طرح اب بھلا — میں کافر ہوں جو منحرف ہوں ترا
گرا ہوں ترے در پہ اے تند خُو — پھر آگے جو کچھ ہونی ہووے سو ہو
بھلا اور بُرا مجھ کو منظور ہے — کہ یہ عشق کا یا[۵] رو دستور ہے
وفا مجھ سے کر یا کر اب تو جفا — رضا کے میں تابع ہوں جو ہو رضا

---

۱ ن کے۔ ۲ ن تری۔ ۳ ن تو مری۔ ن میرے تو۔ ۴ ن کہ یا تو۔ ۵ ن یار

یہ کہنا بھی بلکہ ادب سے ہے دور
پر اس درد سے سخت ہوں ناصبور

نہ طرز شکایت سے ہوں آشنا
کہ تیری حکایت سے ہوں آشنا

ترا ذکر کرنا مرا کام ہے
ترے نام لینے میں آرام ہے

اگر نزع میں یار منہ کا ڈھلے
ثنا تیری ہی اس زباں پر چلے

اگر مجھ کو پنہاں کریں زیر خاک
تصدق ترے ہوئے[۱] یہ جان پاک

یہ ہر داغ دل کا اُگے لالہ وار
پکارے کہ جام و صراحی بیار

کیا[۲] بسکہ زاہد نے اس دل کو داغ
ہوا ہوں ریا سے نپٹ بے دماغ

خودی سے وہ اب ہاتھ اٹھاتا نہیں
نصیحت پہ رندوں کے آتا نہیں

نہ کیفیتِ بے خودی کا ہے فہم
کہ کیا کیا ترا شتے ہیں دل ہی میں[۳] وہم

زباں ہے دراز اُس کی رندوں پہ یار
تبختر کا اپنے ہوا[۴] ہے شکار

کہو اس سے ظالم خبر شرط ہے
ملامت میں اُن کی ضرر شرط ہے

تو رنگوں سے مستوں کی کر تو حذر
کہ شیروں سے روباہ بازی نہ کر

اے[۵] زاہدِ دشمنِ دین و دل
ارے زہد میں مثلِ خر پا بہ گل

عصا کر صراحی کی[۶] گردن کو تو
نکل اس پھنساوے سے اے زشت رو[۷]

ارے زاہد دشمنِ مے کشاں
خبردار ہو بھاگتا ہے کہاں

نہ ہو خشک مغزی پہ گمراہ تو
ترے سر کو ہم بوجھتے ہیں کدو

کدو میں نشہ[۸] جو ترے دھڑ پہ ہے
سو ویسا[۹] کدو سُن لے کدو پہ ہے

۱۔ لا، کا ہووے۔ ۲۔ لا میں اس شعر سے پہلے "مذمت زاہد خود بین و ریا پرست در رسانی او" بطور عنوان درج ہے۔ ۳۔ لا دل میں ہے۔ ۴۔ لا کے۔ ۵۔ لا میں یہ شعر مکرر درج ہے۔ ۶۔ لا کے۔ ۷۔ کا نشے۔ ۸۔ لا نشے کے۔ ۹۔ لا، کا ایسا۔

ارے سُن لے کہتا ہوں اے نکتہ چیں
خودی کفر اور بے خودی ہے گی دیں

نہ ہو منحرف جام سے جام لے
نکل نامرادی سے اور کام لے

ارے زُہد سے اب نہ کر گفتگو
عمامہ ہے تیرا یہ خالی سبو

خریّت سے اپنی نہ کر خُم سے رم
کہ شملا[1] ترا ہے مگر دُم سے کم

ارے بے حیا کچھ تو انصاف کر
ریا سے گذر اور خدا سے بھی ڈر

لباسی یہ کرتا ہے فانوس سا
بدن ہے ترا اس میں شمع رسا

جلا دیں گے بے شک اسے شمع وار
نہ کچھ پیش رفت ہو گی تیری پکار

نکل خود پرستی سے ساقی کو مان
ترے حق میں بہتر ہے یہ بدگمان

ارے سُن تو اے دشمنِ عقل و ہوش
گذر نام اور ننگ سے خود فروش

سمجھ بات رندوں کی ٹک غور کر
نہ جان و دل اپنے یہ تو جور کر

کہ اس آگ میں تو حسد کی[2] نہ جل
نہ آرام میں اپنے تو[3] لا خلل

سبب طنز کا تیرے ہے کیا بجا
چراغ تبختر کو اپنے بجھا

ہے مستوں سے پہنچا تجھے کیا زیاں
کہ اتنی ہے کی تو نے لنبی[4] زباں

شکایت سے مستوں کی تو باز آ
قدم بوس ہو خُم کے بیٹھا ہے کیا

ارے مثل شیشہ کے گریاں ہو
شکایت سے اُن کی پشیمان ہو

نہ ہو گا اگر جام سا چشم تر
تو رحمت کی تجھ پر نہ ہو گی نظر

شفیع اب کسو[5] مغبچہ کو تو لا
کہ پیر مغاں ہاتھ پکڑے ترا

گر اب توبہ خُم خانے[6] میں پاک ہو
ارے اس جگہ خاک ہو خاک ہو

نصیحت یہ مان اور لے پی شراب
عماما[7] پٹک اور ہو تو خراب

۱۔ شملہ ۔ ۲۔ کا کے ۔ ۳۔ لئے لاتو ۔ ۴۔ لمبی ۔ ۵ لئے کسی ۔ ۶ لئے خم خانہ ۔ ۷ لئے امامہ ۔ عمامہ

یہ وہ مے ہے جو آتش و آب ہے | جہاں کے لئے آب اور تاب ہے
یہ وہ مے ہے شیشہ ہے جس کا فلک | نشے[1] میں ہے اس کے پری کی جھلک
ذرا اس کو ذرّہ جو پیوے اگر | تو مانندِ خورشید بخشے وہ زر
جو کوئی پی کے اب اس کو مستی کرے | بھلا غیر کو خود پرستی کرے
یہی دل میں عاشق کے اب شوق ہے | سخن میں یہ عشاق کے ذوق ہے
یہی شوق ہے اور یہی ذوق ہے | جو کیفیت[2] ہے اس پہ یہ فوق ہے
یہی چشمِ محبوب میں کیف ہے | یہی دل پہ مجنوں کے اب سیف ہے
اُسی کا خُمِ دل میں اب جوش ہے | اُسے پی لبِ جام خاموش ہے
یہی کرتی ہے یار سے آشنا | یہی ہووے دلدار سے آشنا
یہی طالبِ کُل مطلوب ہے | یہی ہے محب اور محبوب ہے
اسی سے ہی چھٹتا ہے یہ داغِ دل | اسی سے ہی سرسبز ہے باغِ دل
اسی مے کا طالب ہے دل کا ایاغ | اسی مے سے روشن ہے کُل کا چراغ
شراباً طہورا اسے کہتے ہیں | اسے پی کے آرام سے رہتے ہیں
سقاہم ہیں ساقی ہے رب اس کا دیکھ | کہ کوثر بھی محتاج ہے جس کا دیکھ
اسی مے کا ہے نام آبِ حیات | یہی ذات ہے اور یہی ہے صفات
جلاتی ہے پندار کی صورتیں | دکھاتی ہے اسرار کی صورتیں
کرے دل سے یہ محو زُہد و ریا | نمایاں کرے سِرّ نورِ خُدا
یہ خرمن پہ تقویٰ کے اب برق ہے | یہ رحمت میں سرپاؤں سے غرق ہے
جلاتی ہے یہ تار و پودِ حجاب | یہ مے[3] خانہ آباد و خانہ خراب

---

[1] نشہ۔ [2] ف۔ یہی کیفیت۔ [3] ف۔ یہی

تکبر تبختر کی دشمن یہ ہے — حقیقت میں معنیٰ کی گلشن یہ ہے
یہ ہے وہ مکاں جو کہوں لامکاں — سمجھتا ہے قدر اس کی پیر مغاں
ہے دربان اس در کا شاہِ دو کون — مقابل جو ہو اس کے ہے وہ سو کون
مکاں ہے پہ ہے شش جہت پر محیط — میاں صحن اس کا ہے عرشِ بسیط
بیاں کیا کروں اس کے ایوان و طاق — کہ ہیں طاقچے اس کے نیلے رواق
دھرے دل کے شیشہ ہیں واں بے عدد — گذر گئی ہے تعریف سے اس کی حد
کہ واں جام معشوق کی چشم ہے — اور اس آگے یہ جامِ جم پشم ہے
نہ خم ہے وہ ہے منبع رازِ عشق — نہ مے اس میں ہے بلکہ ہے سازِ عشق
جسے خشتِ خُم کہتے ہو ہے وہ کیا — وہ ہے لوح محفوظ اہلِ صفا
عجب بارگہ ہے عدیم المثال — بیاں سے پرے ہے جلال و جمال
گذر مُغبچے اس روش کرتے ہیں — فرشتے گویا عرش پر پھرتے ہیں
اُسی مے سے لب تھے مسیحا کے تر — اُسی مے کا دیکھا جو کچھ تھا اثر
خضر پی اُسی جام کو شاد ہے — کہ جھگڑے سے مرنے کے آزاد ہے
جو ہیں دُرد کش واں کے سو صاف ہیں — نہ زاہد سے وہ بوریا باف ہیں

شگفتہ ہے گلزار و فصلِ بہار[6] — شرابیں پیو اور توڑو خمار
چمن کی طرف ٹک کرو تم نظر — ارے بھُولے پھرتے ہو تم اب کدھر
چمن میں عجب دھوم اور دھام ہے — یہ ساقی کا مستوں کو پیغام ہے

---

۱ الف کا۔ ۲ ل ۲ صورت۔ ۳ ل ۸ نیکی۔ ۴ ل ۸ کے۔ ۵ ل ۲ کہ واں چشم معشوق کی جام ہے۔

۶۔ اس شعر سے پہلے ل ۸ میں "درحفظ دم" بطور عنوان درج ہے۔

چمن میں نیا ایک اسلوب ہے | کہ ہر شاخ گل شکل محبوب ہے
قیامت ہی چنچل ہے وہ اچھپلی[1] | کہ رقاصی اُن نے پسند ہے گی کی
سپردائی اس کے نسیم اور صبا | نچاتے ہیں اُس خوش ادا کو سدا
نپٹ عندلیبوں کے سُر ہیں بلند | گرفتار ہیں اس کے یہ دردمند
غزل خواں ہے واں بلبلِ خوش نوا | نشید و سدا[2] اُن کی ہے غم زدا
چٹکنے کی[3] غنچوں کے[4] ہے یہ صدا | گویا طبل بجتے ہیں واں جا بجا
عجب ہے تماشا عجب رنگ ہے | عجب طور[5] کا یار وہ آہنگ ہے
چمن میں ہوا ہے یہ نقش و نگار | کہ سنبل کا شانہ ہے دستِ چنار
نشے[6] سے گئی سب کی حالت پلٹ | جو آنکھیں نھیں نرگس کی گئی ہیں اُلٹ
یہ نشو و نما سے ہے اظہارِ گل | کہ دھوتی ہے شبنم ہی رخسارِ گل
گلِ لالہ از بسکہ پھولا ہے واں | خیابان چراغاں ہوا دوستاں
سمن اپنے رخسار کو صاف کر | یہ کہتی ہے بلبل سے دیکھ اب ادھر
چمن میں عجب آب اور تاب ہے | کہ ہر گل پہ واں عالم آب ہے
جو کچھ تختے تھے آئینہ کے اے یار | پگھل گئے ہیں وہ دیکھ روئے بہار
ہوئے شعلہ زن بسکہ واں گلعذار | ہوا آئینہ چادرِ آبشار
جو واں آتشِ گل کی یہ تاب ہے | کہ فوارہ سرپا نو[7] سے آب ہے
پس اس وقت میں مصلحت ہے یہی | کرو فکر سے اپنے دل کو تہی
غنیمت ہے یہ صحبتِ دوستاں | نہیں تم کو معلوم طورِ جہاں

۱ل اچھپلی۔ درست ہے۔ ۲ ل۲ صدا۔ درست ہے۔ ۳ل۵ کے۔ ۴ل۵ کی۔
۵ل۵ طرح کا۔ ۶ل۲ نشہ۔ ۷ل۵ سرپا سے نو۔ غلط ہے۔

نہ گل کو ثبات اب نہ بلبل کے تئیں — نہ زلفِ پریشانِ سنبل کے تئیں
خوشی جو ہے سو غم سے یاں جفت ہے — ارے ظالموں دید ہی مفت ہے
نہ ہم ہیں نہ تم ہو نہ ہے یہ بہار — مگر اُس کا باقی رہے گا خمار
ارے ظالموں یہ جوانی کہاں — کوئی دم میں یہ زندگانی کہاں
جو گزرا سو وہ خواب ہے میری جاں — اور آئندہ سو ہے خیال و گماں[1]
پس اس حال کو تو غنیمت سمجھ — سُن اب دور کی فکر میں مت اُلجھ
بہت کم ہے یاں فرصتِ زندگی — یہی بات تحقیق ہے جو کہی
ملاقات باہم ہے خواب و خیال — نہ ہووے کہ رہ جاوے دل میں ملال
پیو جامِ عشق اور باقی کہو — زباں سے ٹک اک ساقی ساقی کہو
ہوا ہے میاں جب تلک اعتدال — یہ دل چاہتا ہے لب جو رد سال
گریباں کرو چاک مانندِ گل — کہ مانگیں چلو مل کے ساقی سے مُل
گئے دم بھلا پھر کہیں آتے ہیں — یہ دم ہیں جو اب دمبدم جاتے ہیں
سمجھ دم بدم فکرِ دم ہے ضرور — اسی دم کو تو جان جو ہے ظہور
یہی دم کوئی دم کا مہمان ہے — اسی دم سے تو شاہ و سلطان ہے
اسی دم سے تو حضرت و پیر ہے — اسی دم سے شہباز و نخچیر ہے
یہ ناتا یہ رشتہ فقط دم سے ہے — اور آزار جو ہے سو ہمدم سے ہے
اگر دم نہ ہو ایک دم تن میں یار — تو بیزار ہوں دم میں یہ دوست دار
پس اس دم کو غفلت میں ناداں نہ کھو — جو ضایع ہوئے[2] دم انھیں بیٹھ رو
مسیحا نے اس دم کی سمجھی تھی قدر — خلائق نے اس کو کہا صدر صدر

---

[1] خیال اور گماں۔ [2] ہوئی۔ غلط ہے۔

اگر تو بھی دم[1] کی حفاظت کرے
فرشتوں سے البتہ ہوئے پرے

ہزاروں ہی[2] دم کھو چکا ہائے یار
نہ کھو رہتے سہتے تغافل شعار

یہ ہے بات مشہور اے رازدار
دمِ واپسیں پر ہے سب کا مدار

مثال اُس کے[3] اُوپر سن اب مجھ سے تو
تامل سے ٹک دیکھ یہ گفتگو

دمِ خواب معلوم ہے کس کے تئیں
کہ آتا ہے کس دم میں وہ نکتہ چیں

یکایک ہی کرتا ہے آنکھوں میں گھر
ٹک اس بات کے[4] سر کو کر تو نظر

کہ جب خواب کا دم نہ معلوم ہو
دمِ مرگ کس طور مفہوم ہو

کہ ہر شب ہے تجھ پر یہی ماجرا
نہ کھو دم کو غفلت میں اے آشنا

دمِ واپسیں جان ہر دم کے تئیں
جو اس دم کو چوکا کہوں کا نہیں

پس اب عمر ساری یہ ہے ایک دم
سمجھ دم کو تو دمبدم مغتنم

چلو جلد ساقی سے جو مانگیں جام
دمِ گرم سے اُس کے ہووے نظام

ارے مہرباں مہرباں مہرباں
نہ رہ مجھ سے اتنا بھی تو بدگماں

ٹک[5] اک دیکھ تو لالۂ باغ کو
نظر کر مرے دل کے تو داغ کو

ارے[6] دیکھ اُٹھا ہے یہ ابرِ بہار
ٹک اک دیکھ پھولا ہے کیا لالہ زار

مرے رونے پر غنچے[7] ہنستے ہیں یار
مجھے طعنہ زن اب ہوئی ہے بہار

مرے حال پر ابر گریان ہے
مجھے دیکھ سنبل پریشان ہے

تحیر مرا دیکھ نرگس بھی یار
پکارے کہ لے جامِ مے میگسار

مجھے دیکھ لالہ کا دل داغ ہے
مرے داغ سے داغ اب باغ ہے

۱ل ش دل۔ ۲ل ۲ ہزاروں۔ ۳ ل ش کی۔ ۴ ش کی۔ ۵ ل ش میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۶ ل ش ٹک اک
۷ ل ش غنچہ۔ غلط ہے۔

پھٹا دیکھ مجھ کو گریبان گل — پسارے ہے حسرت سے منہ جام مل[1]

نہ کہتا ہوں میں تو جفا سے گزر — ذرا حال میرے پہ تو رحم کر

یہ دن تو[2] مصیبت کا ٹل جائے گا — ترا مجھ پہ احسان رہ جائے گا

تجھے قدر نہیں دین خدائی کی سب — لب جام کو دے لگا لب سے[3] اب

مجھے منہ لگا جام کی طرح تو — کبھو تو بر آوے مری آرزو

جو دیتا نہیں مجھ کو جام شراب — تو دے جام ہی زہر کا پھر شتاب

کہ تا لخت لخت ہو کے بہہ جائے دل — ملے آب میں آب اور گل میں گل

ہو دل کی تپش اور تمنا تمام
یہی عرض ہے مان لے والسلام

ا؎ اپنا گل۔ درست ہے۔ ۲؎ بھی ۳؎ لب سے لب۔ غلط ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی غنچۂ دل کو تو وا کر
زباں کو حمد سے تو آشنا کر

زباں کنجی ہو دل کے عطرداں کی
کہ یعنی دے اُسے قدرت بیاں کی

کروں جو حمد کے معنی بیاں اب
کہ ہو اُس بُو سے خوشبو یہ جہاں سب

منزہ ہے گمان و وہم سے وہ
مبرّا ہے یقین اور فہم سے وہ

خدا بیچون ہے اور بیچگوں ہے
خدا بے شبہ ہے اور بے نموں ہے

نہ چونی اور چندی کو وہاں بار
کروں کیا ذات اقدس کا بیاں یار

پر اُس کے چھٹ نہیں کچھ چیز یاں اور
اگر عاشق ہے کر اس بات پر غور

وہی ہے ہست اور اُس کے سوا نیست
اسے تو مان دل سے کر نہ یاں ایست

معما عشق سے کھلتا ہے یہ دوست
مزا چکھ مغز کا اور دُور کر پوست

محقق اس روش سے بولتے ہیں
گرہ اس رمز کی یوں کھولتے ہیں

کہ وہ ذاتِ مقدس بحت ہے بحت
مراتب جتنے ہیں سو اُس کے ہیں تحت

غرض اب کُنتُ کنزاً سے وہی ذات
صفت تو کیا نہیں بلکہ شیونات

کہوں کیا کُنتُ کنزاً کے معانی
بیاں سے خوب ہے کل اللسانی

نہ واں شرط اب نہ شیئت نہ وہاں رنگ
نہ واں علم اب نہ واں قدرت نہ واں ڈھنگ

اس حیثیت وہ ذات اب صرف ہے پاک
کہ پہنچے کوئی علم اور کوئی ادراک

علم احببتُ کا برپا کیا جب
انا اَعرِفَ ہوا وحدت کا مطلب

۱؎ کر نہ یاں نیست۔ ۲ معمہ

تجلی اپنے اوپر آپ کی واں ۔۔۔ شتا سا آپ کا آپ ہی ہوا واں
جو قابل آپ کو ہر شے کے دیکھا ۔۔۔ تعیّن اوّل اُس کا نام رکھا
اب اس جا قابلیت محض آئی ۔۔۔ پر اس میں شرط پائی شے نہ پائی
اسے کہتے ہیں وحدت صرف لے یار ۔۔۔ ولے شامل حقایق گو ہے دلدار
تعیّن دوسرا جب اُس کو آیا ۔۔۔ یہ سارا عالِم اعیان بنایا
مثال اب اُس کے اُوپر سُن توجھ سے ۔۔۔ بیاں کرتا ہوں واضح اس کو تجھ سے
جو گولا موم کا تو فرض کر یار ۔۔۔ نہیں اُس میں کسو صورت کا آثار
وہ گولا آپ کو بالفرض سمجھے ۔۔۔ اور آپ ہی قابلیت اپنی دیکھے
کہ جو چاہوں سو ہو سکتا ہوں میں اب ۔۔۔ سمجھ کر مجملاً وہ سب یہ مطلب
پھر اُس اجمال کو تفصیل میں لا ۔۔۔ کرے ہر شے کو علم اپنے میں پیدا
فقط ہے احدیت مجمل ہے وحدت ۔۔۔ ہوئی تفصیل اُس کی واحدیت
تقدم سمجھو مت تو زمانی ۔۔۔ تقدم ذہنی ہے لے یار جانی
اُس حیثیت وہ ذاتِ پاک ہے پاک ۔۔۔ معطل ہیں سبھوں کے وہم ادراک
اس حیثیت وہی ہے ذات مشہود ۔۔۔ عدم ہے ماسوا اور اس کی ہے بُود [۲]
بقول مولوی حاجی و عارف ۔۔۔ سن اب میری زباں سے یہ معارف
جہاں یکسر چہ ارواح و چہ اجسام ۔۔۔ بود شخصے معین عالمش نام

او صاف خداوند کے کیا کیجئے بیاں ۔۔۔ مخفی نہیں عالم میں ہیں موجود و عیاں
بن تیرے نہیں کوئی کہ فریاد سنے ۔۔۔ اے ارحم الراحمین بتا جاؤں کہاں

السٹ میں یہ شعر نہیں ہے۔ [۲] اس کو

الٰہی عشق کی تو راہ دکھلا — اور اُس آتش سے میرے دل کو جلوا

جو روشن ہوئے مثلِ شمع یہ دل — کرے آ دل کے دل میں عشق منزل

بچا پھر شعلۂ دل کو ہوا سے — کہ تا روشن ہو سینہ اس ضیا سے

کرم اپنے سے رکھ فانوس رنگیں — جو ہووے بزمِ دل کی اس سے تزئیں

برنگِ شمع ہو دل کا سرانجام — یہی ہوں چاہتا آغاز و انجام

کہ یعنی نیست ہو یہ وہم و پندار — سراپا حسن تیرے کا ہو اظہار

طلب کرتا ہے یہ دل ایسی مستی — فنا ہو جائے جس سے اُس کی ہستی

فنا وہ جس سے ہووے ما و من دور — نہ وہ جس سے کہ ہووے جان و تن دور

فنا کر پھر بقا دے ایسی مجھ کو — جو دیکھوں آپ کو دیکھوں میں تجھ کو

جو ڈھونڈوں آپ کو پاؤں تجھے جاں — چلے یہ ماسوا کا باغ و بستاں

یہ حالت دائما ہو مجھ پہ غالب — تفضیلی موجی ہوویں سوا لب

اگرچہ اس کے میں لائق نہیں ہوں — سراسر کاذب و صادق نہیں ہوں

عنایت تیری تو ہے بے سبب اب — جو کچھ بخشا ہے تو نے یہ ہمیں سب

نہ تھا اس کا سبب کچھ ہم میں پیدا — جہاں بھی یہ نہ تھا بلکہ ہویدا

جہان و جان بخشا مفت تو نے — کمالِ حسن بخشا تیرے رو نے

نظر اس شفقت اور رحمت پہ کر کے — نہ کر نومید مجھ کو اپنے در سے

سلطانِ عرب قبلۂ اہلِ ایماں — ہے پیروی اُس کی میں رضائے رحماں

ایزد نے کہا نعت میں اُس کے لولاک — کہہ صلوا علیہ دل سے اے جانِ جہاں

شہنشاہِ جہاں محبوبِ رحماں　　کہ بندے جس کے ہیں یہ جن و انساں

جہاں سب فرع ہے وہ اصل ہے یار　　نہ بلکہ ہے اصول الاصل و لدار

بصورت گرچہ آدم اب پدر ہے　　بمعنی دیکھو جب آدم پسر ہے

کہ ہے وہ آئینہ ذاتِ احد کا　　وہی مظہر ہے اللہ الصمد کا

بنا کر آئینہ اپنا خدا میں　　سراپا دیکھ اپنا مصطفیٰ میں

صفات و ذات اپنی اُس میں پائی　　رسالت کی اُسے خلعت پہنائی

ہوا مشتاق اُس کا جان و دل سے　　نہ جان اُس کو فقط تو آب و گل سے

گلِ حکمت کی سُن تو رمز مجھ سے　　بیاں کرتا ہوں یہ اسرار تجھ سے

قلعی جب تک نہ ہو آئینہ سی یار　　نظر آوے نہ اُس میں روئے دلدار

نہ لفظوں بن معانی ہوویں ظاہر　　سمجھتے ہیں اسے جو جو ہیں ماہر

اس حکمت سے کیا واں اپنا اظہار　　نہ بلکہ چھپ گیا پردہ میں وہ یار

غرض اپنا تماشا آپ کر خوب　　ہوا پھر آپ ہی عاشق آپ ہی محبوب

سُنا کر واں حدیث من رانی　　جو کچھ چاہا سو کی پھر حکمرانی

جب اس صورت میں وہ بے صورت آیا　　احد سے نام تب احمد دھرایا

حقیقت یہ تھی جو کچھ میں کہی ہے　　ادب کا مقتضی لیکن یہی ہے

جو کچھ صاحب کہے اب سو ہی کیجئے　　جو نام اپنا بتاوے سو ہی لیجئے

محمد سرورِ دُنیا و دیں ہے　　محمد رحمت اللعالمیں ہے

محمد ہے شفیع روزِ محشر　　دو عالم نور سے اُس کے منور

محمد آفتابِ نورِ مطلق　　ہوا مداح جس کا حضرتِ حق

کہے جو مدح اس کی یہ کفِ خاک　　چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

یہی ہے آرزو اس خاک کو اب　　تمنا ہے یہی اور ہے یہ مطلب

وہ نعلین مبارک اُس پہ آ دیں
اور اپنے نقش کو اس پر بٹھا دیں

نگیں کی طرح اُس کا نام اُٹھ جائے
یہ نقش اب کفشِ پا کا اُس کے کہلائے

طفیلِ پاک آل[1] اور صحابہ
رکھ اپنے پاؤں میں جوں پا تیا بہ

جو تیری پیروی ہو اس سے اب خوب
نجاتِ عاصیاں کا ہے یہ اسلوب

اگرچہ یہ بھی گستاخی ہے یا شاہ
کروں کیا آہ سُن لے میرے اللہ

یہ دل کہتا یہی ہے مجھ سے ہر دم
نہیں جُز آہ اس کا کوئی ہمدم

دل و جاں سے یہ عاشق ہے قدم کا
نہیں کچھ آج سے بلکہ قدم کا

یہ کہتا ہے نہ ہو تو اس میں حیران
جو رحمت آپ ہے مشتاق عصیاں

نہیں تجھ سا کوئی عاصی ہے یاں اور
نہیں ویسا کوئی غفار واں اور

بھری ہے جتنی تجھ میں نار و ظلمت
غرض صد چند ہے واں نورِ رحمت

گناہوں سے ترا ہے جو سیہ رو
وہ بحرِ رحم ہے چل کر اُسے دھو

کریما اس اُمید اوپر ہوں آیا
سراسر کفر و عصیاں ہوں لے آیا

کرم اپنے کے دریا میں ڈبو دے
ہماری بھی سیہ روئی کو دھو لے

یہ مجھ سے دور کر تو کفر و[2] ظلمت
پنہا ایمان کی تو مجھ کو خلعت

وہ خلعت حشر میں پہنے جو آؤں
فرشتوں کو وہ سج اپنی دکھاؤں

ملایک مجھ سے پوچھیں ہو کے حیران
کہاں سے پائی یہ خلعت مسلمان

زباں کو آبِ گوہر سے میں دھو کر
سراسر فیض سے شاداب ہو کر

کہوں اُن سے کہ وہ شاہنشہِ جاں
دو عالم نام پر ہیں جس کے قرباں

مقام اُس کا بنایا[3] حق نے محمود
دو عالم ہے ایاز اور ہے وہ محمود

ال[1] آل پاک۔ ال[2] یہ۔ ال[3] بتایا۔

کہا ہے حق نے اب لولاک جس کو — پنہائی اُن نے ہے خلعت یہ مجھ کو
صلوٰۃ اب بھیج تو اے عشق اُس پر — جو کچھ چاہے گا تو دیوے گا سرور

برہان ضیا مرشدِ اربابِ تقی — جو ملتے ہیں اس سے ہوتے ہیں اہل فنا
ارشاد کی تعریف کروں اُس کے کیا — کہتے ہیں خدا نما جو ہیں اہل صفا

بموجب کلّ امرٍ تو نے اے دل — اُٹھایا حمد کا وہ بار مشکل
تری بے دستگاہی سب عیاں ہے[1] — وگرنہ حمد کی قدرت کہاں ہے[2]
جو بعدِ حمد ہوئی پھر نعت مقصود — شہادت اُس کی تھی کلمہ میں موجود
کی اپنی کسرِ نفسی اُس سے ساکن — کہ تا موزوں ہو اس اوزاں میں لیکن
بیاں اُس صاحب دولت کا تو کر — ترا جو دو جہاں میں ہے وہ سرور
کہا ہے شیخ قومی مصطفےٰ نے — شہِ ہر دوسرا خیر الوریٰ نے
کہا دل نے کہ میں پر منفعل ہوں — اس اپنی یاوہ گوئی پر خجل ہوں
یہ اب کہتا ہوں جو خاطر ہے تیری — وہ ہے ان سمجھی دستاویز میری
شفیع عاصیاں آپ ہی خدا ہے — خدا ہی مصطفےٰ ہے مرتضےٰ ہے
شہِ برہان دین ہادیٔ برحق — سراپا آفتابِ نورِ مطلق
جو تھا تنزیہ میں پوشیدہ اسرار — ہوا تشبیہ میں آکر وہ اظہار
وہی مطلق مقید بن کے آیا — جمال اپنے کو پردے میں دکھایا
شناسا جو کوئی اس امر میں تھا — ہوا وہ جان و دل سے اس پہ شیدا

---

[1] تھی۔ [2] تھی

کمالِ حُسن گو اس کا ہے ظاہر
بسمجھتے پر نہیں اہلِ ظواہر

خدا کا مصطفےٰ کا ہے وہ محبوب
اگر دیکھے اُسے تو ہووے مجذوب

نہ ہو مجذوب بحث اب ہوئے سالک
کہ روشن ہو رہیں تجھ سے یہ مسالک

نگہ اُس کی نہیں ہے جامِ وحدت
معًا جاتی ہے اُٹھ اُس سے یہ کثرت

کرے جس شخص کو جو وہ بغل گیر
تو اُس کو چاہئے زلفوں کی زنجیر

کلام اُس لعلِ میگوں کا سُنے جو
تو رنجِ عشق سب آساں ہو اس کو

کوئی صحبت میں اُس کی جا کے بیٹھے
مقرر ہستی اپنی کھو کے اُٹھے

اسی سے عشق کا ہے گرم بازار
رہے قائم قیامت تک وہ دلدار

وفورِ بےخودی اور سُکر ہے واں
وہ ہے گلزارِ وحدت کا خیاباں

بہارِ درد و غم اور اشکِ گل رنگ
نہ مروارید ہووے جس کے ہم سنگ

بکے ہے حسرت و حیرت بھی واں یار
سراسر سربکف ہیں واں خریدار

وہی محی القلوب اس دور میں ہے
نرالا عاشق اپنے طور میں ہے

زبانِ حال ہے اس کی یہ گویا
بھٹکتا ہے کدھر طالب اِدھر آ

جو کچھ رکھتا ہے اپنے دل میں مقصود
تو یاں ہمدرد ہم درماں ہے موجود

مرے اس قول پر ہے خلق شاہد
ٹک اس کو گوشِ دل سے سُن لے زاہد

زمانہ میں وہ ہے فیاض مشہور
حضور اب اس کے جو ہے وہ ہے مسرور

خلیفہ اُس کے ہر شہروں میں ہیں یار
اگر خواہش ہے واں جا دیکھ اسرار

نہ ہو وہ کیوں نہ ایسا صاحب ارشاد
کہ جس کا ہووے مرشد شاہ فرہاد

اور اُس کے پیر کا سُن نام تو دوست
محمد ہے سراپا مغز بے پوست

ابوالعلی ہوا پھر اُس کا رہبر
اور اُس کا میر عبد اللہ سرور

اور اُس کا خواجۂ یحیی ہے اُستاد
اُسے پہنچا ہے عبدالحق سے ارشاد

اور اُس کا پیر ہے گا خواجہ احرار — ہوا یعقوب چرخی سے وہ سردار
وہ ہے خواجہ بہاؤالدین کا محبوب — کہا اس سلسلہ کا تھا جو اسلوب
الٰہی اب طفیل اُن کے مرا دل — رہے شمشیر سے الفت کی بسمل
الٰہی چشم کو وہ دید دے تو — کہ جب دیکھے نظر آوے ترا رو
الٰہی سامعہ کو بخش قوت — کلامِ بے زباں سننے کی قدرت
الٰہی نطق دے ایسی زباں کو — کہ تیرے ذکر بن بھولے بیاں کو
الٰہی میں ہوں حیرت سے ہم آغوش — سراپا فکر سے عالم کے بے ہوش
الٰہی جاں کو وصلِ جانِ جاں ہو — چھپا جو کچھ ہے اُس پر سب عیاں ہو
خودی کو دور کرکے بیخودی بخش — بقا کے شہر میں دوڑاؤں تا رخش
جوارح کو ہو قدرت بندگی کی — حلاوت پاؤں تا میں زندگی کی
قبول اب کر یہ عاصی کی مناجات — مصائب کو کفایت ہے تری ذات

اُستادِ جہاں واقفِ علمِ ایجاد — سب علموں میں پایا اُسے صاحب ارشاد
تفسیر و حدیث و منطق و حکمت میں — معلوم یہ اُس کی سب وہ سب سے آزاد

ارے دل کر تو اپنے ہوش کو جمع — زبانِ چرب دکھلا اپنی جوں شمع
سبب اس مثنوی کہنے کا کہہ تو — جو خاطر کس طرح آئے ادھر کو
حقائق اور معارف کے بیاں کو — نہ تھی طاقت تری ہرگز زباں کو
جو یعنی حال بن یہ رمز کہنا — نہیں بہتر ہے بہتر چپکے رہنا
کہا دل نے کہ الحق راست ہے یہ — کہا مجھ کو مکرر یہ کہ تو کہہ
ہوا اُستاد کا جب حکم ناچار — زباں پر آئے جب یہ رمز و اسرار

نہ اہلِ ذوق اور اسرار ہوں میں — گرفتارِ خودی ہوں خوار ہوں میں
مترجم ہوں کلامِ عاشقوں کا — نہ کاذب ہوں محب ہوں صادقوں کا
بیاں کرتا ہوں اُن کے ذوق و اسرار — خدا مجھ کو بھی دیوے ان کے اطوار
ہوا جب مثنوی کہنے کا عازم — ثنا اُستاد کی ہوئی مجھ پہ لازم
کہا دل نے کہ تھا مدت سے یہ عزم — کہ تا روشن کروں تعریف کی بزم
نہ قدرت اپنے میں پاتا نہ مقدور — یہ مضموں پردۂ دل میں تھا مستور
ہوا یکبارگی آکر یہ خطرا — کہ شاگردی کی نسبت کر تو پیدا
چھپاتا اُس کو ہے گا کفرِ نعمت — کر اب تو شکر تا زیادہ ہو رحمت
تجھے خطرا پڑا ہے یہ کہ یہ بار — اُٹھا سکتا نہیں میں بندۂ زار
تری بے قدرتی بے دستگاہی — نمایاں اُس پہ ہے جو ہے کماہی
اُمیدِ عفو رکھ اور کہہ تو اے یار — کہ تا یہ مثنوی ہو صحنِ گلزار
گلستاں علم کا ہے جس سے آباد — بیاں کر نام کو تا ہووے دل شاد
حفیظ اللہ ہے اُس شاہ کا نام — کرے جو ورد اُس کو صبح اور شام
چھٹے تدبیر سے صبح و مسا کی — پڑے ہرگز نہ چنگل میں بلا کی
جو شخص اس رہنما سے آشنا ہے — سمجھتا ہے مرا جو مدعا ہے
صفت اور ذات ہے اس نام میں جمع — نظر آوے جو روشن دل کی ہو شمع
محیط اب ہو تو ہو اس سے حفاظت — محاط اوپر اسے ہوئے حفاظت
بساطت ہے اگرچہ علم کو یار — تو فہم اس کا محیط اُس پر ہے دلدار
حقیقت علم کی اُسے ہے وہ محرم — اگر محرم ہو اُس سے ہو نہ مجرم
جو کچھ ہے علم میں اب فائدہ سب — ہوئے ہیں دل پہ اُس کے وہ مرتب
رموزیں علم کی سب اُس کو ہیں یاد — ہے اپنے وقت کا وہ صاحب ارشاد

کہوں کیا جتنے ہیں یہ علم ظاہر — سبھوں کے ہے حقائق سے وہ باہر
محدث مانتے ہیں اُس کی تقریر — مفسر اس سے اب پڑھتے ہیں تفسیر
اصول اور فقہ میں وہ نامور ہے — معانی اور منطق میں اثر ہے
منجم بوجھتے ہیں اس کو خورشید — برہمن اس سے آ پڑھتے ہیں سب بید
تصوف صوفی اُس سے پوچھتے ہیں — غرض کامل اُسے سب بوجھتے ہیں
مثالِ آب رنگوں میں ملا ہے — پر اُس کا رنگ رنگوں سے جدا ہے
قلندر مشرب و مشرب قلندر — وہی دریائے بے پایاں سمندر
صفت تو سن چکا سُن اس کی اب ذات — کہ التوحید الفاظ الاضافات
اضافت دور کر باقی رہا جو — کہا میں نے سمجھنا ہو تو سمجھو
ارے دل سوچ کر بکتا ہے تو کیا — قصور اپنے کو کر تو یاں سے انشا
نہ تجھ میں مدح کی قدرت ہے اصلا — تو ذرہ اور وہ خورشید اعلیٰ

کہتا ہوں اگر سنے تو رمز توحید — مشاقی سے اُس کے ہووے حاصل تفرید
جس طور مقید کو ہے مطلق سے وجود — اطلاق ہے تو دیکھ بضمن تقید

نہ دل کو صبر نے آرام جاں ہے — ارے اے بے مروت تو کہاں ہے
جسے ہوں دیکھتا منظور تو ہے — خلا باطل ہے اور معمور تو ہے
دلِ بینا کو اب مقصود ہے تو — عدم ہے ماسوا موجود ہے تو
ملا ہے کیوں کر اور کیوں کہ جدا ہے — اُسے تو جانے میرا دلربا ہے
عدم ہستی میں آتا بارے کیوں کر — پڑھا ہوتا نہ افسوں تو نے اُس پر
دیا کن نے وجود اب اس عدم کو — بتایا کن نے اُس کا بھید ہم کو

نفخت فیہ من روحی سنایا
ہمیں پھر اپنی صورت پہ بنایا

انا نیت یہ کس کی ہم میں آئی
کہاں سے ہے یہ دولت ہم نے پائی

بصر اور سمع کس کی یہ میاں ہے
جسے ہے دید اُس پر سب عیاں ہے

حیات اور علم و قدرت کس کی ہے گی
سمجھتے ہیں یہ بات اب جس کی ہے گی

صفاتیں ہیں یہ کس کی بول اُٹھوں
پیارے ڈر کے یا چپکا ہی بیٹھوں

پر اب کس طور سے چپکا رہوں میں
چھپا کر حق کو ناحق کیا کہوں میں

سمجھ کر بوجھ کر نادان ہو کر
سراپا عشق میں بریان ہو کر

اگر کہتا ہوں دل کو چپ ہی تو رہ
مجھے کہتا ہے دل تو شوق سے کہہ

چھپایا ہے کسو نے اس کو واللہ
شجر ہیں بولتے انی انا اللہ

شجر سے تو نہیں اب کم زباں تو
ٹک اک کر ذکر دل سے تو انا ہو

کہا ہے علّم الاسماء تجھ ہی کو
گیا ہے لے تو اس میدان سے گو

دیوانے تو تو اب شاگرد رب ہے
چھپاتا علم اپنا کیا سبب ہے

یہ باتیں سن کے دل سے ہوش آیا
مجھے پھر بے خودی کا ہوش آیا

کہا میں نے کہ کچھ بے خویش ہو لوں
بغیر اس ناخن اس عقدے کو کھولوں

کروں میں ظاہر اپنا اُن پہ باطن
کروں کچھ نقل میں اپنے مواطن

میں اس قلزم کا قطرہ ہوں اے یاراں
کہ جس کی موج سے اُٹھا یہ طوفاں

فلک اس بحر کا یار و صدف ہے
کہ جس کو یہ بزرگی یہ شرف ہے

جو بعضے غافلوں نے غور کر کر
کیا اُس کے تئیں اب ہے مقرر

کہ جیسے سنتے ہو گولر کا کیڑا
زمین و آسماں گولر کو سمجھا

وہ کیا جانے جہاں اہلِ جہاں کو
وہ کیا جانے زمین و آسماں کو

حدوث اور وہ قدم اُس کا نہ سمجھے
وجود اور وہ عدم اُس کا نہ سمجھے

سو وہ دریائے بے پایاں سنو تم　　ہوا ہے آ اسی قطرے میں ہاں گم

حقیقت میں یہ قطرہ ہے وہ دریا　　یہ رمز عشق ہے سمجھا سو سمجھا

فقط اب اس کے ظاہر پر جو اٹکا　　حقیقت میں مقرر ہے وہ بھٹکا

بیاں کرنے لگا میں سب ہیں فائق　　حقیقت اُس کی ہے حیوان ناطق

کہ تھا یہ ابتدا میں یارو نطفہ　　وہی نطفہ ہوا پھر خون بستہ

وہی جو خونِ بستہ تھا سو یارو　　بنا مضغہ اسے تحقیق جانو

ہوا پھر وہ جنین اور ایسا ایسا　　یہ اصل الاصل سمجھا ایسا تیسا

وہ بیچارہ[1] کرے کیا چشمِ ظاہر　　نہیں ہوتی حقیقت سے وہ ماہر

نظر آتا ہے یہ حیواں کو حیواں　　نظر آتا ہے یہ انساں کو انساں

اگر تجھ کو سمجھنے کی ہے اب دُھن　　یہ باتیں عشق کی تو شوق سے سُن

نہیں کچھ دخل اس میں عقل کو یار　　فلاطوں بو علی ہیں عقل سے خوار

نہیں کچھ فلسفی کو دخل یاں اب　　کہ سو فسطائی بھی حیران ہیں سب

انہوں نے صرف کی سب جتنی تھی عقل　　نہ پائی اصل کی کچھ بو بجز نقل

یہ دیوانا[2] نہ اپنے دل میں سمجھا　　کہ ہر شے کا جدا مدرک ہے پیدا

نہ آنکھیں سُنتی ہیں لوگوں کی باتیں　　نہ کاں ہیں دیکھتے عالم کی گھاتیں

میاں یہ عشق سے کھلتا ہے اسرار　　سمجھ اس بات کو پھر کر نہ تکرار

جو عاشق ہیں سو اس کو جانتے ہیں　　یہ باتیں عشق کی وہ مانتے ہیں

جو کھووے آپ کو سو اس کو پاوے　　جو جاوے آپ سے سو اس کو لاوے

اُسے ہیں ڈھونڈتے پر آپ سے دور　　جو ہیں بے فطرتی سے اپنی مجبور

کروں کیا اُن کی دانائی کا مذکور　　ہوئے ہیں عقل کی مستی سے مغرور

۱۔ بیچاری ۔ ۲۔ دیوانہ

نہیں پہنچا ہے اُن کو نحن اقرب
کہے کیا کوئی اُن سے ہائے یارب
اگر اب وَہُوَ معکُم کو وہ جانیں
تو پھر اُس وقت ہم تم کو وہ جانیں
اگرچہ مارمیتَ کو ہی سمجھیں
تو پھر اپنے تئیں کچھ اور بوجھیں
اگر دیکھیں فاین ما تو تُو
تو پھر بھٹکیں نہیں مانندِ اُلّو
سنیں گر وہ حدیثِ من رانی
تو بھولیں خلق کی یکسر کہانی
کلام حق کو کب وہ مانتے ہیں
رسولِ حق کو کب پہچانتے ہیں
کلام اللہ کو ہم مانتے ہیں
رسول اللہ کو پہچانتے ہیں
کہ ہر ظاہر کو سن باطن روا ہے
محمدؐ ظاہر و باطن خدا ہے
خدا ہے نام اُس تنزیہ کا یار
محمد نام ہے تشبیہہ کا یار
اُسی تشبیہہ میں تنزیہہ کو دیکھ
اُسی تنزیہہ میں تشبیہہ کو دیکھ
یہ دونوں مرتبے واحد کے تو جان
احد احمد سمجھ مت ہو تو انجان
وہی پھر لحمکَ لحمی میں آیا
اُسے ظاہر کیا اُس کو چھپایا
پھر اُن نے آکے عالم کو جتایا
اُسے پھر جن نے سمجھا اُن نے پایا
کسو میں آکے سبحانی پکارا
لوا ما اعظم شانی کا گاڑا
کہیں بولا انا الحق اور انا اللہ
نہیں ہے جبّے میرے میں سوا اللہ
کہیں میں میں کہیں تو تو کہیں ما
کہیں ہم ہم کہیں تم تم سنایا
اُسی مے کا ہے اب تک دور باقی
قیامت تک وہی ہے آپ ساقی
اُسی مے سے پیالہ تو بھی پی لے
کہ یاں مَر اور وہیں اے یار جی لے
کہ تا آوے نظر کثرت میں وحدت
نمایاں ہووے اُس وحدت میں کثرت
جو اُس کے ہاتھ سے ہے جام پیتا
زبانِ حال سے ہے وہ یہ کہتا
کہ مقصودِ خلائق اب میں ہی ہوں
مبرّا از علائق اب میں ہی ہوں

جو آجاتا ہے اُس پر حال غالب — تو قال اس کا یہی ہے اے یار طالب
کہ یاروا ایک مستی ہے یہ پیدا — نظر آتا ہے جو تم کو ہویدا
کہیں عابد کہیں معبود ہے وہ — کہیں ساجد کہیں مسجُود ہے وہ
کہیں طالب کہیں مطلوب ہے وہ — کہیں عاشق کہیں محبوب ہے وہ
برہمن ہے کہیں اور بت کہیں ہے — تکلّف برطرف اُس چھٹ نہیں ہے
کہیں مومن کہیں کافر کہیں دیر — بہر صورت نظر آوے نہیں غیر
کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے کہیں کچھ — یہی سچ ہے سوا اس کے نہیں کچھ

سُن عشق مجازی کی تو مجھ سے باتیں — ہیں لیلیٰ و مجنوں کی جہاں میں گھاتیں
جو دیکھے حقیقت میں وہی ہے موجود — مت مار بہشت میں دیوانے لاتیں

بیاں کرتا ہوں سُن ٹک دل سے یہ نقل — سمجھ پھر اصل کو اُس کے جو ہے عقل
سُنا ہے بو علیؔ وہ دیاری — شہنشاہ زماں محبوبِ باری
نہانے کو گیا حمام میں یار — جو کھووے میل ظاہر ہو سبکسار
نظر واں جامہ کن میں اس کو آیا — لباسِ فاخرہ سے خرقہ یکجا
تعجب سے ہوا حیران وہ یکسر — کہ دو ضدیں ہوئیں ہیں جمع کیوں کر
قدم جب اُن نے اندر گھر کے رکھا — نظر آیا اُسے درویش شیدا
کہ جان و دل کو اپنے کرکے برباد — ہوا مجنوں نہیں مجنوں کا اُستاد
معرا ہے لباس دو جہاں سے — مبرّا ہے زمین و آسماں سے
بطور نے ہے خالی از من و ما — مثالِ نے ہے پُر از شور و سودا
بغیر از غم نہ کچھ ہے اس کی خوراک — بجز خاکسترِ غربت نہ پوشاک

نہ آبِ چشم بن ہے اس کو پانی — نہ غیر از عشق کچھ اُس کو کہانی
مرض سے عشق کے وہ نیم جاں ہے — نہ بلکہ نیم جاں ہے بے گماں ہے
نہ سوزش چھٹ کوئی اس کا رفیق اب — نہ جز اندوہ کے کوئی شفیق اب
اُسے تو برگ بے برگی ہی ہے برگ — یہ اُس کی زندگی اُس کو ہوئی مرگ
تپش دل کی ہے کرتی اس سے کوشش — تڑپ دل کی ہے دیتی اُس کو جُنبش
سراسر ہوش سے عالم کے بے ہوش — مبرّا خانماں سے خانہ بر دوش
یہ ہے زخم جگر کا وہ گرفتار — گرفتاری سے دل کی ہے وہ ناچار
کھڑا ہے سر پہ ایسی ہی بلا کے — مطارع صبر و طاقت سب گنوا کے
کروں اُس آفتِ جاں کا بیاں کیا — قیامت جس کے رکھے ہوئے برپا
حجامت اپنی بنواتا تھا وہ ماہ — گرے جو بال وہ درویش بھر آہ
اُٹھاوے اُسکو سو عزت سے اے یار — برنگِ زلف وہ خم کھاوے سو بار
حجامت کر چکا جس وقت حجام — ہوا غسل اُس کے سے روشن وہ حمام
غبارِ عارضی جب دھونے لاگا — دلوں کا صبر و طاقت کھونے لاگا
لطافت ایسی تھی بوندوں کی تن پر — کہ جوں شبنم پڑے ہے یاسمن پر
وہ اشکِ گرم سے درویش دلریش — لگا پانوں کو دھونے سب سے ہو پیش
ردائے نور جیسی صبح نو روز — اُڑھاوے مہر سے سورج کو ہر روز
بسایا تھا جو پھولوں میں انگوچھا — بدن اُس گلبدن کا اُس سے پوچھا
بدن کو پوچھ نکلا آفتِ جاں — چلا پیچھے سے وہ درویش حیراں
کہا اُس وقت دل میں اُس ولی نے — کہ یعنی کاشفِ سر بو علی نے
جو یہ مضموں سمجھنا پر بجا ہے — یہ دونوں لفظ ہیں معنی خدا ہے
نہ طالب ہے نہ ہے مطلوب کوئی — نہ راغب ہے نہ ہے مرغوب کوئی

بتاں میں آ کے استغنا ہوا ہے — سرِ عشاق میں سودا ہوا ہے

وہی راز و نیاز ہو سوز ہے ساز — وہی نائی وہ نَے اور ہے وہ آواز

کرے ہے خود بخود وہ عشق بازی — یہ ہیں یعقوب و یوسف حیلہ سازی

اسے ٹک سوچ کر گر دیکھنا ہے — یہ بازی گر کا یارو پیکھنا ہے

جو اس قلزم سے کوئی آشنا ہو — فلک آنکھوں میں اُس کی بلبلا[1] ہے

وجود اس عالمِ فانی کا اے جاں — خیال و وہم کا ہے باغ و بستاں

کوئی یاں شاہ ہو کر تخت بیٹھا — کوئی حاجب ہو دروازہ پہ بیٹھا

وزارت ہے کسو کو ہے امارت — نظارت ہے کسو کو ہے صدارت

کوئی دیواں کوئی ہے اہلِ دفتر — تردد میں کوئی منصب کے ششدر

کوئی ہر صبح اُٹھ مجرے کو جاوے — ملالت کھینچے جو مجرا نہ پاوے

کوئی ہے شاہ کوئی چور ہے یاں — توی کوئی کوئی کمزور ہے یاں

کوئی ہر فن میں جو یائے کمالات — بنا اس ٹھاٹھ کا ہے یہ طلسمات

وہی ہے آپ یاں اب دارد دیّار — حکایت ہے یہی مفتاحِ اسرار

تامل سے تماشا[2] کر جہاں کا — نکل چل دیکھ حال اُس نیم جاں کا

غرض تشریف لائے شیخ بھی واں — کہ تا مکشوف ہو یہ رازِ پنہاں

نظر رنگ آیا اور اس نیم جاں کا — سراپا نام بے نام و نشاں کا

کہ وہ دل باختہ لے جامۂ خوب — تکلف سے بھرا جوں شانِ محبوب

بصد عجز و نیاز اُس کو پنہایا — پنہا آفت کو آفت کر دکھایا

پھر اُن نے عطر جب اُس پر لگایا — قیامت کو قیامت تر بنایا

۱- بلبلہ ۲- تماشہ۔

چلا جب واں سے بن ٹھن کر دلارام
گیا عاشق کے دل سے صبر و آرام

زباں حرکت میں آئی دل کے مانند
کہ عشق ہے رنگ رکھتا چند در چند

کہ اے آرام جاں آشوب دنیا
دوبالا ہے مرا ہر روز سودا

میاں دل صبر سے کرتا ہے اب تنگ
بچی ہے صبر و طاقت میں عجب جنگ

غضب ہو روٹھ گئی ہے عقل دل سے
پڑے اُٹھتے ہیں شعلے آب و گل سے

جگر میں خوں نہ آنکھوں میں ذرا نم
دماغ اور دل ہوئے ہیں دونوں برہم

گیا ہے اُڑ مرا اب رنگ رو سے
زباں بھی گنگ ہوئی ہے گفتگو سے

نفس کرتا ہے اب سینہ میں تنگی
ہوئی یہ کیسی یارب خانہ جنگی

تپا ہے جو میاں یہ سوکھ کر تن
دہکتا ہے یہ سینہ جیسے گلخن

مرے مُنہ سے جیا ہے سخت بیزار
ہوئی ہے زندگی بھی مجھ پہ دشوار

میں اپنی سخت جانی سے ہوں مجبور
زمیں ہے سخت اور ہے آسماں دور

اجل سے جو کہوں ناچار ہو سخت
ترش رو ہو کہے وہ لے سیہ بخت

جو جیتے ہیں مجھے اُن سا نہ جنگ ہے
مقابل ہوں جو تجھ مردے سے ننگ ہے

ہوئی وہ زندگی اب مرگ یہ کچھ
کروں کیا ہائے اے بے رحم کہہ کچھ

تماشا[1] بن گیا ہوں دیکھ تجھ[2] کو
قسم اپنے تغافل کی ہے مجھ[3] کو

کمند موئے زلفوں کی قسم ہے
تجھے جھپنتی پلکوں کی قسم ہے

ہماری سخت جانی کی قسم ہے
اور اپنی بدگمانی کی قسم ہے

کسو کے تڑپھڑانے کی قسم ہے
کسو کے تلملانے کی قسم ہے

نیاز و ناز کی گرمی کی سوگند
ہے سوز و ساز کی نرمی کی سوگند

۱- تماشہ ۔ ۲- ا ۲- مجھکو ۳- لے ۲- تجھکو

کروں کیا اپنے دل میں ہوں میں حیراں — مگر تو ہی بتا دے اے مری جاں

کہ جو آتا ہو خوش اے یار تجھ کو — وہ فعلِ خوش نجات اب بخشے مجھ کو

کروں کیا آہ اے دلدار خونخوار — جو دیکھے مہر سے تو اس طرف یار

لگا کہنے کہ اے دیوانۂ کو — جو مر جاوے تو میں دیکھوں ترا رو

یہ سنتے ہی لگا کہنے کہ ہمدم — سلامت تم رہو اور مر گئے ہم

زہے وہ مرگ جس سے ہووے خوش یار — حقیقت میں وہ راحت ہے نہ آزار

غرض وہ عاشقِ صادق گیا مر — نہ دیکھا تو بھی اُن نے اُس کو پھر کر

گیا لے بو علی وہ نقش مقبول — کہ ہے شمشیرِ الفت کا یہ مقتول

کیا گور و کفن اُس کا با عزاز — یہی ہے عشق کا انجام و آغاز

کرے ہے عشق کا راوی روایت — اگر عاشق ہے سُن تو یہ حکایت

کہ مدت پیچھے وہ شیخِ یگانہ — امامِ عشق و سالارِ زمانہ

چلا تھا عزم کر بیت الحرم کا — یکایک مِل گیا وہ شوخ اُس جا

کچھ حالت اُن نے اُس کی اور پائی — فقیروں کی سی صورت تھی بنائی

کہا تب شیخ نے اُس کو کہ ہے یاد — تجھے تھا چاہتا درویش آزاد

کہا تھا تو نے اس آفت زدہ کو — کہ مر جاوے تو دیکھوں میں ترا رو

لگا رو رو کے کہنے میں وہی ہوں — مرا سن حال اے مقبول بیچوں

گیا جب گھر میں میں اور شب کو سویا — تو حضرت خواب میں ہوں دیکھتا کیا

وہی درویش آفت دیدہ دلریش — لگا غصّہ ہو کہنے اے ستم کیش

موئے ہم پر نہ دیکھا حیف تو نے — کبھو آ کے کیا ہے یہ کسو نے

یہ سن کر خواب سے بیدار ہو کر — غرض گھر بار سے بیزار ہو کر

گیا گریاں میں اُس کی قبر اوپر — بہت سر پٹکا یعنی جائیے مر

ہوا شربت نہ حاصل مرگ کا جب
بہ اس بیرزائی دور کر سب
یہ صورت اپنی تب سے ہے بنائی
یہ تکلیف اپنے سر پر ہے اُٹھائی
کہ میں ہر سال حج کرتا ہوں جا کر
جو واں سے پھر مزار اُس کی پر آ کر
ثواب حج ہوں کرتا نذر اس کی
کہ ہووے روح خوش اب مجھ سے اُس کی
نہایت درد و غم سے کر کے افسوس
لحد پر اُس کی کرتا ہوں زمیں بوس
کروں ہوں سو طرح کی عذر خواہی
قبولِ عذر کر تو یا الٰہی
سمجھ اُس رمز کو ہو ہے تو ہشیار
وہ بیرحمی تھی یا یہ عذر یک بار
مقدس ہے جنابِ حُسن اے یار
قبولیت کی طوریں واں ہیں دشوار
کسو کے پوست کو واں کھینچتے ہیں
کسو کو دار پر واں اینچتے ہیں
نہیں یہ دار ہے اے یار بینا
یہ اُس دلدار کے گھر کا ہے زینا
غرض لاکھوں ہیں استغنا کے مقتول
جو ہیں مقتول واں کے سو ہیں مقبول
سبب سُن عذر خواہی کا تو مجھ سے
رموز اس رمز کی کہتا ہوں تجھ سے
اثر ہے عشق کی آتش کا اے یار
جو اس صورت سے پھرتا ہے وہ خونخوار
سمجھ اس رمز کو اے صاحبِ ہوش
سمجھ کر پھر نہ کر اس کو فراموش
جو ہے عشقِ مجازی میں یہ تاثیر
خودی کی قطع کرتا ہے وہ زنجیر
حقیقی اُس سے ہے البتہ بہتر
کہ ہوں مخلوق و خالق کب برابر

اسرار حقیقت کو بیاں کیا کیجیے
سر دے کے میاں جام کو اُس کے پیجے
فانی ہو اگر بقا ملے تجھ کو سُن
بن سر دئے یہ مقام کیوں کر لیجے

الـ۱۲ ہے گھر کا۔

مثال اُس کی پہ سن تو یہ حکایت — حکایت کب ہے بلکہ ہے ہدایت
سُنا ہے ہم نے یہ از روئے اخبار — جو تھا سوداگروں میں مردِ سردار
گیا بغداد کی وہ چوک میں یار — کہ فرحت بخشِ دل ہے سیر بازار
تماشا[1] دیکھتا پھرتا تھا اُس جا — نظر بردہ فروش ایک اس کو آیا
کھڑا کہتا ہے جو ہو صاحب زر — سنے وہ بات میری دل سے آکر
کہ تحفہ تام ہے ماہ دلارام — جو دیکھے اُس کو کھووے صبر و آرام
سراپا ناز و خوبی ہے وہ محبوب — فلاطوں دیکھ اس کو ہوئے مجذوب
خجل ہو کیوں نہ اُس کے آگے خورشید — چھپے وہ شب کو یہ تاباں ہو جاوید
دو چار اب اس کی آنکھوں سے جو ہوئے — یکایک بے تامل ہوش کھووے
کہے یارب یہ آنکھیں یا ہیں جادو — پڑے ہیں مارے جن کے[2] ہر طرف کو
نہ زلفیں اس کی مُنہ پر ہیں نہ دو دام — کیا ہے صید جس سے کفر و اسلام
نہیں خال اس رخِ زیبا کو[3] یارو — اُسے دانہ انہیں داموں کا جانو
کلام اُس لعلِ شریں کا سنے جو — جہاں کی تلخیاں شیریں ہوں اُس کو
خراماں جن نے دیکھا اُس کو یک بار — وہ دیوانہ ہو بھولا اپنی رفتار
جب آکر ناز سے مجلس میں بیٹھے — تواضع کو جگر سے آہ اُٹھے
بجاوے ہاتھ میں جب لے کے وہ چنگ — ہرن جیسا اُڑے واں ہوش کا رنگ
سنے جو شخص اُس زخمی کی آواز — کرے روح مقدس تن سے پرواز
نہ پگھلے سوزشن یہ، دل نہ سل ہے — کہ وہ مضراب اب ناخن بدل ہے
ہرن میں جس گھڑی تاروں کو رولے — تو ہر پردے میں گویا روح بولے

۱۔ تماشہ ۔ ۲۔ لے جن کے مارے ۔ ۳۔ لے کے

وہ اپنے ذوق میں جو راگ الاپے — تو بیجو باورا سرگم کو ناپے

ترانہ کو اگر وہ شوخ گاوے — فلک قانونِ گردش بھول جاوے

پڑے جس کان میں اُس تان کی دھن — برنگِ نقش ہووے ساکت اور سن

سنے دریا تو جاوے موج کو بھول — بنے یک تختۂ آئینہ معقول

ستی تاجر نے جب اُس کی زبانی — سراپا حُسن و خوبی کی کہانی

ہوا مشتاق اس کا جان و دل سے — اٹھا یک بار شعلہ آب و گل سے

دو عالم کی ہوس دل سے بھلائی — مطاع[1] صبر و طاقت سب گنوائی

دگا کہنے یہ سودا مفت ہے دل — بہر صورت کے ہو گر اس کو حاصل

بھلا ٹک سوچ تو اے مرد[2] ہشیار — نہیں تجھ کو[3] ہے اتنا ننگ اور عار

کہ سن تاجر غرضگو کی زباں سے — اُٹھایا ہاتھ اپنے خانماں سے

نہیں معلوم پھرنا تو کدھر ہے — کہ اتنا اس طرف سے بے خبر ہے

پیغمبر اور اُن کی پاک اولاد — اور اصحاب اُن کے جو ہیں اہلِ ارشاد

ولی سب اور اقطابِ زمانہ — وہ ابدال اور افرادِ یگانہ

کتابیں اُن کی اور اقوال اُن کے — مقامات اُن کے اور احوال ان کے

تصرف اُن کے اور رمزِ کرامات — ظہورِ معجزہ اور خرقِ[4] عادات

تجھے کرتے ہیں سب اے یار ارشاد — نہیں سنتا ہے تو فریاد فریاد

کدھر پھرتا ہے تو افسوس افسوس — ادھر آ ان کے آگے ہو زمیں بوس

جو خاطر میں تری محبوب ہے خوب — کوئی دن میں نہیں رہنے کا محبوب

نظر میں تیری جو کچھ ہے وہ محسوس — کیا ہے دل ترے کو جن نے محبوس

۱۔ متاع۔ ۲۔ کذا۔ ۳۔ کذا ہے تجھ کو۔ ۴۔ کذا خرق۔ درست ہے۔

اگر دولت وگر فرزند و زن ہے
ہوائے باغ و بستاں یا وطن ہے
نظر آتا ہے جو ٹک دیکھے جانی
کہ باقی حق ہے اور یہ سب ہیں فانی

گھر بار اگر اس کے لئے یار و چلے
افسوں مرا ہر طور اگر اُس پہ چلے
سوداگری اس بات میں کیوں کر نہ کروں
بدلے بھی اگر سر کے ملے مفت ملے

غرض سوداگرِ دل باختہ واں
گیا تا مول لے وہ آفتِ جاں
جو دیکھا جا کے اُس رنگ پری کو
ادا و ناز و خوبی سے بھری کو
سنا تھا جو اسے صد چند پایا
گیا تھا مول لینے کو، بکایا
خریداروں سے تھا واں گرم بازار
ہوئے تھے جان و دل سے وہ خریدار
جو تھا قیمت میں سبقت تھا وہ کرتا
بلند ہوتا تھا ہردم شورِ سودا
جو کچھ کہتا کوئی یہ اُس سے افزود
سمجھتا تھا اسی میں اپنی بہبود
فروشندہ نے جو مانگا سو پایا
اُس آفت کو وہ سوداگر لے آیا
بلائے خانماں اور آفتِ ہوش
رہے یک چند اُس کے دوش بدوش
مثالِ نے کی تھی وہ اس کی دم ساز
گویا تھی زندگانی اُس کی آواز
نہیں مقدور اب آگے زباں کا
کہ اُس کے چنگ میں تھا تارِ جاں کا
گذرتے اس روش تھے اسکے اوقات
جہاں[۲] سے تھی چھٹی اُس کی ملاقات
یکایک عشق نے آنکھیں دکھائیں
نشاط اور عیش کی باتیں بھلائیں
گنوایا اُن نے اپنا سر بسر ہوش
مئے خم کی طرح کھانے لگے جوش

ا[۱] خود - ۲[۲] جہان سے چھٹی

کبھو بے عقل کو وہ عقل دیوے　　ارسطو سے کبھو وہ عقل لیوے

گدا کو تخت پر لے جا بٹھاوے　　شہنشہ کو زمیں اوپر سلاوے

اگرچہ کہنے کو ہے عشق بازی　　غلط شاہِ حقیقی و مجازی

بیاں کب تک کروں میں اُسکے اطوار　　جدا ہیں ہر مرض کے یار و آثار

ذرا رنگ اُس کے رونے کے تو دیکھو　　ذرا ڈھنگ اُس کے سونے کے تو دیکھو

تحیر دیکھو ان آنکھوں کا یارو　　یکایک مِل کے سب غوزیں نہ ہانکو

نظر بے تابیاں اُس کی کرو تم　　نہیں ہوتا کوئی اس طور سے گم

کلام اس کا نشاں ہے عاشقی پر　　جو دیکھے شوق سے تو سوچ کر کر

ٹپکتا عشق ہے آنکھوں سے اس کے　　جو ہو دل باختہ سو اس کو دیکھے

غرض ٹھہرا کہ عاشق ہوئی ہے وہ ماہ　　لگے تب ڈھونڈنے تب اس کا دل خواہ

اُنہوں نے جستجو ہر چند کی داں　　نہ ہوئی یہ مشکل ان پر کچھ بھی آساں

بہت تدبیر کی تا وسع مقدور　　نہ ہوئی بہتر رہی وہ ویسی رنجور

برس دن تک یہی دیوانہ پن تھا　　نہ گفت و گو نہ ہوشِ جان و تن تھا

کبھو غش ہونے میں سوتی تو سوتی　　کبھو آنسو سے اپنے منہ کو دھوتی

نہیں ظاہر تھا کچھ کھانا اگر ہو　　تو شاید اُس کا اب خونِ جگر ہو

اگر اٹھتی بولتی آہِ جگر سوز　　کہ جس کے شعلہ سے شب ہوئے جوں روز

غرض اس طور سے جب سال گزرا　　نہ سب داناؤں میں سودا ہی ٹھہرا

کیا زنجیر و طوق اس نازنیں کو　　نکالا گھر سے اُس زہرہ جبیں کو

بٹھایا جا اُسے دار الشفا میں　　نہ بلکہ خانۂ رنج و بلا میں

بصد طرز و ادا وہ عاشقِ زار　　سبق اپنے کا تھی کرتی وہ تکرار

کبھو بیتیں وہ حسبِ حال پڑھتی　　کبھو فریاد و نالہ تھی وہ کرتی

کبھو وہ خونِ دل آنکھوں میں لاتی — کبھو ہونٹوں کو دانتوں سے چباتی
کبھو رو رو غزل پُرشور گاوے — کبھو گا آپ اوروں کو رُلاوے

یا قبض ہے یا بسط ہے اے اہلِ جہاں — کامل جو ہیں یہ بات ہوئی اُن پہ عیاں
مشغول جو تھے یعنی وہ دل سے اپنے — مکشوف ہوا انہوں پہ بے سود زیاں

اُسی ایام میں تھا شیخ آگاہ — سری سقطی نامی وہ شہنشاہ
سقط تحریک کے قابل نہ پایا — سکونت کا پہنا خرقہ بٹھایا
عبادت میں تھے وہ مشغول باحق — حضورِ دل نہ پایا شب کو مطلق
انہیں ہوئی قبض کی صورت نمودار — بہر صورت کٹی شب صبح ہوئی یار
ارادہ سیر کا کر گھر سے آئے — جو شاید سیر سے یہ قبض جائے
مزاروں پر گئے اہلِ دلوں کے — کہ واں کھلتے ہیں عقدے مشکلوں کے
سمجھتا ہے جو ہے اس رہ کا دانا — کہ بعد قبض ہے پھر بسط آنا
نہ ہوئی مفتوح اُن کی اُن پہ حالت — کہ تھی اس قبض میں پوشیدہ حکمت
کہا دل کو کہ دل بیمار ہوں میں — سراپا درد و غم میں یار ہوں میں
بھلا یہ ہے کہ بیماروں میں جاؤں — اس اپنے درد کی دارو کو پاؤں
گئے جس وقت وہ دارالشفا میں — مصیبت خانۂ وحشت سرا میں
کھلی یکبارگی اُن کی وہ مشکل — ہوا روشن یکایک خانۂ دل
تماشا[1] دیکھتے پھرتے تھے ہر سو — جو دیکھا ایک ہے واں عنبریں مو

۱۔ تماشہ

نشہ سے عشق کے ہے مست و مدہوش
سراپا درد و غم سے ہے ہم آغوش

ترانا[1] درد کا گاتی ہے جانکاہ
کبھو گانے پہ اپنے کرتی ہے آہ

ترحم کھا کے پوچھا شیخ نے واں
بتاؤ یہ پریرو کون ہے یاں

کیا ہے اس کو کن نے بند زنجیر
جو آزادوں کو کرتی ہے یہ نخچیر

تاسف کر لگے کہنے جو تھے واں
جو یہ آفت زدہ آشوبِ دوراں

یہ سوداگر فلانے کی ہے مرغوب
محب اس کا وہ ہے یہ اس کی محبوب

کہیں کیا تم سے حضرت اس کا قصہ
سراسر تحفہ بلکہ نام تحفہ

اُسے سودا ہوا پہنائی زنجیر
ہزاروں طرح سے کرتے ہیں تدبیر

مزاج اس کے سے وحشت دور ہووے
یہ داناؤں میں پھر مشہور ہووے

سُنی تحفہ نے جب یہ بات یکبار
نکالی دل سے تب آہِ شرربار

سرشکِ سرخ دریا بہایا
دلوں سے صبر و طاقت کو بھلایا

لگی کہنے مسلمانو سنو تم
نہیں دیوانی میں ہوں بلکہ ہو تم

کسے ہے ننگ و عار اب اس جنوں سے
نہ بلکہ ہوشیاری کے فنوں سے

غزالوں میں جو یہ وحشت ہے مشہور
مری وحشت کے سایہ سے ہیں وہ دور

یہ مے ہے آپ میری مستی آگے
جہاں فانی ہے میری ہستی آگے

مقابل ہے مرے وہ عشق خونخوار
میں اُس کا جام پی کے ہونگی سرشار

جہاں سے غافل اور اُس سے خبردار
تمھیں دیوانے ہو، ہو جتنے ہشیار

میں اپنے یار کے آگے ہوں دانا
مری دانائی دیکھو[2] جو ہو بینا

تمہاری فہم و عقل و ہوش یکسر
جنوں مرے کے بندہ[3] ہیں یہ کمتر

۱۔ ترانہ ۲۔ الٹا دیکھے۔ ۳۔ الٹا بندے۔

خوشی ہوں اپنی اس دیوانگی سے — خفا ہوں عقل اور فرزانگی سے

یہ سُنکر شیخ نے باتیں عجائب — اور اس کی غور کر ساری مصائب

سرشکِ سُرخ سے دھوے رخ کو اب آب — ہوا گرمی سے جوں سیماب بے تاب

جو روتا شیخ کو تحفہ نے دیکھا — اور اُس کے رازِ دل کو ان نے بُجھا

لگی کہنے یہ رونا ہے صفت میں — پڑا پلہ ہے یاں سے معرفت میں

حقیقت حق کی ہے بیچوں و بے چند — خودی کو دور کر سُن مجھ سے یہ پند

گیا جو آپ سے واصل وہی ہے — جو یاں فانی ہوا کامل وہی ہے

[1]...... ہوئے بیخود وہ یکبار — جو یاں بیخود ہوا ہے واں وہ ہشیار

ہوا پھر بعد دیر اس کو اقاقا[2] — مچا پھر آہ و نالہ کا تڑاق

کہا تب شیخ نے محبوب دلبا — کچھ اپنا درد کہہ یہ حال ہے کیا

سرے سے شیخ کہنے لاگی آگاہ — نہیں کوئی مصیبت دل پہ باللہ

مصیبت کوئی ہووے تو کہوں میں — خیال دردِ و درماں میں رہوں میں

کہا تب شیخ نے بتلا تو مجھ کو — بتایا کن نے میرا نام تجھ کو

سرشک آنکھوں میں لا اور بھر کے وہ آہ — لگی کہنے کہ اے مقبول درگاہ

کیا تحقیق جب سے دوست اپنا — گلا یا غم میں مغز و پوست اپنا

جہاں میں اور جو ہے اس جہاں میں — مکاں میں اور جو ہے لامکاں میں

ہوا ہے مو بمو اب مجھ پہ ظاہر — حقیقت کی حقیقت سے ہوں ماہر

کہا تب شیخ نے اے مایۂ آہ — ترا نام خدا ہے کون دلخواہ

بتا اُس آفتِ دوراں کا[3] تو نام — لیا ہے تجھ سے جن نے صبر و آرام

۱۔ یہ شعر صرف ل۲ میں ہے اور اس کا پہلا مصرعہ کرم خوردہ ہے۔ ۲۔ اقاقہ۔ ۳۔ ل۲ کو۔ غلط ہے۔

کہا پھر آہ اے محبوبِ بیچوں — بنایا جن نے یہ افلاک و گردوں
بنایا جن نے مشتِ خاک سے جسم — تشخص کا دیا ہر ایک کو اسم
کہ پھونکا جن نے اس قالب میں جاں کو — عنایت سے کیا گویا زباں کو
بینائی آنکھ پھر بخشا اسے نور — نہاں پردوں میں رکھا لطف منظور
بنایا آئینہ روئے بتاں کو — تماشائی کیا سارے جہاں کو
بنائے جن نے گوش اور سمع[1] بخشا — سنایا اُس کو پھر پردے میں کیا کیا
دیا علم و ارادت اور قدرت — نمایاں جن نے کی پھر اُس میں ندرت
وہی اے شیخ میرے روبرو ہے — مجھے ہر وقت اس سے گفتگو ہے
یہ باتیں شورش افزا کر کیا آہ — گئی پھر لامکاں میں قصہ کوتاہ
پھر آئی بعد ساعت ہوش میں یار — بیاں کرنے لگی پھر اور اسرار
یہ کی تب شیخ نے شفقت سے تدبیر — جو کھولی دست و پا سے اس کے زنجیر
کہا پھر اسکو اے گلدستۂ راز — مبارک ہو تجھے یہ سوز اور ساز
چھٹی تو قید سے عالم کے یکبار — جدھر چاہے تو جا اب ہے تو مختار
کہا تحفہ نے تب اے صاحب اسرار — ذرا ہو میری حالت سے خبردار
لگائی جن نے آگ اس آب و گل میں — اُٹھایا عشق کے شعلہ کو دل میں
بنایا داغ کا سینہ میں گلزار — جگر میں پھر چبھائے عشق کے خار
مجھے اُس نے کیا بندہ[2] کا بندہ — چھٹوں کیوں کر کہ ہے یہ سخت پھندا
رضامندی ہے اس کی مجھ کو مقصود — کہ ہے اس قید میں اب میری بہبود
کہا تب شیخ نے اے سروِ آزاد — مقرر تو ہی ہے اس فن میں اُستاد

۱- سماع۔ ۲- کا بندے

سمجھ سے دور تیری گفتگو ہے	کہ ہم دیوانے اور ہشیار تو ہے

جوں شمس و قمر نور تھے الحق دو نو	باہم ملے روشن ہوئے ملحق دو نو
اسرار کو توحید کے کرتے تھے بیاں	ناحق کو مٹا کرتے تھے حق حق دو نو

وہ دونوں صاحبِ رمزِ معانی	وہ دونوں کاشفِ سرِ نہانی
وہ دونوں مظہرِ انوارِ رحماں	وہ دونوں مظہرِ آیاتِ قرآں
وہ دونوں عشق کے معنی سے آگاہ	وہ دونوں سالکِ سیرِ الی اللہ
بیاں کرتے تھے آپس میں رموزات	نکاتِ عشق بازی کی روایات
جو وہ سودا زدہ محزون و حیراں	برنگِ زلفِ مہرویاں پریشاں
دل و دیں باختہ مغموم و غمگیں	پریشاں مضطرب بے صبر و تسکیں
سراپا درد و غم میں تھا وہ دلریش	تفکر یہ کہ کیا آوے گا درپیش
نصیبوں کے تئیں وہ اپنے روتا	لہو کے آنسوؤں سے مُنہ کو دھوتا
یکایک آگیا زنداں سرا میں	نہ کہ زنداں سرا دار الشفا میں
جو دیکھا شیخ سے ہے گھر یہ روشن	کہا دل میں ہوا گلخن سے گلشن
دعا سے ان کی اور یمن قدم سے	نکالے گا خدا اس درد و غم سے
سمجھ کر دل میں وہ بانگ و ناموس	کیا پہلے سلام اور پھر قدم بوس
کہا مدت سے ہوں حضرت بلا میں	گرفتار اس طرح کے ماجرا میں
کہا تب شیخ نے اے مردِ مدہوش	اگر ہے اب تجھے کچھ عقل اور ہوش
تو ہے ساری بزرگی کے یہ قابل	یہ عاشق ہے خدا کی اور مائل
خوشی ہو شکر کر مت ہو تو محزوں	جو سمجھے اس کو مجنوں سو ہے مجنوں

نکال اپنے تئیں اس درد و غم سے
جو کچھ خرچا[1] ہو زر سو لے وہم سے

لگا سر پیٹنے تاجر وہ یکبار
کہا ہوں مفلسی سے شیخ ناچار

ہزاروں دے کے میں اس کو لیا ہے
بہت سا صرف پھر اس پر کیا ہے

کسے مقدور ہے جو اس کو لیوے
ہوا ہے خرچ جو میرا وہ دیوے

نہیں مقدور تیرا کیا کہوں میں
نہ روؤں کس طرح چپکا رہوں میں

بہت سے دے روپئے اس کو لیا تھا
پھر اس کو صاحبِ خانہ کیا تھا

مری تھی زندگانی اس کا دیدار
نہ تھا دل کو بجز اس کے سروکار

خوشی تھی اس کے دل کی مجھ کو منظور
خوشی رکھتا اُسے تا وسع مقدور

گیا تھا بھول یکسر ذکرِ دُنیا
نہ بلکہ اُٹھ گیا تھا فکرِ عقبیٰ

یکایک یہ بلا ہوئی مجھ پہ نازل
گیا گھر بار میرا خاک میں مِل

نکلتا ہے نہیں یہ بے حیا دم
کہوں کس پاس جا ہے کون محرم

نہ روؤں خانماں جاتے پہ اپنے
نہ روؤں دلستاں جانے پہ اپنے

اس اپنے مال و دولت کو نہ روؤں
اس اپنی شان و شوکت کو نہ روؤں

کسے روؤں کسے پیٹوں کروں کیا
کہاں جاؤں کہاں بیٹھوں کہوں کیا

یہ سُن کر شیخ گھر تشریف لے گئے
نہ گھر میں کچھ روپئے تھے اور نہ کچھ شئے

اُٹھا کر ہاتھ حق سے کی مناجات
جو کافی ہے فہیموں کو تری ذات

سبھوں کا قبلۂ حاجات تو ہے
جہاں میں تجھ سے سب کو آبرو ہے

الٰہی تو نے نادِ علی کہا ہے
غریبوں کا تو ہی مشکل کشا ہے

مجھے مشکل پڑی ہے اے خداوند
ہوا ہے دل مرا اس قید میں بند

---

[1] خرچہ

ہوا ہوں یعنی تحفہ کا خریدار | خریداری ہے بے زر اس کی دُشوار
تو اس دُشوار کو کر مجھ پہ آساں | جو ہے اس درد کا تجھ پاس درماں
خجل مت کر مجھے اس امر میں تو | ترے دروازے پر رکھا ہے میں رو
اُٹھا کر خلق کو مُنہ کیا دکھاؤں | بجز تیرے یہ دکھ کس کو سُناؤں
کرم اپنے کے دروازے کو تو کھول | عنایت کر مجھے تحفہ کا تو مول
یہ کہتے تھے کہ دروازے اوپر آ | ادب سے دستک اُس جا دینے لاگا
اُٹھے شیخ آکے دروازہ کیا وا | کہ کس کے ہاتھ زر ہے حق نے بھیجا
سعادت یہ ہوئی ہے کس کی قسمت | خدا نے کس کو بخشی ہے یہ دولت
جو دیکھا ایک خواجہ چار نوکر | بغل میں ہے سبھوں کے بدرۂ زر
نیاز و عجز سے وہ مردِ سردار | سلام و بندگی کا کر کے اظہار
کہا جو ہو اجازت گھر میں آویں | زباں پر عرض حال اپنے کو لاویں
کہا تب شیخ نے شفقت سے آؤ | سبب آنے کا اپنے تم بتاؤ
کہ یاں ہو کیوں کے آئے کیا ہے مطلب | کہو جو کچھ تمہارے جی میں ہے اب
لگا کہنے گیا تھا شب کو میں سو | ندا ہوئی حضرتِ ایزد سے مجھ کو
کہ میرے دوست کو حاجت پڑی ہے | وہ گرچہ احتیاجوں سے بری ہے
ہے مجھ سے مانگتا وہ چشم تر کر | خداوندا عنایت کر مجھے زر
کوئی رو دے حجاب آتا ہے مجھ کو | کہوں کیا قدر اس گوہر کا تجھ کو
کوئی رو دے مرا دریائے رحمت | بہا دیتا ہے پل میں اُس کی حاجت
کرم کو میرے آجاتا ہے اب جوش | سمجھ اس بات کو جو ہے تجھے ہوش

خریداری ہوئی تحفہ کی منظور ۔۔۔ نہ ہووے[1] دوست کا دل میرے رنجور

شتابی اُس کی خدمت یہ لے جا ۔۔۔ سعادت بوجھ کی یہ نذر پہنچا

خوشی ہے اُس کے دل کی مجھ کو مقصود ۔۔۔ سراپا ہے تری اب اس میں بہبود

موافق حکم کے یوں ہیں یہ لایا ۔۔۔ قبول اب ہو مرا خدمت میں تحفا[2]

خروس صبح اس میں بال و پر کھول ۔۔۔ لگا دکھلانے اپنی ہر طرف تول

کیا پرتو سے روشن آسماں کو ۔۔۔ نکالا برقعۂ شب سے جہاں کو

ہوا سودے کا پھر کر گرم بازار ۔۔۔ چلے ہر سمت ہر شے کے خریدار

وہ خواجہ اور وہ شیخ زمانہ ۔۔۔ چلے تا لیں وہ محبوب زمانہ[3]

گئے جب اُس مکاں میں اتفاقی ۔۔۔ ہوا تاجر توقف میں ملاقی

دکھائے شیخ نے وہ بدرۂ زر ۔۔۔ کہا تحفہ کا سودا ہم سے تو کر

لگا کہنے کہ تحفہ کو نہ بیچوں ۔۔۔ مرے اس قول کا شاہد ہے بیچوں

کہا تب شیخ نے اے مرد ہشیار ۔۔۔ نہ کر اب ہم سے اتنا گرم بازار

جو کچھ خرچا[4] ہو سو لے ہم سے فی الحال ۔۔۔ نہ بلکہ لے سوا حاضر ہے یہ مال

غرض کرتے چلے شیخ اس پہ افزود ۔۔۔ دو چنداں لے تو زر ہے دیکھ موجود

کہا تاجر نے رد کر شیخ دیندار ۔۔۔ کرو موقوف تم قیمت کی[5] تکرار

سنو تم رات کو میں سو گیا تھا ۔۔۔ ہوا جو خواب میں یہ حکم رب کا

کہ مقبولوں میں ہے تحفہ ہماری ۔۔۔ بری ہے آشنائی سے تمہاری

جہاں اہل جہاں سے ہے وہ بیزار ۔۔۔ اسے ہم سے ہمیں اُس سے سروکار

کہا رو رو کے اس نے یہ سنو تم ۔۔۔ مرے اس قول پر[6] شاہد رہو تم

۱۔ نہ ہوئے ۔ ۲ تحفہ ۔ ۳ یگانہ ۔ ۴ خرچہ ۔ ۵ کا غلط ہے ۔ ۶ کے

کیا میں خالصاً للّٰہ آزاد
نہ ہے وہ فعل جس سے ہو خدا شاد

جو کچھ تھا نقد و جنس اب گھر میں موجود
کیا میں نذر اُس کی جو ہے معبود

مرے دل میں نہ کچھ باقی ہوس ہے
مرے حق میں مرا اللہ بس ہے

جو دیکھا خواجہ نے تاجر کا یہ حال
اُٹھا پگڑی پٹک دی سر سے فی الحال

گریباں اُن نے پھاڑا گل کے مانند
فغاں برپا کیا بلبل کے مانند

سرشک سُرخ سے دریا بہایا
عجائب طرح سے رونا مچایا

لگا سر پھوڑنے اپنا اُسی جا
اُٹھایا نالہ و فریاد و غوغا

تڑپتا تھا پڑا بسمل کے مانند
پر اس حالت سے تھا وہ دل میں تو رسند

کہ جوں لوٹن کبوتر لوٹتا تھا
ہوئی تھی خلق سر پر جمع سب آ

تماشائی ہوئے سب دیکھ حیراں
لگے کہنے یہ رونا یا ہے طوفاں

کوئی کہتا کوئی اس کا موا ہے
جو یہ حال اس کا اب ایسا ہوا ہے

کوئی کہتا اسے پہنچا ہے کیا درد
ہوا ہے حال تو مجنوں کا یاں گرد

کوئی کہتا ہے یارو ہے شرابی
اُسی کے کیف سے ہے یہ خرابی

کوئی کہتا کچھ اس کا گم ہوا ہے
کوئی کہتا اسے جادو کیا ہے

بہت دیکھے[1] دوانے اور مجذوب
یہ کچھ اور ہی نظر آتا ہے اسلوب

کوئی جو واں کھڑا تھا مردِ کامل
علائق سے مبرا صاحبِ دل

لگا کہنے عبث ہے فکر و تدبیر
ہوئی ہے شیخ کی صحبت کی تاثیر

مثل مشہور ہے اے یارِ آگاہ
سنی ہوگی کہ دل کو دل سے[2] ہے راہ

بھرا تھا عشقِ حق سے شیخ کا دل
ہوا دل اُس کا جب اُس کے مقابل

---

[1] دیوانے دیکھے۔ [2] دل سے دل کو۔

پڑا اُس دل کا پرتو اُس کے دل میں
یہ اُٹھا شور اُس کے آب و گل میں

اسی میں خواجہ کو آیا افاقا[1]
کہا تب شیخ نے یہ حال کیا تھا

لگا کہنے کہ شاید حضرتِ حق
نہیں خوش میرے اعمالوں سے مطلق

جو یہ زر کام میں مطلق نہ آیا
اسی سے میں نے غصہ حق کا پایا

عوض میں اس کے دل سے شیخ فی الحال
کیا جو تھا خدا کی نذر یہ مال

نہ کچھ منظور ہے نقصاں نہ کچھ سود
رضا اللہ کی ہے مجھ کو مقصود

ذرا تو فکر کر اے مردِ غافل
اُٹھا دے دل سے اپنے وہمِ باطل

تصرف شیخ کا ٹک دیکھ تو تو
رکھ اُن کے آستانہ پر سر و رو

جو فیض اُن کا تجھے تجھ سے چھڑا دے
چھڑا کر حق کو[2] حق سے[3] جا ملا دے

کرے وہ تجھ کو جب تجھ سے خبر دار
تب اس کو جانے تو کیا ہے یہ گفتار

میاں پروانہ طلب ہے تیری مقصود
طلب تجھ کو نہ ہو تو کچھ نہیں سود

سُن اس پر مجھ سے تو ہے نقلِ مرغوب
کہ یاں ہے فیض لینے کا یہ اسلوب

روایت ہے کہ سعدالدین نامی
ہو طن کاشغر کے شیخ سامی

سراپا کوہِ عشق و دردمندی
ہرا نقش سے اور نقشبندی

گرفتارِ طلب بندہ خدا کا
ہمیشہ شیخ کی خدمت میں آتا

لگا یک روز کہنے اے شہنشاہ
مرے اس درد سے ٹک تم ہو آگاہ

ارادہ ہے مرے دل میں سفر کا
بطورِ مشورت ظاہر ہوں کرتا

کہا حضرت نے تب شفقت سے اُس کو
ہوئی کیا مشکل اب درپیش تجھ کو

جو یہ رنج سفر تو ہے اُٹھاتا
نکلنا خانماں سے ہے خوش آتا

۱- افاقہ - ۲ ہے سے ۳ ہے کو

بیاں کرنے لگا وہ مرد بھر آہ — کہوں کیا تجھ سے میں اے شیخ آگاہ

شب و روز اس کی ہے تدبیر مجھ کو — پڑی ہیں مشکلیں دو پیش مجھ کو

سفر لازم کیا ہے ہو کے ناچار — کہ شاید دور ہووے دل کا آزار

نظر آوے کہیں جو صاحبِ دل — کرے شفقت سے جو وہ حلِ مشکل

تبسم کر کے فرمایا کہ اب جا — سحر کو یہ ارادہ کر کے یاں آ

کہ دونوں مشکلیں ہوں تیری آساں — خدا قادر ہے مت ہو تو ہراساں

بموجب حکم وہ خدمت میں آیا — جو کچھ تھا چاہتا سو اُن نے پایا

پڑی اُس کی نظر جب ابروئے شیخ — وہیں مشکل کشا اُس کے ہوئے شیخ

جو دیکھے دو سر ابرو مبارک — کھلا وہ دوسرا عقدہ یکایک

نہیں ابرو وہ محرابِ دعا ہے — کہوں جو شان میں اس کی بجا ہے

نہ سمجھو یہ کہ اب ایسے نہیں ہیں — نہیں وہ لوگ باتیں رہ گئی ہیں

نہیں مخصوص وہ وقت اور مکاں میں — وجود اُن کا سبھی جاہے جہاں میں

نہیں جاتا چلے کوئی جہاں سے — نہیں آتا عوض اُس کے جو واں سے

نہیں اغیار کی آنکھوں میں وہ ہیں — عیاں دلدار کی آنکھوں میں وہ ہیں

ترے اے دل ہوا ہے ہوش کو کیا — سخن کو سوچ کر کہہ ہوش میں آ

حکایت تو نے تحفہ کی کہی ہے — ذرا سی اُس میں باقی رہ گئی ہے

لگا کہنے مجھے دل ہوں میں ناچار — جہاں ہے نام آتا عشق کا یار

سر رشتہ عقل کا جاتا ہے مجھ سے — کہوں کیا حال اپنا ہائے تجھ سے

سن اب باقی جو ہے تحفہ کا قصہ — خدا دیوے مجھے بھی اس سے حصہ

لباسِ فاخرہ گہنا اُتارا — بطورِ فقر اپنے تئیں سنوارا

چھٹی جب قید سے وہ بندگی کے — مزے چھوڑے سراسر زندگی کے

کسو کو پھر نہ دیکھا آنکھ اُٹھا کر — گئی یک بار گی اس گھر سے باہر
کسو نے پھر اُسے باہر نہ پایا — نہ دیکھا پھر کسو نے اُس کا سایا
وہ دونوں شخص اور وہ شیخ یکتا — چلے پھر ڈھونڈنے سب ہو کے یک جا
نہ پایا کھوج پھر کچھ اس صنم کا — ارادہ تب کیا بیت الحرم کا
چلا وہ قافلہ بیت الحرم کو — کیا تھا زادِ رہ واں درد و غم کو
دلِ نالاں نہ تھا بلکہ جرس تھا — فضائے دشتِ صحرائے قفس تھا
خراب و خستہ تھے وہ جاتے روتے — برنگِ دانہ تھے آنسو کو بوتے
وہ طفلِ اشک جو واں بہہ رہا تھا — وہی اس قافلہ کا رہنما تھا
ہوا تھا عشق کا جو خواجہ نخجیر — لگا تھا دل میں اس کے تیرِ تاثیر
تڑپتا ہی کئی منزل گیا وہ — بیاباں مرگ آخر کو ہوا وہ
ہوا جو راہ میں وہ حق کے قرباں — جو تھے واں جانور مخصوصِ رحماں
تبرک بوجھ اس کی بوٹی بوٹی — بڑے نے لی بڑی چھوٹے نے چھوٹی
وہ دونوں عشق کی مے سے جو تھے مست — مثالِ نالۂ مستاں وہ یکدست
گئے مکہ میں اور کعبہ کو دیکھا — زبانِ دل سے شکر اُس کا بجالا
سری لاگے طوافِ کعبہ کرنے — نیاز و عجز سے گرد اس کے پھرتے
سُنی آواز واں ناگاہ محزوں — کہ سنتے ہی ہوا اس کا جگر خوں
کیا دل میں تفحص اُس کا اسرار — مناجاتی تھا کوئی عاشقِ زار
یہ کہتا تھا کہ اے شمعِ شبِ تار — سیہ بختوں کا تجھ بن کون ہے یار
کیا ہے غافلوں کو تو نے آگاہ — دیا ہے مفلسوں کو مال اور جاہ

الف میں یہ شعر مکرر درج ہے

جگر جو تیری الفت میں جلا ہے — اُسے تو درد ہی تیرا دوا ہے

نکالا چاہ سے یوسف کو تو نے — کیا یعقوب کو خوش تیری بو نے

جو ہے تیری محبت میں گرفتار — نہ ہے کوئی مرض اس کا نہ آزار

ترا ہے زخم مرہم عاشقوں کا — ہے تجھ سے حال برہم عاشقوں کا

جو ہیں گمراہ ان کا رہنما ہے — ترے پر جان و دل میرا فدا ہے

جو غمگیں ہیں اُنھیں کرتا ہے تو شاد — جو قیدی ہیں اُنہیں کرتا ہے آزاد

جسے ہے عشق میں تیرے تب و تاب — نہ ہووے وصل بن تیرے وہ سیراب

جو تیرے عشق سے ہے مارتا دم — کرے تجھ بن وہ اپنا کس کو ہمدم

نہ دیکھے جب تلک تجھ کو نہیں چین — نہ بلکہ جب تلک ہووے نہ وہ عین

سری نے جب سنی اُس کی مناجات — اور اس کے عشق بازی کی حکایات

چلا مانند اشک آنکھوں سے یک بار — کہا ٹک دیکھ یہ ہے عاشقِ زار

گئے جب اُن نے پوچھا شوق سے ہے — تو اپنے درد غم میں ذوق سے ہے

خدا افزوں کرے اس درد و غم کو — فغانِ دل کو اور آنکھوں کے نم کو

کہا تب شیخ نے ہے کون تو کہہ — گیا ہے تیرے اس نالہ میں دل بہہ

کہا ٹک دیکھ مغز اور دور کر پوست — کہ رسوائی ہے بھولے دوست کو دوست

یہ تحفہ ہے جسے تو نے چھڑایا — خدا دیوے تجھے جو اُن نے پایا

جو دیکھا شیخ نے وہ روئے زیبا — خزاں میں پھول جیسے جائے کمھلا

الف کی شکل تھا جو قدِ موزوں — ٹھٹھر کر بارِ غم سے ہو گیا نوں

یہ صورت تھی بنی اور حال یہ تھا — جو بہتا آنکھوں سے لوہو کا دریا

نفس کی جالیوں پر آہِ پر سوز — گذرتا اس روش اس کا شب و روز

کہا تب شیخ نے اے صاحب اسرار — خدا کے فضل سے کر کچھ تو اظہار

دیا رو یار جو تو نے بھلایا — کرم اس کے سے کیا کیا تو نے پایا
کہا تحفہ نے پردوں کو اٹھایا — مقامِ قرب پر لے جا بٹھایا
محبت کے بٹھایا تخت اوپر — کیا رنج و الم کو دور یکسر
کہا تب شیخ نے اے صاحب درد — سخاوت میں جسے کہتے تھے ہم فرد
خدا کے واسطے تھا تجھ کو لیتا — خدا کی راہ پر تھا زر کو دیتا
چلے تھے متفق ہم ہو کے باہم — موا وہ راہ میں با حسرت و غم
کہا تحفہ نے تب اے شیخ دانا — وہ ہے جنت میں اب ہمسایہ میرا
خدا نے اس کو بخشی ایسی دولت — نہ رکھی اس کے دل میں کوئی حسرت
نہ دیکھا ہو کسی نے نہ سنا ہو — دیا جو کچھ خدا نے شیخ اس کو
کہا پھر شیخ نے وہ یار تاجر — ہے اس کا درد و غم سب تجھ پہ ظاہر
متاع و دولت و زر سب لٹایا — تجھی کو ڈھونڈتا یاں تک وہ آیا
دعا آہستہ کر تحفہ نے اس کو — گری اور مر گئی گویا رہی سو
کہ اتنے میں وہ سوداگر جو آیا — بجز مردے کے تحفہ کو نہ پایا
گرا بے تاب ہو کر درد و غم سے — ہوا بیزار وہ بھی اپنے دم سے
قیامت حسرتیں دل میں بھری تھیں — طرف تحفہ کی آنکھیں کھل رہی تھیں
ہزار افسوس ہے اس مرگ پر یار — مصیبت یہ اٹھا کر پائے دلدار
تو پھر اس[1] کو وہ حالت میں نہ پاوے — طرق[2] اس کا نہ سینہ کیوں کے جاوے
بلا کر شیخ نے لوگوں کو اس جا — جنازہ پڑھ کے واں دونوں کا[3] رکھا
مکانِ آخرت ان کا جہاں ہو — جوار ان کے ہمارا بھی مکاں ہو

---

۱ لہ اس حالت میں پاوے ۔ ۲ ۔ تڑاق ۔ ۳ لہ کو

نثار ہو اب خدا کی رحمت ان پر | کہ ہیں وہ دونوں رحمانی کے مظہر
بحرمت عاشقوں کی عشق کو تو | دکھا دئے مبارک اس کو ہر سو
کیا ہے نام تو نے عشق میرا | دے اپنے عاشقوں کے دل میں تو جا
دل اب چل ڈھونڈ اپنے عاشقوں کو | جو ہووے ان سے حاصل عشق تجھ کو

لکھی ہے مثنوی میں نقل یہ یار | دل و جاں سے تو سن اے مرد ہشیار
گیا تھا طالقاں سے ایک درویش | بصد خواری و ذلت مرد دلریش
سفر کے رنج میں تھا ہر برادر | سفر کو ہیں سقر سے کہتے بدتر
کہوں کیا اس کے ہیں سب رنج پیدا | چھپے ہیں کیا مصائب ہیں ہویدا
سنا تھا شور ان نے بوالحسن کا | کمالِ حُسن کا خلقِ حسن کا
اُٹھا کر رنج پہنچا خرقاں میں | نہ بلکہ جیتے جی پہنچا جناں میں
کیا تحقیق گھر دروازہ پر جا | ہوا جب حلقہ زن وہ مرد دانا
وہ بی بی صاحبِ خانہ جو تھی واں | کہا ہے کون تو آیا ہے کیوں یاں
کہا آیا ہوں میں اب طالقاں سے | اُٹھا نے نبض پیرِ خرقاں سے
وہ بی بی ہنسنے لاگی قہقہہ مار | لگی کہنے کہ احمق ہو تو ہشیار
تجھے کیا رنج تھا اپنے وطن میں | یہ کیا آیا تیا اب تیرے من میں
جو یہ رنج سفر تو نے اُٹھایا | مرد گھر بار کا سارا بھلایا
ہوا ہے کس طرح کا تجھ کو سودا | ہوا تو اس مصیبت میں جو رسوا
کہا ایسا ہی ان نے پوچ در پوچ | خوشی سائل کے دل سے کر گئی کوچ
کہا غمگیں ہو ان سے یہ بتاؤ | نہ بہکاؤ نہ یہ باتیں سناؤ

کہ وہ شاہ جہان و قطبِ دوراں — مثالِ شمس ہے کس جا وہ تاباں
کہا بی بی نے پھر اے مرد ناداں — وہ ہے سالوس اور مکار دوراں
ریا کے دام سے کرتا ہے نخچیر — قیامت سخت اب اس کی ہے تزویر
کئی حلقہ بگوش اب تجھ سے ہیں واں — مثالِ حلقہ باہر گھر کے ہیں واں
تری بے خیریت اس میں کہ تو جا — جو کچھ سمجھا ہے تو ہے سب وہ بیجا
اگر دیکھے گا تو اس دلربا کو — بھلا دیوے گا یار و آشنا کو
اور ایسا آپ کو بھولے گا یکبار — نہ پائے گا اگر ڈھونڈے گا سو بار
نہ کہہ تو اس کی جامِ بیخودی ہے — بلا ہے یا وہ دامِ بیخودی ہے
قیامت ہے قیامت سخت عیار — جو اس کے پیچ میں آیا ہوا خوار
سراپا ہے تبختر لاف زن ہے — زباں سے عالمِ علمِ لدن ہے
کہوں کیا اس کے میں اقوال و اوقات — سراپا زندقہ اور ہیں خرابات
یہ گوشالہ پرست و گاؤدی ہے — گرفتارِ رسوماتِ بدی ہے
معاقب حشر میں ہو دیں گے یہ سب — جو اس کے پاؤں پر رکھتے ہیں سر اب
طریقِ دین و دینداری کو چھوڑا — رسومِ علم سے ہے منہ کو موڑا
ہماری داد موسیٰ یا خدا دے — گروہِ گاؤدی کو اب سزا دے
طریقِ مصطفےٰ کو ہے بھلایا — صلوٰۃ و صوم یکسر ہے اٹھایا
شریعت سے غرض ہے سخت انکار — طریقت خلق میں کرتے ہیں اظہار
حقیقت معرفت کا کرکے دعویٰ — پھر توحید کا جھگڑا مچایا
سراسر کاذب و بے علم و بے دیں — پھر اس پر ڈھونڈتے ہیں ہم سے تحسیں
کہاں صدیق ہے جو سچ سکھا دے — کہاں فاروق جو عدل اب بتا دے
نہ وہ صاحب حیا ہے جو حیا دے — نہ حیدر ہے جو سر اُن کا اُڑا دے

ہمیشہ عرض ہے میری یہ اُن سے | نبوت کا ہے گھر آباد جن سے
زباں پر آئے جب نامِ مبارک | مرا دل شوق میں آئے یکایک
نبوت ہے مثالِ خانہ دلدار | بنے تب گھر جو ہوویں چار دیوار
یہ چاروں یار ہیں جوں چار عنصر | وجودِ خلق ہے ان سے مقرر
محمد کے ہیں چاروں حرف دلدار | وہ چاروں حرف جوں آپس میں ہیں یار
حروفِ آخریں بھی دال پایا | عدد اعداد سے وہ چار لایا
خلاف ان کا نہیں ہے تجھ کو لازم | اگر ہے مومنیت کا تو عازم
دل اب چپ رہ نہ بک بیہودہ اتنا | تجھے اس بات میں ہے علم کتنا
کہ ہے عاقل کو کافی یک اشارت | اشارت کو سمجھتا ہے بشارت
کہوں کیا منقبت ہے سخت دشوار | سعادت ہو چکی کچھ آگے کہہ یار
سنی جب طالبِ شیدا نے یہ بات | ہوا وہ روز روشن اس پہ جوں رات
پڑھ اب لاحول وہ غصہ میں آیا | زباں پر دل کی غصہ کو وہ لایا
کہا بس کر نہ بول اب یاوہ اتنا | کہ باتوں سے تری اُٹھتا ہے فتنا
منور ہے جہاں مردوں سے ناداں | کہ استغفار مت کر اتنا بہتاں
سمجھ اس بات کو ہے جو تجھے ہوش | بشر میں وہ ہوا ہے آپ روپوش
درخشاں ہے وہ خورشید الٰہی | وجود اس کا ہے مہ سے تا بماہی
کہ جس کے دل میں چمکا نورِ رحماں | نہیں ہے اس کے اوپر دست شیطاں
نہ ابلیسی کی باتیں کر یہ مجھ سے | ادب ہے کیا کہوں اب آگے تجھ سے
ہوس سے میں نہیں آیا ہوں یاں تک | جو ان باتوں سے آوے دل میں کچھ شک
ہوا ہے نور اس کا مجھ کو کاذب | تری باتیں ہیں جھوٹی تو ہے کاذب
بقول تو اسی گوسالہ کا نور | بطورِ قبلہ ہے آنکھوں کو منظور

صنم کب ہے وہ قبلہ ہے ہمارا　　صنم ہے اس سوا قبلہ تمہارا

زہے دولت جو اس کے روبرو ہے　　نہیں ہے گاؤدی وہ بلکہ تو ہے

یہی حق ہے کہ وہ محبوب ہے حق　　جو منکر ہے وہ ہے مردود احمق

وہ مظہر عشق کا ہے بلکہ ہے عشق　　وہ شمس الدین احمد اس کا فے عشق

خدا نے ایسی کی ہے اس پہ رحمت　　ملائک پر گیا ہے لے وہ سبقت

کمال اس کا مبرا وہم سے ہے　　جمال اس کا معرا فہم سے ہے

چراغ نور کو کرتا ہے کوئی پُف　　فرشتے اس کے مُنہ پر کرتے ہیں تُف

اگر خورشید کی دشمن ہے خفاش　　جہاں میں کوری اس کی سب پہ ہے فاش

بیاں کر طالب صادق نے یہ بات　　کہا موقوف کر ایسی حکایات

کہ زوجہ تو ہے یہ بھی کافرہ ہے　　قیامت ہے بلا ہے ساحرہ ہے

چل اب اوروں سے پوچھ اسکے نشاں کو　　نہ پایا کن نے خورشید جہاں کو

غرض جب ان نے جا اوروں سے پوچھا　　کسو نے یہ نشاں اس کا بتایا

کہ وہ قطب زماں محبوب رحماں　　شہ کون و مکاں مرغوب سبحاں

گیا ہے دشت میں ہیزم کشی کو　　اگر عاشق ہے اس کو ڈھونڈ لے تو

چلا جب جستجو میں عاشق زار　　وہ خطرے اس کے دل میں دیتے آزار

خیال و وسوسہ شیطاں تھا لاتا　　کہ ایسی بی بی اور وہ شیخ دانا

یہ دو ضدیں ہوئی ہیں کیوں کے یکجا　　اسے کیوں شیخ نے ہے گھر میں رکھا

ہوئے ہیں جمع یکجا ظلمت و نور　　نہایت عقل سے یہ بات ہے دور

کبھو لاحول پڑھ کہتا کہ رحماں　　یہ خطرے ڈالتے ہیں نفس و شیطاں

چھڑا تو نفس و شیطاں سے الٰہی | اُٹھا آئینۂ دل سے سیاہی
یہ خطرہ دل سے میرے دور کر تو | نہ کر تو دوست کے آگے سیہ رو
کبھو کہتا کہ سُن لے نفسِ بدبخت | تجھے آتے ہیں یہ خطرے بڑے سخت
تصرف فعل حق میں سخت بد ہے | جو شک اس امر میں لاوے سو رد ہے
انھیں باتوں میں تھا جو شیخ والا | ہوا داں دور سے جوں ماہ پیدا
کیا ہے لکڑیوں کا شیر پر بار | سوار ہے آپ بھی وہ شاہِ سالار
بنائی سانپ کی ہے اُن نے قمچی | یکایک دیکھ گردن ان نے خم کی
یقیں جانو کہ یہ شیخِ زماں ہے | سوارِ شیر بے شک بے گماں ہے
ہزاروں شیر ان کی زیرِ راں ہیں | انھوں کے حکم میں ہیزم کشاں ہیں
پر آنکھیں غیب کی ہیں ان کی ناظر | نہ اِن آنکھوں کے آگے ہیں وہ حاضر
خدا نے ایک جا ظاہر دکھایا | کہ خاص و عام سب مِل دیکھے یکجا
نظر کر شیخ نے اس کی طرف جب | سمجھ کر اس کے دل کے سارے مطلب
کہا تب یک بیک جو جو تھا گذرا | چھپا جو دل میں تھا سو کر کے پیدا
ہوا مشکل کشا انکار و ظن کا | کہا ٹک گوشِ دل کو کام فرما
نہ ہوں مشتاق اس کے رنگ و لبو کا | نہ ہوں مشتاق اس کے خوب رو کا
ترا خطرہ یہ نفسانی ہے ناداں | پڑھ اب لاحول اور مت ہو تو حیراں
نہ کھینچوں رنج جو میں اس کے ہر دم | تو ہووے شیر میرا کیوں کے ہمدم
کروں اس چیز سے جو یار میں عار | اُٹھاوے شیر میرا کس طرح بار
نہ حکمِ حق اُٹھانے میں ہوں میں خام | جو ہووے رنج افزا طعنۂ عام
نہ بلکہ بچھو داب ہوں اس قدر یار | نہیں پاتا خودی کا کچھ بھی آثار
مثالِ آستیں ہوں دستِ حق میں | خودی کا وہم بد ہے میرے حق میں

نہ قدرت ہے مجھے قادر خدا ہے　　سمجھتا ہے اسے جو آشنا ہے

یہ زوج و فردِ شہوانی نہیں ہے　　یہ عقد و وصل نفسانی نہیں ہے

یہ رتبہ میرے شاگردوں کا ہے یار　　جہاں میں ہوں نہ واں جا ہے نہ واں یار

نہ واں شام و سحر نہ نور و ظلمت　　نہ واں کچھ ہے میاں ہے صرف وحدت

تری خاطر یہ کی ہے گفتگو پست　　کہ تا پہنچے ترا دامن تلک دست

اُٹھاوے رنج و ایذا جو خوشی سے　　حیاتِ جاوداں لے خودکشی سے

سراسر نیست ہو کر مست ہووے　　بھلا کر ہوشیاری مست ہووے

اُٹھاوے صبر کے جب تو ہرج کو　　تب اے جاں سمجھے مفتاح الفرج کو

اُٹھائے انبیا نے رنج و آزار　　ملے یہ مرتبے تب ان کو دلدار

مصیبت اولیا نے جب اُٹھائی　　تب اس محبوب کی بو اُن میں آئی

حسین رہنما نے جب دیا سر　　ہوا تب روشن اس پر تھا جو کچھ سرّ

حسین ابن علی شاہنشہِ جاں　　حسین ابن علی اسرارِ رحماں

شہ ہر دو سرا تاج فتوّت　　سراپا نورِ خورشیدِ نبوت

امیر العارفیں مقصودِ ایجاد　　ولایت کا گھر اب جس سے ہے آباد

امامِ مومناں خورشیدِ عرفاں　　کرے تعریف جس کی آپ رحماں

مظہر جن کے تئیں حق نے کیا یار　　اُٹھایا پھر انھوں نے تھا جو کچھ بار

کہا ہے حق نے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ جو　　رموزِ سجدہ سر دینا ہی سمجھو

ہوا روشن کہ یعنی عشق کی راہ　　بجز سر دینے کے ہووے نہ کوتاہ

ولے دنیا ہے سر کئی قسم اے یار　　خودی کا دور کرنا ہے غرض یار

توحید کہوں سو تو نہیں ہے امکاں　　کس واسطے مقصود ہے جو ہووے عیاں

شوقین کو شاید کہ ہدایت ہو وے | کرتا ہوں بیاں سرورِ عالم کی زباں

سنو اس بات کو یا ایہا الناس | ہیں راوی عکرمہ اور ابن عباس
کہ تھے ہم مسجدِ احمد میں سب جمع | علی مرتضےٰ تھے ہم میں جوں شمع
امیر المومنیں شاہنشہِ جاں | سراپا نورِ حق خورشیدِ عرفاں
امیر المومنیں بابِ مدینہ | امیر المومنیں مفتاحِ سینہ
بیاں کرتے تھے توحیدِ الٰہی | رموزِ ذوق و شوقِ حق کماہی
سن اس کو حارثہ مجلس سے یکبار | اُٹھا جوں دل سے اُٹھے نالہ زار
زبس تھا عشق کے سودا سے مجنوں | ہوا وہ چرخ زن مانندِ گردوں
قیامت گرم تھی واں دھوپ سر پر | پر اس کو کچھ نہ تھا اس دھوپ سے ڈر
کہا ہم نے شہنشہِ دیکھتے ہو | یہ کیسا حال ہے فرماؤ ہم کو
مثال آسیا یہ چرخ زن ہے | نہ ہے عقل اب نہ ہوشِ جان و تن ہے
کہا اس صاحب اسرارِ دیں نے | شہِ والا امیر المومنیں نے
کہ میرے زعم میں ان نے نتیجا | دیا غدت بھوک پیاس اپنی کا پایا
کہ اس میں احمد مختار آئے | یہ باتیں سُن کے وہ تشریف لائے
کہا ہم نے کہ محبوبِ الٰہی | یہ حالت حارثہ کی کہہ کماہی
فقال ما لکم والزید یا راں | نہ ہو تم جستجو میں اس کی حیراں
رکھی ہے اس پہ چکی شوق کی یار | زمام ذوق ہے سینہ میں دلدار
اور اس میں پیستا ہے دانۂ پاک | کہ جس کی فہم میں ہے کند ادراک

الا ہوئے

کلام اتنا کیا تھا مصطفیٰ نے — شہ ہر دو سرا خیر الوریٰ نے
کہ اس میں دی مؤذن نے اذاں آ — ہوئے قائم مصلے پر نبی جا
ہوا آ حارثہ بھی سب میں شامل — پر اس حالت میں تھا وہ مرد کامل
نہ تھا حاضر اقامت اور اذاں میں — کہوں کیا حال آتا ہے بیاں میں
گئے بعد از نماز ہم جمع ہو سب — جو پوچھیں مصطفیٰ سے حال یہ اب
کہا ٹک دیکھ تو اے شاہ والا — ہوا ہے حارثہ کا حال یہ کیا
کہ پوچھا مرتضیٰ نے مصطفیٰ سے — حقیقت حارثہ سے اور رضا سے
کہا تب مصطفیٰ نے مرتضیٰ کو — شہ لولاک نے یہ لا فتیٰ کو
کہ اس چکی میں ہے گا صدق کا سنگ — کہ اس کو جھوٹ سے ہے سخت اب ننگ
اور اس کے کھلے مانی[1] عشق ہے عشق — کہوں کیا اور جانی عشق ہے عشق
زمام اس کی تلاوا ہے خدا کا — پسے ہے اس میں یہ دانہ ہوا کا
کہا تب ہم نے یاں ہے کون دابر — کہا باطن ہے جو اور جو ہے ظاہر
کہا پھر ہم نے کب فارغ یہ ہوگا — کہا حضرت نے تم کو اس سے ہے کیا
گرے بیخود ہو جب زید اس مکاں میں — کیا شیرانہ نعرہ مرتضیٰ نے
اور اٹھے سر کو لے زانو پہ رکھا — ردا اپنی سے اس کے منہ کو پوچھا
انس اصحاب حضرت مصطفیٰ کا — یہ کہتا ہے کہ اس دم میں کھڑا تھا
مقابل اس شہ مشکل کشا کے — کہ یعنی روبرو تھا مرتضیٰ کے
اور آنکھوں میں مری شدت سے تھا درد — شہ مرداں نے فرمایا کہ اے مرد
اٹھا لے نقش پا اس کے کی تو خاک — چھڑک آنکھوں میں تا علت سے ہو پاک

---

۱ معنی

موافق حکم کے اس پاؤں کی گرد — لگاتے ہی گیا فی الفور وہ درد
نہ ہوئیں پھر عمر ساری چشم بیمار — ہے اس حالت کا یہ ادنیٰ اثر یار

کہا تب مصطفٰے نے اے بلال آ — کہوں جس طرح تو خدمت بجا لا
کہ یعنی لے شتابی سے تو پانی — اور اس کا ہاتھ منہ دھو یار جانی
وہ مستعمل جو پانی ہے اسے تو — چھڑک اس کے بدن پر تا سر و رو
دھلا کر ہاتھ منہ پانی کو چھڑکا — اسی ساعت لے آیا آفاقا
گئی وہ بے خودی اور سکر کا حال — پڑا پھر اس پر آکر ہوش کا جال
پکڑ کر حیدر کرار بازو — بٹھایا لا نبی کے اس کو آ گو
کہا تب این گزشتَ مصطفٰے نے — فَقَالَ عِنْدَ رَبّی مبتلا نے
کہا کہ کیف و حملت حارثہ کہہ — کہا پردے جو تھے سو گر گئے شہ
نہ تھا کوئی حجاب اور کوئی پردا — نہ واں دی تھا نہ واں امروز و فردا
میں اپنی آنکھوں سے دیکھا خدا کو — کہ جیسے دیکھتے ہیں آشنا کو
کہی حسام بن ثابت نے یہ فرد — سن اس کو گوشِ دل سے جو تو ہے مرد
قُلُوبُ العارِفِیْنَ لَہَا عیونَ — تَرَیٰ مالا یَرَاہُ النّاظِرونَ
اگر چاہے کہ ہو یہ کشف تجھ پر — فقیروں کے تو جا پاؤں پہ سر دھر
کہے ہے یہ بات ان کے گھر میں دلدار — بتایا تجھ کو آگے تو ہے مختار
لکھی ہے نقل یہ رشحات میں یار — سکوں اس کے پہ تو کیجیو نہ تکرار
بیاں کرتا ہوں یہ نقل اس سے میں یار — بخارا میں ہوئی تھی بحث و تکرار
بیاں کرتے تھے سنی حق کا دیدار — قیامت کو ملے گا کر نہ تکرار
ہوئے معتزلی سب ان سے بیزار — لگے کہنے غلط ہے سب یہ گفتار

دلائل اس پہ سُنّی جتنے لائے ‏ ‏ انھوں نے رد کیے اور سب اُٹھائے
بہت معتزلی پھر لائے براہاں ‏ ‏ اُٹھایا سنّیوں نے ان کو یاراں
غرض جب حد سے گزری بحث و تکرار ‏ ‏ نہ کچھ فیصل ہوئی تب ہو کے ناچار
لگے کہنے حکم کیجئے مقرر ‏ ‏ ہے اس تکرار سے آپس کے بہتر
جو کوئی عالموں سے اب امیں ہو ‏ ‏ سند ہو صاحبِ تقویٰ و دیں ہو
کیا تجویز دونوں نے کہ اصلا ‏ ‏ نہیں اس وقت میں اب کوئی ایسا
شہنشاہِ زماں اور کاشف اسرار ‏ ‏ جہاں میں ہے علاء الدین عطار
چلو خدمت میں اس کی یارو مل کر ‏ ‏ جو کچھ فرمائے وہ سو ہے مقرر
ہوا اس بات کا واں عہد و پیماں ‏ ‏ کئے موقوف حجت اور براہاں
گئے خدمت میں ہو کر جمع یہ سب ‏ ‏ کیا ظاہر جو کچھ تھا اپنا مطلب
کہا تب شیخ نے یہ سنّیوں کو ‏ ‏ کہ تم تو آگئے ہی قائل ہو یارو
خدا کا دیکھنا لاریب و الحق ‏ ‏ یقیں ہے جو نہ مانے سو ہے احمق
جو تھے معتزلی ان کو کہا ہاں ‏ ‏ کہ بعدِ عصر تم آیا کرو یاں
جواب اس کا تمھیں ہم دیں گے نادر ‏ ‏ حقیقت ہے جو کچھ ہووے گی ظاہر
موافق حکم کے وہ مرد ظاہر ‏ ‏ تھے ہوتے شیخ کی خدمت میں حاضر
ہوئی دن تیسرے حالت یہ پیدا ‏ ‏ ہوئے ذکرِ حقیقی سے وہ شیدا
ہوئے جو مست وہ بے شیشہ و جام ‏ ‏ بھلایا دل سے اپنے ننگ اور نام
نشہ سے زور ہی ہا ہو مچائی ‏ ‏ ہوئے بیخود خودی ساری بھلائی
افاقا[1] جب انھیں حالت سے آیا ‏ ‏ کئے سو شکر پھر خدمت بجا لا

۱۔ افاقہ

لگے کہنے کہ رویت حق کی ہے حق　　نہ مانے وہ جو ہے مردود احمق
کیا اقرار اور ہم لائے ایمان　　رہو شاہد مسلمانو جو ہو یاں
ہیں اس قول مبارک کے یہ معنی　　کہا ہے حضرتِ خواجہ نے یعنی
مرا آغاز ہے اوروں کا انجام　　اگر طالب ہے چھوڑ اب صبر و آرام
تلاشی ہو تو اس نسبت کا دل سے　　جو چھوٹے تو بھی قید آب و گل سے
دل اب ہو جذب کی نسبت کا طالب　　عبادت پر بشر کے ہے وہ غالب
اگر دل میں ترے کچھ اس میں ہے شک　　تو جا دل کے قدم سے مثنوی تک
کہ تا ثابت ہو تجھ پہ یہ روایت　　رموزِ عشق بازی کی حکایت
کیا ہے دفترِ پنجم میں ارشاد　　جو ہے اس کلیہ کا واں نہ بنیاد
اگر چاہے کہ سیکھے علم اے یار　　طریق اس کا ہے قولی کر لے تکرار
اگر چاہے کہ سیکھے کسب کی چال　　طریق فعل اس کا کر تو افعال
جو چاہے فقر تو صحبت ہے لازم　　رہ اپنے پیر کے تو پاس دائم
نہیں موقوف یہ ہاتھ اور زباں پر　　طریق اس کا ہی جاں ہے اے برادر
کہ سیکھے جان سے ہے جان یہ سر　　نہ فعل و قول ہے جو ہووے ظاہر

چاہے کہ تجھے دولتِ دیدار ملے　　خواجوں کی طریقت میں اگر یار ملے
جو نقش کرے تو دل بہ صورت اس کی　　اس نقش سے بے نقش تجھے یار ملے

کوئی خواجہ بہاء الدین کے پاس آ　　لگا کہنے سوال اب یہ ہے میرا
مرے احوال پر شفقت کرو تم　　جواب اس کا جو کچھ ہو مجھ کو دو تم
یہ پوچھا سلسلہ حضرت تمہارا　　کہاں فرمائیے ہے جا پہنچتا

کہا حضرت نے اس سے مرد عاقل
نہ پہنچا سلسلہ سے کوئی منزل

وہ پھر بولا فقیری کی حقیقت
کہو موروثی پایا ہے کسی حضرت

کہا حضرت نے سُن اے مرد ہشیار
عنایت کی یہ دولت جذب نے یار

وہ بہتر ہے عمل سے دو جہاں کے
دکھاتی ہے تماشے لامکاں کے

کشش اک از کششہائے الہٰی
کھینچے ہیں جس میں مہ سے تا بماہی

طفیل اس کے ہوئی حاصل یہ دولت
کہ بخشی خاکیوں کو اس نے رفعت

کہا سائل نے پھر اے شاہِ ہمّت
سماع و ذکر مہر و طرزِ خلوت

مروج ہے تمہارے خانداں میں
کہا یہ سب نہیں اس کارواں میں

کہا سائل نے حضرت یہ کہو تم
جو میری عقل ہوئی اس بات میں گُم

بنا اپنے طریقے کی بتاؤ
حقیقت کچھ تو اب اس کی سناؤ

کہا سُننا ہے خلوت انجمن میں
نہ کرنا سیر اور الّا وطن میں

بہر اوقات رکھنا ہوش در دم
نظر کرنا قدم پر یار ہمدم

بظاہر خلق میں مشغول رہنا
بباطن ذاتِ حق میں سیر کرنا

نظر میں خلق کی مشغول یا خود
نظر میں حق کی ہیں بیخویش و بیخود

کہا ہے حق نے لاتلہی تجارت
ہوا ہے سُن یہ ان مردوں کی قسمت

اوصاف بشر جس سے کہ ہوجاویں دور
ہوا اپنے ارادے میں وہ آپ ہی مجبور

فانی کہیں گے اس کو جو ہیں اہل فنا
اس بات میں منطقی کو ہووے محذور

فنائے معنوی کہتے ہیں کس کو
بیاں کر عشق اب تو واضح اس کو

چلے اس راہ میں جب سالکِ راہ
دل اس کا جذبِ حق سے ہوئے آگاہ

کہ یعنی جذب ہو مستولی اُس پر
رہے خالی نہ اس حالت سے تل بھر

ہمیشہ بے خودی و شورش آوے
خودی کو اور تعین کو جلاوے

کہ ہو سکرِ حقیقی اس کو پیدا
دل و جاں سے وہ ہووے حق کا شیدا

دو عالم کی ہوس دل سے بھلادے
مراتب عشق کی باتوں کا پاوے

تجلی احدیت کی اس پہ چمکے
وہ نورِ اسوَد اس سینہ میں دمکے

احاطت اور بساطت اس کو ہووے
تعین کو نظر اس کی سے کھووے

محو القطرہ ہو فی البحر اے یار
نہ پاوے پھر وہ قطرہ اپنے آثار

اسے فانی کہیں گے اہلِ عرفاں
نہ واں علم اب نہ واں کشف اب ایقاں

فنا دو قسم ہے جُزوی و کُلّی
ہر رنگ مے یہ نکتہ ہے اسے پی

چھپے سالک پہ جو اس کا تعیّن
یہ جُزوی ہے فنا اے یار تو سُن

اگر عالم سراسر نیست ہو یار
اسے کہتے ہیں کلی جو ہیں ہشیار

بتدریج ہووے یا یہ دفعتًا ہو
غرض اپنے تئیں ہر وجہ سے کھو

جسے کہتے ہیں سب سیرِ الی اللہ
نہایت ہے یہ اس کا یار دلخواہ

فنا جب ہو چکی تب پھر بقا ہے
من و ما اُٹھ گیا اب یاں خدا ہے

پس اس میں رمز ہے اے یار باریک
وہی روشن کرے یہ راہ تاریک

ہوا ہے شخص یہ مستہلک ذات
ہوئے ہیں فانی اس کے رسم و عادات

نہ بلکہ ذات بھی فانی ہوئی ہے
گرہ اس برف کی پانی ہوئی ہے

اس استہلاک میں جو جو گئے رہ
انھیں مجذوب بحت اے شیخ تو کہہ

افاتتا[1] جو انھیں حالت سے آیا
انھوں نے خلق کو با حق کو پایا

۱۔ افاقہ

ظہورِ خلق ہو مخفی رہے حق
نہیں کہتے انھیں فانیٔ مطلق

کیا ہے ذات نے رد اس کو اے یار
کرے یعنی سبق اپنے کا تکرار

عمل اپنے سے پھر وہ ہووے مشغول
کھلے پھر اس پہ جو کچھ ہے وہ معمول

یہ رد ہے واسطے تکمیلِ سالک
کہ وہ ملکِ فنا کا ہووے مالک

عدم پھر عود کرتا ہے مری جاں
فنا کو اور عدم کو خوب پہچاں

نہیں ہے عود اصلا پھر فنا کو
سمجھ تو دوست میرے مدعا کو

عدم اس حال کو کہتے ہیں دلدار
فنا اس حال کو کہتے ہیں عیار

بھلا دے خلق کو اور حق کو پاوے
وہ نور احدیت آنکھوں میں آوے

بجز حق کے نہ پاوے اور کچھ یاں
وجودِ ذرہ تا خورشید رخشاں

نہ بلکہ آپ کو ہر شے میں پاوے
دوئی کی رسم کو دل سے بھلاوے

وہ ہے فانیٔ مطلق مظہرِ کُل
وہ ہے گلزار میں وحدت کے بلبل

کیا رد ذات نے کیوں اس کو اے یار
کہ تا اوروں پہ کھلے جا کے اسرار

یہ ہے ہادیٔ برحق مظہرِ ذات
نہیں ہے اس کی اس میں رسم و عادات

وجود اس کو صفاتی اب ملا ہے
وہی اب مالکِ ملکِ بقا ہے

خداوندا بحق این بزرگاں
تو کر یہ مشکل اب مجھ پر بھی آساں

رہائی دے تو دوئی سے مجھ کو یارب
صفاتیں خلقیت کی جاویں گر سب

ربوبیت کا ہووے مجھ پہ اظہار
کھلے قرب نوافل کا وہ اسرار

اگرچہ روسیہ اور ہوں میں فاسق
پہ تیرے دوستوں کا ہوں میں عاشق

طفیل ان کے مجھے تو بخش صاحب
تمامی دور کر میرے مصائب

کرتا ہوں بیاں تو مجھ سے سُن رازِ وجود
کہتے ہیں وجود ہر وہ مطلق موجود

ہستی ہے مراد یعنی اس سے مطلق　　یاں معنئ مصدری نہیں ہے مقصود

سُن اب اس بات کو اے عاشق زار　　بھلا اپنے تئیں جس طرح ہو یار
تقرب کی ہیں سُن تو حالتیں چار　　خدا آساں کرے یہ رمزِ دشوار
فقط ہیں صاحب قربِ نوافل　　خدا سے ہیں وہ مدرک اور عاقل
کہ یاں سالک ہے فاعل اللہ ہی حق　　ہوئیں فانی صفاتیں اس کی مطلق
نوافل کا نتیجہ ہے نوافل　　یہ اس دریائے وحدت کا ہے ساحل
خبر لے بسمع بے بسمع ہے یہ　　تصور میں تو اس حالت کی اب رہ
دویم قربِ فرائض ہے مری جاں　　یہ مشکل بھی خدا کر دیوے آساں
یہاں سالک ہے اللہ حق ہے فاعل　　ہوئی ہے ذات یاں سالک کی زائل
بجا لایا جو اعمالِ فرائض　　ملا تب اس کو یہ قربِ فرائض
اشارت ہے علی لسانِ عمرؓ　　بیاں کر تو اسے اے یار گن گن
یقول الحق کہا ہے مصطفٰے نے　　لک احمد لگے کہنے تو اور بن
مراتب تیسرا ہے قلب قوسین　　اسے کہتے ہیں عارف قربِ عینین
ہے جمع الجمع اس کا نام بھی یار　　کہ دونوں قرب کا اس جا ہے اظہار
کبھی وہ ہو کبھی یہ ہو نہیں یہ　　معاً ہوتے ہیں دونوں سب گئے کہہ
یہ آیت دال ہے اب اس کے اوپر　　سُن اس کو عشق سے ٹک کان دھر کر
یدُ اللہ فوق ایدیہم کہا ہے　　اسی آیت سے اب بیعت روا ہے
شہادت دوسری تحت الشجر ہے　　ہوا راضی خدا اس کا ثمر ہے

الم، ۲۶ کبھی

بشرطِ تو بہ یہ حق نے کہا ہے — فبا یُعہنَ سُن تو مدعا ہے
یہ چرچا ہے کہ یہ تینوں جو ہیں حال — مقید ہو نہ ان کا صاحب احوال
نہ بلکہ ہوئے ان قربوں کا مالک — نہیں واقف ہیں ان سے غیر ذالک
اب اس کا نام او ادنی ہے اے دوست — سراپا مغز ہے یہ یاں نہیں پوست
کہا ہے مارمیت اذ رمیت — سُن اس کو ما تفیت اذ تفیت
مقامِ احمدی یہ صرف ہے یار — نہیں ہے اس کا کوئی غیر زوّار
ملا یہ خاص ختم الانبیا کو — وراثت سے ملا پھر اولیا کو
یہ جام خاص احمد نے پیا ہے — جو ہیں پیرو الوش ان کو دیا ہے
سرور ان کو میاں اس سور سے ہے — رہ روشن انھوں کے نور سے ہے

+ ما فی الوجود الا عینٌ واحدٌ

نہیں ہے فی وجودِ غیر واحد — وہی مشہود ہے اور ہے وہ شاہد
اگر عین وجود اب ہو دیں دو چیز — تو دانش یاں کرے یہ بات تجویز
کہ پھر اثنین کا واحد ہے مبدا — نہ ہو واحد سوا اثنین پیدا
وجود اپنے میں اب محتاج ہو جو — وہ مبدا کل کا کہہ کس طور سے ہو
فان قیل ارباب نظر یاں — یہ لاتے ہیں جواب اس کے تئیں ہاں
کہ ماہیت ہے موصوف اور صفت یاں — وجود اب ہے تو کب ہے غیر اے جاں
صفت پر ہے مقدم ذات موصوف — قیام اس کا ہے اس پر یار مشغوف
پر اس تقدیر پر مبدا ہے اولیٰ — سو وہ ہے ماہیت اے یار دانا

+ ک میں یہ فقرہ نہیں ہے ۔ ا - یہ شعر صرف ل ک لا میں ہے

صفت موصوف ہیں آپس میں واحد　　دوئی پاتے نہیں اللہ ہے شاہد

جواب اس کا یہی کہتے ہیں بعضے　　تقدم ماہیت کو کیجے یعنے

متاخر ہو وجود اس ماہیت کے　　نہیں موجود ہونے کا تو سُن لے

بس اس جا ہوئے گا مبدا وہ کیوں کر　　کرے گا خلق کو موجود اس پر

نہیں وہ آپ ہے موجود اے یار　　دلیلیں سب ہوئیں باطل خبردار

سمجھتے ہیں وہی تاثیرِ فاعل　　بیان کرتے وہ ہیں مجعول وجاعل

جو صوفی ہیں موحد یا حکیم اب　　حقیقت جعل کی سب ہیں علم اب

چنانچہ شیخ اکبر پیر توحید　　محقق اور جو ہیں اہلِ تفرید

کہ جیسے شیخ صدر الحق والدّین　　بیان کرتے ہیں اس کے طرز آئین

نہیں اعیان جو مجعولی میں محتاج　　سخن ان کا ہے ہم کو دُرّہ التاج

نہیں کس معنی سے محتاج اعیان　　بیان کرتے ہیں اس میں فکر کر ہاں

معانی جعل کے ہیں یار اب کیا　　کہ تاثیرِ موثر ہووے پیدا

وجود خارجی اعیان کو دیوے　　عدم کا وصف ان کا ان سے لیوے

نہ یہ معنی افاضہ کے کہیں وہ　　سواد محض اور مخفی رہیں وہ

بیان کر اصل کو اعیان کے اے دوست　　کہ ہووے مسئلہ اظہار بے پوست

خدا کا علم ہے اے یار اعیان　　وجود غیبی ہووے کہا ہے امکاں

وجود خارجی جب ان سے ہو دور　　تو مجعولی کی تہمت ان پہ ہے زور

محقق بعضے ارباب نظر یاں　　دے آتے ہیں کئی ایراد و برہاں

کہ حاصل ان دلیلوں کا یہ ہے اب　　کہ ماہیات ممکن یہ جو ہیں سب

وجود غیبی میں جیسے ہیں محتاج　　وجود علمی میں ویسے ہیں محتاج

انھیں ہے احتیاج جعل و جاعل　　بہر صورت وہ ہیں محتاج فاعل

وہ موجب ہووے فاعل یا ہو مختار ۔ وہ ہیں مجبول اور محتاج ناچار

یہ فاعل ماہیاتِ ممکنہ ہے ۔ اور ان کو احتیاجِ مطلقہ ہے

وجودِ خارجی یا علمی ہو یا نہ ۔ بہر صورت نہ فاعل بن ہو اظہار

نہ کی تفسیر جب یہ جعل و جاعل ۔ وجودِ عینی میں محتاج فاعل

تو نفیِ جعل اب اعیاں سے ہو گئی ۔ دلیلیں اس پہ ہیں اے یار اب کئی

بسیط اب ہوئے یا جعلِ مرکب ۔ بہر صورت وہ ہوں مجعول جب تک

حکیم اب کہتے ہیں جعلِ مرکب ۔ اگر کہئے بسیط اب مانیں وہ کب

تقرر ہے فقط جعلِ بسیط اب ۔ تقرر کو نہیں کہتے مرکّب

سمجھ اس کو بھی تو اے صاحبِ فکر ۔ قلم اس رمز سے لکھتی ہے کچھ ذکر

کہ تحقق اور تقیید ہے تکلف ۔ تحقق ہے نہیں ہے یہ تصلف

بقولِ مولوی جامیؒ مقبول ۔ طبیعت کرتی ہے یہ ان سے منقول

سو اب اس رمز میں یہ رمز ہے خوب ۔ سمجھ اس کو اگر تجھ کو ہے مطلوب

کہ اس میں اصطلاحیں ہیں مری جان ۔ سمجھتے کب ہیں ان کو جو ہیں انجان

مرادِ نفیِ مجعولی ہے یہ بات ۔ نہیں محتاج ماہیات بالذات

بتاثیرِ موثر جعل و جاعل ۔ کہ تا ہووے وہ اب محتاج فاعل

نہیں محتاج جو اس کی جہت کیا ۔ سوادِ فہم ہے مفہوم اس کا

سوادِ محض یا دیں جس کا مفہوم ۔ نہ اس مفہوم چھوٹ کچھ ہووے معلوم

جو شے ہو شیئت اپنی سے (وہ) تا چیز ۔ کرے کب عقل واں تاثیر تجویز

جو یاں اب عقل ہووے تندادر تیز ۔ کرے تاثیر سے جاعل کے پرہیز

کرے پرہیز اب اس کا سبب کیا — سبب اس کا یہ ہے لے یار دانا
وجودِ ماہیت اور ذات میں یار — تغائر ہو تو ہو تجعیلِ دلدار
اگر ہوتا تو وہ با جعل و تاثیر — بناتا نفس اپنا کرکے تدبیر
ہوا تحقیق ماہیت کا احوال — رہا باقی وجود اس کا یہ ہے حال
اسی صورت نہیں واں جعل و جاعل — وجود اب ہوتے ہیں تاثیرِ فاعل
وجود آپ ہی وجود اب ہے سمجھ تو — موثر ہے نہ بلکہ ماہیت گو
کرے موجود یعنی ماہیت کہ — وجود خارجی ہو حاصل اس کو
مثال اب اس کے اوپر سن تو رنگیں — کیا رنگریز نے جو ڈوب رنگیں
نہ رنگ ان نے کیا پیدا نہ کپڑا — مگر اتنا کہ کپڑے کو ڈبویا
پس اس میں ٹھہرے گی تاثیر طامات — کہ نفی جعل ہے دونوں میں بالذات
کریں اثبات مجعولی کا جب ہم — کہ دونوں متصف ہوں مل کے باہم
وجودِ خارجی ان کو ملے جب — لگیں مجعولیت کی علتیں تب
وجود و عین ہیں قیوم بالذات — لگانا ان پہ ہے تاثیر طامات

+ در تحقیق معانی لفظ وجود اصطلاحی و لغوی

وجود اب ذات سے اپنی ہے موجود — نہ معنی مصدری ہیں اس سے مقصود
کہ معنی مصدری مفہوم ہیں یار — نہ فرد ان کا ہے خارج میں نمودار
جو عارض ہووے ماہیت کو جانی — اسے کہتے ہیں معقولات ثانی
نہیں ہے گفتگو اب اس سے اصلا — ہمیں مقصود ہے وہ لفظ پہلا
وہ قیوم جہاں بالذات قایم — تغیر کو نہیں واں دخل دائم

الف تحصیل۔ + یہ فقرہ الف میں نہیں ہے۔

کہیں جزئی حقیقی اہل حکمت — تعین خاص سے ہے اس کو رفعت
جہاں تک صوفی ہیں کہتے ہیں اس طور — تعین سے بری پایا جو کی غور
نہ جزئیت نہ کلیت لگے واں — نہ اطلاق و تقیید پہنچے سن ہاں
نہ جنسِ عالی و نہ نوعِ سافل — منزہ سب سے اور ہے سب میں شامل
اگر دریا پہ اب کیجئے چراغاں — مقابل اس کے ہو مرآت اعیاں
نمودِ عکس جب اس آب میں ہو — کہو گے اس کو کیا ٹک آگے بولو
وجود آب ہے شیونات چراغاں — بنے ہیں آئینہ خلقت کے اعیاں
مظاہر ہے وجود اعیان ظاہر — بہر صورت اسے کہتے ہیں ماہر
عکوس ان دونوں کا یہ سب نمود ہے — وجود عینی کا یہ تار و پود ہے
لکھی اک دوست کی خاطر سے یہ بات — وگرنہ میں کہاں اور نفی و اثبات
خداوندا! بحقِ مصطفٰے تو — کر ان جھگڑوں سے اب آزاد دل کو

کہتے ہو جو صرف ذات تو وصف کہاں — موصوف اگر ہو تو نہ ہو صرف عیاں
سب نسبتیں اس ذات سے جو ہوں معدوم — تب ذات کہیں اس کو جو ہیں اہل بیاں

بیاں کرنا ہے توحیدِ الٰہی — کہ وہ حاکم ہے از مہ تا بماہی
احد واحد ہوئی تعریف اس کی — یہ مخلوقات ہے توصیف اس کی
یہ سب فانی وہی ہے ذات باقی — یہ سب پیاسے وہی ہے آپ ساقی
وہی ہے حیٔ قیوم اور دانا — یہ سب ہیں ناتواں اور وہ توانا
اسے واحد سمجھنا ہے یہ توحید — اسی لائق ہے اب تحمید و تمجید
یہ ہے توحید ایمانی سن اے یار — رسالت سے کھلا یہ سب پہ اسرار

صفاتیں اس کی ہیں ان سب میں پیدا — یہ پرتو اس کا ہے جو ہے ہویدا

نظر آتا ہے یہ نورِ یقیں سے — ہوا روشن یہ قرآنِ مبیں سے

موثر یاں نہیں جز ذاتِ واحد — یہ سب مشہود حق سے حق ہے شاہد

بصر کیا سمع کیا علم و ارادت — صفات و ذات اور افعال و قدرت

صفات و ذات میں ہیں اس کی نا چیز — کرے نورِ یقیں سے اس کو تمیز

اثر سمجھے انھیں آثارِ حق کا — کہ ان میں سر ہے یہ اسرارِ حق کا

موثر سب میں پاوے ذات لاریب — یہی تحقیق ہے بے نقص و بے عیب[1]

یہ اول مرتبہ توحید کا ہے — یہ پہلا مرتبہ تقریر کا ہے

اسے توحید علمی کہتے ہیں دوست — ولے باقی رہے ہیں مغز پر پوست

مشابہ ہے اسی سے مرتبہ اور — سمجھ اے یار اس کو کر کے ٹک غور

کہ یہ کو نہ نظر بے دید و ملحد — بنے تقلید سے سب ہیں موحد

سمجھ کر بات کو یہ عقل سے یار — ہوئے عارف کیا عرفاں کا اظہار

سند وہ مثنوی کی ہیں لے آتے — عبارت شیخ کی ہیں پڑھ سناتے

کہیں اسرار اس[2] پر نامہ لادیں — یہ مشکل ہے رموزیں ان کی پا دیں

کریں ہر بات پر جو بحث و تکرار — غرض اس سے شریعت سے ہے انکار

یا اس سے خود نمائی ہے گی مقصود — زہے توحید جس سے بھولے معبود

اثر ان میں نہ کچھ توحید کا ہو — مزہ ان میں نہ کچھ تفرید کا ہو

کہیں کیوں کر اسے توحید علمی — نہیں توحید علمی ہے وہ رسمی

سخن اب یاوہ افسردہ مت بک — اگر کچھ عشق ہے بجز دوست مت تک

---

۱ الف بیعت، غلط ہے ۔ ۲ الف بسر

اگر توحید علمی فہم ہے یار ولے ہے مزج اس میں مخفی دلدار
کہا ہے اس کو من تسنیم عینا اگر طالب ہے تو تو اس کو بینا
جسے توحید علمی ہووے حاصل اسے ہو ذوقِ شوقِ عشق کامل
بنا پر مزج کی تاریکیٔ دل اُٹھے ہے دل کے دل سے یار زِل تِلِ
چنانچہ بعضے تعریفوں میں اے دوست عمل کرتا ہے وہ پر مغز بے پوست
سبب اور سب وسائط کرکے وہ دور رکھے ہے نورِ حق کو آپ منظور
ولے ظلمت وجود اس کے کی ہے یار کرے ہے خفیہ اس پر پھر یہ اسرار
پر اب چھوٹا کئی شرکِ خفی سے نہ بلکہ نفی و اثبات جلی سے
پھر اس کے بعد ہے توحید حالی بیاں میں کیا کروں کب ہے وہ قالی
ولے مشتاق ہوں اس گفتگو کا شراب و ساقی و جام و سبو کا
مترجم ہوں کلامِ اولیا کا محب ہوں دل سے بے شک اصفیا کا
انھوں کے حکم کے موجب کہی ہے انھوں کے قول کے موجب لکھی ہے
یہ سب توحید حالی کے مقامات موحد کے ہوں دائم لازمِ ذات
یہ سب ظلماتِ رسمی اور طبیعی یہ موضوعات و محمولاتِ وضعی
سراسر نیست ہوویں ان کے مفہوم بجز واحد نہ ہو کچھ ان کو معلوم
مگر اندک بقیہ جو رہے گا وہ نورِ خوربیں جوں کوکب چھپے گا
وجودِ سالک اس جا مضمحل ہو مقامِ جمع میں دے آپ کو کھو
برنگ قطرہ ہووے وصل دریا کہ یعنی محو ہو دریا میں قطرا
جنید اس طور سے کہتے ہیں یعنی کہ وہ توحید کیا ہے اعنی معنی
کہ ہوویں مضمحل اس میں رسومات اور اب ہوں مندرج اس میں علومات
یکون اللہ جوں وہ لم یزل ہو غرض یہ ہے کہ ہستی اپنی تو کھو

شہودِ نورِ توحیدِ معلّٰے — یہ ہے توحید حالی کا نتیجا
نتیجا ہے نگہبانیٔ دل کا — وہ ہے توحید علمی یار شیدا
پھر اس کے بعد توحیدِ الٰہی — سوائے حق ہے غیروں کو مناہی
سمجھنا جس طرح ہے آپ کو حق — اسے پھر کون سمجھے غیر مطلق
صمد واحد احد ہے فرد اے یار — عقول و فہم کو اس تک کہاں بار
کہ کان اللہ ہے تعریف اس کی — نہ تھی کچھ شے یہ ہے توصیف اس کی
اور اب بھی اس صرافت پر ہے، وہ ذات — کروں جو نسبت اس سے ہے وہ طامات
کہ الآنَ کمَا کان تا ابد ہے — جو یاں تفرید اور تفہیم رد ہے

+ امثال جمیع مراتب توحید

سمجھ اس بات کو جو ہے تجھے ہوش — مثال اب سن اگر رکھتا ہے تو گوش
کر اپنے دل میں تو اب فرض اخروٹ — کہ ہووے فتح تجھ پر یہ کمر کوٹ
اگر اخروٹ کو تو دیکھے پورے — ترازو عقل کی ہیں اس کو تولے
کرے دعویٰ کہ میں دیکھا ہے اخروٹ — نہیں کرنے کا عاقل تیرے پر چوٹ
یہ اول مرتبہ اجسام کا ہے — اگرچہ سچ ہے پر کس کام کا ہے
اگر اخروٹ کو بالفرض توڑے — نگاہِ عقل کو پھر اس سے جوڑے
تو مغز و پوست باہم ہوگا مشہود — نظر آوے گا اس کا تار اور پود
حقیقت دوسری میں ہوگی مفہوم — نہ تھا پہلے جو کچھ سو ہوگا معلوم
شہودِ علمی اس کا نام ہے دوست — ورے مثال ہے اس جا مغز اور پوست
سویم یہ مرتبہ ہے اس سے اعلیٰ — سمجھتے ہیں اسے اعلیٰ نہ ادنیٰ

+ یہ فقرہ ک۲ میں نہیں ہے۔

جدا چھلکے سے جس دم مغز ہووے | سراپا لطف ہووے نغز ہووے
کمال اس کا یہ کہتے ہیں مربی | عرفت ثابت ربی یربی
اگر روغن نکالیں مغز سے اب | حقیقت مغز کی کہئے اسے جب
چہارم مرتبہ کا یہ بیان ہے | نہاں ہے خلق سے حق پر عیاں ہے
سویم علم الٰہی میں ہے پیدا | کسی پر غیر حق کب ہو ہویدا
شناسا آپ کا ہے آپ جس طور | سوا اس کے نہ ہووے گا کوئی اور
حقیقت اپنی سے ہے آپ محرم | اگر دم مارے کوئی ہووے مجرم
نہ چشم غیر کو ہے اتنی طاقت | جو دیکھے وہ لطافت ہی لطافت

تمام شد

هُوالقادر

آہ جاں سوز کو سرِ دفترِ دیوان کیا
عشق نے دیکھتے ہیں[1] پہلے ہی طوفان کیا

ربِّ یسِّر* | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | وتمّم بالخیر

۱

احدیّت کا جب ورود ہوا | نورِ وحدت کا تب شہود ہوا
واحدیّت ہوئی نمود اس پر | خالق و خلق کا وجود ہوا
عالمِ ارواح کا ہوا پیدا | شکرِ ہستی ہوا سجود ہوا
بعد اس کے مثال کا عالم | اس پہ اجسام پھر فزود[2] ہوا
اتنے پردے جو ذات نے پہنے | کوئی مومن کوئی جہود ہوا
نورِ احمد نے جب تجلی کی | سر بسر خلق کوں[3] بہ سود ہوا

عشق عاشق ہوا اسی کوں[4] دیکھ
دلِ نالاں[5] برنگ عود ہوا

۲

بسم کی بے جو ہوئی مبدع[6] دیواں میرا | ہے دوا دردِ خلایق کو یہ قرآں میرا
حق نے فی احسن تقویم کہا آدم کو | کیوں کے مرغوب نہ ہو حضرتِ انساں میرا
بحث میں واجب و ممکن کی نہیں فکر مجھے | اس سے اعلا[7] ہے کہیں رتبۂ ایماں میرا

---

۱ ک۳ ک۴ ر۱ ک ر۲ ہو۔ ۲ ر۱ ر۲ عدود۔ ۳ ک۳ ک۴ ر۱ ر۲ کو۔ ۴ ک۳ ک۴ ر۱ ر۲ کو۔
۵ ر۲ ناداں۔ ۶ ک۳ ک۴ ر۱ مبدء درست ہے۔ ۷ ر۲ اعلیٰ درست ہے۔ * یسّر

۲

شعر مقبول نہ ہو نام خدا عالم میں　　حمد اور نعت سے پھولا ہے گلستاں میرا

دال مدلول نہیں ہے نہ تصوّر تصدیق
عشق برتر ہے دلائل سے یہ ایقاں میرا

۳

ہے قُم بِاذْنِی معجزہ جس کے غلام کا　　رتبہ ہے وہ ہمارے علیہ السلام کا

اعجاز انبیا کو نہ کر مجھ سے تو بیاں　　ادنیٰ مقام ہے شہ عالی مقام کا

مت دسترس کو پوچھ تو شق القمر کو دیکھ　　جبریل ہے برید جہاں کے پیام کا

آیات بیّنات کی رمزیں نہ پاتی خلق　　شارح اگر نہ ہوتا وہ حق کے کلام کا

لیل و نہار چاہے اگر خوب گذرے عشق
کر ورد اس کے نام کو تو صبح و شام کا

۴

عرش تا فرش سیر کر دیکھا　　جلوہ گر تو ہوا جدھر دیکھا

چشم تحقیق سے جہاں ڈھونڈا　　گبر ہوں تجھ سوا اگر دیکھا

قشریوں[1] کی سمجھ پہ حیراں ہوں　　دوسرا ہے کہاں کدھر دیکھا

تیر کے نام پر تڑپتا ہے[2]　　اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

آبلہ آبلہ ہوئے سب عضو　　نخل الفت نے یہ ثمر دیکھا

سحر میں سامری کے کیا قدرت　　تیری آنکھوں میں جو اثر دیکھا

خبر[3] اس کی کو کس سے پوچھوں میں　　جس کو دیکھا سو بے خبر دیکھا

اپنے ہم چشم سے لگا کہنے　　نالہ و آہ و شور و شر دیکھا

---

۱ ر٦ل ۸ل افشریوں - ۲ ر٦ل کے ہو - ۳ یہ شعر ر٦ل میں نہیں درج ہے۔

ٹک ایک انصاف سے اگر دیکھو
عشق سا کوئی چشم تر دیکھا

۵

بے نیازی میں تجھ کو کیا نہ ہوا — اپنے بندوں کا تو خدا نہ ہوا
رنج بے جا نہ کھینچتا ہرگز — دل مرا حیف بے وفا نہ ہوا
جان تک دے چکے ہم اے یارو — تو بھی قاتل کا مدعا نہ ہوا
دل ہوا جل کے تو تیا تو بھی — تری آنکھوں سے آشنا نہ ہوا
زندگی کا ثمر یہ پایا میں — شکر اللہ[1] کوئی خفا نہ ہوا
اے نسیم سحر تری دولت — غنچۂ دل کسو[2] کا وا نہ ہوا
آئینہ دیکھ یہ لگا کہنے
عشق بے جا بھی مبتلا نہ ہوا

۶

چہرہ[3] پہ جو تیرے نظر کر گیا — جان سے اپنی وہ گذر کر گیا
جس کی طرف سے تری آنکھیں پھریں — اشک کے مانند سفر کر گیا
منہ کو دیکھا اپنے وہ خورشید رو — شام غریباں کو سحر کر گیا
اس کو نکالے کوئی کس طور سے — تیر مژہ سینے[4] میں گھر کر گیا
رخصت موعود تھی ہچکی نہ تھی — چلتے ہوئے دم یہ خبر کر گیا
جو کوئی بیٹھا ترے کوچے[5] میں آ — اُٹھ نہ سکا یارو وہ مرکر گیا
جس کی نظر عشق کے اوپر پڑی
چشم[6] کے تئیں اپنی وہ تر کر گیا

---

۱ ر۳ ر۴ ر۶ ر ۸ شکر للہ یہ املا غلط ہے۔ ۲ ر ۸ کسی۔ ۳ بہ چہرے۔ ۴ ر ۸ سینہ۔
۵ ر ۸ کوچہ۔ ۶ ر ۸ چشم کو لہو سے وہ تر کر گیا۔

۷

دل پہ گذرے ہے دم بدم کیا کیا　　لِتس پہ کرتا ہے وہ ستم کیا کیا
دل جگر چشم اشک ہیں بے تاب　　سر کٹے لکھے یہ قلم کیا کیا
جو کچھ اب تم کہو سو آمنّا　　کوئی کہہ سکتے ہیں یہ ہم کیا کیا
لعل و گوہر کی قدر ہو کیوں کر　　ہے ترا فیض چشم نم کیا کیا
شکر اتنا ہے جتنی نعمت ہے
عشق پر ہے ترا کرم کیا کیا

۸

حرم میں نام سُنا دیر میں نشاں دیکھا　　سوائے تیرے[1] نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا
کہاں فراغ ہے جو کچھ کہوں یہی بس ہے　　دکھایا جو جو ہمیں تو نے مہرباں دیکھا
اُسی کا آئینہ ہر ذرہ ہزار عالم ہے　　پھر اس کو کیا کہوں تجھ سے کہاں کہاں دیکھا
ہم اس کی آنکھوں سے کہتے تھے مت لگاؤ تاک　　ہوئی نہ بے خودی آخر کو مے کشاں دیکھا
نہ پائی عشق سے بہتر جہاں میں کوئی چیز[2]
ہزار بار اسے کر کے امتحاں دیکھا

۹

زاہد کہوں کیا تجھ سے کہ ہوں اب میں کدھر کا　　آفت زدہ ہوں یار اِدھر کا نہ اُدھر کا
کس طور دل اُس خنجر مژگاں کی سپر ہو　　مقدور جہاں ہو نہ قضا کا نہ قدر کا
گلزار میں دنیا کے ہوں جوں نخلِ بھچنپا　　خواہش نہ ثمر کی نہ میاں خوف قہر کا[3]
میں ہاتھ میں ہوں باد کے مانند پرِ کاہ　　پابند نہ گھر کا ہوں نہ مشتاق سفر کا

---

۱ لا سوائے اس کے۔　۲ لا کوئی جہاں میں۔　۳ لا نہ مجھے خوف تبر کا۔

۵

اُس سے جو کیا عشق کا مذکور کسی نے
بولا کہ عبث ذکر ہے اُس خاک بسر کا

۱۰

غلط ہے یہ کہ دل میرا[1] اِدھر ہو یا اُدھر ہوگا
دو لوں عالم[2] سے مبرا ہے خدا جانے کدھر ہوگا

ہنسی رہ رہ کے آتی ہے یہ سب باتیں ہیں کہنے کی
ہماری نعش پر اے سنگ دل تو چشم تر ہوگا

دعا ہے کفر و دیں[3] کو شیخ جی کہیو برہمن سے
مرا سجدہ اُدھر ہوگا جدھر اُس کا گذر ہوگا

اسی خاطر میں خدمت اُس کی اب آنکھوں سے کرتا ہوں
یہ داغِ دل ہی آخر کو اُس ابرو کی سپر ہوگا

فرشتوں[4] تک تو داغِ بندگی رکھتے ہیں ماتھے پر
نہ ہوگا عشق کا بندہ کوئی ایسا بشر ہوگا

۱۱

اس طرح کا غضب ہے رو دینا
ایک پل میں جہاں ڈبو دینا

کس کو منظور ہے خرابیٔ دل
کیجئے کیا جو کچھ کہ ہو دینا

اس[5] میں حاصل ہے کیا تجھے ظالم
دل کو لے اس طرح سے کھو دینا

آگے ہی جاں و دل کیا ہے نثار
جو کچھ اب چاہتے ہو لو، دینا

اس سے زیادہ کوئی خسارت ہے
ہاتھ اپنے سے عشق کو دینا

۱۲

اگر خال و خطِ خوباں نہ ہوتا
تو میں اس غم میں سرگرداں نہ ہوتا

نہ آتا حسن کے پردے[6] میں جو وہ
تو میرے درد کا درماں نہ ہوتا

---

۱ ن ۸ میرا دل - ۲ ن ۵ دو عالم یہی صحیح ہے - ۳ ن ۸ کفر دیں غلط ہے -
۴ فرشتے - ۵ یہ شعر ن۳ میں نہیں ہے - ۶ ن ۸ پردہ -

اگر موقوف ہوتی دید کل پر — تو آج آنکھوں میں یہ طوفاں نہ ہوتا
نہ ہوتا دل کو جو عزم سفر تو — جرس کے طرز[1] یہ نالاں نہ ہوتا
کوئی کاہے کو سجدہ ان کو کرتا — بتوں میں حق اگر پنہاں نہ ہوتا
ڈباتے خانۂ مردم کو یہ اشک — اگر یہ گوشۂ داماں نہ ہوتا
نہ ہوتا حُسن میں یارو اگر جذب
تو رنجِ عشق بھی آساں نہ ہوتا

۱۳

ترے وصل میں لُطف کیا کیا نہ دیکھا — نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
وہ آیا نظر بارہا پر[2] کسو نے — یہ حسرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا
ترا چین ابرو مرا غنچۂ دل — وہ عقدے ہیں یہ جن کو کھلا[3] نہ دیکھا
خدا جانے کیا منہ بھرائی دی اس کو — لبِ زخم دل جو کبھو وا نہ دیکھا
میں رو رو کے آنسو سے کی شیشہ بازی — یہ ہنس ہنس کے تو نے تماشا نہ دیکھا
کریمی تری جب سے سمجھا ہوں دل میں — کبھو فکر امروز فردا نہ دیکھا
خدا کی خدائی ہے قائم پہ تجھ سا — نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا
چمکتا ہے وہ مثل خورشید انور — بجز حُسن کے اُس کو پردا نہ دیکھا
سبھی[4] دعوئے عشق رکھتے ہیں لیکن
کوئی عشق سا ہم نے رسوا نہ دیکھا

۱۴

خدا جانے بنا کس طور سے یہ آب و آتش[5] کا — کہ چشم اشک آلودہ ہوئی گرداب آتش کا

---

۱ ن۵ کی طرح ۔ ۲ ن۵ ہر 'پر' درست ہے۔ ۳ ن۵ کھلتا درست ہے ۔ ن۲ یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتے نہ دیکھا ۔ ۴ ن۲ سبھی دعویٰ اپنے کو رکھتے ہیں لیکن ۔ ۵ ن۳ ن۴ ن۲ ن۶ ن۵ آب آتش درست ہے۔

۷

نہ آ زاہد مقابل چاکِ دل کے تو مرے ہرگز
قسم ہے عشق کی جل جائے گا ہے باب آتش کا

دل بے تاب میرا گرم خوں ہے شعلۂ خوں سے
کہوں دیکھا ہے کہہ مشتاق[1] اب سیماب آتش کا

زبس شعلہ بلند ہو داغ دل کا چرخ پر پہنچا
برنگ چاہ نخشب[2] بن گیا مہتاب آتش کا

حیاتِ عاشقاں ہے آتش الفت سے اے ناداں
سمندر کی طرح دل کیوں نہ ہو بے تاب آتش کا

جو کچھ پڑ جاوے اس میں آب سا وہ اس کو کر دیوے
دوئی کو وہ جلاتی ہے یہی ہے داب آتش کا

حقیقت میں محبت عشق[3] سے رکھتا ہے یار وہ
بغیر از دل مرے ہے کوئی بھی ہم خواب آتش کا

۱۵

تیرِ نگہ کا ممنوں کب ہے جگر ہمارا
دل مفت لے گیا ہے وہ مفت بر ہمارا

شاید کہ آہ محزوں پہنچی ہے گوش دل تک
جو باخبر ہوا ہے وہ بے خبر ہمارا

مانند شمع جلوہ بے باک ہو کے دل کو
جس میں تری خوشی ہو وہ ہے[4] ضرر ہمارا

مانند[5] شمع سر تو سو بار کٹ چکا ہے
لیکن گیا نہ تو بھی یہ درد سر ہمارا

عقدہ کشا کا اصلا[6] محتاج میں نہیں ہوں
دل میں جو یہ گرہ ہے وہ ہے ثمر ہمارا

شمشیر سے نگہ کی[7] تیرِ مژہ یہ بولا
سر اور سینہ تیرا دل اور جگر ہمارا

کونین کی تمنا کافر ہو جس کو ہووے
لاریب یہ سخن ہے تو ہو اگر ہمارا

جب تک نہ ہووے سوزش کیونکر ہو دل کو تسکیں
اے عشق جوں سمندر آتش ہے گھر ہمارا

---

۱ ل۸ کہ مشتاق ہو، بہتر ہے۔ ۲ ل۸ ماہ نخشب درست ہے۔ ۳ ل۲ ل۷ ل۸ معیت درست ہے۔
۴ ل۸ ہے وہ - ۵ یہ شعر صرف ل۲ ل۶ ل۸ میں درج ہے۔
۶ ل۸ ہرگز - ۷ ل۸ ابروں سے۔

۱۶

آنکھیں اور دل سے گر لڑائیے گا	جینے جی پھر ہمیں نہ پائیے گا
سر سلامت رہے محبّوں کا	اپنی شمشیر آزمائیے گا
چھپ کے عالم سے یار مثل خیال	کبھی دل میں ہمارے آئیے گا
مر گئے، زندگی، ترے ہاتھوں	اُس کو کس طور منہ دکھائیے گا
حشر برپا کریں گے دیوانے	اُن کی زنجیر مت ہلائیے گا
مندی آنکھیں جو چاہو دیکھوا سے	سر کو زانو سے مت اُٹھائیے گا

شعر کا جس مکاں میں چرچا ہو
غزل عشق پھر سنائیے گا

۱۷

سُنتے ہیں میخوار وہ اس جا عشق کا میخانہ تھا	جائے شیشہ دل تھے اور بتخالہ ہی پیمانہ تھا
جو کوئی آیا سو لخت دل کو میرے لے گیا	لوٹ میں تخصیص کیا اپنا تھا یا بے گانہ تھا
شکوہ آلودہ جو رہتا تھا تغافل سے تیرے	اب تلک اس لطف کو اے یار میں سمجھا نہ تھا
جس کے دامن تک نہ پہنچے ہاتھ واں کیا دوستی	عشق بازی اس سے میں کرتا مگر دیوانہ تھا

عیش و عشرت پر جہاں کے تو نہ ہو مغرور عشق
واقعات وے پرے اب دیکھ تو افسانہ تھا

۱۸

دم بدم دل کو مر نہیں آتا	اس لئے اس سے بر نہیں آتا
خانماں کر چکا ہوں میں برباد	اس پہ میرے وہ گھر نہیں آتا

---

۱ ۸ جو ۔ ۲ ۸ دیکھ غلط ہے ۔ ۳ ۸ پڑھ درست ہے ۔ ۴ ۲ ۸ جان غلط ہے ۔
۵ یہ شعر ۳ میں نہیں ہے ۔ ۶ ۸ وہ میرے ۔

تو جو اتنا ہمیں[1] ستاتا ہے کیا خدا کا بھی ڈر نہیں آتا
اے جرس چپ ہو مثل غنچہ سُن خوش اسے شور و شر نہیں آتا
خاک تو[2] شہر میں لگی اُڑنے
عشق کیا چشم تر نہیں آتا

١٩

جہاں میں عِشق کا سنتے ہیں رولا کہیں دیکھا ہے تم نے میرے مولا
ارے دل عشق[3] سے بیزار ہو تو جہاں میں مست ہے اب سب[4] اولا
نہیں ملتا کسو کے ساتھ یہ دل الٰہی کِس طرح کا ہے یہ ڈولا
دوئی کو مانتے ہیں کوئی عاشق دلیلیں اس پہ زاہد گو تو سولا
نہ ہم سنگ ہو سکا آنسو کے گوہر محبت کی ترازو میں جو تولا
لگائی آگ کن نے[4] میرے دل میں جو ان آنکھوں میں یہ پانی ہے کھولا[5]
ترے کوچے میں کیا قدرت جو آوے
دہن[6] سے گو نکالے عشق ڈھولا

٢٠

عاشق کے درد سے جو تو اب باخبر ہوا ظالم کہیں فریفتہ تو بھی مگر ہوا
مانند کوہ طور جلا دل تمام یار اس چشم خوش نگاہ میں جب جا گذر[7] ہوا
لخت جگر نکلتے ہیں اے دل بجائے اشک آنکھوں سے آہ مجھ[8] کو یہ حاصل ثمر ہوا
اے رشک مہر رونے سے میرے خفا نہ ہو دیکھا ہے جن نے تیری طرف چشم تر ہوا
تیری نگاہِ گرم سے مجھ کو ہوا یقیں اس آہ شعلہ بار کا شاید اثر ہوا

---

١ ن۸ مجھے ۔ ۲ ن۸ جو ۔ ۳ ن۳ ن۴ ن۸ عقل درست ہے ۔ ۴ ن۸ کس نے ۔

۵ ن۸ گھولا غلط ہے ۔ ۶ ن۲ ن۸ دہتر غلط ہے ۔ ۷ ن۳ جب گذر رہا غیر موزوں ہے ۔ ۸ ن۲ مجھ کو آہ ۔

کہنے لگا رقیب لہو سر کا دیکھ کر　　دل میں ہمارے فکر بہ بارِ دگر ہوا

دیوار و در ہی سرخ نہیں خیر آہ یاں
خانہ خراب عشق کا شاید گذر ہوا

۲۱

آہ دل کو بے طرح سُلگا گیا　　کچھ چھلاوا سا مجھے دکھلا گیا
آہ بس اب رحم کر تو خلق پر　　دودِ دل سے آسماں تو چھا گیا
یہ نسیم صبح تھی یا تھی سموم　　غنچۂ دل ادھ کھلا کمھلا[1] گیا
یک بیک مجھ کو جو وحشت آگئی　　کس کی آنکھوں کا تصوّر آگیا
منہ پھرا مجھ سے جو وہ ہنسنے لگا　　بات[2] اس کی بات میں میں پا گیا
کر نگاہ گرم سے[3] جاتا رہا　　آگ سینہ میں مرے سُلگا گیا

عشق جلدی سے پہنچ فریاد کو
دل کی ہاتھوں سے تو میں گھبرا گیا

۲۲

پری رو کی ہوس کر کیا کرے گا　　دل اب زلفوں میں پھنس کر کیا کرے گا
خموشی ہی غضب ہے لعل لب کی　　شگفتہ رو تو ہنس کر کیا کرے گا
غرض تھا قتل میرا مر چکا میں　　کمر اپنی کو کس کر کیا کرے گا
نہ یاں مے ہے نہ ساقی ہے نہ مطرب　　بھلا پھر مینہہ برس کر کیا کرے گا

پھرے ہے دربدر بہ عشق جاں باز
دل آزاری کو بس کر کیا کرے گا

---

۱ مے کملایا غلط ہے۔ ۲ رے کے بات سینہ میں مرے سلگا گیا۔ ۳ لے وہ درست ہے۔

۲۳

جس وقت کوئے عشق میں ہم نے گذر کیا — اس داغ دار سینہ کو اپنے سپر کیا

تمکین میں پہاڑ سے بھی مستقل تھا میں — خانہ خراب دل نے مجھے در بدر کیا

کہتا ہے باغباں مجھے در پر چمن کے دیکھ — نکہت نے گل کی یار اسے در بدر کیا

صحن چمن میں گل نے گریباں کیا ہے چاک — اے عندلیب تو نے یہ کیوں نالہ سر کیا

بیمار چشم اپنے کو پوچھا نہ تو نے حیف — حسرت سے ان نے روتے ہی روتے سفر کیا

دھو ہاتھ اپنی جان سے میدانِ عشق میں
معشوق تو نے عشق سپاہی پسر کیا

۲۴

اس کے چہرے پر خدا ہی جانے کیسا نور تھا — ورنہ یہ دیوانگی کب عشق کا دستور تھا

سرمۂ وحدت جو کھینچا عشق نے آنکھوں کے بیچ — جون سا پتھر نظر آیا وہ سنگِ طور تھا

پاس آنے کو مرے بُعد مسافت کچھ نہ تھی — غور کر دیکھا تو میں ہی دل سے تیرے دور تھا

عرضِ مطلب بجز زباں پر آ گئی بر ہم نہ ہو — یہ دلِ آفت زدہ ناچار تھا مجبور تھا

دین و ایماں اور دل و جاں لے کے پھر ناخوش جو ہو — کچھ کمی ہم نے نہیں کی جس قدر مقدور تھا

لگ گیا ناگاہ کس کا اس پہ یہ[1] تیرِ نگاہ — دل کا شیشہ جو بغل میں ہم نے دیکھا چور تھا

دل کو تیرے دُکھ دیا ہے عشق کن نے ہم سے کہہ
شوخ تھا بے باک تھا خو[2]خوار تھا مغرور تھا

۲۵

جو ہم پہ صنم جفا کرے گا — واللہ بہت بُرا کرے گا

---

۱ رکے عشق یہ - ۲ ۳ خوان -

آئینۂ دل میں ہے وہ پیدا لیکن جو اُسے صفا کرے گا
دل کھول ملے وہ یار ہم سے ایسا بھی کبھو خدا کرے گا
جوں رشتۂ سبحہ دل میں عاشق گر جا کرے گا[1] بجا کرے گا
جو تو نہ سُنے گا حال میرا کوئی تو صنم سنا کرے گا
آوے گا[2] نظر چھپا ہے جو کچھ جو[3] دیدۂ دل کو وا کرے گا
جو[4] دل میں نہ تیرے راہ پاوے
یہ عشق غریب کیا کرے گا

۲۶

اُسے ہر چند آنکھوں میں چھپایا جب آنکھیں کھول[5] دیکھا کچھ نہ پایا
جہاں اہلِ جہاں فانی ہی دیکھے صنم جس وقت آنکھوں میں تو آیا
کوئی تقریر میں آتا ہے خوش چشم تری آنکھوں نے جو جو کچھ دکھایا
ہوا روشن نہ اس پر حال میرا برنگِ شمع میں دل کوں[6] جلایا
نہ چھوڑوں تار کو میں عشق اس کے
گریباں کو اگر تو نے سِلایا

۲۷

آزادگی کا قیدی محتاج ہے قفس کا[7] سو دام اُس کی خاطر ہے کشمکش نفس کا
یہ ہے مقامِ راحت نے کاروانِ غربت[8] محمل رواں کر دتم نالاں ہے دل جرس کا
جلتا ہے شمع رو پر یہ دل پتنگ ہو کر میٹھے پہ جان دینا ہے کام ہر مگس کا
اسپ فلک نے تجھ کو گو چار دن چڑھایا آخر تو دے پٹکنا ہے کام اُس فرس کا

---

۱ نسخہ جا گرے گا ۔ ۲ ن ۲ آئے گا ۔ ۳ ن ۲ جب ۔ ۴ ن ۳، ن ۴ جو دل دل میں تیرے راہ نہ پاوے ۔
۵ ن ۲ کھولیں ۔ ۶ نسخہ دل کو ۔ ۷ ن ۳، ن ۴ ہے کب قفس کا ۔ ۸ نسخہ غریب ۔

بازی کو چھوڑ دے تو اے عشق سُن یہ نکتہ
تیغِ رضا سے اس کی کر خون ہر ہوس کا

۲۸

حال کچھ معلوم ہے صیاد اُس نخچیر کا
غیر تارِ زلف پابستہ نہیں زنجیر کا

عشق کی تروار کا خاصہ ہے یار و اتحاد
ورنہ دو کر ڈالنا ہے کام ہر شمشیر کا

اے کماں ابرو تری پلکوں میں دل اُڑ کر لگا
یعنی دل پیکاں ہوا اے یار تیرے تیر کا

سوزِ دل کے واسطے ہے ساز کے پردے میں بند
پر ترانہ ایک ہے مطرب کے بم اور زیر کا

سلسلہ جب تک نہ پہنچاوے وہ جذب زلف تک
عشق کب مانے میاں ارشاد اس بے پیر کا

۲۹

دیکھا جو مجھے کافر دیں دار بہت رویا
زاہد بھی پٹک اپنی دستار بہت رویا

فریاد و فغاں زاری کیا کیا نہ کیا دل نے
جب کچھ نہ چلا اُس کا ناچار بہت رویا

جب صبر مرا دیکھا تب صبر بتنگ آیا
آزار[1] مجھے دے کر آزار بہت رویا

بدمستی سے مچلا کر لے دل کو پٹک مارا
جب[2] پھوٹ گیا شیشہ مے خوار بہت رویا

فریاد مری پہنچی جب کان میں گلشن کے
شبنم کے[3] بہا آنسو گلزار بہت رویا

کس ناز[4] سے مارا تھا اے آفت جاں سچ کہہ
جو زخم کے ہنسنے پر انگار بہت رویا

کس طور تڑپتا تھا اے عشق جگر پارہ
جو قتل تجھے کر[5] کر خونخوار بہت رویا

---

۱ ن ۸ جب پھوٹ گیا شیشہ مے خوار بہت رویا۔ ۲ ن ۸ آزار مجھے دے کر آزار بہت رویا۔

۳ ن ۸ کا۔ ۴ ن ۸ طور سے۔ ۵ ن ۸ کر کے۔

۳۰

اگر دلدار میں رسوا نہ ہوتا — تو تیرے حسن کا شہرا نہ ہوتا
نسیمِ زلف خوباں جو نہ ہوتی — کبھو یہ غنچۂ دل وا نہ ہوتا
نہ ہوتا مصر کا بازار ہی گرم — اگر یہ[1] عشق کا سودا نہ ہوتا
کہاں جا خاک دیوانے اڑاتے — اگر یہ گوشۂ صحرا نہ ہوتا
اگر پردہ نہ ہوتا کفر و دیں کا — نشیدِ عاشقاں بالا نہ ہوتا
نکلتا نا امیدی سے مراجی — اگر یہ وعدۂ فردا نہ ہوتا

خدائی کب میسّر تجھ کو ہوتی
اگر یہ عشق سا بندا[2] نہ ہوتا

۳۱

ہماری آنکھوں نے غم میں تیرے[3] کیا ہے رونا شعار اپنا — بہے ہیں پل میں لہو کے نالے جدھر ہوا ہے گذار اپنا
مسیح تو اور میں ہوں زخمی نہ کر تغافل ٹک اک ہو منصف[4] — کسے دکھاؤں بغیر تیرے[5] بھلا یہ سینہ فگار اپنا
گلہ نہ کیجئے اب اس کا کیوں کر ہوا نہ ہرگز وہ یار اپنا — کہ جس کی خاطر سے چھوڑ آئے گھر (اور) در (اور) دیار اپنا
کروں کہاں تک شکایتیں میں نہ پائی اُن میں وفا کی بو کچھ — چمن میں دنیا کے گل رخوں کو کیا اگرچہ ہزار اپنا
نہیں جھپکتی ہیں[6] ایک پل بھی مثالِ آئینہ چشم حیراں — تجھے دکھاؤں میں کس طرح سے کہوں[7] سو کیا انتظار اپنا

کہوں میں کس سے یہ عشق جا کر سنے ہے کون اِن مصیبتوں کو
نہ آنکھیں اپنی نہ دل ہے اپنا نہ شہر اپنا نہ یار اپنا

۳۲

قتل کو میرے اُن نے[8] فرمایا — سجدۂ شکر میں بجا لایا

---

۱ ل اگر اس۔ ۲ ل بندہ۔ ۳ ل تیرے غم میں۔ ۴ ک ذرا ہو منصف۔
۵ ک سوائے تیرے۔ ۶ ک جھپکتی ہے۔ ۷ ک کہوں تو۔ ۸ ل اس نے۔

اِن دنوں ہم سے تو نہیں ملتا — کسو کافر نے تجھ کو بہکایا
چھین کر دل کو دل سے جا نا بھول — اس چھنالے کو کن نے سکھلایا
عشق کیا درد تجھ کو پہنچا تھا — دل کے دل پر جو تو نے گل کھایا
کشمکش میں پڑا ہے تو یا ہیں — دل جو زلفوں میں تو نے اُلجھایا
دلِ بے چارہ کچھ نہ تھا واقف — آہ آنکھوں نے اس کو دکھلایا

ہٹ سے اپنی نہ باز آیا وہ
عشق ہرچند اس کو سمجھایا

۳۳

سرشک آنکھوں میں دل میں چاک دیکھا — بجز اس کے بھلا کیا خاک دیکھا
کروں کیا درد کا شکوہ کسو سے — جہاں ہی سربسر غم ناک دیکھا
سبھوں کو خونِ ناحق سے ہے پرہیز — پرائے کافر تجھے بے باک دیکھا
کبھو سر سے نہ خالی ہم نے پایا — جب اُس خوں ریز کا فتراک دیکھا

حقیقت عشق کی سمجھے کما ہی
یہ ہم نے عشق میں ادراک دیکھا

۳۴

قسمت یہی تھی یار جو اغیار ہو گیا — دلداری چھوڑ دی وہ دل آزار ہو گیا
بجلی پڑے خدا کرے آئینہ ساز پر — منہ دیکھ اپنا ہم سے وہ بے زار ہو گیا
قول و قرار اُس کے میاں جانتے تھے سب — پر کیا کریں کہ ہم سے کبھی اقرار ہو گیا
کہتا ہے بو علی مری حالت کو دیکھ کر — کچھ بے طرح کا اس کو یہ آزار ہو گیا

---

۱ ؎ چھنا پے۔ ۲ ؎ کس نے۔ ۳ ؎ خاک۔ ۴ ؎ کسی سے۔
۵ ؎ قاتل۔ ۶ ؎ کہتا تھا۔

ہراک[1] کی پیروی کو نہ کر دل قبول تو
دنیا میں عشق قافلہ سالار ہو گیا

۳۵

تجھ کو جو حالِ عشق فراموش ہو گیا — دل درد و غم سے یار ہم آغوش ہو گیا
جس شب ہوا تو محفلِ رنداں[2] میں شعلہ زن — دل جل کے مثلِ شمع کے خاموش ہو گیا
جز[3] جامِ چشم کیف یہ کب ہے شراب میں — دل دیکھتے ہی جو اسے بے ہوش ہو گیا
تاریک[4] کس طرح یہ جہاں ہو نہ چشم میں — جوں مردمک وہ یار سیہ پوش ہو گیا
لذت بیاں میں آتی نہیں جو بیاں کروں
پر عشق دردِ یار دم و ہوش ہو گیا

۳۶

کچھ دلِ سنگ میں اثر نہ کیا — تجھ کو اے آہ ہم نے دیکھ لیا
اپنی آنکھوں سے ہم نے دیکھا ہے — کوئی بیمار چشم کا نہ جیا
کب نہ رویا میں چشم کی دولت — دل کے ہاتھوں سے کب لہو نہ پیا
دغدغے[5] میں رہا وہی تا حشر — جن نے[6] یاں تجھ پہ جی فدا نہ کیا[7]
غرض اس طور عشق گذری عمر
پر شکایت سے لب کو وا نہ کیا

۳۷

آپ کو لے بلا میں جھونک دیا — دل نے یارو مرا کہا نہ کیا
یہی حسرت رہی کماں ابرو — ترے پیکاں نے خونِ دل نہ پیا

---

۱ ن ۸ تو پیروی ہر ایک کی مت کیجیو قبول۔ ۲ ن ۸ محفلِ عالم۔ ۳ ن ۸ جو۔
۴ یہ شعر ۸ میں درج ہے۔ ۵ ن ۸ دغدغہ۔ ۶ ن ۸ جس نے۔ ۷ ن ۳، ۴ ہوا۔ کیا درست ہے۔

زندگی نامِ وصل ہے دلدار ۔ ہجر میں جو جیا سو خاک جیا
یاں تلک اس کو ننگ ہے مجھ سے بھول کر بھی کبھو نہ نام لیا
تو گریباں کو دیکھ حیراں ہے
عشق کے دل کا چاک کن نے سیا

۳۸

دیکھیں کس کا ہو منہ کالا گرد مہ کے نکلا ہالہ
نعرۂ مرا[1] تو برق نہیں ہے سر سے جاوے بالا بالا
جھوٹی باتیں مت کہہ قاصد وہ تو ہے گا دیکھا بھالا
بات یہی اب سیکھے ہو تم ہر دم دینا ٹالا[2] بالا
آہ شتابی قاصد بن کے سوتا ہے ٹک جا کے جگالا
زاہد کا یہ پگڑی کرتا مکڑے کا سا ہے گا جالا
خدمت تیری ہم بھی کریں گے
عشق انشا اللہ تعالےٰ

۳۹

تو نے جو جو میاں قرار کیا دل نے سن سن کے اعتبار کیا
جب ترے آگے کچھ بھی بس نہ چلا جبر ہی ہم نے اختیار کیا
ایک کا ایک ہی رہا یا رو گو اسے سو کیا ھزار کیا
شکر اس کا بیاں کروں کیوں کر دل کا جو دل کو رازدار کیا
پھاڑ کر دل نے جامۂ ناموس ننگ سے اُن[3] نے ننگ و عار کیا

---

۱ ن میرا۔ ۲ ن ٹالا۔ ۳ ن اُس نے۔

گلرخاں کیا تمہارے ہاتھ آیا ہم کو جو مفت خوار و زار کیا
شام سے صبح صبح سے تا شام راہ پر بیٹھ انتظار کیا
جب نہ آیا وہ رشکِ ماہ و مہر اور دل نے بھی بے قرار کیا
زندگی کے خیال کو چھوڑا
موت کوں عشق ہم کنار کیا

۴۰

گیا تھا لینے کو قاصد جسے بلا لایا بلا نہ لایا اُسے جان پر بلا لایا
اسے ہے خوف میاں آتشِ جہنم کا جو کوئی داغ بتاں سے جگر بچا لایا
مسیح اس کو نہ کہتے تو کہتے اب کس کو عدم کے سوتوں کو ٹھوکر سے جو جگا لایا
شبیہہ عشق کی مانی نے کھینچی کیا سچ مچ کسو کے چہرہ کا یارو وہ رنگ اُڑا لایا
سلامتی ہی نری ہے گواہ اے قاصد نہیں گیا ہے وہاں بات ہے بنا لایا
نہ دل میں تاب نہ ہے ہاتھ پانوں میں قوت یہ اشتیاق ترا مجھ کو ہے اُٹھا لایا
برائے خاطرِ یاراں مراختے میں میاں
یہ چند شعر میں اب عشق کے لکھا لایا

۴۱

جس کو سنا سو اس کا گرفتار ہو گیا اس بات پر یہ دل بھی خریدار ہو گیا
رویا نہ تیرے خوف سے اور آہ بھی نہ کی گھٹ گھٹ کے دل ہی دل میں یہ بیمار ہو گیا
آگے تو اس طرح سے تو افسردہ دل نہ تھا کچھ ان دنوں ہی تجھ کو یہ آزار ہو گیا
وہ دل کہ بوعلی کو بتاتا تھا درسِ عقل ہاتھوں سے یارو اس کے وہ ناچار ہو گیا

---

۱ ت آیا ہاتھ۔ ۲ ت کو۔ ۳ ت کہئے تو کہئے۔ ۴ ت تو وہاں۔ ۵ ت نہ تھی۔ ۶ ت ہیں۔
۷ ت جس کا۔ ۸ ت بھی دل یہ۔ ۹ ک جو۔ ۱۰ ک شرحِ کتابِ عشق سے ناچار ہو گیا۔

خالق کی بارگاہ میں گو راہ ہو نہ ہو
پر[۱] عشق ربط خلق سے بیزار ہو گیا

۴۲

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیوں تو نے رو دیا
دل لے کیا تھا جمع سو آنکھوں نے کھو دیا

دل کو اگرچہ داغ دیا یا جگر کو زخم
میں لے بجاں قبول کیا اُن[۲] نے جو دیا

تھا خاندانِ چشم تو روشن جہاں کے بیچ
اے طفلِ اشک تو نے یہ گھر ہی ڈبو دیا

آگے میاں[۳] نصیب ہے سرسبز ہو نہ ہو
دل کی زمیں میں تخمِ محبت تو بو دیا

دل اور جان دینے میں تقصیر کچھ نہ کی
عشق ان نے[۴] جو طلب کیا ناچار سو دیا

۴۳

جس وقت صنم آنکھوں میں تو میرے در آیا
جو چشم سے منظور تھا مجھ کو نظر آیا

کیا جانئے کیا حال ہے اُس اہلِ وفا کا
جو اُس کو گیا دیکھنے سو چشم تر آیا

یہ بے خودیٔ عشق تو بے خیر نہیں ہے
کچھ اُس کو خبر پہنچی ہے جو بے خبر آیا

کیا صدمۂ بیداد ترے دل پہ ہے پہنچا
آنسو سے مل آنکھوں میں جو لختِ جگر آیا

گستاخ تو تم عشق کی خدمت میں ہوئے ہو
کھو دے گا حواس اپنے اگر لہر پر آیا

۴۴

شعلہ رونا گاہ رونے میں نمایاں ہو گیا
اشک جوں[۵] قندیل ہو روشن چراغاں ہو گیا

کب دماغ اس دل کو ہے جو سیرِ گلشن وہ کرے
داغ سے ان گل رخوں کے خود گلستاں ہو گیا

---

۱ ر، ۳ ن۲ دل نے کیا تھا جمع سو آنکھوں نے کھو دیا۔ ۲ ن ۸ اس نے۔ ۳ ن ۸ تو پھر۔
۴ ر، ن ۸ اس نے۔ ۵ ن ۸ چوں۔

میرے رونے کی حقیقت کو تو اے ناداں نہ پوچھ   جو گرا قطرہ اِن آنکھوں سے[1] سو طوفاں ہو گیا
یاد[2] اُس زلفِ پریشاں کی جو آئی اے صبا   جمع تھا جو غنچۂ دل سو پریشاں ہو گیا

عشق وہ حیرت زدہ ہے بات کیا تجھ سے کرے
آئینہ بھی روبرو ہو اُس کے حیراں ہو گیا

۴۵

کِس طرح سے نہ ہوں میں دیوانا   دل ہوا ہے پری سے ہم خانا
زندگی تجھ بغیر مشکل ہے   بن ترے کام کیا ہے مرجانا
کیوں نہ وحشت زدہ شراب سے ہوں   چشمِ ساقی مرا ہے پیمانا
گوش دل سے صنم تو اس کو سُن   واردِ تازہ ہے یہ افسانا

گرد دل کے نہیں بھٹکتی عقل
عشق کا جب سے یاں ہوا تھانا

۴۶

چین ہی اس دلِ بے تاب کا منظور نہ تھا   ورنہ آنا ترا مجھ پاس تو کچھ دور نہ تھا
کچھ نئی طرز ملاقات نکالی اب تو   ورنہ آگے ترے ملنے میں[3] یہ دستور نہ تھا
دیر و کعبہ میں سُنا گوش سے دل کے ہم نے   عشق کے ذکر سوا اور تو مذکور نہ تھا
دیکھ کر تیری جفا خلق ہے مجھ سے کہتی   جو کیا تو نے فرشتے[4] کا بھی مقدور نہ تھا

کاوشِ تیرِ مژہ کی ترے دولت ظالم
سینۂ عشق کم از خانۂ زنبور نہ تھا

۴۷

گو مری آہ نے اثر نہ کیا   پر خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا

---

۱ ک وہ۔ ۲ ک یاد جو۔ ۳ ک کا۔ ۴ ک فرشتہ۔

مژہ تیری نے کون سے دل میں — تیر کی طرح گھر میں گھر نہ کیا
زندگی نے مجھے بچا رکھا — اُن[1] نے تو یار[2] در گذر نہ کیا
ایک دن بھی خیال دلداری — نہ کیا آہ تو نے پر نہ کیا
مثلِ آئینہ دو بدو ہی رہے — کسو کے دل نے یہ جگر نہ کیا
قدر معلوم ہوتی یاروں کو — ایک نالہ بھی عشق سر نہ کیا
جان کر آوے اس طرف معلوم — بھول کر بھی کبھی گذر نہ کیا
وار کو تیرے دل کے مُنہ پہ لیا — سینہ کے داغ کو سپر نہ کیا

کون سی رات خون دل سے[3] عشق
دامن و آستیں کو تر نہ کیا

۴۸

آنکھیں دکھلانے کا بہانا تھا — برچھیاں اپنی آزمانا تھا
شور مجنوں کا تھا جہاں یارو — میری[4] تصویر کو دکھانا تھا
جو کچھ اب کرتے ہو سلوک میاں — روز اول سے ہم نے[5] جانا تھا
ضعف سے آہ واں سے[6] اُٹھ نہ سکی — ورنہ دل سے زباں تک آنا تھا
ہاتھ سے زلف کو صفا کرنا[7] — اور ہی وہ تو شاخسانا تھا
دل کی بیماری کا تو حال نہ پوچھ[8] — دیکھنا ہی ترا بہانا تھا

ذکر کرتے ہیں اُس کا خاص و عام
عشق تھا شخص یا فسانہ تھا

---

۱ لہ اس نے۔ ۲ لہ یارو۔ ۳ لہ نے۔ ۴ لہ تیری۔ ۵ لہ ہی میں نے۔
۶ لہ یارو آہ۔ ۷، ۸ یہ اشعار صرف ر۶ لہ میں درج ہیں۔

۴۹

وہ تصوّر میں کب نہیں آتا | ہم نہیں ہوتے جب نہیں آتا
آج آنکھوں میں دل بجائے اشک | کچھ تو ہے بے سبب نہیں آتا
تو جو ناحق ہمیں ستاتا ہے | دل ترے پر غضب نہیں آتا
دل ہے خانہ خراب بیت اللہ | اس کا تجھ کو ادب نہیں آتا
ہے طرحدار اور رنگیلا پر | دل کے لینے کا ڈھب نہیں آتا
آہ و زاری بغیر عشق میں کام | یہ حسب اور نسب نہیں آتا

عشق یادش بخیر اے یارو
آگے آتا تھا اب نہیں آتا

۵۰

نہیں سمجھتے ہو تم لطف منہ چھپانے کا | کہ اس چھپانے میں مضمون ہے دکھانے کا
خدنگ ناز ترا جس طرف کو رولا دے | لگا کے تیر کے پر دل اُڑے نشانے کا
نگاہ مست سے تیری ہوئی ہے مستی مست | پھرا ہے رنگ ترے دور میں زمانے کا
بھلا تمہیں کہو دل کیوں کے شاخ شاخ نہ ہو | نہ پہنچے ہاتھ مرا اور نہ پہنچے شانے کا
خیالِ دیر و حرم میرے سر سے دور گیا | بندھا ہے جب سے تصور اُس آستانے کا
برنگ اشک تری راہ میں ہوا ہوں مقیم | کہیں نہ جانے کا ہوں، کام کا، نہ آنے کا

سُنا ہے ہم نے وہ گھبرا کے آگ دے بیٹھا
کیا ہے عشق نے کیا فکر آشیانے کا

۵۱

بے خبر ٹک جاگ اُٹھ سوتا ہے کیا | دیکھ آنکھیں کھول کر ہوتا ہے کیا

ا ک نہ ہوتے ہیں۔ ۲ ک نکیلا ۔ ۳ ک اور۔ ۴ ک کیسے ۔ ۵ ک شانہ۔ ۶ ک آشیانے۔

تخم خواہش گلشنِ دل میں نہ پھینک ـــ حق میں اپنے کانٹے تو بوتا ہے کیا

دم کی فرصت ہے غنیمت دمبدم ـــ کیا کہیں ہم تجھ سے تو کھوتا ہے کیا

داغ دل کے دھو اگر مقدور ہو ـــ خوں کو دامن سے عبث دھوتا ہے کیا

نامرادی عشق میں مطلوب ہے
ہر گھڑی ہر بات پر روتا ہے کیا

۵۲

اے آہ تو نے اور بھی[1] شعلہ اٹھا دیا ـــ داغِ[2] جگر کو پھیر دیا سا جلا دیا

رکھتا ہے داغ دل کے خزینے[3] کو جمع کر ـــ اس کے سوا جو ہاتھ چڑھا سو اُڑا[4] دیا

مٹ[5] ہی گیا وہ اُٹھ نہ سکا مثلِ نقشِ پا ـــ کوچے میں تیرے جس کو فلک نے بٹھا دیا

تا زندگی نہ بھولیں گے ہم بلکہ بعد مرگ ـــ سو جیتے جی ہی تم نے ہمیں یوں بھلا دیا

دیکھ اضطراب میرے کو بولا خوشی سے وہ ـــ ان نے بھی مرتے مرتے تماشا دکھا دیا

بے قدر کس طرح سے نہ ہوں میرے قدرداں ـــ مانند اشک آنکھوں سے تم نے گرا دیا

مانند اشک اُٹھ نہ سکے گر کے آہ عشق
ایسا ہی خاک میں ہمیں تو نے ملا دیا

۵۳

حضور میں ترے[6] آئینہ باریاب ہوا ـــ دلِ[7] غریب خجالت سے آب آب ہوا

سوائے نالہ و فریاد خواب ہے کس کو ـــ خیالِ خواب ہمیں تو خیال (و) خواب ہوا

ہوئی ہے ہجر کی آتش بلند سینے میں[8] ـــ خبر لے چشم و گرنہ یہ دل کباب ہوا

سلام کہیو ہمارا تو جام و ساقی[9] سے ـــ کسو کے ہجر میں یاں خونِ دل شراب ہوا

---

۱ ث ہی۔ ۲ ک داغِ جگر کو شمع کی صورت جلا دیا۔ ۳ ط خوینہ۔ ۴ ب لٹا۔ ۵ ط بیٹھ۔
۶ ط ک ترے حضور میں۔ ۷ ط دلے۔ ۸ ک سے۔ ۹ ث جامِ ساقی۔

نہ ہو تو جلوۂ خورشید پر فلک مغرور — جو دل نے داغ نکالا سو آفتاب ہوا

حجاب میں ہی تو عالم[۱] کو صید کر ڈالا — غضب کرے گا وہ جس وقت بے حجاب ہوا

برنگِ عشق وہ بھولا ہے آپ کو[۲] ساقی

جو تیرے جامِ محبت سے[۳] کامیاب ہوا

۵۴

جفاؤں[۴] کا ترے عاشق نے کب حساب کیا — حساب جن نے کیا اُن نے بے حساب کیا

اُنھوں کا کیا گیا رو رو کے آپ تو چھوٹے[۵] — دلِ غریب کو لے مفت میں خراب کیا

ترے فراق کے صدمے سے نیم بسمل تھا — سنا ہے قتل کیا تو نے کیا ثواب کیا

نگاہِ گرم پہ تیری نثار عاشق ہے — ہر ایک داغ کو سینہ کے آفتاب کیا

نہ گرم جوش کبھو ہم سے تو ہوا ساقی — دل و جگر کو ترے واسطے کباب کیا

حجاب اُس کے لئے عالم کو پائمال کیا — اُسی نے کام کیا جن نے بے حجاب کیا

ہزار آفریں ہے عشق فہم کو تیری

جہاں کو چھوڑ دیا کس کو انتخاب کیا

۵۵

دنیا کو جب سے ہم نے خواب و خیال دیکھا — جس آئینہ میں دیکھا اپنا جمال دیکھا

باور کیا نہ جلنا ہرگز ہمارے دل کا — سینہ سے آخر اُس کو اُن نے نکال دیکھا

یہ بات کس سے کہئے اور کون اس کو سمجھے — روئے زمیں پہ چلتا ہم نے ہلال دیکھا

دل خانۂ خدا ہے تحقیق اس کو جا تو — جب دل میں ہم نے[۶] دیکھا اُس کا جمال دیکھا

بازارِ ناامیدی کیا گرم ان دنوں ہے — جس آرزو کو دیکھا پُر انفعال دیکھا

---

۱ ک ہی سے دو عالم، ک۵ میں تو وہ عالم۔ ۲ ک۲ ر۳ ک۴ ر۶ ک۵ کو۔ ۳ ک۵ میں۔
۴ یہ شعر ک۳ میں نہیں درج ہے۔ ۵ ک۵ چھوٹیں۔ ۶ ر۳ تم نے۔

جس[1] خوبرو کو دیکھا دل ہم کو چھوڑ بھاگا
ہر چند ہم نے اس کو سینہ میں پال دیکھا

مستی و ذوق تیری[2] صحبت پہ دال ہے دل
صد شکر ان دنوں میں تجھ کو بحال دیکھا

دنیا کی[3] سیر کرتے گذری ہے عمر ساری
پر عشق ہم نے تجھ سا یاں خال خال دیکھا

۵۶

کرتی ہے خون ہر گھڑی اس بے گناہ کا
دل نے لیا ہے کیا تری کافر نگاہ کا

کیوں[4] روکتا ہے راہ تو مستوں کی اے صنم
مانع نہیں ہوا ہے کوئی شاہراہ کا

میں خوش ہوں خاکساری کی رفعت سے اے خدا
ہرگز مزا نہ دیجو مجھے حبِ جاہ کا

دشمن ہے سر کی دیکھ تفکر کی چشم سے
مشتاق کیوں ہوا ہے تو زریں کلاہ کا

بیداد گر ہوئے ہیں پرا تنا نہیں سنا
پھوڑا[5] ہے سر کبھو کسو نے دادخواہ کا

عشرت کو چھوڑ ڈھونڈتے پھر دردِ[6] شور کو
پاتے اگر مزہ کبھو تم آہ آہ کا

دل کس طرح بچا دے کوئی جذبِ عشق سے
کچھ کہربا سے بس نہ چلے برگ و کاہ کا

۵۷

آنکھوں نے یارو شاید وہ آفتاب دیکھا
جو ان دنوں میں دل کا خانہ خراب دیکھا

فریاد و بے قراری بے وجہ[7] تو نہیں ہے
دل ہم سے سچ ہی کہہ دے کیا تونے خواب دیکھا

اس کی نگہ کی گرمی جس جس طرف پڑی ہے
سینہ میں جن نے[8] دیکھا دل کو کباب دیکھا

مضمون عشق بازی مجھ سے نہ پوچھ یارو
دل میں شرار دیکھا آنکھوں میں آب دیکھا

---

۱ یہ شعر صرف ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۸ میں ہے۔ ۲ ۸ تیرا۔ ۳ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۸ کو۔
۴ ۸ کیا۔ ۵ ۸ سر پھوڑتا ہے کوئی کسی دادخواہ کا۔ ۶ ۸ درد۔ ۷ ۸ بے خبر۔
۸ ۷ ۸ جس نے۔

چرچا غزل کا کل تھا شعرا کی انجمن میں
جو شعر عشق دیکھا سو انتخاب دیکھا

۵۸

تم نہ سمجھو دل ہے دیوانہ گل و گلزار[1] کا
مست ہے وہ عشق کے مانند بوئے یار کا

یہ مسیحا پاس لے جاوے کوئی جلدی خبر
حال کچھ اور ہی نظر آتا ہے اس بیمار کا

سیپیوں کے واسطے کھاتے ہو غوطے اب تلک
تم نہیں سمجھے ہو رتبا[2] چشم گوہر بار کا

عہد پر اپنے نہیں رہتا ہے وہ پیماں شکن
دمبدم سودا دو چنداں ہو نہ اس بازار کا

بو علی کہتا ہے دارو ہی[3] نہیں اس درد کی
کیا کرے کوئی بیاں پھر[4] عشق کے آزار کا

۵۹

پڑا رہتا اسی کوچے[5] میں یہ بیمار بہتر تھا
کہ ان سب راحتوں سے اس کو وہ آزار بہتر تھا

ادا کو دیکھ کر تیری دلِ بےتاب کہتا ہے
تجلی کو اگر ہوتا میاں تکرار، بہتر تھا

فغاں اے آہ تیرے ہاتھ سے رسوا کیا مجھ کو[6]
اگر دل میں چھپا رہتا تو یہ اسرار بہتر تھا

یکایک کیا ہوا اس کو ہزار افسوس لے یارو
گھڑی دو چار کی ہے بات یہ بیمار بہتر تھا

اُٹھا کر دُکھ دیا اس کو بقولِ عشق اے یارو
پڑا رہتا اسی کوچے میں یہ بیمار بہتر تھا

۶۰

سخنِ حق پُکار کر کہنا
ایک ہو[7] تو ہزار کر، کہنا

دل کی باتوں کو یوں نہیں کہتے
پہلے تو اس کو یار کر، کہنا

---

۱ ن گلزار - ۲ ن رتبہ، درست ہے - ۳ ن بھی - ۴ ن پر - ۵ ن پڑا رہتا ہی اس کوچے -
۶ ن رسوا ہوا ہوں میں - ۷ ن کو -

مجملاً تو نہ کہیو اے قاصد — داغ دل کے شمار کر، کہنا
حال کو میرے اُس سے تواے چشم — خونِ دل کو نثار کر، کہنا
دل ہمارے کا یہ نہیں ہے شعار — آخر الامر ہار کر، کہنا
رُوبرو دوبدو جو کچھ ہو، ہو — اُس سے آنکھیں دوچار کر، کہنا
عشق سے بے قرار کی باتیں
اس سے قول و قرار کر، کہنا

۶۱

تنہا نہ باغیاں ہی اُسے دیکھ کٹ گیا — غنچوں کی چھاتی پھٹ گئی اور گل سمٹ گیا
جل بل[۲] دھواں ہو آہ کی صورت[۱] بگڑ کے دل — مانندِ زلف تیرے گلے سے لپٹ گیا
تھا کس مزے میں غرق میں اپنے خیال کے — ناصح ترا بُرا ہو مرا دل ہی بٹ گیا
باتیں نہ سُن تو غیروں کی انصاف دل میں کر — پیارے ہمارے ملنے سے کیا تیرا گھٹ گیا
ہم کج روی کی تیری[۳] شکایت عبث کریں — تھا ایک دم رفیق سو وہ بھی الٹ گیا
بستی کے ڈوب جانے میں باقی رہا نہ تھا — دریائے اشک دیکھتے ہی بجھ کو گھٹ گیا
رکھتے تھے عشق داغ کی دل پر سپر مگر
تیرِ بلا جو اُس پہ لگا سو اُچٹ گیا

۶۲

قیامت کو کہتے ہیں پر دا نہ ہوگا — نہ ہوگا جسے آج فردا نہ ہوگا
جفاکار بے رحم عاشق کشی میں — جہاں میں کوئی اور ہوگا نہ ہوگا
جگر داغ، دل درد، آنکھوں میں لو ہو[۴] — اگر عشق یہ ہے تو کیا کیا نہ ہوگا

---

۱ ش میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۲ ش جلیں۔ ۳ ش تیرے۔ ۴ ش لہو۔

اگر زلف منہ پر کھلی ہی رہے گی — کہو مجھ کو کس طور سودا نہ ہوگا
جو آنکھیں دکھاوے گا[1] وہ دمبدم یہ — مرا سینہ تیروں کا تودا نہ ہوگا
کروں چشم کی کیا حقیقت بیاں میں — کوئی پاٹ دامن کا سوکھا نہ ہوگا
کہوں کیا ترے عشق کا شور سن سن
کوئی قبر میں بھی تو سوتا نہ ہوگا

۶۳

دلِ دیوانہ اگر قابل دیدار نہ تھا — ان شکستوں کے کبھی لائق تو مرے یار نہ تھا
زرد اُن[2] آنکھوں کے آگے نہیں نرگس یہ فقط[3] — کون[4] خوش چشم تری چشم کا بیمار نہ تھا
میں تو دیوانہ نہ تھا ڈھونڈتا جو جھاڑ پہاڑ — کون سی شے تھی جہاں شعلۂ دیدار نہ تھا
نسخۂ وحدت و کثرت کا تفاوت سمجھا — خوب دیکھا تو بجز پردۂ پندار نہ تھا
کس جفا کار کو دل تو نے دیا غور تو کر — اور دنیا میں مگر کوئی طرح دار نہ تھا
صاف شستی[5] کا بیاں اس کے کہاں تک کیجے — تیر ایسا کوئی تھا سینہ کے جو پار نہ تھا
عشق ہی ہم کو ستاتا ہے ہمارا یارو
ورنہ معشوق کبھی درپئے آزار نہ تھا

۶۴

جو کیا سو خیالِ خام پڑا — آہ دل کس سے تجھ کو کام پڑا
کسو[6] خوش چشم کی نظر لاگی — تو جو روتا ہے صبح و شام پڑا
کس کی دہلیز ہے بتا اے دل — دیکھتا ہوں تجھے مدام پڑا
دور سے سلطنت کے عبرت[7] کر — جم کہیں ہے کہیں ہے جام پڑا

---

۱ لہ ۵ دکھائے گا۔ ۲ ک لہ ۵ زرد زرد۔ ۳ ک ہے فقط۔ ۴ لہ ۵ کوئی۔ ۵ لہ ۵ کھینچ۔
۶ ک کسی۔ ۷ لہ لہ ۵ غیرت۔

عشق نے یاں تلک کیا رسوا
خاک چھانے ہے[1] ننگ و نام پڑا

۶۵

دل کس طرح سے ہووے خریدار کسو کا
رہتا ہے سدا اُس کو سرو کار کسو کا

نقصاں نہ مسیحائی میں آجائے میادا
مرتا ہے خبر لیجئے بیمار کسو کا

پتھر ہیں میاں جو نکہیں لگتے سُنا[2] ہے
ہونے کا نہیں یار مرا یار کسو کا

میں جور و جفاؤں کو کروں کیوں[3] کے نمایاں
پھرتا ہے مرے ساتھ خبردار کسو کا

اے عشق نہ کر سوچ یہ ہے[4] رسم جہاں کی
راحت کسو کی ہوتی ہے آزار کسو کا

۶۶

کس دل جلے کا کوچے میں تیرے غبار تھا
ہر ذرہ اُس کی خاک کا مثلِ شرار تھا

مدت ہوئی خبر نہ ملی دل غریب کی
مانند داغ سینہ میں با ہمکنار[5] تھا

واقف نہ جن دلوں تھے میاں[6] اپنے حسن سے
ہے یاد بندگی میں یہی خاکسار تھا

ناصح بھلا کسے رفو کرتا بتا مجھے
ہاتھوں سے عشق کے نہ گریباں نہ تار تھا

اے عشق کیا کیا اُسے تو نے بتا مجھے
دیکھا جو دل کو ہم نے تو وہ بے قرار تھا

دل دیکھتے ہی سینہ[7] سے اپنے نکل پڑا
بے اختیاری میں بھی ہمیں اختیار تھا

کھو بیٹھے اپنے ہاتھ سے[8] سمجھے نہ قدر عشق
گنتی میں گرچہ ایک ہی[9] تھا پر ہزار تھا

---

۱ لہ نہ۔ ۲ لہ لگتی سنی، لہ لگتے سنی۔ ۳ لہ لہ کیونکہ۔ ۴ لہ کا۔ ۵ لہ وہ ہمکنار۔
۶ لہ میں تھے تم۔ ۷ لہ سینے۔ ۸ لہ ہیں ان ہاتھوں سے۔ ۹ لہ بھی۔

۶۷

دیدۂ دل جو کر کے وا دیکھا | حرم و دیر میں خدا دیکھا
جس کو تعبیر کرتے ہیں عنقا | ہم نے سب میں ہلا مِلا دیکھا
خُوبرو ہیں جہاں میں بہتر[1] سے | پر تجھے سب سے میں جدا دیکھا
ہم نے تو ہجر کی مصیبت میں | درد چھٹ کوئی آشنا دیکھا
ہنس کے[2] کہنے لگا ملامت کر | عشق میں تو نے کیا مزا دیکھا
اس کی لذت کو دل سمجھتا ہے | اُس سے میں کیا کہوں کہ کیا دیکھا

دشت تجھ کو قسم ہے مجنوں کی
عشق سا بھی برہنہ پا دیکھا

۶۸

ہماری دوستی کا جب غلو تھا | ہمیں بھی بات کے کہنے کا رو تھا
کبھو یہ تھا کہ تھے یک جاں دو قالب | ترے قالب میں میں[3] اور میرے تو تھا
یہ کس بے رحم کی شمشیر تھی آہ | مثالِ موجِ دریا تن الو تھا
لیا شانے[4] کو آڑے ہاتھ تو نے[5] | کہ زلفوں میں بندھا یہ مو بمو تھا

وہ کیا معشوق ہوگا جس کے ہاتھوں
گریباں عشق کا دیکھا رفو تھا

۶۹

وہ شوخ ملتے ملتے یکایک مچل گیا | گھٹ گھٹ کے آپ ہی آپ[6] مرا دم نکل گیا
بیمار تیری چشم کا اچھا ابھی تو تھا | کچھ دیکھتے ہی دیکھتے آنکھیں بدل گیا

---

۱ ک ۸ خوبرو سب جہاں میں بہتر ہیں۔ ۲ ک ۸ کر۔ ۳ ر ۶ ک ۸ ہیں۔ ۴ ک ۸ شانہ۔
۵ ک ۸ دل نے۔ ۶ ک آپ ہی سے مرا دل۔

چھوڑ انتظار چشم تو رونے کا ساز کر — شاید کسو کے پاس وہ بیٹھا بہل گیا
شاخِ مژہ جو خشک ہوئی[1] اس کا غم نہیں — کیوں کر نہ روؤں اشک کو آنکھوں کا پھل گیا
نہیں[2] دل میں آرزو کہ بہار آوے اے فلک — یہ غنچہ پھولنے بھی نہ پایا کہ جل گیا
دل جل گیا اگرچہ ہمارا عجب نہیں[3] — اُس کی نگاہِ گرم سے پتھر پگھل گیا
انجم نہیں یہ آبلے[4] ہیں دیکھ غور کر — سینہ فلک کا آہ کی گرمی سے پھل گیا
دیکھا نہ آفتاب کبھی تیرے[5] رو برو — جب ہو گیا وہ سامنے سایہ سا ڈھل گیا

ہر آن عشق ہوتے تھے ہم آرزو شکار
دل کیا گیا بلاؤں سے[6] چھوٹے خلل گیا

۷۰

کس کو کیا ہے بزم سے چرخِ کہن جدا — انجم جدا ہی روتے ہیں اور انجمن جدا
شبنم نہ پوچھ دامنِ گل سے تو اشک کو — ہنسنا چمن جدا ہے اور اہلِ چمن جدا
ہے یہ غضب کہ یار جدا ہووے یار سے — غربت ہے سہل پر جو نہ ہوں ہم وطن جدا
کس کی نگاہِ گرم سے مقتول یہ ہوا — جلتی ہے لوتھ اس کی جدا اور کفن جدا

زخم جگر اٹھاتے ہیں خوباں کو چھیڑ[7] عشق
بانکوں کی بانک پن سے یہ ہے[8] بانک پن جدا

۷۱

عبث تو پوچھتا ہے شیشۂ دل کو کہاں ٹوٹا — کہوں کیا سنگ دل تجھ سے جہاں ٹوٹا تہاں[9] ٹوٹا
کیا تم نے نہ کچھ ہم نے شکستِ دل تھی قسمت میں — خدا جانے کہاں ٹوٹا نہ یاں ٹوٹا نہ واں ٹوٹا
یہ رشتہ عمر و الفت کا قیامت سخت نازک ہے — تکلف برطرف گنٹھتا[10] نہیں ہے یہ جہاں ٹوٹا

---

۱ ن ہوئیں ان۔ ۲ ن تھی۔ ۳ ک تو کیا عجب۔ ۴ ن آبلہ۔ ۵ ن ٹھہرے۔
۶ ک عذاب سے۔ ۷ ن خیر۔ ۸ ن ہے یہ۔ ۹ ن ک وہاں۔ ۱۰ ن گھٹنا، غلط ہے۔

کیا تھا تیرِ باراں اشک نے جس روز محفل پر   اُٹھاتے ہی اُٹھاتے شیشۂ دل مے کشاں ٹوٹا

نہ پوچھ اے عشق رونے کو کروں کیا خوب روؤں میں
جدا ہوتے ہی اُس کے سر پہ میرے آسماں ٹوٹا

۷۲

غم مرا تیرے دل نشیں نہ ہوا   شاد تجھ سے دلِ حزیں نہ ہوا
سعی خورشید نے[1] بہت سی کی   مہ ہوا گرچہ مہ جبیں نہ ہوا
جو جو کچھ تم نے ہم کو دکھلایا   یہ تماشا میاں کہیں نہ ہوا
اُس کے کیا کیا کہوں نشیب و فراز   آسماں ہی رہا زمیں نہ ہوا
خوں ہی بہتا رہا ان آنکھوں سے   پاٹ دامن کا آستیں نہ ہوا
ہو[2] کے آب و ہوا بہا ہی کیا   درد دل آہ دل نشیں نہ ہوا

دل بنایا ہے[3] درد و غم کو عشق
کچھ انوکھا غضب نہیں نہ ہوا

۷۳

جسے دیکھا سو تیرے ہو بہو تھا   غلط ہے بلکہ اس قالب میں تو تھا
جگر داری صفائے دل کی دیکھو   کہ اُس کافر سے کافر دو بدو تھا
جب آنکھیں موندیں[4] اس کو دل میں پایا   کھلیں جب آنکھیں تب وہ رو برو تھا
کبھو دل تھا سو یہ ملت تھی اُس کی   کہ کفر اسلام سے وہ ایک سو تھا
میاں[5] اس زندگی کو موت آوے   وہی تھی زندگی جب تک کہ تو تھا
ہمیں جو دیکھ کر چھپتے ہو اب تم   بھلا کہئے یہ آگے بھی کبھو تھا

---

۱ ک مہتاب نے۔ یہی مناسب ہے۔ ۲ یہ شعر ہ میں نہیں ہے۔ ۳ ک بنا تا۔
۴ ہ موندی۔ ۵ ک ہ غرض۔

ہمیشہ عشق کو بدمست[1] دیکھا
نہ شیشہ تھا نہ مے تھی نہ[2] سبو تھا

۷۴

نہ تنہا تجھے دیکھ یہ دل گیا — سراپا مرا خاک میں مل گیا
مگس رانی چاہی لب و خال کی — لگا کہنے چل دور ہو، ہل گیا
نہ پاؤ گے چوں شمع تم صبح تک — یہ گل گل[3] کے دیکھو گے تل تل گیا
تڑپنے کو اپنے بیاں کیا کروں — سراپا بدن ہے مرا چھل گیا

گرفتہ جو تھا مثلِ غنچہ یہ عشق
تجھے دیکھتے ہی یہ دل کھل گیا

۷۵

نہ پوچھو میاں مجھ سے دل، دل گیا — پری رویوں کے ساتھ مل مل گیا
سخن[4] ناشنو کو کوئی کیا کہے — میں کہتا تھا اُن سے نہ مل مل گیا
نہ ٹھہرا مرا اشک بھی ایک پل — یہ نورِ بصر آہ تل تل گیا
الم غم کی فوجیں ہوئیں جب نمود — کہا عشق نے دل کو پل پل گیا

فقط داغ سے دل ہی جلتا نہیں
گلا آہ سے عشق چھل چھل گیا

۷۶

۱ بہ تقریبِ[5] اگر گل پر سوا تیرے نظر کرنا — خجالت کھینچنا بیزار ہونا چشم تر کرنا
۲ پرائے گھر میں گھستے خوف سب کے دل[6] کو آتا ہے — یہ بے باکی تجھی سے ہو خدا کے گھر میں گھر کرنا

---

۱ ک سرشار۔ ۲ ن ہ بہ، غلط ہے۔ ۳ ن ہ کل کل، غالباً گل گل۔
۴ یہ شعر ک میں نہیں ہے۔ ۵ ن ہ بن فریبِ، غلط ہے۔ ۶ ن ہ دل میں۔

کہوں کیا عمر کٹنے کو عجب صورت سے کٹتی ہے — کبھو دامن کبھو چولی کبھو آنکھیں ہی تر کرنا
دوانگی تیری آنکھوں کی تصور میں جو آتی ہے — تو رو رو شام سے ظالم ان آنکھوں کو سحر کرنا

پھنسے دل عشق زلفوں میں خداوندی سے چارہ[1] ہے
کہاں میں اور کہاں تو اور کہاں یہ دردِ سر کرنا

۷۷

بلا سے شاد یا ناشاد رکھنا — بہر صورت ہمیں تو یاد رکھنا
بسا ہے دل میں آ وہ خانہ ویراں — خداوندا اسے آباد رکھنا
اسیروں کی خوشی منظور جو ہو — قفس کو باغ میں صیّاد رکھنا
یہ جورِ کہنہ[2] مت تو صرف کیجو — جفا کی نو بنو بنیاد رکھنا

گرفتارِ محبت عشق کیجو
بلاؤں[3] سے مجھے آزاد رکھنا

۷۸

زندگی دوبھر ہوئی بے قدر و رسوا ہوگیا — ایک تیرے دیکھنے میں[4] مجھ پہ کیا کیا ہوگیا
آنکھیں پاؤں تک نہ پہنچی تھیں کہ ہنس کر یہ کہا[5] — سر پھرا ہے اِن دنوں یا کچھ دوانا[6] ہوگیا
عیش و عشرت کیوں نہ ہو بیزار صحبت سے[7] مری — درد و غم کا دل مرا یارو ٹھکانا ہوگیا
ایک دن اُٹھ کے چلا مجلس سے ناخوش ہو کے وہ — موت کا یارو ہماری یہ بہانا ہوگیا

ایک عالم کی زباں پر یہ گذرتا ہے سخن
عشق کو پھر ان دنوں میں ہائے سودا ہوگیا

---

۱ ن ۸ خارہ ۔ ۲ ن ۸ گنہ ۔ ۳ ن ۸ بلاؤں ۔ ۴ ن ۸ بن ۔
۵ ن ۸ آنکھ پاؤں تک نہ پہنچی تھی ۔ ۶ ن ۸ دیوانہ ۔ ۷ ن ۸ کے ۔

۷۹

خدا نے راستی کا چرخ کو چلن نہ دیا — کہ گل کے پتوں سے بلبل کو بھی کفن نہ دیا

صبا نے رشک کے غصہ سے چاک چاک کیا — پر عندلیب کو غنچہ کا پیرہن نہ دیا

وہ خود پسند اُدھر دیکھتا بہر صورت — برنگ آئینہ افسوس دل نے تن نہ دیا

دو روزہ زیست پہ لائق ہے دل چُرا جانا — فلک سے لڑ چکے پر ہم نے بانکپن نہ دیا

جلا کیا ترے ڈر سے تمام شب لیکن — برنگ شمع زباں کو سرِ سخن نہ دیا

عبث تو سنگ تراشی میں عمر کھوتا ہے — کبھو بھی رخ تجھے شیریں نے کوہ کن نہ دیا

گلہ نہیں ہے فلک سے کچھ عشقِ شوکت کا
مگر یہی کہ چمن میں مجھے وطن نہ دیا

۸۰

از عدم تا وجود آ دیکھا — جس کو دیکھا سو بے وفا دیکھا

اپنی آنکھوں سے پوچھ اے خوش چشم — مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا

اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم — خاک میں آپ کو ملا دیکھا

آشنا تجھ سے ہو نہ ہو کوئی — پر تجھے سب سے آشنا دیکھا

کبھو غم سے جدا نہ پایا ہیں
عشق کو جا کے بارہا دیکھا

۸۱

وہ کافر ہو جسے منظور ہووے لطف مرہم کا — کہ یہ داغِ جگر ہے یادگار اس یارِ ہمدم کا

ترا یہ وعدۂ فردا تو دل کو روز فردا ہے — کہاں فرصت ہے اے ناداں بھروسا ہے کسی دم کا

نہ ہو کس طرح وہ اس ہستیٔ موہوم پر گریاں — کہ جوں خورشید روشن ہے وجود اب[1] یار و شبنم کا

---

۱ لہ ا اے۔

کفایت ہے بروزِ حشر مجھ کو شفقتِ حیدؑر　　کہ جس کے نام لینے سے بجھے شعلہ جہنم کا

لٹا دے سلطنت کا تخت جو تو عشق عاشق ہے
نہیں تو نے سُنا مذکور ابراہیم ادہم کا

۸۲

یاں تلک یار ہم نے پاس کیا　　مر گئے پر کچھ نہ التماس کیا
قدر دانی کو تیری کیا کہئے　　آپ سا ہم کو بھی قیاس کیا
پاس رہتا تو تیرے کام آتا　　دلِ محزوں کو کیوں اُداس کیا
اب ادب مجھ سے چاہتے ہو عبث　　پہلے ہی مجھ کو بے حواس کیا

عیب پوشی جو اُس میں[1] سمجھا وہ
فقر کا عشق نے لباس کیا

۸۳

عمر گذری نہ یہ ملال گیا　　نہ ملا تو نہ وہ خیال گیا
چمنِ عیش میں خزاں آئی　　فصلِ گل میں[2] وہ نونہال گیا
تیرے کوچے سے نقشِ پا کی طرح　　آہ افسوس پائمال گیا
غیر ایذا و غم نہ تھا حاصل　　دل گیا مت کہو، وبال گیا
سُن نے میں[3] سو طرح کا غوغا تھا　　تجھ کو دیکھا تو قیل و قال گیا
عمر گذری فراق میں روتے　　اُسے کیا روؤں یہ بھی سال گیا

عشق کو ہم نے بارہا دیکھا
ترے کوچے سے وہ نڈھال گیا

ا لہ ا اسی میں ۔ ۲ لہ ۳ فصلِ گل ہی میں ، لہ ۲ فصلِ گل میں ۔ ۳ لہ ۸ سینہ میں ۔

۸۴

ہماری بات سُن اُس شوخ کو اتنا جتا کہنا — کوئی معقول ہے ظالم بھلا سُن سُن بُرا کہنا
غرورِ حُسن سے ہر وقت وہ بدخلق رہتا ہے — نہ سنتا ہو جو بات اپنی بھلا پھر اس سے کیا کہنا
جو کچھ کہتا ہوں اُس کو جان لے تحقیق تو ناداں — روا کب ہو[1] کسو مذہب میں بندے کو خدا کہنا
تکلف برطرف یہ بات آخر ہم نے سمجھی ہے — غلط فہمی ہے دنیا میں کسو کو آشنا کہنا

جہاں میں قیس تو مشہور ہے صحرا نوردی میں
کہوں جو عشق مل جاوے ہماری بھی دعا کہنا

۸۵

شکایت کریں درد و غم سے نہ ہو گا — تری جان کیسوں یہ ہم سے نہ ہو گا[2]
غلط ہے کہ جیتا ہمیں چھوڑ دے تو — یقیں ہے کہ یہ تیرے[3] دم سے نہ ہو گا
بھگاوے ترے دامن و آستیں کو — یہ طوفان بھی[4] چشمِ نم سے نہ ہو گا
تسلّی تری بات سے ہو غلط ہے — یقیں دل کو تیری قسم سے نہ ہو گا
جو کچھ تیری آنکھوں سے ہو گا پیالے — قسم ہے تری جامِ جم سے نہ ہو گا
خدا ہی کو موجود جو جانتا ہے — وہ خوش اس وجود و عدم سے نہ ہو گا

بہر کیف یہ عشق ہے بے نیاز اب
وہ راضی میاں بیش و کم سے نہ ہو گا

۸۶

راہ تکتا میں تیری یار رہا — تالبِ گور انتظار رہا
جوں صبا جان تو ہوا ہو گئی — ترے کوچے میں یہ غبار رہا

---

۱ ٣ ٤ ٦ ۸ ہے۔ ۲ ٦ جاں کسو یہ تو۔ ۳ ۸ ہر گز یہ۔ ۴ ٦ ۸ ہے۔

گھسی[1] ناصح کی[2] سوزنِ تدبیر — پر گریباں یہ تار تار رہا
بھاگے سب دیکھ کے[3] غبارِ خط — بندگی میں یہ خاکسار رہا

وقت پر کام کوئی آیا یار
عشق کس کس کو میں پکار رہا[4]

۸۷

ابھی لڑکا ہے ہوش جب ہوگا — کیا غضب ہوگا کیا غضب ہوگا
دم تو آخر ہوا خدا جانے — اس کے ملنے کا کب سبب ہوگا
اُس کے کوچے میں اب تو جاتا ہوں — کل جو ہونا تھا یارو اب ہوگا
زندگی اُس کی خوب گذرے گی[5] — یار اپنے سے جس کو ڈھب ہوگا
لب پر[6] اتنا کبھو نہیں لاتا — منتظر کوئی جاں بلب ہوگا
میں نہ اُس سے جُدا نہ وہ مجھ سے — میں جہاں[7] ہوں گا میرا رب ہوگا

عشق کی بات سُن ذرا[8] دل سے
جو کے[9] تو چاہتا ہے سب ہوگا

۸۸

نیش مژہ نے تیرے کس کس کا[10] جان مارا — دل کو پکا ہی ڈالا عالم[11] کو چھان مارا
ترکش کمان لے کر سنمکھ[12] ہوئیں جو آنکھیں — دل ایک بھی نہ چھوڑا سب کو نِدان مارا
پانوں[13] سمیت ارجن[14] چکر ہی کھانے لاگا[15] — اُس خوش نظر[16] نے سنمکھ جب ہو کے بان مارا
خسرو کا سر نہ چیرا شیریں کا دل نہ توڑا — تیشہ کو کوہکن نے گو تان تان مارا

---

۱ ل٦ کسی، ل۵ گھسے۔ ۲ ل۵ کے۔ ۳ ل۵ کر۔ ۴ ل۵ آیا۔ ۵ ل٢ گذرے ہے۔ ۶ ل۵ پہ۔
۷ ل٢ ل٦ جہاں میں۔ ۸ ل٢ ذرا سن۔ ۹ ل۵ کہ۔ ۱۰ ل٢ ل۵ کو۔ ۱۱ ل٣ ل۴ ل٦ ل۵ سینہ۔
۱۲ ل۵ سکہ۔ ۱۳ ل۵ پاؤں۔ ۱۴ ل۵ ارض۔ ۱۵ ل۵ لگا۔ ۱۶ ل٢ ل۵ نگہہ۔

تنہا نہ میں ہی زخمی اے عشق اب ہوا ہوں
یوں ہی تغافلوں سے اُن نے جہان مارا

۸۹

خیر خواہوں میں مجھے اپنے وہ اتنا سمجھا
اس سوا جن نے کہا اس کو وہ بیجا سمجھا

درد کو دل کے جو تو سمجھے تو ہوا اس کی دوا[2]
گو[1] مسیحا بھی جو اس درد کو سمجھا سمجھا

فرق اتنا ہوا تفتیش نظر سے معلوم
بلبلا آپ کو اور بحر کو میں دریا سمجھا

مرے سودے کو نہ سمجھا کوئی دانا یا رو
کوئی آفت زدہ مجھ کو کوئی سودا سمجھا

دل نے کیا کام کیا عشق بقولِ فرحت
ملک الموت کو جو اپنا مسیحا سمجھا

۹۰

یہ زمانے کا رنگ آگے تھا
اب جو ہے فخر ننگ آگے تھا

آئینہ نے کیا خراب تجھے
خود نمائی کا ڈھنگ آگے تھا

پھر وہی ڈھنگ اب لگے کرنے
انہیں باتوں پہ جنگ آگے تھا

چاہ[3] کی بات کچھ نہ پوچھو تم
سر مرا اور سنگ آگے تھا

صاف ہوں اِن دنوں میں تجھ سے عشق
دلِ بے دل بہ تنگ آگے تھا

۹۱

الغرض وہ جواں ہوا پیدا
دل میں جو تھا نہاں ہوا پیدا

داغ دل سے مرے بنا خورشید
آہ سے آسماں ہوا پیدا

---

۱ ل۲ میں یہ مصرع دوسرے شعر کے ساتھ بھی درج ہے۔ ۲ ل۲ تو ہوا سمجھے تو ہو اس کی دوا۔
۳ ل۸ میں یہ شعر نہیں ہے۔

دل گم گشتہ کو نہ ڈھونڈ عبث — جو گیا پھر کہاں ہوا پیدا
گرم بازار دیکھ یاروں کا — یار کو امتحاں ہوا پیدا
دل کو میں چشم و زلف میں ڈھونڈا — نہ میاں یاں نہ واں ہوا پیدا
واں کا عالم نہ پوچھ تو مجھ سے — یار میرا جہاں ہوا پیدا
دیکھ کر عشق کو کہا دل نے
بے نشاں کا نشاں ہوا پیدا

۹۲

داغ دے دل کو میرے تو بھولا — آکے ٹک دیکھ ہے یہ گل پھولا
غیر کو کس طرح سے دیجئے دل — دل تو ہے دل کے دل کا مشغولا
مشک اور زعفراں سے کام نہیں — اے صبا زلف کی ذرا بو لا
پگڑی کے بیچ میں چھپاؤ مت — دلِ وحشی کو زلف ہے جھولا
زشت کو آئینہ یہ کہتا ہے — زینہار اس طرف کو مت رولا
دل کی آتش بلند ہوتی ہے — تو بھی اے چشم جلد آنسو لا
عشق مت کر بنائے طاق و رواق
بس ہے عاشق کو گھاس کا پولا

۹۳

نہ کر تو ہم سے عبث قول اور قرار نیا — وہی ہیں ہم ترے گو ہووے تو ہزار نیا
نہ ہووے کیوں کے کہو پرزے پرزے غنچۂ دل — نگاہِ تیغ کا پل پل ہے اُس پہ وار نیا
عجب عجب ہی طرح پڑتی ہے وہ گرم نگاہ — نہ نکلے دل سے کہو کس طرح شرار نیا
بہار وحشت و سودا کرے نہ کیوں کر گل — قدیم دوست مرا بن گیا ہے یار نیا

شگفتگی پہ نہ کس طرح آوے شورشِ عشق
کھُبا ہے بے طرح آنکھوں میں طرحدار نیا

۹۴

گو کہ عالم ہزار چاہے گا
ملے گا جس سے یار چاہے گا

وہ غلط گو ہے جن نے تجھ سے کہا
تیرا عاشق قرار چاہے گا

چھوڑ کر زلف و رُخ کو دل میرا
تجھ کو لیل و نہار چاہے گا

کچھ خدا سے اگر وہ چاہے گا
تجھی کو خاکسار چاہے گا

یہ یقیں جان تجھ کو چھُٹ میرے
جب تلک ہے بہار چاہے گا

جی رہے[1] اس میں یا مسافر ہو
دل تجھے ایک بار چاہے گا

یہ گماں ہی غلط ہے تیرا عشقؔ
تجھے وہ بدشعار چاہے گا

۹۵

تم سا ہی کوئی تم کو کہیں کیا نظر آیا
جو ان دنوں آنکھوں میں یہ لختِ جگر آیا

آنکھوں میں اُترتا ہے لہو دیکھ کے تجھ کو
کیا ہو گیا جو ناز سے تو بے خبر آیا

ہم سے کبھی تو کچھ ہمدمی اُس کی تو بیاں کر
یا تیری طرح وہ بھی ہے اپنا نہ پرایا

کس خانہ برانداز سے اُلجھا ہے ترا دل
یک بارگی گھر بار سے جو تو بدر آیا

رُخسار پہ یوں اشک ہیں جوں گل پہ ہو شبنم
خالی تہیں سچ کہئے یہ دل کیوں کے بھر آیا

عاشق سبھی ہم راز ہیں آپس میں چھپا مت
کیا آنکھوں نے دیکھا جو یہ دل دھوم پر آیا

کہنے لگا ہیں عاشق و معشوق تو واحد
عشقؔ اس شجرِ عشق میں اب یہ ثمر آیا

---

[1] ۱ لہ رہو۔

۹۶

ننگ عریانی نہیں رکھتا ہے پیراہن مرا
ہے برنگِ نورِ اختر جامہ جزوِ تن مرا

جوں خیالاتِ پریشاں ہرزہ گردی ہے نصیب
کیا بتاؤں ہے کہاں تو غور کر مسکن مرا

جب سے ہم مخلوق ہیں آہ و فغاں ہمراہ ہے
آگ سے کہہ برق پروردہ ہے یہ خرمن مرا

گرم آنسو سے بنیں آنکھیں مری حوضِ طلسم
سینہ شمعِ عشق سے روشن ہے جوں گلخن مرا

شعر ببرے[1] کو نہیں لازم قیاسات و دلیل
بلکہ ہے اظہر من الشمس اب سخن روشن مرا

خاکساری میں ہے رفعت سرکشی ہے نا قبول
فہم کرتا ہے نہیں اب تک دلِ کودن مرا

خاک سے آلودہ کیوں کر ہو یہ کچھ فرشی نہیں
بادبانِ عرش ہے اے عشق یہ دامن مرا

۹۷

شیخ کیا جانے شرابِ ارغوانی کا مزا
آہ مستسقی سے پوچھو سرد پانی کا مزا

جوں[2] شرابِ کہنہ کیفیت میں ہو وے نو بہ نو
میں کہن سالی میں پاتا ہوں جوانی کا مزا

جس کی آنکھوں میں کھٹکتا ہو وے[3] کچھ کیا جانے وہ
خواب آلودہ سمجھتا ہے کہانی کا مزا

ہجر میں پیر و جواں دونوں ہیں[4] خوار و خستہ تن
وصل میں معشوق کے ہے زندگانی کا مزا

جان پر اب آبنی ہے عشق تیری دیکھ لے
یار جانی کا مزا ہاں یار جانی کا مزا

۹۸

عشق کے نام سوا نام نہیں رہنے کا
جو رہا صبح تو پھر شام نہیں رہنے کا

وصل ہے لازمۂ عشق نہ گھبرا اتنا
آج کل بوسہ بہ پیغام نہیں رہنے کا

---

۱ ش کو میرے۔ ۲ ک اے شرابِ کہنہ تجھ میں کیفیت ہے نو بہ نو۔ ۳ ش ک ہووے۔
۴ س ک ش ہی خوار و خستہ ہیں۔

پردۂ دوستی میں دشمنی جو صرف کریں — ایسی صحبت میں میاں کام نہیں رہنے کا
بات کو میری یقیں جان خدا شاہد ہے — تیرے بن مجھ کو تو آرام نہیں رہنے کا
عشقؔ جمشید کو ہر وقت یہی کہتا ہے
نام رہ جائے گا اور جام نہیں رہنے کا

۹۹

کیا کروں تجھ سے بیاں پیغام آخر ہو چکا — کام جب حاصل ہوا تب کام آخر ہو چکا
میکدہ میں تیرے ہوں میں کس طرح سے میہماں — دَور تو چلتا رہا اور جام آخر ہو چکا
تیرے کوچے سے نکل جاؤں یہ ممکن ہی نہیں — نام آخر ہو چکا بدنام آخر ہو چکا
خط غلامی کا جو لکھنے تھے نکل گئے سربسر — اُس ترے آغاز کا انجام آخر ہو چکا
بُت پرستی چھوڑ کر اللہ کو تو یاد کر
عشقؔ شور و مستی کا ہنگام آخر ہو چکا

۱۰۰

شور سے تیرے لبوں کے مجھے یہ سود ہوا — رشک سے زخمِ جگر بھر کے نمک سود ہوا
شادی و غم یہ زمانے کی خوشی کیوں کے[2] کروں — کل جو موجود ہوا آج وہ نابود ہوا
فایدہ بکنے سے ناصح کہ مرا دردِ دل — کم تو کچھ بھی نہ ہوا بلکہ وہ افزود ہوا
نالۂ درد[3] سوا اور کچھ آہنگ نہیں — دلِ نالاں نہ ہوا آہ مرا عود ہوا
مجھ کو مرنے سے خوشی عشقؔ بتا کیوں کے[4] نہ ہو
میرا مرنا ہی مرے یار کو مقصود ہوا

۱۰۱

رکھتا ہے گرفتہ داغ دل کا — میں اور کہاں فراغ دل کا

---

۱ ف سمجھ ۔ ۲ ف کیونکر۔ ۳ ف ۲ ف نالہ و درد ۔ ۴ ف بھلا کیوں کر۔

کافر ہو دوا جو اس کی چاہے　　جلتا ہی رہے چراغ دل کا
تو نے نہ کی سیر اس کی افسوس　　پھولا ہے پھلا ہے باغ دل کا
جوں قطرۂ اشک گر پڑا دل　　پوچھیں کس سے سراغ دل کا
کجدار و مریز عشق کب تک
لبریز ہوا ایاغ دل کا

۱۰۲

جان جانے کا ڈر نہیں رکھتا　　سر بے دردِ سر نہیں رکھتا
میری آنکھوں سے وہ جدا تو نہیں　　گر وہ مجھ پر نظر نہیں رکھتا
جستجو میں مری نہ حیراں ہو　　مثل عنقا میں گھر نہیں رکھتا
کون ہوں میں کہاں ہوں کیسا ہوں　　اتنی بھی میں خبر نہیں رکھتا
عشق کا اس کے شور ہو کیوں کر　　آہ جو کارگر نہیں رکھتا
جور پر اس کے کیوں کے روؤں میں[2]　　بے جگر ہوں جگر نہیں رکھتا
تجھ کو رکھتا ہے عشق نامِ خدا
مال و دولت اگر نہیں رکھتا

۱۰۳

اتنا مری مزار پہ ہے جوشِ نقش پا　　جو خاک ہو گیا ہے تن و توشِ نقش پا
اتنا سبک زمیں پہ قدم اپنے کو تو رکھ　　تا بوجھ سے نہ ہووے گراں دوشِ نقش پا
گیرو کی سرزمیں نہ گلِ ارمنی یہ ہے　　خونِ جگر ہوا ہے ہم آغوشِ نقش پا
[3]افتادگی فروتنی اپنی نہ بھولیو　　ہر دم صبا اٹھاتی ہے آگوشِ نقش پا

---

۱ ک　کچھ یاد بھی ہے کہاں ہوا گم ∴ کس سے پوچھیں سراغ دل کا ۔　۲ ک ۵ کیوں کر ۔
۳ ک ۵　میں یہ شعر نہیں ہے ۔

ٹھوکر سے تیری گل کرے مانند گل زمیں — تبدیل ہووے خواب فراموشِ نقش پا
بے قدرتی میں سر پہ اٹھایا ہے خلق کو — آوے پسند کیوں نہ مجھے ہوشِ نقش پا
پامال تیرے کوچے میں ایسے ہوئے ہیں عشق
چشمِ نزار ہو گئی پاپوشِ نقش پا

۱۰۴

ایذائیں بہت کھینچی ہوئی خوار تمنا — پھرتی ہے مرے نام سے بیزار تمنا
سب آرزوئیں جل ہی گئیں دیکھ کے تجھ کو — اس غم سے لگی مرنے ہی ناچار تمنا
جو آپ سے گم ہو گئے پھر چاہیں وہ کس کو — منہ اُن کی طرف کیجو نہ زنہار تمنا
کب دیکھتا ہوں اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر — گو پانو[2] پڑے آن کے سو بار تمنا
وہ دل نہیں ہے عشق کا جو دخل ہو تجھ کو
مت کھینچیو[3] بے فایدہ آزار تمنا

۱۰۵

از بسکہ مرے دل کو ہے انکارِ تمنا — آنکھوں میں مری خار ہے گلزارِ تمنا
اس درد کی جز وصل دوا ہی نہیں ظالم — بچتا نہیں ہے جان لے بیمارِ تمنا
مرغوب خلائق نہ تمنا ہو جہاں میں — جو تو نہ سنے جہر سے اظہارِ تمنا
مانند دمِ بازپسیں ہوں میں سُبک بار — پھر کیوں[4] کے اُٹھاؤں کہو تم بارِ تمنا
اے عشق گرفتار ہوں میں وضع کا اپنی[5]
مرغوب نہیں آنکھوں میں رخسارِ تمنا

۱۰۶

بے شعوری شعور ہے میرا — خاکساری غرور ہے میرا

---

۱ ن میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۲ ل ن پاؤں۔ ۳ ل ن کھینچو۔ ۴ ل کیونکر۔ ۵ ل اپنے۔

مجھ سے کیا پوچھتا ہے عشرت کو | غم ہی[1] کھانا سرور ہے میرا
اُس کے شکوے بیاں کروں کیوں کر | سب طرح سے قصور ہے میرا
ہوں گنہگار شیخ کے نزدیک | حق ہی[2] میرا غفور ہے میرا
مے نہ آنکھوں سے کس طرح ٹپکے | شیشۂ دل تو چور ہے میرا
کوئی دل ہے کہ جس میں عشق نہ ہو | ہر مکاں میں ظہور ہے میرا

خانۂ دل میں عاشقوں کے عشق
مثلِ خورشید نور ہے میرا

۱۰۷

ہلانے سے زنجیر کے کیا ہوا | قیامت مچی فتنہ برپا ہوا
مرا دیکھ احوالِ دیوانگی | لگا کہنے کیا پھیر سودا ہوا
تبسم کی تیرے ہوا کیا لگی | جو غنچہ بھی تصویر کا وا ہوا
مرا شعر[3] سُن کر کہا خلق نے | دوبارہ یہ مجنون پیدا ہوا
نہیں زلف، شانہ کرے جس کو صاف | سُلجھتا نہیں دل بھی اُلجھا ہوا
وہ اظہر من الشمس ہے کیا کہوں | میں اپنا ہی اب آپ پردا ہوا

لگا کہنے بس عشق ہشیار ہو
ترے واسطے میں بھی رسوا ہوا

۱۰۸

سحر کو جن نے عروج اپنے کا خیال کیا | فلک نے شام کو جوں شمس[4] پائمال کیا
جمالِ یار سے دُھن ہمسری کی تھی گل کو | طمانچے مار صبا نے منہ اس کا لال کیا

۱۔ شمع۔ ۲۔ شور۔ ۳۔ ہے۔ ۴۔ ہے۔

تپِ فراق کی گرمی نے دن یہ دکھلایا کہ جیتے جی مجھے کچھ اور احتمال کیا
جلایا سر کو گلایا بدن کو ہنس ہنس کر برنگ شمع کیا جو[1] جو بے ملال کیا
قدم کو سر پہ جو اس گل نے ناز سے رکھا
نہ پائمال کیا عشق کو، نہال کیا

۱۰۹

جلایا نہ تجھ کو ترحم کیا سخن سُن یہ دل[2] نے تبسم کیا
نظر سے مری چشم کی جب چھپا ان آنسو نے طوفاں طلاطم[3] کیا
گذرتی ہے انگاروں پر لوٹتے نہ فرش ہم نے سنجاب و قاقم کیا
ہوا میں تری سر اُٹھا جوں حباب چھپا آپ میں آپ کو گُم کیا
شبِ ہجر میں عشق بے چارہ نے
جسے دیکھا تجھ کو تو ہم کیا

۱۱۰

غنچہ کو میرے دل کے نہ پوچھ آہ کیا ہوا یاں کی ہوا بھی[4] کھانے نہ پایا ہوا ہوا
جینا وہ ہے حساب میں جس میں وصال ہو اُس زندگی میں[5] خاک جو تجھ سے جدا ہوا
جو کچھ نہ ہونا تھا سو یکایک وہ ہوگیا[6] مت پوچھ اس کے آگے بھلا یا بُرا ہوا
سمجھا تھا جس کو اہلِ وفا بے وفا ہی تھا اس زندگی میں سیکڑوں سے آشنا ہوا
دو دِن کی زندگی تھی بہر شکل کٹ گئی
پھیرا جو تم نے عشق سے منہ کیا بھلا ہوا

---

۱ ک: جوں جوں۔ ۲ ک ۳ ک: گل۔ ۳ ک: تلاطم، درست ہے۔ ۴ ک: ہی۔ ۵ ک: پہ۔
۶ ک: ہونا نہ تھا جو کچھ۔

۱۱۱

حشر تک شیون مرا شیخ و برہمن میں رہا
الغرض یہ قصۂ غم دوست دشمن میں رہا

تھے ازل سے بندگی میں تیری مثلِ فاختہ
مر گئے تس پر نہ نکلا طوق گردن میں رہا

کیا کرے فیضِ بہاری جس کی قسمت میں نہ ہو
سیکڑوں برسوں تلک گو خار گلشن میں رہا

کس طرح بیداد گر نے ٹکڑے ٹکڑے تھا کیا
عضو عضو اس کشتۂ حسرت کا شیون میں رہا

مرتے مرتے تک ہماری داد گو تو نے نہ دی
خاک کے مانند پر یہ ہاتھ دامن میں رہا

جان و دل باہم گرفتارِ محبت تیرے تھے
دل تو گلشن میں رہا اور جان گلخن میں رہا

دولتِ دنیا گئی جو عشق کی پیزار سے
جان کی مانند دردِ عشق تن من میں رہا

۱۱۲

جینے مرنے کا مزا پاتے تھے جس سے سو گیا
ہائے کیا سمجھے تھے کیا منظور تھا کیا ہو گیا

سیرِ گلشن کو جہاں کے پوچھتا ہے مجھ سے کیا
مثلِ گل یا ہنس گیا یا مثلِ شبنم رو گیا

کھیل ایسے سے پڑا تھا کیوں کے میں ششدر نہ ہوں
بازی آخر تھی پر اپنے داؤ کو وہ رو گیا

کس طرح اس کو جگاؤں ہے محبت سے بعید
دو ہی پیالے پی کے وہ میخوار اب تو سو گیا

برق خرمن پر پڑی مت پوچھ آگے عشق آہ
دیکھتے ہی دیکھتے کیا کچھ سے کیا کچھ ہو گیا

۱۱۳

جفا کا جہاں گرم بازار ہو گا
یہ جامہ تجھی پر سزاوار ہو گا

سلامت رہیں یہ جفائیں وفائیں
میں اُس سے نہ وہ مجھ سے بیزار ہو گا

بندھی مٹھی کب تک یہ غنچہ رہے گا
زرِ گل کی چوری کا اظہار ہو گا

---

۱ ل ۲ ن ۸ دولت و دنیا۔ ۲ ن ۸ کے۔ ۳ ن ۸ داؤ۔ ۴ ن ۸ پی کر۔ ۵ ن ۸ کیا کچھ۔

غلامی میں جس کی[1] مروت ادا ہو | کوئی اور ایسا طرحدار ہوگا
جہاں بے گناہوں کا[2] عرضہ کریں گے | تو پہلے یہ بندا گنہگار ہوگا
وہ دُنیا کے جھگڑے سے آزاد ہوگا | تری زلف میں جو گرفتار ہوگا
فلک دیکھیو حالِ خورشید کو تو | یہ داغِ جگر جب نمودار ہوگا
غلط ہے جفاؤں پہ تیری پیارے | سوا میرے کوئی خریدار ہوگا
خدا دِن دکھاوے گا ایسا کبھو بھی
تجھے عشق سے جو سروکار ہوگا

۱۱۴

بسکہ دل، ہجر کی آتش سے جو بریان ہوا | کثرتِ داغ سے ہیں رشک چراغان ہوا
بندگی اپنی کو مت بھول اگر عاقل[3] ہے | شکر کر مظہرِ کل حضرتِ انسان ہوا
ہم سے کیا پوچھنے ہو رونقِ آبادیٔ دل | وہ مکاں ہُوکا ہوا، جل گیا، ویران ہوا
منہ چھپانے کا سبب دال نہ ہو مضموں پر | جان کے بُوجھ کے پہچان کے انجان ہوا
تربتِ احمدِ یحییٰ پہ جو پہنچا دل سے | کفر تو چھوٹ گیا صاحبِ ایمان ہوا
میں بھی آیا ہوں اس اُمید پہ شاہا یاں تک | کید سے نفس کے از بسکہ پریشان ہوا
رحم کی ایک نظر کر، کہ وہ ہو زادِ سفر | یہ فرومایہ بہت بے سروسامان ہوا
اشک کے طور گرا چشم سے دل بے خود ہو | جس نے دیکھا ترے ابرو کو وہ قربان ہوا
وہ سلامت رہا دسواس کے سیلاب سے عشق
دردِ دل[4] اپنے پہ جو شخص نگہبان ہوا

۱۱۵

نے[5] فکر معیشت تھی نے فکر بدن کا تھا | تا جان ہمیں پاس رہا پاس اپنے سخن کا تھا

---

۱ ن۸ کے۔ ۲ ن۶ کو۔ ۳ ن۳ ن۸ غافل۔ ۴ ن۸ دردِ دل، درست ہے۔ ۵ ن۳ ن۷ نہ۔

اس غنچۂ خاطر کو کل سیرِ چمن کا تھا
کلیوں میں سخن تیری تنگیٔ دہن کا تھا

یہ قافلہ آنسو کا جاتا ہے لئے ورنہ
چلنے کی نہ تھی طاقت مشتاق وطن کا تھا

گمراہی و بدگوئی آنسو پہ نہیں ثابت
ناحق کسو نے مارا لڑکا وہ چلن کا تھا

گل کیوں نہ کرے نرگس اب عشق کی تربت سے
نالِ نظرِ خوباں باف اس کے کفن کا تھا

۱۱۶

تمہاری آنکھوں کی گردش سے جن نے جام لیا
غرض کہ دونوں جہاں کا اُسی نے[1] کام لیا

دھواں ہو جل کے جو آنکھوں سے وہ ٹپکتا ہے
دلِ غریب کے آگے کسی نے نام لیا

اُمنڈ کے آتی تھی[2] یہ فوجِ اشک قطرہ زناں
مژہ کے دستوں نے پر مہرہ اُس کا تھام لیا

نگاہِ چشم نے گستاخ اُس پہ کی تھی[3] نظر
دلِ ستم زدہ سے اُس کا انتقام لیا

بجا ہے اپنے نصیبوں پہ عشق نازاں ہوں
کہ اُس نے[4] لطف سے ہنس ہنس مرا سلام لیا

۱۱۷

اُس شوخ بے وفا نے عجائب ستم کیا
تھا خانۂ خدا اُسے بیت الصنم کیا

دیوانگی کو اپنی[5] بیاں تجھ سے کیا کروں
وحشت نے میری سایۂ آہو سے رم کیا

عاشق نے تیری سختی سے رو رو کے جی دیا
افسوس اس پہ تو نے نہ رنجہ قدم کیا

دیکھا جو زندگی میں ملاقات ہے بعید
ناچار اپنی ہستی کو ہم نے عدم کیا

فیضانِ میکدہ کو کوئی تجھ سے کیا کہے
جو کھوپڑی اُٹھا لی اُسے جامِ جم کیا

پروانے سیکڑوں ہی تصدق ہو جل بجھے
پر سرکشی سے شمع نے سر کو نہ خم کیا

---

۱ ؎ اس نے - ۲ ؎ آئی تھی - ۳ ؎ ۲؎ کینچتی کبھی - ۴ ؎ ان نے - ۵ ؎ اپنے -

تقدیر پر تصرف تدبیر تھا غلط — نقصان و سودِ دہر پہ[1] شادی نہ[2] غم کیا
شاباش تیری دوستی کو اے دلِ غریب — اس دخمۂ فلک پہ وفا کو[3] رقم کیا
رسمِ وفا کو دیکھ خلائق کی ہم نے عشقؔ
قابل نہ پایا آپ کو ملنا ہی کم کیا

۱۱۸

جانتے رہیں اگر ہم، تجھ پاس کیا رہے گا — بتلاؤں کیا رہے گا، میرا خدا رہے گا
شیریں لبوں سے تیرے دشنام جو سنی[4] ہیں — تا حشر اپنے دل میں اُن کا مزا رہے گا
دو دن کی زندگی کو جوں گل کے[5] کاٹ ہنس ہنس — ڈرتا ہے جس سے عالم وہ دن بھی آ رہے گا
ناز و غرور کب تک عجز و نیاز کب تک — جو یہ چلن ہیں تیرے کب تک مزا رہے گا
اب تک نہیں سمجھتا تو عشقؔ قدرِ نعمت
پیچھے عبث پڑا ہے یہ جی ہی جا رہے گا[6]

۱۱۹

بزم سے جن نے تجھے یار نکلتے دیکھا — شمعِ محفل پہ کوئی باد[7] کو چلتے دیکھا
ہاتھ جس کا ترے دامن کے کنا لے کو لگا — تا دمِ مرگ اُسے ہاتھ ہی ملتے دیکھا
مثلِ تصویر نہیں قوتِ نامی اس میں — آرزو کا تو شجر ہم نے نہ پھلتے دیکھا
اُس کو سر دینے سوا اور نہ کچھ بن آئی — جن نے اس شوخ ستمگر کو مچلتے دیکھا
جو کوئی کوچے میں اُس شوخ کے جا کر بیٹھا
عشقؔ جوں سنگِ نشاں اُس کو نہ ہلتے دیکھا

---

۱ ن۱ ن۲ پر۔ ۲ ن۲ نے۔ ۳ ن۲ ن۳ ن۴ ن۶ ن۸ کا۔ ۴ ن۸ سنے۔
۵ ن۲ جوں گل۔ ۶ ن۳ ن۴ میں یہ غزل مکرر درج ہے۔ ۷ ن۳ ن۴ ن۶ کو باد، ن۸ گویا باد۔

۱۲۰

مصورِ عشق دیوانے کی جب تصویر کھینچے گا
تو پہلے دست بستہ پا[1] تو میں زنجیر کھینچے گا

مرا دل مثلِ مقناطیس پیکاں کی کشش میں ہے
غلط ہے جو کوئی سینہ سے میرے تیر کھینچے گا

تری بے خوابی کی دہشت سے ہم تو دم نہیں لیتے
جگر کس کا ہے جو یاں نالۂ شبگیر کھینچے گا

ہزاروں رشتئہ اب تدبیر کے تقدیر نے توڑے
جدھر جا ہو اُدھر جاؤ خطِ تقدیر کھینچے گا

اگر تصویر تیری کھینچے تو خطِّ شعاعی سے
مصورِ چہرۂ خورشید پر تحریر کھینچے گا

نگہ کا تیر ظاہر ہے نہیں ثابت نکلنے کا
ادھر صیّاد کھینچے گا، اُدھر نخچیر کھینچے گا

اگر آہن دلی سے بد نظر دیکھے تو جل جاوے
یہ وہ شعلہ نہیں ہے جو اسے گلگیر کھینچے گا

مری تصویر کھینچ سکتی ہے کب خوش دل مصور سے
خراب و خستہ و آفت زدہ دلگیر کھینچے گا

جو کوئی خواب میں دیکھے ترے ابروئے ابرو کو
یہ تعبیر اس کی ہے وہ آپ پر شمشیر کھینچے گا

۱۲۱

عالم میں اگر طرۂ محبوب نہ ہوتا
یہ سلسلۂ رسمِ[2] جہاں خوب نہ ہوتا

دنیا میں ہنر جو ہنر اپنے نہ دکھاتا
باللہ کہ[3] معیوب بھی معیوب نہ ہوتا

جو عاشق و معشوق جہاں میں نہ ٹھہرتے
عالم میں کوئی غالب و مغلوب نہ ہوتا

اے چشمِ غضب تو نے کیا، کیا کہوں تجھ سے
تو اس کو نہ تکتی تو وہ مجوب[4] نہ ہوتا

مژدہ جو ترے وصل کا مجھ کو نہ پہنچتا[6]
تو زندگی میری کا[5] کچھ اسلوب نہ ہوتا

تصویر تری دل میں اگر میرے نہ ہوتی
یہ گلشنِ دل کبھی مجھے مرغوب نہ ہوتا

شیشہ کبھی گردن کو جھکا زار نہ روتا[7]
اے دخترِ رز تجھ سے جو منسوب نہ ہوتا

---

۱ ن۵ پاؤں۔ ۲ ن۶ ن۷ ن۵ نظم۔ ۳ ن۳ ن۴ کبھی۔ ۴ ن۵ مجبوب۔ ۵ ن۳ ن۴ کا میری۔
۶ ن۵ رہتی۔ ۷ ن۲ ہوتا۔

آنکھوں کو ترے بدلے بھلا کیا میں دکھاتا — مجھ پاس ترا یار جو مکتوب نہ ہوتا

یوسف کو زلیخا سے کوئی کیوں کے[1] بچاتا

اے عشقؔ اگر گریۂ یعقوب نہ ہوتا

۱۲۲

بجز بے کاری کے کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا — سوائے دردِ دل آرام مجھ سے ہو نہیں سکتا

لگی ہے سر سے آتش شمع کی مانند جلنے چھُٹ — کچھ اس آغاز کا انجام مجھ سے ہو نہیں سکتا

مجھے اقلیم میں وحدت کے شاہی حق نے بخشی ہے — کوئی مجنوں کا ہو ہم نام مجھ سے ہو نہیں سکتا

مقید کس طرح کیجے طبیعت کو تعلق سے — ہوا جو صبح کو تو شام مجھ سے ہو نہیں سکتا

دوئی باقی رہی ہو عشقؔ تو کچھ کہئے یا سُنئے

فنائے محض میں پیغام مجھ سے ہو نہیں سکتا

۱۲۳

یہ غلط ہے جو ترے کوچے سے مر کر جاؤں گا — جان کے رہنے کا اپنی فکر کر کر جاؤں گا

یہ غلط ہے جو حریفوں سے میں ڈر کر جاؤں گا — تیر کے مانند ہر سینہ میں گھر کر جاؤں گا

وہ نہیں میں جوں بگولا میری ماٹی[2] ہو خراب — ابر کے مانند رُو رُو خاک تر کر جاؤں گا

قلعۂ ہستیِ وہمی کی اڑا کر اینٹ اینٹ — یہ مہمِ زندگی اس طرح سر[3] کر جاؤں گا

درد و غم رنج و مصیبت[4] ہو گی[5] ڈاواں ڈول عشقؔ

پہلے[6] ان آفت زدوں کی نکر کر جاؤں گا

۱۲۴ +

جان و دل میرے[7] پہ کیا کیا تیری خاطر ہو گیا — دل تو غم سے گل گیا اور جی مسافر ہو گیا

---

۱ ے کیسے۔ ۲ ۸ مٹی۔ ۳ ۔ ۱۲ مر۔ ۴ ۸ مشقت۔ ۵ ۳ ۲ ہو گی، ۱۲ ہو چکی۔
۶ ۱۲ عشق آنسو کا برا ہوئے کہ ظاہر ہو جاؤں گا۔ + ۱۲ میں یہ غزل نہیں درج ہے۔
۷ ۸ پہ میرے۔

دردِ نے کہیں[۱] سازشیں یاں تک مصیبت میں کہ وہ — بارِ خاطر تھا اگرچہ یارِ شاطر ہو گیا

شیخ جی میری مسلمانی کو تم ہنستے ہو کیا — جن نے دیکھا اس بتِ کافر کو کافر ہو گیا

مخنتیں[۲] برباد کیں جی تک کمی ان نے نہ کی — کس لئے کس بات پر کہتے ہو قاصر ہو گیا

سوختہ ہو ویں اس کے آگے کیوں نہ یہ میر و وزیر — جو کوئی پکا ہوا دنیا میں نادر ہو گیا

کام کا ہے یا نکما امر سے باہر نہیں — حکم موجب امر سے آنکھوں سے وہ حاضر ہو گیا

مدتوں تک داغِ دل کی طرح غم مخفی رہا
عشق آنسو کا بُرا ہو وے[۳] کہ ظاہر ہو گیا

۱۲۵

مجھے دے چین یا یہ جان لے جا — بہر صورت ترے قربان لے جا

خرابی خستگی تمغا ہے یاں کا — مرے کوچے سے[۴] اپنی شان لے جا

اگر دل رکھنے میں ہم نے کمی کی — یہ جی حاضر ہے آ نادان لے جا

جگر کے ٹکڑے خونِ دل ہے موجود — سفر کا ہے یہی سامان لے جا

خیالِ زلف کو رکھ دل میں اپنے — سلامت یاں سے تو ایمان لے جا

تمنا میں اسی کی ہے یہ مرنا — اسے بھی اپنے گھر مہمان لے جا

گلہ بوسہ کا مت رکھ عشق یہ سن
نہ خالی ہاتھ جا ارمان لے جا

۱۲۶

گو بت ہوا بے وفا ہمارا — کافی ہے ہمیں خدا ہمارا

تقصیر فلک کی کیا ہے آگے — آتا ہے بھلا بُرا ہمارا

---

۱ ۵ کی۔ ۲ صرف ۲ ۵ میں یہ شعر درج ہے۔ ۳ ۳ ۲ ہوئے۔ ۴ ۶ میں۔

جب تم نے نظر کو ہم سے بدلا | بے جا ہے بجا، بجا ہمارا
ہم شکر ہی کرتے کرتے مر گئے | رہتا ہے صدا گلا ہمارا
اُس برقِ نگاہ کا گیا کیا | یہ خرمن دل جلا ہمارا
سر دھڑ سے جدا ہوا تو ہووے | سر سر سے نہ ہو جدا ہمارا

قابو ہے، اگر جہاں میں ہے عشق
ہووے گا کبھو بھلا ہمارا

۱۲۷

مالک جہاں سے اٹھ گیا اسباب رہ گیا | دل جل گیا یہ دیدۂ سیراب رہ گیا
کیا پوچھتے ہو مجھ سے صدف کا مآلِ کار | جو آنکھ پھوٹی گوہرِ نایاب رہ گیا
ہے زندگی و وصل مساوی فراق و نوم | بیداری مثلِ برق گئی خواب رہ گیا
ہم در بدر ہی پھرتے رہے مثلِ آفتاب | جو باب فتح یاب تھا سو باب رہ گیا
جو آب و تاب رکھتے تھے مجلس سے اٹھ گئے | مجھ سا خراب و خستہ و بیتاب رہ گیا
تو رنگِ زعفرانی پہ میرے عجب نہ کر | جب خوں بدن سے بہ گیا زرد آب رہ گیا
دریائے اشک تند بہا بسکہ متصل | وہ موج خیزی گھٹ گئی پایاب رہ گیا
بے چینی بے کلی دلِ مضطر کی دیکھ کر | بوتے میں غم کے مر گئے سیماب رہ گیا
تیرِ مژہ اگرچہ جگر سے ہوا ہے پار | پر چشم میں اس ابرو کا قلاب رہ گیا
خورشید رو کو دیکھ کے تیرے برنگ ابر | ہو پانی پانی شرم سے مہتاب رہ گیا

کب کی مودِّب اور مودَّب ہوا ہوئی
دُنیا میں عشق نام کو آداب رہ گیا

---

۱ گلہ ۔ ۲ ن یوم، غلط ہے۔ ۳ ن گئے۔ ۴ ن کے۔ ۵ ن برنگ، غلط ہے۔

۱۲۸

لبریز ہے آتش سے پیمانہ محبت کا — کون اس کو پئے ساقی، دیوانہ محبت کا
جبریل کی کیا طاقت جو گرد پھرے اس کے — جس شمع پہ جلتا ہے پروانہ محبت کا
مشہور ہوئے قصے اس شخص کے عالم میں — دل دے کے سنا جس نے افسانہ محبت کا
کونین میں جو کچھ ہے سو اس میں سماتا ہے — کب عرش سے چھوٹا ہے کاشانہ محبت کا
اس کافرِ بے دیں کی کیا بات کہے کوئی — کعبہ کو بنا ڈالا بت خانہ محبت کا
شیرینیٔ شکر پر کھی جو ہوا خسرو — تحقیق مزا ان نے پایا نہ محبت کا

اس جسم سے وہاں جانا ہے عشق بڑی مشکل
افلاک سے باہر ہے میخانہ محبت کا

۱۲۹

ہاتھ سے جو بار[۱] کھینچے گا — آخر اُس کا خمار کھینچے گا
جس پہ تیری پڑے گی یار نگاہ — جیب کا تار تار کھینچے گا
تیرے دامن کی جو ہوا پہنچے — سر فلک پر غبار کھینچے گا
دست اگر پہنچے تیرے پانوں[۲] تک — ہاتھ بے اختیار کھینچے گا

تشنہ لب عشق کو جو دیکھے گا
تیغ وہ آبدار کھینچے گا

۱۳۰

حسن و خوبی پر جو تیرے دل سے مایل ہوئے گا — فی الحقیقت آپ ہی اپنا وہ قاتل ہوئے گا
دیدہ و دانستہ میں نے[۳] مفت دل تجھ کو دیا — حاصلِ تحصیل حاصل مجھ کو حاصل ہوئے گا

---

۱ ک گ ہ جو مے سے۔ ۲ ک گ ہ پاؤں۔ ۳ ہ ہم نے۔

جی ہمارا تو شُبک روحی سے ساتھ اس کے گیا — جسم بھی یہ رفتہ رفتہ اس کے شامل ہوئے گا

عاشق و معشوق میں رشتہ ہے اُلفت کا بڑا[1] — توڑو ورنہ دایرہ میں خطِ فاصل ہوئے گا

عاشقوں میں آبرو اللہ اس کو ہو نصیب — تیغِ ابرو سے ترے جو شخص گھائل ہوئے گا

ڈوبتے بہتے اُچھلتے موج سے کب تک پھریں — یا الٰہی عشق کے دریا کا ساحل ہوئے گا

وہ تجلّی آئینہ ہے یا ضیائے مہر ہے — آپ اپنا آپ خود بیں آپ حائل ہوئے گا

دم شماری جب تلک ہے بے حسابی ہے حساب — تیرے باقی کچھ نہیں ہے اس کا فاضل ہوئے گا

ایسے کتنے ہی شہادت گاہ میں بسمل ہوئے — قتل کر ان ناتوانوں کو وہ قاتل ہوئے گا

حق تعالےٰ نے جسے دی ہوگی تھوڑی سی بھی عقل — دیدہ و دانستہ اس ابرو سے بسمل ہوئے گا

جن و انساں کی نہ پوچھ سنگ سے شیشہ تلک
عشق کی آتش سے خالی بھی کوئی دل ہوئے گا

۱۳۱

یاں تلک عشق میں خراب ہوا — عاشقوں میں جو انتخاب ہوا

چہرۂ یار پر نقاب نہ تھا — عشق میرا مجھے حجاب ہوا

دل خوشی تیری یہ نہیں بے خبر — بارے حجرے میں باریاب ہوا

دل میں تھا آبلہ سو[2] تھا انگور — آنکھوں میں آ کے وہ شراب ہوا

بحث و تقریر میں جو تھا یکتا
عشق کے آگے لاجواب ہوا

۱۳۲

حال مت پوچھ بے قراری کا — خوف رہتا ہے عشق یاری کا

---

[1] ف البتہ۔ [2] ل ے ف تو۔

سرکشی کب اسے خوش آتی ہے | ہے مزہ جس کو خاکساری کا
شیخ کو ٹک دکھاوے اپنی چشم | ہے گھمنڈ اس کو دینداری کا
دشمنی چھوڑ ہوویں دشمن دوست | یہ نتیجا[1] ہے دوستداری کا
تن تپ ہجر چھوڑتی ہی نہیں | دن بھی (ہے) تس پہ آج باری کا
فکرِ تدبیر اس کی خوب نہیں | زخمی[2] جیتا ہے زخم کاری کا

لذتِ عیش عشق مجھ سے نہ پوچھ
دل مکاں بن گیا ہے زاری کا

۱۳۳

جس کو سنتے تھے شہر خوش رو کا | جا کے دیکھا مقام تھا ہو کا
یہ حنا بندیاں تکلف ہیں | ہے کفِ پا پہ رنگ لوہو کا
تھوک کر چاٹتا ہے کوئی بھی | ہم نے دنیا کے منہ پہ ہے تھوکا
ہے جہاں اپنے دم سے وابستہ | پھر کہیں کا نہیں[3] جو دم چوکا
دل کو لے گئی ادائے خوش خلقی | ہوں نہ مشتاق رنگ اور بو کا
کمر اس کی ہے وہم سے باریک | ہاتھ پڑتا نہیں ہے واں مُو کا

عشق کی خوبیاں کہوں کیا میں
دل کو میرے لگا دیا لُو کا

۱۳۴

دیکھا جہاں کو خوب تو ہم نے سراب تھا | کہنے کو مثلِ آئینہ واں آب آب تھا
اب تو بنا کچھ اور ہے تو، وہ بھی یاد ہے | آنکھوں میں میری تیری سوال و جواب تھا

---

۱ نتیجہ۔ ۲ ل۶ زخم۔ ۳ ل۸ کا۔

بے وقت سمجھے آہ ندامت ہوئی حصول — جو کچھ سُنا خیال تھا دیکھا سو خواب تھا

بے باکیاں تو اور طرح سے ہوئیں[1] نمود — وہ دن گئے خوب جن دنوں تجھ کو حجاب تھا

وہ اختلاط کیا ہوے ٹک یاد کیجئے — پیتے جو تم شراب تو یہ دل کباب تھا

تھا قبضۂ فلک سے قوی تر دلِ غریب — کاہیدہ ہو کے ٹوٹا تو دیکھا حباب تھا

گھٹے کو اپنے ماتھے کے دکھلا نہ شیخ تو
جو داغ عشق سینہ میں تھا آفتاب تھا

۱۳۵

رو برو ہوتے ہی سلام کیا — پھر وہیں قتل کا پیام کیا

دل[2] نے رو رو کے اس کو رام کیا — آفریں دل کو دل نے کام کیا

بندۂ قسمتِ زلیخا ہوں — جن نے یوسف کے تئیں غلام کیا

آفریں تیرے تیغِ ابرو کو — اپنے عاشق کو نیک[3] نام کیا

ہمتِ ناتواں پہ مرتا ہوں — ترے[4] کوچے میں آ مقام کیا

اور کیا چاہوں تیری آنکھوں سے — کام میرا تو بس تمام کیا

دل ہی بدبخت بچ رہا اب بھی — اس کی آنکھوں نے قتلِ عام کیا

چشم نے صرف کر کے خونِ جگر — دلِ بے تاب[5] کو پیام کیا

کیوں[6] نہ سجدہ کرے اسے عالم
عشق نے عشق[7] کو امام کیا

۱۳۶

جان و دل دے کر ہوا ہے یہ نہالا آشنا — فرق کیجے آشنا از آشنا نا آشنا

---

۱ لا د نمود ہوئی۔ ۲ ک اس نے رو رو کے اس کو رام کیا ؛ واہ آنکھوں نے ایک کام کیا۔
۳ د ننگ۔ ۴ د میرے۔ ۵ ل ک بے آب۔ ۶ ل ک کون، لا کیونکہ۔ ۷ لا عشق کو عشق نے امام کیا۔

شکوۂ بیگانگاں کرنا زمانے میں غلط | یہ غضب ہے یار ہووے آشنا نا آشنا
ایکدم بندہ[1] ہیں وہ اور دوسرے دم مدعی | اس زمانے میں نظر آتے ہیں کیا کیا آشنا
تھا قصورِ فہم اپنا آشنا سمجھا[2] اسے | درد کو سنتا مرے مجھ سے جو ہوتا آشنا
تیرے کوچے میں گریں اٹھیں اگر طاقت نہیں | درد دل کو سن ہمارے ٹک ٹھہر جا آشنا
کہنے لاگا جھوٹ ہے جو سچ ہے تو کہ دے بھلا | کون سے دن کا کہاں کا کس طرح کا آشنا

بے وفائی کو تو اس کی عشق اب مجھ سے نہ پوچھ
اپنی کیا تجھ سے کہوں ہے۔ وہ کسو کا آشنا

۱۳۷

مرا دل تیرے آگے کام آیا | غرض صد شکر تیرے کام آیا
مقید ہو گئے خط کے نکلتے | یہ اس آغاز کا انجام آیا
نہ پوچھو اس کی خوں ریزی کو مجھ سے | کیا جب قتل تب آرام آیا
پہاڑ آفت کے یارو دل پہ ٹوٹے | زباں پر میری[3] جب وہ نام آیا
جدائی کی خبر پہنچی نہیں ہے | ہمیں یہ موت کا پیغام آیا
شراب رشک سے دل ہو گیا خوں | لبوں پر تیرے جس دم[4] جام آیا

عدم میں آنکھیں دیکھیں عشق کس کی
اسیرِ دام جو با دام آیا

۱۳۸

مرتے مرتے یار دیکھو دل نے کیسا کام کیا | پرزے پرزے کر کے میرے اُن نے اپنا نام کیا
دارو پینے فصلِ گل میں گلشن میں جب جا بیٹھا | بلبل کو بریاں ہی کر کے گل کا اُن نے جام کیا

---

۱ ل، ک، ع بندے۔ ۲ ع سمجھے۔ ۳ ع میری پہ۔ ۴ ل، ع جب۔

دیر و کعبہ دونو ٹوٹے مومن روے کافر پیٹے ہے ہے ہے ہے ہے ہے کر کے زلفوں کا جب دام کیا
الفت کی تم مت ہی پوچھو غم کو اپنے کیوں کر کہئے دل کو لے کرنا حق میرے جی کا پھر پیغام کیا
فوج دشمن لے کے ہمرہ آنا جانا ان نے ٹھانا
کیوں کر عشق اب کہئے اس سے دل کو شایع عام کیا

۱۳۹

مجھے اس دور میں ساقی نہ ترسا مثل مشہور ہے حاضر کا میلا
ہوئے غایب ہزاروں کب ملے آ غنیمت جان یہ دو دن کا میلا
یہ ندّی ناؤ کا سنجوگ تھا دل کدھر آنسو گئے آنکھیں ہوئیں کیا
غنیمت جان ملنا دوستوں کا پھر آخر امر ہے رہنا اکیلا
ہٹیلا ہے یہ دل لڑکے سے زیادہ کوئی کس طور رکھّے اس کو بہلا
دیا جو آخری دیدار تو نے جَزَاكَ اللهُ فِي الدَّارَيْنِ خَيْرًا
مجھے مت خوف مرنے کا سُنا تو
میں اپنی جان پر ہوں عشق کھیلا

۱۴۰

ملا دلدار مجھ سے آ کے میرا الٰہی شکر تیرا شکر تیرا
دلِ بے تاب پر ٹک رحم کر تو ابھی مت جا سویرا ہے سویرا
مصیبت، درد و غم، سودا، الم ہے اکیلا پا مجھے کس کس نے گھیرا
در و دیوار کو تکتے ہی تکتے غرض مر گئے کیا ان نے نہ پھیرا
ٹھہرنے کی نہیں طاقت ہے پیارے کرے کوچے میں تیرے آ کے ڈیرا

ا تا ۲ فوج دشمن کی لے ہمراہ، ۳ تا ۴ ، ۶ تا ۸ فوجِ دشمن لے لے ہمرہ۔ ۲ ، ۶ کہے اب۔ ۳ ، ۶ ہٹھی۔
۴ ، ۶ ہیں، ۸ نے۔ ۵ ، ۶ ہم مر گئے۔ ۶ ، ۶ پھیرا۔ ۷ ، ۶ میں یہ شعر نہیں ہے۔

فلک اس بن تنورِ آتشیں ہے　　کہاں جاکر کوئی لیوے بسیرا

خدا کی طرف آ مرنے سے آگے
اگر جلدی نہ ہووے عشق دیرا

۱۴۱

مرا کام اس کی آنکھوں نے نبیڑا　　بحمد اللہ مٹا ڈالا بکھیڑا

نہوئی معلوم کچھ اس کی حقیقت　　غرض سو سو طرح سے اس کو چھیڑا

یہ[1] قدرِ عافیت سمجھو گے حضرت　　لگا جو عشق کا منہ پر تھپیڑا

جدائی کی تری تلوار نے یار　　سراپا خاک و خوں میں ہے لتھیڑا

رقم تھا لوحِ دل پر نقش اللہ　　خطِ باطل سے دنیا کے جھنجھیڑا

الٰہی کس طرح سے اس کو روکوں　　دیا غم نے مرے دل پر ڈریڑا

ہنسے روو ے نہ کیوں کر زخم دل آہ　　سیا کن نے اُسے کن نے اُدھیڑا

پڑا گرداب میں جو چشم کے دل　　برنگِ اشک اُس کو تھل نہ بیڑا

اگر پہنچا ہے صدمہ عشق دل پر
شتابی آنسوؤں کا دے ترپڑا[2]

۱۴۲

اس دور میں زمانے کے جو جو گیا پھرا　　موسم پھرا ہوا پھری پر تو نہ آ پھرا

دو دم کی زندگی رہی ہے یہ بھی[3] دیکھ لے　　جاتا ہے کس طرف کو چلا آ پھرا پھرا

حضرت نہیں زباں جو تمہاری چلے پھرے　　یہ عاشقوں کا دل ہے جدھر کو پھرا پھرا

آنکھوں کے ساتھ اس کی زمانہ ہی پھر گیا　　میں کیا کہوں کہ آنکھیں پھریں یا خدا پھرا

---

۱ ل ن نہ ۔ ۲ ل ترپڑا ۔ ۳ ل یہی ۔

کیا کام دیر و کعبہ سے رسوا ترے کو عشق
مقصود تو تھا نام کو وہ جا بجا پھرا

۱۴۳

اُس سنگ دل کے آئینہ داری سے تنگ تھا — پر کچھ ہوا نہ ہاتھ مرا زیر سنگ تھا
مشتاق بسکہ دل سے تھے اس کے خدنگ کے — دل کو جگر کو دیکھا تو آپس میں جنگ تھا
دم زندگی (کے) تھے سو ترے بن وہ یوں کٹے — جو جو نفس تھا آئینۂ دل پہ زنگ تھا
چل دیکھ اور دکھا اسے دیدار آخری — عاشق کا تیرے سنتے ہیں احوال تنگ تھا

شاید[2] نظر پڑا وہ ستمگار بے بدل
آنکھوں میں عشق کی تو عجب آب و رنگ تھا

۱۴۴

رات یہ میکدے میں کیا غل تھا — مبحثِ دور اور تسلسل تھا
تو جو ایسا ہوا ہے زار و نزار — کسی بے رحم سے توسل تھا
روک سکتا ہے کوئی جرأت کو — نہ کہو دل کو بے تامل تھا
گل کو سیراب کل جو دیکھا تھا — اس کے منہ پر وہ خونِ بلبل تھا
جام کے کان ہو گئے بہرے — پر صراحی کا شورِ قلقل تھا
کروٹیں رات جل گئیں تجھ بن — گو وہ کہنے کو بسترِ گل تھا
نام کو تیرے سُن کہا ہوگا — یہ[3] تغافل تھا کب تجاہل تھا

عشق نکتہ پر ترک کر بیٹھا
حرف اٹھاوے اسے تحمل تھا

---

۱ ٹ کیا کام دیر و کعبہ سے رسوائے عشق کو
مقصود وہ تھا نام کو گو جا بجا پھرا

۲ ٹ میں یہ تیسرا شعر ہے۔

۳ ٹ وہ تغافل تھا یہ تجاہل تھا ؟

۱۴۵

جو نہ سُننا تھا مجھے تیرے لئے ماہ سُنا　　اس پہ تو لے نہ کبھو درد مرا آہ سُنا
دوستی اس کی کو کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہو[1]　　اُسے ہمراہ مرے یا مجھے ہمراہ سُنا
کان تک اس کے اگر پہنچے تو شاید کچھ ہو　　کسو تقریب سے یہ قصۂ جاں کاہ سُنا
دلِ بے تاب نہ ہو کیوں کے کہو شادیٔ مرگ　　اس کے آنے کو کسی سے کہیں ناگاہ سُنا
آگے پیچھے کا تفاوت ہے یہ سب جاویں گے　　مر گئے مر گئے پھر کیا کریں اللہ سُنا
[2]دیکھنا تجھ سا تو معلوم کہ ہو خوباں میں　　کان سے بھی نہ جہاں میں کوئی دل خواہ سُنا

ڈھونڈتے ڈھونڈتے عشق اس کو ہوا سودائی
پر زباں سے نہ کسو کے دلِ آگاہ سُنا

۱۴۶

[3]دل جو کچھ میرے نئیں دکھاوے گا[4]　　اُس کا بدلا[5] خدا سے پاوے گا
یار جس وقت پان کھاوے گا　　دُر کو یا قوت کر دکھاوے گا
ہر طرح جی ہی کا زیاں یاں ہے　　غم تجھے یا تو غم کو کھاوے گا
رات کی[6] رات کا یہ مہماں ہے　　کل تو جیتا اسے نہ پاوے گا
شور محشر نہ ہوئے گا برپا　　دل کی زنجیر جو ہلاوے گا
مرتے ہیں سرگذشت کون کہے　　کوئی قصہ یہ کہہ سناوے گا
دم جو آنکھوں میں آکے ٹھہرا ہے　　مرتے مرتے نظر وہ آوے گا
تیرے کوچے میں شور سُن میرا　　نہ کوئی آوے گا نہ جاوے گا
اتنی کج خلقیاں نہیں ہیں خوب[7]　　جان اپنی[8] سے کوئی جاوے گا

---

۱ ک تم ۔ ۲ صرف ک میں یہ شعر درج ہے ۔ ۳ ک دل کو ناحق بھی جو دکھائے گا ۔
۴ ک دکھاویگا ۔ ۵ ک بدلہ، درست ہے ۔ ۶ ک کے ۔ ۷ ک بھی خوب نہیں ۔ ۸ ک سے اپنی ۔

بات چوراہے[1] کی نہ کہہ چپ رہ — کیا کسی کو تو منہ کھلاوے گا

خوف اس دن کا عشق ہے مجھ کو

روبرو اپنے جب بلاوے گا

١٤٧

پھرتا ہے کج روی پر یہ دورِ آسماں کا — دل چاہتا ہے کیجے معشوق کوئی یاں کا

فرق آسماں زمیں کا ذرّے کو مہر سے ہے — میں کس شمار میں ہوں وہ یار ہے جہاں کا

کوچے میں تیرے ظالم چھٹ میرے[2] اور کوئی — مقدور کیا ہے آوے گو ہو ہزار جاں کا

اے صاحبِ تغافل یہ ختم ہے تغافل — ہم مر گئے پہ تو بھی تو نے[3] نہ آ کے جھانکا

اس خوں گرفتہ کو میں کئی دن سے دیکھتا ہوں — پوچھو تو کوئی اس سے[4] ہے کون اور کہاں کا

بے رحمی اس کی دیکھو تیروں سے چھان ڈالا — پیکاں نے منہ کو پھیرا سُن شور استخواں کا

مانندِ اشک یارو گم ہو گئے نظر سے — پوچھوں نشاں میں کس سے حیراں ہوں کارواں کا

خانہ خراب لڑکا یعنی کہ اشک میرا — لے کر ڈبا دیا ہے نام ایسے خانداں کا

قول و قرار تیرے جھوٹے ہی پائے یکسر — ہے ٹھور یاں[5] ٹھکانا تیری بھی کچھ زباں کا

دن میں ہزار بار اب آنکھوں کو ہے بدلتا

اے عشق کیا کہوں میں احوال بدگماں کا

١٤٨

ہے تماشا گاہ[6] دل صیاد اُس نخچیر کا — جس کے ہر ٹکڑے پہ ہے[7] نقشہ تری تصویر کا

یاد میں شیریں لبوں کی خوں ہوا تھا دل مرا — پینے ہی یک بارگی منہ پھر گیا ہے تیر کا

زلف سنبل نے مچائی دھوم ایسی اب کی سال — کوچہ و بازار میں ہے شور و غل زنجیر[8] کا

---

١ ل٦ چورائی، ل٨ چوڑائی۔ ٢ ل٨ تیرے۔ ٣ ل٨ پہ تو نے تو بھی۔ ٤ ل٢ ل٦ اس سے کوئی۔ ٥ ل٨ نے۔ ٦ ل٨ ہے زیارت گاہ۔ ٧ ل٨ ہو۔ ٨ ل٨ نخچیر۔

سیکڑوں تدبیریں کر دیکھیں کہ مٹ جاوے[1] خیال ‏ ‏ قبلۂ حاجات یہ تو ہے لکھا تقدیر کا

دیکھنے والے تو تنگ[2] آئے مصیبت اس کی دیکھ
کچھ تجھے بھی فکر ہے عشق اس دلِ دل گیر کا

۱۴۹

دل سا ہمارے دوسرا آزاد کون تھا ‏ ‏ کس کا ہوا اسیر وہ صیّاد کون تھا

وابستہ[3] اپنی ذات سے یادو فراموشی ‏ ‏ جب بھولے اپنے آپ کو پھر[4] یاد کون تھا

بھتے عشق بے خودی میں کہ تر وار لگ گئے ‏ ‏ کیا پوچھتا ہے ہم سے کہ جلّاد کون تھا

صورت کشی خیال کی دیکھو اگر کہو[5] ‏ ‏ استاد یہ ہے مانی و بہزاد کون تھا

جس سے دوچار ہوتے ہو جاتے ہو دل کو لے ‏ ‏ اس فن میں بارے کہئے کہ اُستاد کون تھا

اپنی تو درد و غم ہی میں گذری تمام عمر ‏ ‏ کیا جانے شاد کون تھا ناشاد کون تھا

سب کام حُسن و عشق کے ہیں پوچھتا ہے کیا
موجود اور باعثِ ایجاد کون تھا

۱۵۰

نزدیک ہو یا دور اگر جان رہے گا ‏ ‏ جوں قبلہ نما تیری طرف آن رہے گا

دیکھیں گے بھلا کب تلک انجان[6] رہے گا ‏ ‏ گو آج نہیں کل مجھے پہچان رہے گا

جوں بوئے گل وصل نہ ہوئے سیر[7] میں یک جا ‏ ‏ مر جائیں گے پر جی میں یہ ارمان رہے گا

اس دن کو میں جانوں گا شبِ قدر سے بہتر ‏ ‏ جس رات مرے گھر میں وہ مہمان رہے گا

بلبل کبھی نالہ سے اُٹھانے کی[8] نہیں ہاتھ ‏ ‏ ذرّا[9] بھی اگر گل کا اُدھر کان رہے گا

غم[10] بوند بھی پانی کی اترنے نہیں دیتا ‏ ‏ کب تک یہ مرے حلق کا دربان رہے گا

---

۱ ک ن ہ مٹ جائے۔ ۲ ن ہ کو تنگ۔ ۳ ل ک تھی یادو فراموش تو وابستہ ذات سے۔ ۴ ن ہ برباد۔
۵ ل ک کہیو۔ ۶ ن ہ اے جان۔ ۷ ن ہ حسرتیں۔ ۸ ل ہ اٹھائے گی۔ ۹ ذرا۔ ۱۰ ہ میں یہ شعر نہیں ہے۔

چلتی رہے گی عشق کی شمشیر دلوں پر
آباد ہمیشہ ہی یہ میدان رہے گا

۱۵۱

خون ہو کر بہ گیا یا داغ کھا کر جل گیا
کیا کہیں تم سے بہر صورت ہمارا دل گیا

تھا جلو میں تیری کیا دلدار اعجازِ مسیح
غنچۂ افسردۂ دل دیکھ اس کو کھل گیا

ہر طرف جو بید مجنوں ہے اُگا اس دشت میں
ظاہرا اس راہ سے لیلیٰ کا تھا محمل گیا

سرخروئی کیوں نہ ہو اُس کو شہیدوں میں نصیب
فاتحہ پڑھنے کو جس کی قبر پر قاتل گیا

ایک دن مانگا دیا پھر یہ تقاضا روز کا
کن نے تجھ کو منہ لگایا تو جو ایسا ہل گیا

درد اس کا ان دلوں ناخوش ہو دل سے اٹھ گیا
کیا کہوں اے دردمند و عمر کا حاصل گیا

ڈھونڈتا پھرتا تھا جس کو روز و شب اے عشق میں
کوچۂ دل میں یکایک ہنس کے مجھ سے مل گیا

۱۵۲

دل فکرِ معاش سر نہ ہوگا
ہم سے تو یہ درد سر نہ ہوگا

کاسہ کو لئے پھروں میں در در
خورشید بھی ہوں اگر نہ ہوگا

دل اس پہ لگائیے غلط ہے
جو شام کو ہو سحر نہ ہوگا

بیٹھا ہے نگیں کی طرح گھر کر
یہ دل ہے اِدھر اُدھر نہ ہوگا

ایسا تو کبھو نہ روؤں گا میں
آنسو میں مرے جگر نہ ہوگا

جانا ہے فلک کے پار نالہ
یہ تیر بھی کارگر نہ ہوگا

پلکوں کے اُٹھاوے تیر دل پر
مجھ سا تو کوئی نڈر نہ ہوگا

---

۱ لہ چلتے رہیں گے۔ ۲ لہ کے۔ ۳ لہ سندان۔

جل جل کے کہا جگر نے دل سے　　اس آگ میں کچھ اثر نہ ہوگا

فریاد سُنی نہ عشق کی رات
شاید کہ وہ اپنے گھر نہ ہوگا

۱۵۳

اسی کوچے میں خاک اُڑاؤں گا　　نہ کہیں جاؤں گا نہ آؤں گا
آو مانو خدا کو مت چھیڑو　　ابھی زنجیر پھر ہلاؤں گا
ہنس کے کہنے لگا ترے سر پر　　اپنی شمشیر آزماؤں گا
سر جھکا کر کہا ادب سے میں　　یہ مبارک گھڑی بھی پاؤں گا
خضر کی زندگی پہ تم دیکھو[۱]　　ایک دن میں بھی زہر کھاؤں گا
خود پسندی کو دل ہی کافی ہے　　آئینہ کو نہ منہ دکھاؤں گا
جیتے جی مجھ سے یہ نہیں ہوتا　　تری چوکھٹ سے سر اُٹھاؤں گا
جان کو یار پر نثار کروں　　کوئی دن ورنہ مر ہی جاؤں گا[۲]

عشق رونے پہ[۳] دل اگر آیا
در و دیوار تک رُلاؤں گا

۱۵۴

وہ دل نہیں ہے دل جو ترے کام نہ آیا　　جب تک نہ دیا جی اُسے آرام نہ آیا
اس دم کا بھروسا کرے ناداں جو کوئی ہو　　جو آگیا وہ صبح کو تو شام نہ آیا
ظالم تری اس ابروئے خوں ریز کی دولت　　کس روز ہمیں قتل کا پیغام نہ آیا
اتنے تو حواس اپنے گئے کھٹے ترے غم میں　　ہر چند کیا یاد ترا نام نہ آیا

---

۱ ۳ کہ میں یہ شعر نہیں ہے۔　۲ ۲ لہ ورنہ کوئی دن کو مر ہی جاؤں گا، ۵ ورنہ کوئی دن مر ہی جاؤں گا۔
۳ ۵ پر۔

اے دورِ فلک کاسہ داروں کے سوا بھی میخار[1] کے ہاتھوں میں کبھو جام نہ آیا
عمامہ و تسبیح پہ موقوف نہیں دیں اے شیخ تجھے شیوۂ اسلام نہ آیا

آنے کی[2] خبر پا دے ترے کون بجز دل
جز عشق کے یہ[3] اور کو الہام نہ آیا[4]

۱۵۵

اگر مثل نے میں بھی آواز کرتا ترے لعل لب ہی کو دم ساز کرتا
سمجھتے ہیں کب قدر دیوانگی کو مجھے دیکھتا قیس تو ناز کرتا
اگر بات کو میری سُنتا کبھو وہ کبوتر کو میں دل سے[5] شہباز کرتا
نگاہوں کی کاوش جو معلوم ہوتی تو پہلے ہی آنکھوں سے میں ساز کرتا
قفس بے پر و بال کو ہے غنیمت اگر پر بھی ہوتے نہ پرواز کرتا
مرے شعر کو اور کے شعر سے اب ممیز جو ہوتا تو ممتاز کرتا

اگر عشق عاشق نہ ہوتے جہاں میں
کوئی سحر کرتا نہ اعجاز کرتا

۱۵۶

مجلس میں عشق کی میں جب وقت بار پایا مجبور اس کو دیکھا بے اختیار پایا
سر پہ اُٹھائی دنیا جوں نقش پا یکا یک جس جس نے اس جہاں میں کچھ اعتبار پایا
آتش[6] نگاہ اس کی دل پر جو کل پڑی تھی سینہ میں اپنے ہم نے مشتِ غبار پایا

---

۱ ے میخوار' درست ہے۔ ۲ ے آگے کی۔ ۳ ے کسی۔
۴ ے میں یہ مقطع یوں درج ہے: — کہتا ہے وہ باتیں جو اتر جاتی ہیں دل میں
جز عشق کسی کو بھی یہ الہام نہ آیا
۵ ے دل کے۔ ۶ ے ۳ ے میں یہ شعر نہیں ہے۔

کس سے بیاں کروں میں قسمت کی نارسائی — اپنے سوائے اس کو عالم سے یار پایا
ہے راستی جہاں میں بے حد ذلیل و رسوا — عالم میں کج روی کا ہم نے شعار پایا
انگور زخم دل کے بھر بھر ہرے ہوئے ہیں — یہ لطف تیری دولت ہم نے بہار پایا

اے عشق تیری دولت روشن ہے خاک میری
اپنے ہی داغِ دل کو شمعِ مزار پایا

۱۵۷

گردے کو ہم نے تیرے آنکھوں میں یار کھینچا — جوں سرمۂ سلیماں نقشِ بہار کھینچا
پتھراویں کیوں نہ آنکھیں پیدا[1] ہوا ہوں جب سے — آئینہ کی طرح سے میں انتظار کھینچا
مت پوچھ تجھ سے ناداں تو رسم بے نیازی — ایکوں کو تاج بخشا ایکوں کو دار کھینچا
دیوانگی سے بہ دل چاہِ زنخ میں کودا — جیتا تو وہ نہ نکلا اُس کو ہزار کھینچا
آ پاس سے یکایک کترا کے وہ چلا[2] تھا — بے اختیار ہو کر بے اختیار کھینچا
افلاک نے منگایا بادِ صبا[3] کے ہاتھوں — آنکھوں میں اختروں کی میرا غبار کھینچا

آنکھوں سے عشق اس کی کتنے ٹکٹکی لگائے
آخر کو رو رو ہم نے اس کا خمار کھینچا

۱۵۸

دید کو آنکھوں میں آکر دم رہا — جو نہ دیکھے حشر تک یہ غم رہا
اشک کے سیلاب میں یہ[4] بہ گئے — یار چھٹ آنکھوں میں میرے کم رہا
جب گیا[5] گھر کو قیامت مچ گئی — حشر کا سا بزم میں عالم رہا
مختلط زلفیں رہیں شانے سے حیف — یہ دلِ صد چاک نامحرم رہا

---

۱ ن بندا ۔ ۲ ن چلا بنا، غیر موزوں ہے ۔ ۳ ن یار و صبا ۔ ۴ ن سب ۔ ۵ ن چلا ۔

سوت دل کے خشک شاید ہو گئے
عشق جو آنکھوں سے لوہو تھم رہا

۱۵۹

کیا کہئے تجھ سے حالِ دلِ مہربان کا
سمجھا ہے دوست جس کو وہ دشمن ہے جان کا
دل اور جگر کی اپنے خبر تو[1] ہمیں بتا
نالوں نے کھایا[2] تیرے کلیجا[3] جہان کا
مانند سایہ مر گئے سر کو پٹک پٹک
بگڑا زمیں کا کچھ نہ کھویا[4] آسمان کا
حاضر یہ نیم جان ہے نرما و[5] جو کرے
باقی ہو قصد اب بھی اگر امتحان کا
جوں اشک پاک صاف نہایت ہے میری ذات[6]
نورِ نظر ہوں چشم کے میں خاندان کا
عالی نسب ہوں چشم صدف تھا مرا مکاں
کہتا ہے سب سے موتی یہی تیرے کان کا
جو کچھ کہا کہا نہ پھرے اُس سے وہ کبھو
بندہ ہوں دل سے عشق میں اپنی زبان کا

۱۶۰

گر دہے آگے گدائی کے امیری کا مزا
چھوڑ دے شاہی ملا جس کو فقیری کا مزا
جب گرے گئے[7] میں پڑے چکھے تو اس کو بلبل
ذائقہ اور ہی[8] رکھتا ہے اسیری کا مزا
ہر گھڑی رنگ بدلتا ہے وہ[9] گرگٹ کی طرح
جا کے ٹک پوچھ عطارد سے دبیری کا مزا
چشم لیتی ہے[10] مزے یار ترے گالوں کے
آبلے جانتے ہیں فرش حریری کا مزا
کو بس رسوائی بجا لشکرِ عالم میں ترا
جو پڑا کان میں آواز نفیری[11] کا مزا
دور بیں بسکہ عنایت ہوئیں آنکھیں، چکھا
مے کا انگور سے اور گل سے[12] پنیری کا مزا

---

۱ ط کچھ۔ ۲ ط کھاتے ہیں نالہ۔ ۳ کلیجہ۔ ۴ ط کھویا۔ ۵ ط نرباد۔
۶ ط ۲ ط ۳ ط ۴ ط ۸ مری ذات نہایت ہے۔ ۷ ط گرد میں پڑے۔
۸ ط ۳ ط ۴ زور ہی، ط ۶ روز ہی۔ ۹ ط اور۔ ۱۰ ط لیتے ہیں۔ ۱۱ ط ۶ نفیری۔ ۱۲ ط کل سے سرسری۔

نہ جوانی[1] کو بقا ہے نہ مزوں کو اس کے
عشق کو عشق سے مطلوب ہے پیری کا مزا

۱۶۱

داغ دل کا تو کبھو ہم سے مٹایا نہ گیا
یہ دبا آہ تو[2] دن کو بھی بجھایا نہ گیا

گرتے ہی چشم سے یہ شیشۂ دل اشک کے طور[3]
مل گیا خاک میں ایسا ہی کہ پایا نہ گیا

آئینہ دیکھ ترے روبرو دل ٹوٹ گیا
بوجھ[4] اس عکس کا اس سے تو اٹھایا نہ گیا

جیتے جی چھوڑوں تجھے یار یہ ممکن ہی نہیں
نور خورشید سے کہتے ہیں کہ سایہ نہ گیا

کیا کہوں تجھ سے شبِ وصل تو روتے گذری
یار سوتا ہی رہا ہم سے جگایا نہ گیا

ناتوانی کی حقیقت کہے کیا تجھ سے عشق
تیرے دروازے تلک اس سے تو آیا نہ گیا

۱۶۲

جی تک تو مجھے نثار کرنا
پر ہر طرح[5] اس کو پیار کرنا

سن قول و قرار تیرے جھوٹے
دن رات ہمیں شمار کرنا

آنے تلک اس کے تو نہ جانا
اے جان ٹک انتظار کرنا

کچھ ہاتھ سے میرے ہو نہ آیا
جز جیب کو[6] تار تار کرنا

کر بیٹھے ہیں ترک سیرِ گلشن
تو داغِ دل اب[7] بہار کرنا

تروار[8] بہادر ہے ترا نام
کوئی تو ادھر بھی وار کرنا

ننگ اس سے بڑا کوئی نہیں ہے
ہاں عشق سے عشق عار کرنا

---

۱ ل جوانے۔ ۲ ک وہ ہے جو۔ ۳ ل ن مثلِ اشک۔ ۴ ن بھول گئے آپ کو پر اس کو بھلایا نہ گیا۔
۵ ل ن ہر طرح پر۔ ۶ ل کے۔ ۷ ن اے داغِ جگر۔ ۸ ل ن کھینچی جو تو نے تیغِ ابرو۔

۱۶۳

کیا جانے کس طرح کا جگر پر ستم ہوا | طوفان بھی مچا پہ یہ آنسو نہ کم ہوا
نا بود و بود مجھ سے نہ پوچھ اس جہان کی | جو[1] بلبلا نمود ہوا پھر عدم ہوا
کہتے ہیں شادی مرگ جسے یار وہی[2] ہے | لایا وہ ساتھ غیر کو شادی سے غم ہوا
کل جو گذر ہوا تھا ہمایوں کی قبر پر | لوح مزار اس[3] کی پہ یہ تھا رقم ہوا

کر لے جو کچھ کہ چاہیئے اے عشق جلد تو
جس کو دیا وجود وہ آخر عدم ہوا

۱۶۴

مدت تلک جو داغ چھپایا تو کیا ہوا | مثل چراغ آج جلایا تو کیا ہوا
بے یار زندگانی کا دم ہی وبال تھا | آیا تو کیا ہوا جو نہ آیا تو کیا ہوا
ٹھہرا جو چھوڑنا ہی تو کیا تخت سلطنت | پایا تو کیا ہوا جو نہ پایا تو کیا ہوا
کانٹے جو دل میں چبھتے ہیں ان کا علاج کر | بستر جو تو نے گل کا[4] بچھایا تو کیا ہوا
دل[5] میں بنا تو بت کو اگر بت پرست ہے | ڈھیرے میں تو نے بت جو بنایا تو کیا ہوا
میرا[6] دل شکستہ جو تجھ سے نہ بن سکا | شیشوں کو توڑ توڑ بنایا تو کیا ہوا

دل سے تو اس کے عشق نہ اٹھا وہ حرف بد
جور و جفا کا بار اٹھایا تو کیا ہوا

۱۶۵

کل رستے میں ایک خوش ادا تھا | آفت تھا ستم تھا یا بلا تھا
آنکھیں[7] یہی رو رو کہتی ہیں دل | اس درد جگر کی وہ دوا تھا

---

۱ ش جوں۔ ۲ ش۳ ش۴ ش۶ ہے یہی۔ ۳ ش۸ تو۔ ۴ ش۸ کو۔
۵، ۶ یہ اشعار صرف ش۸ میں درج ہیں۔ ۷ ش۷ آنکھوں نے کہا یہ رو کے دل سے۔

گو داغ دیئے جگر کو میرے — کچھ مت کہو یار و آشنا تھا
بندے ہوئے کافر و مسلماں — حیراں ہوں صنم تھا یا خدا تھا
جو دوست ہو اس کو قتل کیجے — پھر کہیئے کہ صاحبِ وفا تھا
ہنس کر کے کہا نہ پوچھ مجھ سے — یہ کبھی یوں ہی جی میں آگیا تھا
دنیا[2] کی بلائیں اس پہ آئیں — کیا جانیئے دل نے کیا کیا تھا
کانوں[3] نہ سنا نہ آنکھوں دیکھا — یہ ظلم کبھی نہیں ہوا تھا

سودا سا تجھے جو ہو گیا ہے
کیا دیکھا ہے عشق تو نے کیا تھا

۱۶۶

دل تو رستم شعار ہے میرا — کہتے لاگا شکار ہے میرا
آئینہ[4] کو جلا جو دیتا ہے — اے صبا وہ غبار ہے میرا
اے خوشی دور دور ہی رہ تو — ان دنوں دردیار ہے میرا
رحم کھا ایک دن لگا کہنے — یہ تو زار و نزار ہے میرا
دل کے ہاتھوں خراب پھرتا ہوں — اس میں کچھ اختیار ہے میرا
تیرے در سے نہ سر اٹھاؤں گا — یہی قول و قرار ہے میرا

عشق بازی سے عشق آؤں باز
یہ سخن ننگ و عار ہے میرا

۱۶۷

غنچہ ہمارے دل کا دستار تک نہ پہنچا — یہ ارمغاں جگر کا دلدار تک نہ پہنچا

---

۱ لہ ہنسکر۔ ۲، ۳ یہ اشعار صرف لہ میں ہیں۔
۴ لہ جس سے ہوتی ہے آئینہ کو جلا۔

ہلتے تھے ہونٹ اُس کے وقتِ اخیر دیکھا — لے ہی گیا یہ حسرت دیدار تک نہ پہنچا
لیتا تھا سانس اُلٹی رو رو کے تھا یہ کہتا — مرنے کے وقت اپنے بیمار تک نہ پہنچا
مانندِ شمع گذری اول سے عمر آخر — پر دردِ دل ہمارا گفتار تک نہ پہنچا

تیغِ نگاہ اس کی دل ہی پہ جا کے لاگی
افسوس عشق یہ سر تروار تک نہ پہنچا

۱۶۸

گھر سے باہر جو یار نکلے گا — چشم سے انتظار نکلے گا
آخر الامر تیرے ہاتھوں سے — جیب کا تار تار نکلے گا
نشترِ تیز سے ترے فصاد[1] — میرے دل کا بخار نکلے گا
گرمیٔ حسن سے ترے جل بل — پھر نیا برگ و بار نکلے گا
میزباں کو ہے میہماں عزیز — تیر دل سے نہ پار نکلے گا
داغ ہوویں گے یہ گل و بلبل — جب وہ لالہ عذار نکلے گا

جام ہنس ہنس یہ عشق کہتا ہے
مے پیئے سے غبار نکلے گا

۱۶۹

کیا پوچھتے ہو آہ کہ وہ شوخ کب آیا — جب ہم چلے دنیا سے خفا ہو وہ جب آیا
اُس قاتلِ خونخوار کو جس شخص نے دیکھا — سالم نہ پھرا اپنے وہ گھر جاں بہ لب آیا
دیکھا جو نشے[2] میں اُسے ہم اپنی کہیں کیا — زاہد نے پکارا کہ خدا کیا غضب آیا
ہے قبلۂ حاجات جسے کہتے ہو کعبہ — جو سامنے اس کے ہوا اُس کو ادب آیا

---

۱ ر۳ ر۴ ر۶ فساد۔ ۲ ر۶ ر۸ نشہ۔

اس نخل جوانی نے[1] دیا بارے اُسے پھل
خوباں سے جسے ملنے کا اے عشق ڈھب آیا

۱۷۰

تعویذ مت بنائیو میری مزار کا — تا جانے[2] ڈھیر ہے یہ کسی خاکسار کا
طرّاحیاں ضرور ہوئیں خاک پر مری — تا خلق سمجھے کشتہ ہے یہ طرح دار کا
کیجو تو زیرِ تاک[3] لحد اس غریب کی — تا ہو نشاں صریح ہے یہ بادہ خوار کا
گلزار داغ ہے مرے سینہ میں جلوہ گر — ہے کیا عجب مَطَاف ہو جو یہ ہزار کا

سیمابی لوح کیجیو عشاق عشق کی
ظاہر ہو تا مزار ہے یہ بے قرار کا

۱۷۱

طالِع بدنے چھپایا ہے یہ جو ہر میرا — ورنہ خورشیدِ قیامت ہے یہ اختر میرا
گوشِ والا[4] نہ ہو کس طور پری روؤں کا — صدفِ چشم سے نکلا ہے یہ گوہر میرا
یہ کھلونے نہ بنتے لڑکوں کے جو یاں ہوتے[5] نمود — عَلَم و طَوغ ہے افلاک سے باہر میرا
شیشۂ مے ہے فلک جام دلِ زخمی ہے — شفقِ خوں سے نہ لبریز ہو[6] ساغر میرا
غیرت و ننگ بہت مجھ سے خفا ہوتے ہیں — حکم چلتا نہیں میں کیا کروں دل پر میرا
کیوں نہ سجدہ کرے عالم مجھے انصاف تو کر — نقش پائے شہ مرداں ہے یہ افسر میرا

دیر و کعبہ میں ہی[7] تنہا نہ مرا شہرا[8] ہے
عشق کے طور[9] صنم شور ہے گھر گھر میرا

---

۱ ف میں۔ ۲ ف جانیں۔ ۳ ل خاک، غلط ہے۔ ۴ ل گوشوارہ، درست ہے۔
۵ ف ہوئے۔ ۶ ل ۳ ف ہے۔ ۷ ف ہے۔ ۸ شہرہ۔ ۹ ل عشق طور۔

۱۷۲

غنچۂ دل کو ہمارے جامِ مے نے وا کیا
بند تھی مٹھی کھل گئی حیراں ہوں ان نے کیا کیا

معنیٔ اسرار کو میں تجھ سے ظاہر کیا کروں
آپ کو تجھ میں چھپایا اور تجھے پیدا کیا

راز تھا دل میں بھرا انگور میں جس طرح سے[1]
اشک کا آباد ہو گھر جو مجھے رسوا کیا

کل کی کل[2] مشہور ہے ہوتی نہیں ہرگز تمام
کام یہ تم نے کیا امروز کو فردا کیا

شکر اس کا کس طرح ہو مو بمو گو ہو زباں
حاجی اپنی دکھائی عشق کو پیدا کیا

۱۷۳

اس[3] جاں کنی میں عشق تجھے بارے کیا ملا
مجھ سے ملا وہ شخص کہ جس سے خدا ملا

اتنا مرا پیام کوئی اس سے جا کہے
ہم[4] خاک میں ملے پہ میاں تو نہ آ ملا

گذرا تری زباں پہ جو نام بعدِ مرگ
مقتول تیرے کو تو یہی خوں بہا ملا

کس طور شاد شاد نہ ہوں اس خوشی سے میں
مدت کے بعد مجھ سے مرا آشنا ملا

عمرِ دراز گرچہ[5] تری چاہ میں کٹی[6]
پر مثلِ شمع جلنے سوا کیا بھلا ملا

کہتے تھے عمر اپنی نہ ضائع بتوں پہ کر
اب سر جو پھوڑتے ہو کہو کیا مزا ملا

یہ بات گومگو ہے نہ پوچھو نہ میں کہوں
کیا کیا دعائیں کی ہیں جو وہ بے وفا ملا

ہر روز جی کھپاتے تھے پر آج تجھ کو دیکھ
جو مدعی تھے چھوٹے ہوئے مدعا ملا

یہ گفتگو تمہاری تو بے فایدہ ہے محض
مثلِ خیالِ عشق سے میں اپنے جا ملا

---

۱ ن جس طرح۔ ۲ ن کے۔ ۳ ن اپنی، غلط ہے۔ ۴ ن ہم خاک ہی میں مل گئے پر تو نہ آملا۔
۵ ن ۳ ن ۴ ن ۶ ن اگرچہ۔ ۶ ن کٹے۔ ۷، ۸ یہ اشعار صرف ن ۳ ن ۴ ن ۶ ن ۸ میں ہیں۔

۱۷۴

نہیں فکر یاں منصب و جاہ کا — یہ مشتاق ہے عاشق اللہ کا
میں کس طور سے نام لوں جاہ کا — مرے پاس ہے نام اللہ کا
مجھے اپنے مطلب سے ہے کام کیا — وہ مطلوب ہے، ہے جو دلخواہ کا
وہ بے درد ہے سنگ دل بے وفا — بھروسا نہ کیجو میاں آہ کا
تکلف بڑا[1] ہے تو منہ ڈھانپ لو — مزاحم ہوا ہے کوئی راہ کا
ترے چہرے[2] کو جو کہے چاند سا — وہ احمق ہے تم دیکھو منہ ماہ کا
طریقِ محبت بہت سخت ہے — نہیں کام واں یار ہمراہ کا

مرے نام کو پوچھتے ہو عبث
لقب عشقؔ ہے بندہ درگاہ کا

۱۷۵

تصور دل میں رکھ جو صورتِ دلدار ہو پیدا — فنا کر پھر شتابی آپ کو تا یار ہو پیدا
گلے میں مثلِ ہیکل اس کو رکھوں شوق سے کافر — تری[3] زلفوں کے تاروں کی اگر زنار ہو پیدا
تکلف بر طرف یہ ہستئ موہوم لاشے[4] ہے — برنگِ طور جل ہی جاؤں گو دیدار ہو پیدا
نشہ وحدت کا ایسا بھر تو جامِ چشم میں ساقی — جہاں قطرہ گرے آنسو کا واں اسرار ہو پیدا

نشہ میں بے خودی کے دل اگر رونے پہ آجاوے
محبت کے چمن میں عشقؔ کا گلزار[5] ہو پیدا

۱۷۶

بلبلوں کا شور و غل جانے لگا — کیا چمن سے ہائے گل جانے لگا

---

۱ لـ بڑا۔ ۲ لـ چہرہ۔ ۳ لـ ترے۔ ۴ لـ لاثی، غلط ہے۔ ۵ لـ گلزار، درست ہے۔

رشک سے دل کیوں نہ ہووے چاک چاک — شانہ تیری زلف سلجھانے لگا
جام کے مانند سرگرداں ہوا — جس گھڑی وہ پی کے مُل جانے لگا
دیکھ کر دل تجھ کو اے رشکِ بہار — غنچہ کے مانند کھِل جانے لگا
کچھ مرض ہے ان دنوں گیا دل تجھے — خود بخود جو جسم گھل جانے لگا
گیند ہے یا آسمانِ درد ہے — ہر کسی پر دل جو ڈھل جانے لگا
ان دنوں میں عشق پر سودا ہوا
ہر کسو سے دل جو اُلجھانے لگا

۱۷۷

وہ زندہ ہے ترے ابرو سے جو بسمل نہ ہووے گا — نہ لگ جاوے گا جو تجھ سے وہ دل (پھر) دل نہ ہووے گا
نہ گل کھاوے گا تیرے حسن کے شعلہ سے جو دل پر — نشاطِ زندگی سے کچھ اُسے حاصل نہ ہووے گا
برنگِ شخص و سایہ خود بخود پردا ہے تو اپنا — اُٹھا دے آپ کو پھر دیکھ کچھ حایل نہ ہووے گا
تجھ ہی کو دیکھتے ہیں ہم کمر کو قتل پر باندھے — جہاں میں دوست جو ہوگا سو وہ قاتل نہ ہووے گا
خودی کو بے خودی کہتے ہیں آ تو تجھ میں فانی ہو — نہ کھووے گا جو کوئی آپ کو واصل نہ ہووے گا
تعین نیک و بد کا میں نہیں کرتا کسو سے بھی — کوئی ایسا نہ ہووے گا کہ وہ مائل نہ ہووے گا
بھلا کس طور ہوگا سرخرو محشر کے میداں میں
جو کوئی عشق کی شمشیر سے گھائل نہ ہووے گا

۱۷۸

ادا و ناز سے جس وقت وہ دامن کشاں نکلا — پڑا غوغا یہ عالم میں کہ خورشیدِ جہاں نکلا
غرورِ سرکشی سے جو گیا دل اس کے کوچے میں — خراب و خستہ و بیمار و زار و نیم جاں نکلا

---

۱ و ۶ ل چشم۔ ۲ ل ۸ تری۔ ۳ ل ۸ ہووے گا۔ ۴ ل ۸ دلبر۔ ۵ ل ۸ اس کو کچھ۔ ۶ پردہ۔
۷ حائل۔ ۸ ل کوچہ۔ ۹ ل ناتواں۔

طلب دیدار کی اظہارِ ظلم و بیکسی اپنی | کہوں کیا در جواب اس کے نہ ہوں نکلی نہ ہاں نکلا
عبث[1] ہم دیر و مسجد میں پری رو ڈھونڈتے تھے دل | نہ یاں نکلا نہ واں نکلا کہاں سے جا کہاں نکلا
جہاں میں آگے تیرے کتنے ہی معشوق ہو گذرے | پہ[2] تجھ سا دوسرا کوئی نہ زیرِ آسماں نکلا
عجب تو یہ نہیں جو بے نشاں سے ہو نشاں پیدا | تعجب یہ بڑا ہے جو نشاں سے بے نشاں نکلا

جگرداری کہوں گا دل کی تم سے عشقؔ کی دولت
مقابل ہو لے اس رستم کے ہے یہ ناتواں نکلا

۱۷۹

جان سے تا جہان دیکھ لیا | پھر تمہیں بھی ندان دیکھ لیا
شبِ تاریک میں جو وہ آیا | پھونک کر خانمان دیکھ لیا
نام کو بھی نہ پائی دلداری | بس تمہیں مہربان دیکھ لیا
لختِ دل کا نشاں نہ پایا حیف | اشک کا کاروان دیکھ لیا
آگے بدنام چشم و دل تو تھے | تجھ کو بھی اے زبان دیکھ لیا
دل سمجھتا ہے لطف کو اس کے | پھرتے پھرتے جو آن دیکھ لیا
دل کے پرتو کی تیرے گرمی سے | عشق کا میں نشان دیکھ لیا
دیر و کعبہ میں کیا کروں جا کر | دل میں تیرا مکان دیکھ لیا
درد بر درد ہے نشیب و فراز | یہ زمیں، آسمان دیکھ لیا
ہجر اور وصل میں رہے یکساں | کر کے یہ امتحان دیکھ لیا

اب تیقن نہ ہووے مجھ کو عشقؔ
جب یقین و گمان دیکھ لیا

---

۱ یہ شعر ۳ ۷ میں نہیں درج ہے ۔ ۲ ۳ ۷ ۶ نہ۔

۱۸۰

جب قتل اُسے وہ بتِ دلخواہ کرے گا
بے تابی تو معلوم نہ وہ آہ کرے گا

تو سنگ دلی اپنی پہ مغرور نہ ہو بُت
جو کچھ میں کہوں گا مرا اللہ کرے گا

بے فکرِ وہ عالم سے نیاز اس کو کہاں ہے
گو سیکڑوں باری پھرے پرواہ کرے گا

اِس اُس کو نہیں جانتا یہ وہ نہیں سُنتا
جو کچھ کہوگے بندۂ درگاہ کرے گا

افسانۂ ہجراں تو تمامی نہیں رکھتا
ہے طول و طویل آگے وہ کوتاہ کرے گا

نہ آہِ جگر سوز ہے نہ اشک یہ گلگوں
دل کیوں کے مری جان تری چاہ کرے گا

مت پوچھ تو احوال کو اب عشق کے ہم سے
جب آہ کرے گا تجھے آگاہ کرے گا

ردیف ب

۱۸۱

اُن لبوں سے یہ دل ہے جام طلب
جس سے یاقوت بھی ہے نام طلب

آخر الامر نامرادی ہے
چرخِ کج باز سے نہ کام طلب

سر جھکانا پڑے گا آخر کو
دل جہاں ہیں نہ ہو سلام طلب

رات و دن[1] سے نہیں ہے مجھکو کام
زلف و رُخ کی ہے صبح و شام طلب

کیوں نہ طاوس وار کھاویں داغ
عشق کرتا ہے دام دام طلب

۱۸۲

تم عبث یاں[2] ڈھونڈھتے ہو آشیانِ عندلیب
مشت پر گلشن میں رہ گئے ہیں[3] نشانِ عندلیب

---

۱ ر۳ ر۴ ر۶ رات دن ۔ ۲ ک اب ۔ ۳ ک باقی ہے۔

۱۸۲

گل کی خوبی اب کہاں اور جور تیرا باغباں — رہ گئی سن لے زباں پر داستانِ عندلیب

دور ہے انصاف سے گلچیں نہ چن کلیوں کو تو — دل سے ہر غنچہ کے وابستہ ہے جانِ عندلیب

کیوں نہ اب فرمانِ گل پر بادسی اڑتی پھرے — برگِ گل میں رگ نہیں ہے، ہے عنانِ عندلیب

عشق ویراں اب تلک ہے جب خزاں سے یہ چمن

خار و خس باقی نہیں جز استخوانِ عندلیب

۱۸۳

یہ آرزو نہیں ہے کہ ہووے پلنگ و خواب — بس ہے جہاں میں یار کے کوچے کا سنگ و خواب

درعین خواب آہوئے دل کو کیا اسیر — سیکھے ہیں کس سے سیکھیں یہ تیرے شلنگ و خواب

۱۸۴

مجھ سے وہ غنچہ دہن بولے عجب — دل کی اپنے وہ گرہ کھولے عجب

پھاڑتے ہی جیب غنچے جھڑ گئے — سر مونڈاتے ہی پڑے اولے عجب

قدر اس کی چشم میں عاشق کی ہے — اشک سے گوہر کو وہ تولے عجب

ہے کوئی میداں میں میرے روبرو — جو ترے چوگاں سے یہ گولے عجب

جوں صبا پھرتا رہے وہ آس پاس — دور سے عاشق تری بولے عجب

غیر ستاری کے تیری اے کریم — بندۂ شرمندہ کو جو لے عجب

آبِ تیغ اس کی میں ہے آبِ حیات

عشق جھٹ پر کوئی منہ دھولے عجب

۱۸۵

دل کے لینے کا یہ نہیں اسلوب — ہنس کے کہنے لگا بھلا جی خوب

پائے ہم نے تمہارے یہ اسلوب — واہ وا، واہ وا، میاں کیا خوب

---

۱ د۲ د۳ د۴ د۶ اب۔

سب کھلاڑی کے کھیل ہیں یہ عزیز — نام کو یوسف اور ہیں[1] یعقوب

چپ ہی تیرے کا تجھ سے طالب ہوں — تجھ سوا کون ہے مرا محبوب

عرقِ انفعال میں خورشید — دیکھ کر منہ ترا گیا ہے ڈوب

لب[2] معشوق تیر دل پہ رہے — یعنی سوفار تک گیا ہے ڈوب

اس پری رو کی یار بانکی[3] ادا
عشق کو کس طرح نہ ہو مرغوب

١٨٦

کس کو تجھ کو لگی نظرِ مہتاب — جو گئی تیری سر بسر مہ تاب

دور ہیں اس ہلالِ ابرو کے — نہ پھرے کیونکے در بدر مہتاب

یار میرا ہے یا رو عید کا چاند — نہ گھٹے کیونکے دیکھ کر مہتاب

کبھی گھٹتا کبھو وہ بڑھتا ہے — تجھ سے ہو کیونکے سر بسر مہتاب

دیکھ کر آفتاب کو میرے — ڈر کے چھپتا ہے ہر سحر مہتاب

چھوٹتی ہیں ہوائیاں منہ پر — جب تجھے دیکھے جلوہ گر مہتاب

وہ تو داغی غلام ہے تیرا — گو فلک پر رہے اگر مہتاب

آسمان و زمین، جھگڑا ہے — آفتاب ہے اُدھر اِدھر مہتاب

آگے اس کے یہ ہے نظر[4] آتا
چھپے گا کہہ کے الحذر مہتاب

١٨٧

مدعی خوش ہیں ہوں نالاں یا نصیب — مجھ کو درد اوروں کو درماں یا نصیب

---

١ لف ہے۔ ٢ لف میں یہ شعر نہیں ہے۔ ٣ لف ادا بانکی۔ ٤ لف یہ ہے نظر عشق آتا۔

بیٹھنے پر لے جگہ مانع جو ہوں — در جواب اس کے ہو ہاں ہاں یا نصیب
مال و جاں جن کے لئے کرتا ہوں صرف — اس پہ ہوں بیزار خوباں یا نصیب
جھوٹ جتنا تم کہو سو ہو وہ سچ — راستی کو کہیئے بہتاں یا نصیب

اس چمن کی سیر میں اے گل عذار
عشق کی آنکھوں میں طوفاں یا نصیب

۱۸۸

تجھے دیکھے جو جلوہ گر آفتاب — گرے پانوں پر ٹوٹ کر آفتاب
پھرے کاسۂ زر کو لے در بدر — اگر پاوے تیری خبر آفتاب
تری تیغ ابرو کو دیکھے اگر — یقیں ہے کہ ڈالے سپر آفتاب
خجالت سے وہ ڈوب جاوے وہیں — تجھے دیکھے جو چشم بھر آفتاب
پھرے ہو کے سورج مکھی روبرو — مقابل ترے بن سنور آفتاب
پڑے چشم اُس ماہرو پر اگر — سلام ہی کرے ہر سحر آفتاب

دکھاؤں اگر عشق کے نور کو
بنے شمس سے پھر قمر آفتاب

ردیف پ

۱۸۹ +

مر ہی گئے جفاؤں سے قاتل تڑپ تڑپ — میں کیا کہ اور کتنے ہی بسمل تڑپ تڑپ
پنجڑے کو توڑ سینے کے یہ مُرغِ دل مرا — نکلے گا کوئی دم ہی میں غافل تڑپ تڑپ

ا ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔ + ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ میں یہ غزل ردیف 'ہ' میں درج ہے۔

کہتے ہیں اضطراب ہے تیرا پسند یار — آرام و صبر بھول جا گھائل تڑپ تڑپ
میں کس روش سے تم کہو ممنونِ دل نہ ہوں — پہنچا دیا ہے اُن نے بہ منزل تڑپ تڑپ
آرامِ زندگی تو گیا مدتوں سے عشقؔ
دیکھیں پھر آگے کیا کرے یہ دل تڑپ تڑپ

ردیف ت

۱۹۰

کیا خود پرست و دیر پرست و خدا پرست — جب خوب دیکھئے تو یہ سب ہیں ہوا پرست
جس دن سے بوئے زلف لے آئی ہے[1] اپنے[2] ساتھ — اس گلشنِ جہاں میں ہوا ہوں صبا پرست
سب کو جہاں میں دعوئ الفت ہے دوستاں — کوئی نہیں پڑا ہے نظر آشنا پرست
صورت پرست و راج پرست و صنم پرست — معنی میں دیکھئے تو سبھی ہیں خدا پرست
قاتل نے پائمال کیا جب سے خونِ عشقؔ
سب شغل چھوڑ کر وہ ہوا ہے حنا پرست

۱۹۱

دیکھ اُس گل عذار کی صورت — آئینہ ہے بہار کی صورت
آنسو آنکھوں سے میری بہتے ہیں — گوہرِ آب دار کی صورت
آنکھیں پتھرا ئیں[3] مثلِ آئینہ — کیا کہوں انتظار کی صورت
کس سے جا کہئے اضطرابئ دل — ہے جہاں بیقرار کی صورت
عشقؔ کے داغ کم نہیں گل سے
دیکھ ظالم بہار کی صورت

۱ک یہ لائی ۔ ۲ ک۳ ک۴ ہیں ۔ ۳ ک ہیں اپنی ۔

۱۹۲

نظر میں جس کی پھرتی ہووے اس خونخوار کی صورت | اُسے ہرگز نہ خوش آوے گل و گلزار کی صورت
بغیر از روئے زیبا کے جہاں کا آئینہ خانہ | نظر آتا ہے آنکھوں میں در و دیوار کی صورت
بہا جاتا ہے خوں آنکھوں سے اس کی یہ نشاں تو ہے | وگرنہ کون پہچانے ترے بیمار کی صورت
عرض کیا اور کیا جوہر کوئی ظاہر کوئی مظہر | محقق کہتے ہیں ان سب کو اس دلدار کی صورت

یہ زورِ عشق ہے بے شبہ ہم بھی تجھ سے کہتے ہیں
اسے سنتا ہے او زاہد ترے انکار کی صورت

۱۹۳

مارا تھا کس کے منہ پہ یہ مغرور پشتِ دست | جو سنگِ حادثہ نے کیا چور پشتِ دست
تیرِ مژہ سے دل کو بچایا ہے ہاتھ نے | کیوں کر نہ ہووے خانۂ زنبور پشتِ دست
قطرہ[1] کو خونِ دل کے کفِ دست نے پیا | کیوں کر کرے نہ تجھ سے مجھے دور پشتِ دست
روئے دلِ غریب کو کرتی ہے وہ[2] خراش | چینِ جبیں پہ مار تو فغفور پشتِ دست
چاہے کہ دیکھے رُخ کو ترے آفتاب رو | آنکھوں پہ سایہ ہاں کرے جوں کور پشتِ دست

ڈرتا ہوں دل میں عشق نہ رنجور ہو کہیں
بے وجہ دے دے پٹکے ہے مخمور پشتِ دست

۱۹۴

آتش سے میاں گرم ہے بازارِ محبت | جلتے ہیں تاسف سے خریدارِ محبت
تکلیف مسیحا کو نہ دو واسطے اس کے | محتاج دوا کا نہیں بیمارِ محبت
بے سر پہ یہ سر کھلتے ہیں سر دیوے تو سمجھے | ہر ایک پہ ظاہر نہیں اسرارِ محبت

---

۱ س ۳ ل ۲ قطرے۔ ۲ ل ۶ اب۔

ہے مفت اگر جی کے عوض لیجئے اس کو صحت سے مجھے خوب ہے آزارِ محبت

اے قبلہ حاجات دعا عشق کی سُن لے

آیا ہے ترے پاس طلبگارِ محبت

۱۹۵

ہو جاوے ہماری بھی سحر رات مل بیٹھو جو آج کی اگر رات

معلوم نہیں ہے مجھ کو غش میں[1] جاتا ہے کدھر یہ دن کدھر رات

کل[2] عید کے دن کو دیکھ لیں گے جیتے بچے[3] آج کی اگر رات

یارو وہ شب بخیر کہہ کے جی کر گیا بے خبر سفر رات

ممکن نہیں جی بچے سحر تک باقی ہے ابھی تو دو پہر رات

تجھ بن ہے جہان یار تاریک خورشید نمود ہے نہ ذرّات

کہتے ہیں شبِ برات کل ہے جو آج کی گذرے بے خبر رات

لے شام سے دو پہر ہوں پھرتا پھر بیٹھ کے باقی دو پہر رات

رو رو کے پکارتا ہوں یا رب دکھلائے گی آہ کیا سحر رات

بے کاٹے دل و جگر کو اے عشق

کٹتی نہیں آتی یہ نظر رات

۱۹۶

مجھ سا نہیں ہے کوئی جہاں میں بہارِ دوست کرتے ہیں کس لئے مجھے زنجیر بار دوست

کہتا نہیں ہوں اس لئے میں تجھ کو یار دوست دشمن ہے میری جان کا جو ہو ہزار دوست

میرا سلام کہیو تو اب روزِ عید کو ہے روزِ عید آج جو ہے ہمکنار دوست

---

۱ لہ ہیں ۔ ۲ کل ہوگی جو سحر تو عید ہوگی۔ ۳ ۳ٹے ۴ٹے جی سے بچے۔

پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری مثلِ آئینہ ۔ یاں تک کیا ہے میں نے ترا انتظار دوست
یہ اضطراب دل کو ہمارے کبھو نہ تھا ۔ تیرے قرار پر یہ ہوا بیقرار دوست
جراح کے بلانے پہ ہنستے ہیں زخمِ دل ۔ کھائے ہیں یعنی زخم ترے بے شمار دوست
ٹک آئینہ کو دیکھ نہیں اعتبار جو ۔ رہتا نہیں ہے دیکھ تجھے اختیار دوست

کرتا ہے عشقؔ سیکڑوں نالے ترے لئے
تو بھی ذرا تو مہر سے اس کو پکار دوست

۱۹۷

تری تروار آگے کون آسکتا ہے کیا قدرت ۔ بجز تیرے مجھے رستم ستا سکتا ہے کیا قدرت
مثالِ جام یہ لبریز ہے شیشہ محبت سے ۔ خیالِ غیر میرے دل میں آسکتا ہے کیا قدرت
بتوں کے ربط سے کرتا ہے ہم کو منع کیوں زاہد ۔ کوئی ایسا خیال اب جی سے جا سکتا ہے کیا قدرت
تمہارے نقشِ پا پر سر لگائے یار بیٹھا ہوں ۔ کوئی اس خاک کا سرمہ لگا سکتا ہے کیا قدرت

خیالِ خام کو عشقؔ اب نہ دے تو دل میں جا اپنے
کوئی تقدیر کا لکھا مٹا سکتا ہے کیا قدرت

۱۹۸

ہے مجھ کو یہ حیرانی ہم صورت و ہم سیرت ۔ پیدا نہ ہوا ثانی ہم صورت و ہم سیرت
بُرّش ترے ابرو کی دل دیکھ کے یہ بولا ۔ ہے تیغِ خراسانی ہم صورت و ہم سیرت
زلفوں کی حقیقت کو کیا کس سے بیان کیجے ۔ ہے شکل پریشانی ہم صورت و ہم سیرت
نقاش[1] کی تقلیدیں کب نقش سے ہوتی ہیں ۔ رو رو کے کہے مانی ہم صورت و ہم سیرت
گلزار[2] میں عالم کے یہ گل ہیں کہیں پھولے ۔ ہے بخششِ ربّانی ہم صورت و ہم سیرت

۱، ۲ ر۲ میں یہ اشعار نہیں ہیں۔

جس رات تجھے دیکھوں مصروف محبت پر　　وہ خواب ہے رحمانی ہم صورت و ہم سیرت

دو چیزیں اکٹھی ہوں ہے عشق نپٹ مشکل
آساں نہیں ہے پانی ہم صورت و ہم سیرت

۱۹۹

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہاں میں کہاں کی بات　　غنچوں کے منہ تلک تو ہے اُس کے دہاں کی بات

کچھ گوش زد ہوئی ہے تو اس کی ہمیں کبھو　　سنتا ہے کون کہتے ہو کس سے جہاں کی بات

یہ میٹھی میٹھی باتیں نمک ریز دل پہ ہیں　　اپنے لئے میں سنتا ہوں شور و فغاں کی بات

سرگوشی ان عزیزوں کی خالی نہیں ہے یار　　پہنچی ہے ان کے کانوں میں کچھ امتحاں کی بات

نوبت اشارتوں تلک اس کی تو پہنچی ہے　　آخر کبھو سنو گے بھی اس نیم جاں کی بات

غنچوں کے منہ سے پھول جھڑیں گو سخن کے بیچ　　لذت جدا ہی رکھتی ہے اس کی زباں کی بات

صورت میں گرچہ ٹیڑھی ہے معنوں میں سیدھی ہے　　کہتے ہیں دل میں اس لئے وہ تیری بانکی بات

خاطر نشاں ہمارے کسو طرح سے نہ ہو
جب تک کہے نہ عشق کوئی بے نشاں کی بات

۲۰۰

ڈھونڈی معنی سے ہم نے تا صورت　　نہ ملی کوئی آشنا صورت

کھینچی مانی نے جب سے اس کی شبیہہ　　بنی ہے اس کی تب سے کیا صورت

معنی ہو وینگے جلوہ گر تجھ پر　　اپنی ہر طرح سے بھلا صورت

مانی صورت کشی میں ہوا اُستاد　　کوئی دکھلاؤ دل رُبا صورت

حسن صورت پہ تو نہ ہو مغرور　　آخر الامر ہے فنا صورت

---

۱ لملا شیریں۔

عیش و عشرت کی غم کی ماتم کی
دیکھی ہے رقعہ پر جدا صورت
فکر سے ان میں عشق غور جو کی
پائی ہر طرح بے وفا صورت

+ ۲۰۱

بیاں میں کیا کروں تجھ سے دلِ بیمار کی حسرت
گیا لے گور میں آخر ترے دیدار کی حسرت

تغافل سے کیا بسمل اگرچہ تونے اے ظالم
یہ دل میں رہ گئی میرے تری تروار کی حسرت

جگر کے داغ ہی کافی ہیں اے رشکِ چمن مجھ کو
کسو کافر کے دل میں ہوئے گی گلزار کی حسرت

نہ کر لوحِ مزار اس[1] کی بجز یاقوت احمر کے
کہ دل میں لے چلا ہے اپنے لعلِ یار کی حسرت

+ ۲۰۲

ہے کیا عجب کہ باغ کی ہو آب و تاب سوختہ
گرمی سے تیرے حسن کی ہے آفتاب سوختہ

آنکھوں کے تیری ڈوروں کی کیفیتوں کو دیکھ
انگور کی رگوں میں ہوئی ہے شراب سوختہ

فانوس تو نہ سمجھیو اس کو تصورِ باد
پروانہ کی نفس نے کیا یہ نقاب سوختہ

گو یار بے نقاب بھی ہو دیکھیں کس طرح
کرتا ہے اپنے دل کو تو اپنا حجاب سوختہ

جو لختِ دل کتنے میرے سو جلبل کے خاک ہوئے[2]
اتنا بھی دل کو کرتے ہیں خانہ خراب سوختہ

دل کو لگی ہو جس کے یہ آتش وہ سمجھے قدر
منہ سے بیاں نہ ہووے کبھو شیخ و شاب سوختہ

محزوں نہ ہووے کیوں کے صدائے ربابِ عشق
آخر حزن سے میرے ہوا ہے رباب سوختہ

+ یہ غزلیں صرف ن۲ ن۶ میں موجود ہیں اور ان نسخوں کی مدد سے کلیات میں درج کی گئی ہیں۔ غزل نمبر ۲۰۱ کا مقطع ن۲ میں کرم خوردہ ہے اور ن۶ میں نہیں ہے۔

۱ ن۶ اس کا۔ ۲ کے ہوئے خاک۔

+ ردیف ٹ

۲۰۳

آنکھیں میری بہ گئیں اب پھوٹ پھوٹ
تو بھی جانا تو نے اس کو جھوٹ جھوٹ

میرے رونے کو ٹک اک آنکھوں سے دیکھ
اشک کی لڑیاں ہیں گرتی ٹوٹ ٹوٹ

دادرس تجھ بن جہاں میں کون ہے
ملکِ دل بے فکر ہو کر لوٹ لوٹ

اُن کا مارا اب کوئی بچتا نہیں
کیوں پھنسا ہے زلف میں تو جھوٹ جھوٹ

جل کے سینہ خاک تودا ہو گیا
اے خدنگِ عشق جلدی چھوٹ چھوٹ

ردیف ث

۲۰۴

آ واسطے خدا کے گذر جی نہ کھا عبث
ناصح ٹک اس کو دیکھ مجھے مت سنا عبث

روزی تری مقرر و رزاق ہے کریم
پھرتا ہے اتنے واسطے تو جا بجا عبث

سایل نہ ہو لئیم[1] سا تو چھوڑ کر کریم
گوشہ میں دل کے بیٹھ کہیں آ، نہ جا عبث

واقف نہیں ہو درد کی لذت سے ناصحو
یہ دل نہیں ہوا ہے مرا مبتلا عبث

کچھ حکمت[2] اس میں ہوگی جو مجکو جدا کیا
لاؤں زباں پہ اپنے بھلا یا بُرا عبث

سمجھا غنی وہ حق ہی کو اور ما سوا فقیر
کیوں اغنیا سے عشقؔ کرے التجا عبث[3]

+ را، ڈ، ر۳، ڈ۲، ڈ۵، ڈ۶ میں یہ غزل ردیف 'ت' میں درج ہے۔

۱ ڈ۶ لئیم سے۔ ۲ حکمت کچھ' مناسب ہوگا۔ ۳ ر۳ ڈ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔

۲۰۵

تنہا نہ تیرے حسن کی ہے انجمن میں بحث — کرتی ہے عندلیب بھی گل سے چمن میں بحث
تا روزِ حشر یار شفق کی بہار سے — ہو گی ترے شہید کو خونیں کفن میں بحث
الفاظ درد خوب سمجھتا ہوں شیخ جی — میں نکتہ چیں نہیں ہوں کروں جو سخن میں بحث
گو کوہکن نے سر کو بھی پھیرا تو کیا ہوا — مجنوں سے پر نہ ہووے گی دیوانہ پن میں بحث

زیبا ہے گفتگو تجھے اس مسئلہ میں عشقؔ
جو نکتہ داں ہیں کرتے ہیں اس کی ذہن میں بحث

ردیف ج

۲۰۶

پہلے کچھ ناصح بتا سودائے خوباں کا علاج — بعد ازاں کیجو مرے چاکِ گریباں کا علاج
دل نشانہ ہے ترے تیروں کا اے ابرو کماں — کون کا فرچاہتا ہے زخمِ مژگاں کا علاج
کون ہے دل سوز میرا غیر میرے عشق کے — کوئی کر سکتا ہے اُس بن مجھ پریشاں کا علاج
آنکھ میں جوں اشک رکھتا ہوں پہ وہ رہتا نہیں — کس طرح یارو کروں اُس طفلِ ناداں کا علاج

رو رو اپنا گھر ڈبویا عشقؔ آنکھوں نے تری
کچھ بھی ہے منظور اب اس چشمِ گریاں کا علاج

ردیف چ

۲۰۷

جوں شمع دل ہے جلتا (جو) فانوسِ تن کے بیچ — سینہ ہوا ہے روشن اسی کی لگن کے بیچ
تم پوچھتے ہو مجھ سے گریباں کو کیا ہوا — ثابت نہیں ہے تار مرے پیراہن کے بیچ

ہوں نورِ چشم مردمکِ جوہرِ کمال　　جنبش نہیں ہے اور سفر ہے وطن کے بیچ

ہے کیا عجب جو اُس کو کہوں گل عذار میں　　بوئے گلاب آتی ہے اس کے بدن کے بیچ

آنے[۱] دیا تھا کن نے کہو بارے عشق کو

جو بے مزہ کیا مجھے سیرِ چمن کے بیچ

۲۰۸

دل نظر بند ہوا حیف نگاہوں کے بیچ　　سحر تھا یا رو مگر چشمِ سیاہوں کے بیچ

اس کفِ خاک پر[۲] شاید قدم آوے تیرا　　سنگدل فرش ہوا ہوں تری راہوں کے بیچ

شبِ تاریک میں جس طور سے چمکیں تارے　　دود آمیز شرر اُڑتے ہیں آہوں کے بیچ

دستگیری مری کر جلد خداوند کریم　　غرق ہوں سخت میں دریائے گناہوں کے بیچ

خاکساری ہی کی رفعت مجھے منظور ہے عشق

سرکشی لطف نہیں رکھتی ہے شاہوں کے بیچ

ردیف ح

۲۰۹

یاد آجاتی ہے جب ساقی کے آجانے کی طرح　　آنکھیں بھر آتی ہیں خونِ دل سے پیمانے کی طرح

گرچہ کیفیت خوشی میں اُس کی ہوتی ہے دوچند　　پر قیامت لطف رکھتی ہے یہ جھنجھلانے کی طرح

ہجر کے صدمے نہ کھینچے ان نے بلبل کی مثال　　اور ہی سوجھی تھی پروانے کو جل جانے کی طرح

کیوں عبث کھاتا ہے بل ناصح نہیں چھٹنے کا دل　　چاک چاک ہوکر پھنسا ہے زلف میں شانے کی طرح

لذتیں دیں غافلوں کو قاسمِ ہشیار نے

عشق کی قسمت ہوئی دنیا میں غم کھانے کی طرح

---

۱ س۳ لکھ آنے دیا تھا عشق دوانے کو کن نے یاں۔　۲ ک پہ۔

ردیف خ

۲۱۰

نہیں ہے مجھ سے جو ناصح وہ ماہ رو گستاخ
تو جیبِ سینہ سے رہتا ہے یہ رفو گستاخ

نہیں اگرچہ وہ گستاخ اختلاطوں میں
ولے ہے تیرے ستانے کو تند خو گستاخ

حجاب تیرے سے یہ آرزو ہے سخت خراب
کبھو بھی ہووے گا دلدار ہو گا تو گستاخ

مثالِ آئینہ ہر دم وہ منہ پہ چڑھتا ہے
نہ کر تو عشق کو اتنا بھی رو برو گستاخ

۲۱۱

پھولے ہے گرچہ باغ میں بلبل ہزار شاخ
اُس سرو قد کو دیکھے تو ہو شرمسار شاخ

دو دن کے برگ و بار پہ بلبل نہ کر غرور
آخر خزاں میں ہوئے گی جوں چوبِ دار شاخ

لوٹے گا سب بہار تری شحنۂ خزاں
بلبل پر[۱] کر لے تو زرِ گل کو نثار شاخ

چلتے ہیں تجھ پہ سنگ حوادث اسی لیے
محفوظ وہ ہے جو نہ رکھے برگ و بار شاخ

خواہش ہے آگ کی تو تکلف کو دور کر
دیکھی ہے عشق جلتی[۲] کبھی میوہ دار شاخ

ردیف د

۲۱۲

آئینہ میں ہوا ہے عکس نمود
غور کر اس کی کتنی ہو گی بود

عشق کے کھیل ہیں میاں یہ سب
ہے ایاز اب کہاں کہاں محمود

---

۱ کہ یہ - ۲ تا ۳ ۴ جلتی عشق۔

سر کٹاوے تو شمع ہو روشن　　اپنے نقصاں میں بھی یہاں ہے سود
ایک ہیں یار مظہر و ظاہر　　آئینہ عین ہے نمودِ وجود
آئینہ دیکھتے ہیں سب ذوالعقل　　چشم ذوالعین میں وہ ہے مشہود
آپ ہی آپ ہے بہر صورت　　ہے دوئی یار اس جگہ مفقود
بات پر عشق کی یقیں تو کر
چاہتا ہے جو اپنی تو بہبود

۲۱۳

نہ ہمیں سود نہ زیاں ہے یاد　　صرف یہ نالہ و فغاں ہے یاد
ہوشیاروں سے پوچھ یہ باتیں　　آپ کو بھولے جب کہاں ہے یاد
گو کہ مدت سے اس قفس میں ہیں　　پر قدیم اپنا آشیاں ہے یاد
وہم کے اپنے سب مفسر ہیں　　بے نشاں کا کسے نشاں ہے یاد
دل تو اور ہی مکاں میں پھرتا ہے　　نہ زمیں ہے نہ آسماں ہے یاد
آگے کچھ کچھ جو ہم سے کہتے تھے　　اُس سے کچھ تم کو مہرباں ہے یاد[1]

۲۱۴

پڑا جو مُنہ پہ ترے ناش کا نقاب سفید　　برنگ ماہ ہوا جل کے آفتاب سفید
نہ بے حجاب ہوا مجھ سے رشکِ مہ میرا　　اگرچہ رو رو ہوئے دیدۂ پُر آب سفید
سفید ٹھاٹ اُسی گل بدن پہ سجتا ہے　　شفق پہ جیسے نمودار ہو سحاب سفید
لبوں پہ جام بلوریں نہ ہووے جوں یاقوت　　شرابِ لعل ہے اور کاسۂ شراب سفید
کہا تھا ہم نے معلم سے دل خراش نہ ہو　　یہ طفلِ اشک نہ رو رو کرے کتاب سفید

---

[1] اس غزل کا مقطع کسی بھی نسخے میں نہیں ہے۔

کیا ہے جوشِ محبت نے خون کو پانی — نہ ٹپکے کیوں کے گلِ سرخ سے گلاب سفید

فلک کے رنگوں پہ اے عشق مت تو دھوکھا[1] کھا

برنگ دانۂ شبنم ہے یہ[2] حباب سفید

۲۱۵

تو سمجھتا ہے کوئی نالۂ شبگیر کا درد — جس کے دل میں چبھے جانے وہی اس تیر کا درد

زلف کی جانے بلا دل پہ جو گذری گذری — جس کے پاؤں میں پڑے جانے وہ زنجیر کا درد

مست ہے اپنی زد و کُشت کی تدبیر میں وہ — کوئی صیّاد سمجھتا نہیں نخچیر کا درد

طالبِ عیش و خوشی یارِ جہاں کے سب ہیں — کون سنتا ہے کہوں جو دلِ دلگیر کا درد

ملتجی ہوں جو فلاطوں سے یہی باطل ہے

عشق جاتا نہیں تدبیر سے تقدیر کا درد

۲۱۶

لگا ہے نورِ نظر کا مجھے خدنگ سفید — نہ رکھیو خاک پہ میری سوائے سنگ سفید

ہزار آپ کو رو رو کے دھووے دُرِ یتیم — مثال اشک نہ ہو اس میں آب و رنگ سفید

رخ اور زلف کو خوبی خدا نے دی ورنہ — سفید تنگ سیہ ہے سیاہ تنگ سفید

سفید پوش ہی رہ تو برنگِ نورِ قمر — بدن پہ تیرے کھبا ہے لباس تنگ سفید

ہوائے حرص نہ لگنے دے دل کو اپنے عشق

نفس ہی جوہرِ آئینہ پر ہے رنگ سفید

۲۱۷

شعلۂ حسن کو ہے داغِ جگر سے پیوند — کیوں نہ ہو نور کو ہے جرمِ قمر سے پیوند

داغ حسرت کے مٹیں دل کے پھپھولے پھوٹیں — مژہ کی ہوئے اگر شاخِ ثمر سے پیوند

---

۱ دھوکا۔ ۲ ے ۳ ے ۴ یہ ہے۔

دل کو کب تک رہے اللہ پریشاں نظری / کر نگہ میری کو تو نورِ نظر سے پیوند

تیرہ بختوں کی شبِ ہجر نبڑتی ہی نہیں / کی ہے خوباں نے مگر شام سحر سے پیوند

شجرِ عشق ثمر وصل کا لا وے[1] بے شک
آہ کی شاخ اگر ہووے اثر سے پیوند

۲۱۸

نہ ہووے مہر سے روشن کرے نہ ماہ سفید / تری نگاہ سے ہووے دلِ سیاہ سفید

بیان کیا کروں میں ظلم اپنے قاتل کا / ہے استخوانِ شہیداں سے خاکِ راہ سفید

نہ پوچھ خونِ جگر کی خبر تمام ہوا / نکلتے ہیں[2] مری آنکھوں سے اشکِ آہ سفید

برنگ آئینہ دل زلف و رخ کو تیرے دیکھ / سیاہ گاہ وہ ہوتا ہے اور گاہ سفید

سیاہ نامۂ اعمال ہے گناہوں سے / کر اپنے فضل و کرم سے اے الٰہ سفید

فلک کی شعبدہ بازی کو غور کر ٹک دیکھ / اُگا جو روئے زمیں پر تیرے گیاہ سفید

نہ پوچھ عشق تو مجھ سے ہلالِ ابرو دیکھ
فلک کی کہنگی پر بس ہے یہ گواہ سفید

۲۱۹

جھگڑے میں دوستی کے کن نے بدا ہے شاہد / بندے ہیں ہم تمہارے اس کا خدا ہے شاہد

آنکھوں کے تیری آگے دل لُٹ گیا ہے میرا / کہنے لگا کہ مت بک کس کی بلا ہے شاہد

خونِ جگر سے میرے رنگے ہیں پانو اپنے / کچھ جھوٹ تو نہیں ہے رنگِ حنا ہے شاہد

ہر ہر قدم پہ تیرے سجدہ کیا ہے میں نے / باور اگر نہیں ہے تو نقشِ پا ہے شاہد

دل چھن گیا بچارا تیرِ مژہ سے تیرے
اس راستی پہ عشق ہی پیدا کیا ہے شاہد

---

۱ کے لائے۔ ۲ ٹ ہی۔

ردیف ذ

۲۲۰

لکھ کے لاتا ہے عبث شیخ مچھندر تعویذ | داغِ محبوب سے ہے اب کوئی بہتر تعویذ
نورتن کا کریں کس طور وہ خوش بازوبند | ہے دوالوں کو ترے کوچے کا پتھر تعویذ
رسم و تدبیر غلط جان تو تقدیر پہ چھوڑ | شیخ کس واسطے کرتا ہے یہ منتر تعویذ
خطِ باطل کی طرح محو ہو تکسیر کا علم | دیکھ خط نو خطوں کا ہووے نہ ششدر تعویذ

ہیکلِ داغ گلوگیر ہوئی ہے میرے
عشق کے دل نے کیا جب سے یہ اخگر تعویذ

ردیف ر

۲۲۱

کی ہے کون و مکاں کی ہم نے سیر | جز خدا کے کہاں ہے یار و غیر
دوئی باطل ہے اور حق موجود | دید میں ایک ہیں یہ کعبہ و دیر
خلق کی دوستی سے کام نہیں | دل کو بھاتا ہے یار تیرا بیر
کیونکہ بہلاؤں یارو دل کو میں | جی نکلتا ہے آہ یار بغیر

بحرِ وحدت میں سیر جو چاہے
عشق دریائے معرفت کو پیر

۲۲۲

دل کی تقدیر بھی یا تم نے کی تدبیر بزور | ڈھانے ہو زور سے پھر کرتے ہو تعمیر بزور

ا۔ ۳ میں کا۔

زلف کو ہم سے چھپا دامِ تغافل کو بچھا — مرغِ دل کو مرے تم کرتے ہو نخچیر بزور

شیخ کا میں نے بگاڑا ہے خداوندا کیا — روز آ آ کے ستاتا ہے وہ بے پیر بزور

کچھ خدا کا بھی تمھیں خوف کبھو آتا ہے — ناتواں مجھ سے کو جو رکھتے ہو دلگیر بزور

شیوۂ بندگی میں گرچہ سراسر ہے قصور — میری تقصیر[1] جو ٹھہراتے ہو تقصیر بزور

محض بے عقل ہیں جو یاں سے اٹھاتے ہیں مجھے — کھینچ لائی ہے ترے کوچے میں تقدیر بزور

عشق سودا ہی گلوگیر مرا آگے تھا
اس پہ پہناتے ہیں پھر زلف کی زنجیر بزور

۲۲۳

کڑکے جو مرا نالۂ شبگیر ہوا پر — جل جاوے وہیں برق کی شمشیر ہوا پر

اُڑتے ہوئے دیکھا جو دلِ وحشی کو[2] غم سے — کھا پیچ اڑی زلف کی زنجیر ہوا پر

بے کار فلک سے نہیں یہ ٹمکٹکی لاگی — کھینچے ہے تصور مرا تصویر ہوا پر

کیوں کر نہ چلیں گلشنِ دنیا میں یہ لوئیں — ہو گئی ہے میاں آہ کی تاثیر ہوا پر

یاں دم کا بھروسا نہیں تدبیر سے حاصل — کرتا ہے دوانے کوئی تعمیر ہوا پر

بارے کہو تم عشق کو کس طور نہ رووے
ہے ان دنوں دودِ دلِ دلگیر ہوا پر

۲۲۴

آنکھ جو دیکھ ہو گئے مغرور — دل پکارا ہنوز دلّی دور

رو چھپایا جو مہر سے احمق — اُڑ گیا مُنہ سے شیخ چلّی نور

جبر اس اس طرح اٹھائے ہیں — دیکھ عالم مجھے ہوا مجبور

---

۱ ک بیری۔ ۲ س ک ک دلِ وحشی کو جو۔

غیر حق سے جو حق کو مانگ لیا شیخ جی پر کرے نہ کھلی حور
عشق کس بات پر لگایا دل
تھی بتوں کی تو دلبری مشہور

۲۲۵

کرتا ہوں اب کے بار میں توبہ سے توبہ یار کس واسطے کہ ٹوٹی ہے توبہ ہزار بار
جل ہی گیا فراق تو آتش سے ہجر کی آنکھوں میں میری رہ نہ سکا یار و انتظار
برباد میری خاک ہوئی واں نہ لے گئی دل میں مرے رہے گا صبا سے یہی غبار
ساغر تجھے قسم ہے سرِ خم کی جلد بھر کرتا ہے دستگیر وگرنہ مجھے خمار
اس تنگ نائے دہر سے باہر قدم کو رکھ ہے آسماں زمیں سے پرے وسعتِ مزار
مرہم لگا نہ داغ کو جراح مہر کر یہ داغ تازہ میرے کسی کی ہیں یادگار
چلتا ہوں راہِ عشق میں آنکھوں سے مثلِ اشک پھوٹیں کہیں یہ آبلے سرسبز ہو دیں خار
آتش سے گل کی داغ مگر عشق کھائے تھے
آئی جو پیشوا تجھے لینے کو نو بہار

۲۲۶

آنکھوں کی تیری گردشِ سرشار دیکھ کر اندھی ہوئی ہے نرگسِ بیمار دیکھ کر
کہتا ہوں سب کو ایک ہی لاٹھی نہ ہانکئے کیجے سلوک ہر کسی سے یار دیکھ کر
اے ہم نفس یہ کہیو کہ آنکھوں میں دم ہے آ ہو جاوے خوش وہ آخری دیدار دیکھ کر
کل گل کو دیکھ کرتی تھی بلبل جو زمزمہ روتی ہے آج وہ در و دیوار دیکھ کر
پھولوں کا ہار گوندھ کے آیا تھا یار پاس وہ تو گلے کا ہار ہوا ہار دیکھ کر
آیا جو مستِ ناز وہ خوبانِ روزگار پامال ہو گئے ہیں یہ رفتار دیکھ کر
دل میں خیال تھا کہ اسے کچھ کہیں گے عشق
منہ دیکھ رہ گئے اسے ناچار دیکھ کر

۲۲۷

حکمت سے یہ خالی نہیں لبریز ساقی جام کر دور و تسلسل میں نہ پھنس دیوانگی میں نام کر
کہتے ہیں تجھ سے بے خبر اوقات کو ضائع نہ کر جو کام کل آوے ترے سو آج تو وہ کام کر
جو جو بلائیں آفتیں آتی ہیں تیری جان پر تو جان ہی سے ہاتھ اُٹھا پھر شوق سے آرام کر
داغِ جگر کے یہ دِیئے چاہے کہ تو روشن رہیں اس روشنی کے خرچ میں تو روغنِ بادام کر
اُس آہوئے وحشی کو دل چاہے کہ صید ہووے[۱] ترا پھر گرد اُس کے اس قدر جس میں کہ اس کو رام کر
مقصود اگر منظور ہے رونا اگر مطلوب ہے لے شام سے تا صبح کر پھر صبح سے تا شام کر

سُن بات تو یہ عشق کی اے شیخ اگر دانا ہے تو
رزّاق ہے روزی رساں تسبیح کو مت دام کر

۲۲۸

طعنہ[۲] کرتے ہیں تیرے رسوا پر آپ سر پھوڑتے ہیں دنیا پر
کس کی آنکھوں کی تھی یہ گرم نگاہ پڑ گئے چھالے روئے دریا پر
بے شبہ یہ گلِ گلاب ہی ہے رنگ آیا ہے زورِ صہبا پر
سات پردوں میں گو کہ رکھئے چھپا کام کرتی ہے چشم بینا پر
چار قل کا ہے اس کو ذکر سدا کارگر کب نظر[۳] ہو مینا پر

عشق کیوں کر نہ ہوویں[۴] آنکھیں سرخ
چشم رکھتا ہے جام وصہبا پر

۲۲۹

گرفتاری ہے آزادی سے مجھ کو ہم نفس بہتر کہ ہے بے بال و پر کو ہر طرح کُنجِ قفس بہتر
سُنا تا ہے کسے فردوس کے گلزار کی خوبی مری آنکھوں میں ہے اُس کی گلی کا خار و خس بہتر

---

۱ لا ہووے۔ ۲ لا لا ۳ لا لا طعن۔ ۳ لا نظر۔ ۴ لا ہوئیں۔

نہ کر گمراہ عالم کو تو اس ذکرِ ریائی سے
کہ اس ہرزہ درائی سے تو زاہد ہے جرس بہتر

اگر دعوائے شہبازی ہے تو دل صید عنقا کر
وگرنہ ایسی شہبازی سے کم ہمت مگس بہتر

سُنا ہے قتل پر اُس کا مزاج اس سال آیا ہے
خدا ایسا کرے ہووے برس سے ہر برس بہتر

جہاں کے کام میں جس جس نے ڈالا ہاتھ کو کھویا
نہ ہووے جس قدر دنیا میں اے دل دسترس بہتر

تمنا آرزو کس کس طرح جل جل کے مرتی ہیں
کہا مت مان تو بھی عشق کا سن اے ہوس بہتر

۲۳۰

شور و غل کر کے دکھاتا ہے کسے تو شان ابر
یہ پلک دریا ہے جو کھل جاوے ہو طوفان ابر

چشمِ خوں آلودہ میری سے بدی کھتی اُن نے شرط
ہر برس رو رو کے دیتا ہے وہی تاوان ابر

لختِ دل میرا کوئی تصویر سے خالی نہیں
اس تر و تازہ مرقع پر نہ ہو قربان ابر

مطرب و مے گو میسر ہیں دماغ و دل کہاں
تیرِ باراں جان پر ہے میرے یہ پیچان ابر

مت ڈبو آبِ خجالت میں اسے اے چشم تو
پھر کہاں دو چار دن کا ہے یہی مہمان ابر

خونِ دل سے اشک رنگیں نے جہاں گلشن کیا
دستۂ گل آستیں ہو گئی اسے پہچان ابر

پانی پانی ہے خجالت سے وہ بحرِ اشک دیکھ
عشق آنکھوں کے مقابل ہو نہیں نادان ابر

۲۳۱

رو رو کے زار زار یہ کہتا ہے جانِ ابر
ہو چشمِ اشک بار پہ یہ سائبانِ ابر

تا شہ نشیں میں چشم کی آوے نہ کوئی غیر
بیٹھا گلاں باڑ پہ ہے دارا بانِ[1] ابر

دنیا میں گل زمیں نہیں باقی سوائے گل
آنسو کے آگے سبز نہ ہووے فغانِ ابر

قوسِ قزح میں چاشنیٔ ابرو کی ہو کہاں
آنسو کے آگے ڈال دے چلّا[2] کمانِ ابر

---

۱ دربان۔ ۲ چلہ۔

۱۰۳

طوفانِ اشک سرخ کا دیکھا نہیں ابھی ‏ گر جائے مثل برق وگرنہ یہ شانِ ابر

رحمت میں غرق کیوں کے گنہگار یہ نہ ہوں ‏ مے خوار اس چمن کے ہیں سب میہمانِ ابر

سیلاب عشق رونے[1] کا تیرے ہوا بلند

کیونکر نہ ہووے پست جہاں میں نشانِ ابر

۲۳۲

خوش رو کو کج خلقی سے یہ کہتے ہیں بدخوئی نہ کر ‏ کن نے سکھایا ہے تجھے دل لے کے دل جوئی نہ کر

رسوائی ہے، میری بہت شہرت اگر منظور ہے ‏ ہم راز تو' میرے سوا سنتا ہے اب کوئی نہ کر

کہتے ہیں ہر یک سے نہ مل ہیں خیر خواہوں میں ترے ‏ یک رنگ جو تجھ سے نہ ہو اس سے تو یکسوئی نہ کر

معشوق کی ظالم نگہ ہے زادِ راہِ آخرت ‏ مرتا ہے کوئی دم میں وہ اتنی بھی بے روئی نہ کر

چشمک زنی اس چشم کی بجلی سے کم کب عشق ہے

یعنی اشارت کو سمجھ اتنی بھی پُر گوئی نہ کر

۲۳۳

یارہے زور آزمائی پر ‏ دل بھی حاضر ہے جاں فدائی پر

آئینہ آب آب ہوتا ہے ‏ تیرے رخسار کی صفائی پر

مکرِ صیّاد بھول کر بلبل ‏ بھولی اب گل کی آشنائی پر

نعشِ مقتول پر نہیں یہ ہجوم ‏ دھوم ہے جو کفِ حنائی پر

جی نکلتا ہے عشق کا یا زو

خوب رویوں[2] کی خود نمائی پر

۲۳۴

جب سے ہوا ہے وہ بتِ عیار' یار بار ‏ روتا ہوں تب سے بر سرِ بازار' زار زار

---

۱ ل ۹ روکے ۔ ۲ خوبرووں ۔

زنداں سرا جہاں ہے مری جان، جانِ جاں — مہمان اُس کا چاہیے نہ زنہار، ہار ہار
آتا تھا پہلے گھر مرے ناگاہ، گاہ گاہ — بھڑکایا تو نے آہِ شرر بار، بار بار
ناحق اسے تو رشتۂ جاں سے، نہ سی نہ سی — دل کر چکا ہے جیبِ گرفتار، تار تار
جاتے ہیں ہم تو ہوش کے ہمراہ، راہ راہ — منصور ہیں جو کہہ اٹھیں دلدار، دار دار
جس کو کرے ہے قتل تری آن، آن آن — جاتے ہیں اُس پہ خنجر و تروار، وار وار

ان گل رخوں کے عشق میں ہر پھول، پھول پھول
جوں لالہ داغ کھاتے ہیں ناچار، چار چار

۲۳۵

آئے تھے اس جہاں میں غم لے کر — تس پہ یاں سے چلے الم لے کر
میرے رونے پہ یار ہنستا ہے — جب میں آتا ہوں چشمِ نم لے کر
یار بن کیا کریں گے اے زاہد — دین و دنیا کو بارے ہم لے کر
سیرِ دشتِ عدم میں آدیں گے — جو جو پیچھے رہے ہیں دم لے کر
یارو سنتے ہو مثلِ آئینہ — بیٹھے ہیں دل میں ہم صنم لے کر
خوب ہے کیا ادھر اُدھر جانا — بیٹھ رہ گوشۂ عدم لے کر

نکتۂ دردِ عشق لکھنے کو
آئے تھے آہ کا قلم لے کر

۲۳۶

جام کو نرگس کے اے ساقی دکھاتی ہے بہار — دور میں اس سلسلہ کے پھر پھنساتی ہے بہار
کیوں کے دیوانا[1] نہ جاوے باغ میں اے باغباں — چشمِ نرگس کی اشارت سے بلاتی ہے بہار
بُلبلیں دیتی ہیں لوری اور جُھلاتی ہے نسیم — طفلِ غنچوں کو سنگوروں میں سُلاتی ہے بہار

---

[1] دیوانہ۔

کس روش دونا نہ ہو سودا دوانوں کا طبیب — ہر گھڑی اور ہی طرح بن بن کے آتی ہے بہار

بسکہ ہے اصلاح دیوانوں کی منظور اب اسے — برگ و گل کی نشتریں دل میں چبھاتی ہے بہار

رنگ گل کی فصل کا تم ہمصفیروں سے کہو — ہم قفس میں قید ہیں اور مفت جاتی ہے بہار

قمقمیں[1] غنچوں کے اور شبنم کے شیشوں میں ہے رنگ — ہے عبیر افشاں صبا ہولی مچاتی ہے بہار

بلبلیں ہیں نغمہ ساز اور گل ہیں رنگ و بو سے مست — رنگ عشرت کے نپٹ ظالم اڑاتی ہے بہار

جو کلی دل تنگ ہے دوشیزگی کی شرم سے — بن کے مشاطہ وہاں کھلنا سکھاتی ہے بہار

سب تماشے سیر ہیں اور عیش کی ہے دھوم دھام — تجھ بن اے رشکِ چمن پر کس کو بھاتی ہے بہار

آتشِ لالہ سے یارو عشق کا دل داغ ہے
اس برس میں شعلۂ گل سے جلاتی ہے بہار

۲۳۷

باتیں بنا نہ اتنی زاہد تو بیٹھ جا کر — پایا ہے اُس صنم کو ہم نے خدا خدا کر

جور و جفا اُٹھا کر تیغِ ستم کو کھا کر — ہانکا تجھے بنایا اب عشق کو دعا کر

دل درد سے تو خوگر مت ہنس کے ہو پریشاں — غنچہ نے کچھ بھی پایا گلشن میں کھلکھلا کر

ناصح تو سعی اپنی ضائع نہ کر بتاں سے — دل تو جدا نہ ہوگا ہاں سر کو لے جدا کر

روشن چراغِ الفت سینہ میں عشق کے تھا
کچھ ہاتھ تیرے آیا ظالم اسے بجھا کر

۲۳۸

کن نے بلبل کو نکالا ہانک کر — گل چمن میں روتے ہیں منہ[2] ڈھانک کر

دل کے دل پر داغ کھا تو عشق کا — اُس[3] نگینِ دل کے نیچے ڈانک کر

---

۱ سٓ کٓ لٓ قمقمے۔ ۲ سٓ کٓ روتے منہ کو، لٓ روتے منہ۔ ۳ لٓ اس نگینے دل کے نیچے ڈھانک کر۔

کس کے کوچے میں گئے تھے سچ کہو ۔۔۔ جو گریباں آئے ہو تم ٹانک کر
کب[1] تلک تنہا پکاروں درد سے ۔۔۔ عندلیب اب تو بھی کوئی ہانک کر

کھل گئے یک بار سینہ کے کواڑ
کس کو دیکھا عشق تو نے جھانک کر

۲۳۹

ٹک کھول کے چشمِ دل نظر کر ۔۔۔ اور موند لے آنکھ پھر سفر کر
افسردہ سمجھ نہ عاشقوں کو ۔۔۔ اُن کے دمِ سرد سے حذر کر
چاہے کہ نظر پڑے رُخ وزلف ۔۔۔ رو رو کے تو شام سے سحر کر
بٹھلا یا فلک نے مجھ کو ایسا ۔۔۔ اٹھوں گا میں در سے تیرے مر کر
دل سینے سے ہو گداز نکلا ۔۔۔ دیکھا جو اُسے میں چشم بھر کر

صد رشکِ چمن ہوا وہ کوچہ
گزرا جو میں عشق چشم تر کر

۲۴۰

بادشاہوں کے اہتمام[2] کا شور ۔۔۔ ہٹ گیا[3] سُن کے تیرے نام کا شور
پڑھ کے اشعار ہونٹ چاٹتے ہیں ۔۔۔ نمکیں ہے مرے کلام کا شور
سر چھپاؤں میں کیوں کے زلفوں سے ۔۔۔ ہے گلو گیر اُن کے دام کا شور
خلق دیتی ہے[4] سب مبارک باد ۔۔۔ جا بجا ہے ترے پیام کا شور
کان بہرے ہوئے جرس چپ کر ۔۔۔ سنئے البتہ ہو جو کام کا شور
گڑ گیا خاک میں خجالت سے ۔۔۔ سُن کے جمشید تیرے جام کا شور

---

۱ یہ شعر ن۶ میں نہیں ہے۔ ۲ ن۶ احتشام۔ ۳ ن۲ ن۶ مٹ گیا۔ ۴ ن۲ ہیں۔

عشق بازی میں یا امیرِ عرب
ہند میں ہے ترے غلام کا شور

۲۴۱

کم قیامت سے نہیں زلفِ گرہ گیر کا شور — کان مجنوں کے کھلے سن تری زنجیر کا شور
جس کے کانوں میں پڑا مثلِ جگر آب ہوا — تو نے زاہد نہ سنا نالۂ شبگیر کا شور
مثلِ ناسور یہ آنکھیں مری کیوں کر نہ بہیں — نمک آبادِ جگر ہے تری تصویر کا شور
قوت منفعلہ شیخ نہیں ہے تجھ کو — شرق سے غرب تلک ہے تری تزویر کا شور
گوش شنوا نہیں ہیں شیخ ترے کیا کیجے
تا فلک پہنچ چکا عشق کی تاثیر کا شور

۲۴۲

رکھتے نہ تھے جو پانو میاں عرشِ بریں پر — سو لوٹتے ہیں اشک مرے روئے زمیں پر
روشن کرے نام اور کا منہ اپنے کو کالا — جھنجھلا وے نہ دل کیوں کے بھلا نقشِ نگیں پر
بلبل کرے کیفیتِ شبنم کو فراموش — دیکھے جو پسینا[1] کبھی وہ تیری جبیں پر
جس نالۂ افسردہ سے ہے برق اماں خواہ — بہتر نہیں جو ہنستے ہو اُس آہ حزیں پر
نذرانہ جو فغفور سے کرتا ہے طلب تو — پہنچا ہے مگر ہاتھ ترا زلف کی چیں پر
ہیں اور بھی تو نام خدا کتنے خریدار — فرمائشیں بے جا ہیں تمہاری یہ ہمیں پر
کچھ معرکہ آرا نہیں ہے عشق بجا لا
کرتے ہو عبث طعن میاں گوشہ نشیں پر

۲۴۳

محبت کے چمن کی یار ہوتی ہے بہار آخر — نہ حسن آخر نہ عشق آخر نہ یہ لیل و نہار آخر
گل و بلبل کی مت پوچھ بطور شمع و پروانہ — جو کوئی آن مل بیٹھے نہ ہو صحبت برار آخر

---

[1] پسینہ۔

صبا کی اس میں کیا تقصیر ہے لطف اشک گلگوں کا — نہ پہنچا اُس کے پانوں تک رہا دل میں غبار آخر

عجب پیماں شکن سے کام یارو دل نے ڈالا ہے — قیامت ہو چکی سر پر نہ ہو تو بھی قرار آخر

نہیں آتش کدہ آتش پرستوں کا جو بُجھ جاوے
یہ بھٹی عشق کی ہے دل نہ ہوویں گے شرار آخر

۲۴۴

مبتلا دل ہو چکا تو شاد یا ناشاد کر — ہے بہر صورت خوشی تو داد یا بیداد کر

سرو کی خوش قامتی پر طوق قمری کا ہوا — کوئی تو بھی مصرعۂ موزوں تو دل ایجاد کر

دل خراشی خلق کی لاتی ہے ثمرہ درد کا — اور کا دل ہو نہ ہو تو اپنے دل کو شاد کر

ہم قفس کو تیرے سمجھے گوشۂ امن واماں — بے تامل آکے بیٹھے آشیاں برباد کر

کیا بیاں تجھ سے کروں دیوانگی کو عشق کی
صورتیں گُل کی بتاتا ہے کسو کو یاد کر

۲۴۵

مت پوچھ مجھ سے کیوں ہے ترا رنگ زرد پھر — اُٹھنے لگا ہے سینہ[1] میں ظالم وہ درد پھر

کوچہ میں اس کے جب گئے تب محو ہو گئے — مانندِ نقش پا کوئی آتے ہیں مرد پھر

کس طور مری چشم سے جاری نہ ہووے آب — کوچہ سے اُس کے لائی صبا آہ گرد پھر

ہے انقلابِ چرخ گو پرکار کی طرح — جب تک کہ دم میں دم ہے تو صحرا نورد پھر

خوباں سے گرم جوشی کا اچھا نہیں طریق — اس راہ سے نہ کہتے تھے اے ہرزہ گرد پھر

کس طور[2] مضطرب نہ ہوں اے عشق تو ہی کہہ — آنے لگی زباں پہ تری آہِ سرد پھر

اس دور میں جو روشنیٔ دل مراد ہے
مانند آفتاب کے تو عشق فرد پھر

۱۔ سینے ۔ ۲۔ کس طرح۔

۲۴۶

کھاوے نہ کبھی چشمۂ خور جوش فلک پر — رکھ دیجئے گر داغ کا سرپوش فلک پر

خط عارضِ گلگوں پہ ترے دیکھ کے یکسر — غلماں ہوئے اس غم سے سیہ پوش فلک پر

ہشیار بھی مرجاتے ہیں کھا کھا کے میاں چرخ — جوں آہ پڑے پھرتے ہیں بے ہوش فلک پر

سر اپنا جھکاتے ہیں فقط تیرے ہی آگے — جڑتے ہیں دِوانے ترے پاپوش فلک پر

تعریف کروں عشق کی کیا تجھ سے کہ انساں

ہوتے ہیں فرشتوں سے ہم آغوش فلک پر

ردیف ز

۲۴۷

یار مست جام وحدت ہے تو مخمور ہے ہنوز[1] — وَہُوَ مَعَکُم مژدۂ وصل ہے تو مہجور ہے ہنوز

کل شیٍ ما خلا اللہ باطل تحقیق ہے — ہر بر و برگِ جہاں سُن لے تو منصور ہے ہنوز

منفصل نہ منتصل بلکہ وہی ہے میری جاں — نحنُ اقرب سن چکا پھر یہ تو[2] دور ہے ہنوز

ثم وجہ اللہ کلام اللہ میں آیا ہے دوست — دیکھتے اور بھالتے ذی ہوش تو کور ہے ہنوز

قدرت و فعل اپنے پر سنتا ہے تو لاحول گر — اس غلط کاری پہ ناداں حیف مغرور ہے ہنوز

ثبت العرش اولاً ہو بعد اُس پر نقش ہو — کر سکو تو کر چکو جو تم میں مقدور ہے ہنوز

عشق نے کس کس طرح سے تجھ کو سمجھایا میاں

اتنے پر جو تو نہ سمجھے حیف معذور ہے ہنوز

۲۴۸

رسمِ خوں ریزی سے ان جان تھا خونخوار ہنوز — تب سے زخمی ہے اُس ابرو کا دلِ زار ہنوز

---

۱ نٹ جام وحدت ہے مار میت۔ ۲ نٹ پھر اس پہ تو۔

دیکھ افتادہ مجھے کوچے میں اپنے بولا
دیکھو تو زندہ ہے یہ چشم کا بیمار ہنوز

دم ہی باقی ہے مری آنکھوں میں مانندِ حباب
مجھ سے پھر کرتے ہو تم وعدۂ دیدار ہنوز

کام دل تیرے تغافل نے کیا اپنا تو[1]
ناز بھرتا ہے عبث درپئے آزار ہنوز

گلشنِ دہر کو ہستی میں ملا تھا نہ وجود
رنگ و بو تیرے کا ہوں تب سے گرفتار ہنوز

کئی سولی پہ چڑھے اور کئی مجنوں ہو پھرے
کشف ہرگز نہ ہوا عشق کا اسرار ہنوز

۲۴۹

بات اتنی تو سنو بندہ نواز
اپنے بندوں کے رہو بندہ نواز

دل کو لے پھیر ہمیں دیتے ہو
کہاں چلتے ہو چلو بندہ نواز

ربط رکھتے ہیں بہم ناز[2] و نیاز
ہم سے دل کھول ملو بندہ نواز

دردِ دل ہے یہ کہانی تو نہیں
کان دھر اس کو سنو بندہ نواز

عشق کی مے سے پیالے دل کے
بھر کے دو چار تو دو بندہ نواز

۲۵۰

دیکھ کر تیری گلی میں یہ قبائے تنگ سبز
گل رخوں کا ہو گیا ہے چہرۂ گل رنگ سبز

بانکپن کیا اُن سے جو پل میں اُلٹ دیں صف کی صف
لڑکے ہو سکتا ہے ان آنکھوں سے خانہ جنگ سبز

نام کو بھی اہل دنیا سے نہیں ملتا ہے وہ
فقر کے میداں میں جو کرتا ہے نام و ننگ سبز

دیکھ تیری اچپلاہٹ اور یہ گرمی حسن کی
رشک کھا کھا ہو گئے ہیں سارے شوخ و شنگ سبز

در حقیقت ہے عجب اُن خوش نگاہوں کی نگاہ
شعبدہ بازوں کے ہو سکتے ہیں یہ نیرنگ سبز

خوش ہے آنکھوں میں مری ان نوخطوں کا خطِ سبز
گو کہ ہے وہ دیکھنے میں مثل رنگِ بھنگ سبز

---

۱ ن لے تو کیا۔ ۲ ک راز۔

ابر و باراں کو نہ دے تشبیہ چشمِ عشق سے
فیض سے آنکھوں کے اُس کی ہو گئے ہیں سنگ سبز

۲۵۱

مجھ سے واقف نہ تھا وہ یار ہنوز	تب سے روتا ہوں زار زار ہنوز
مر گیا قیس نامِ لیلیٰ پر	روح تو ہوتی ہے نثار ہنوز
گُل تو ہنس ہنس چمن کو چھوڑ گئے	آہ روتے ہیں[1] پر ہزار ہنوز
مرد مرتے ہیں دھن نہیں مرتی	باد لے جاتی ہے غبار ہنوز
شعلہ انگیز کیوں نہ ہو یہ سخن	دل اُگلتا ہے یہ شرار ہنوز
دل تو زلفوں سے مل کے آتا ہے	ہو رہی ہے جو عقل تار ہنوز
عمر تو پوری ہو چکی اپنی	پر نہ پورا ہوا قرار ہنوز
بے[2] حساب ہو چلے ہیں جنت میں	شیخ جی تم کرو شمار ہنوز
خواب میں لعل لب سے تھی پی	کھینچتے اُس کے ہیں خمار ہنوز
آنکھیں پتھرائیں مثلِ آئینہ	نہیں جاتا یہ[3] انتظار ہنوز
سوئی ناصح لئے ہی پھرتا ہے	تس پہ ہے جیب تار تار ہنوز
سخنِ حق کو تو چھپا دل میں	کھنچی ہے راستے میں دار ہنوز
عاشقوں سے نہ منہ چھپاؤ تم	ہے تو نامِ خدا بہار ہنوز
آمد آمد تو اُس کی سنتے ہیں	پر کہاں دل کو اعتبار ہنوز
شعلہ رو وہ بغل میں آتا ہے	تب سے جلتا ہے یہ کنار ہنوز
خاک میں ہم تو مل گئے یارو	دل میں رہتا ہے وہ غبار ہنوز

---

۱ ؎ کے ؎ رونی ہے۔ ۲ ؎ ہم تو جنت میں بے حساب چلے۔ ۳ ؎ ہے۔

راستی میں نہیں سمجھنے کا
کج روی پر ہے بد شعار ہنوز
غرقِ دریا ہے گوہرِ مقصود
ڈھونڈتے ہو[1] تم وار پار ہنوز
روز[2] اول سے ہے ترا مفتون
بندہ پرور یہ خاکسار ہنوز
تشنگی سے ترے شہیدوں کی
العطش کہتے ہیں مزار ہنوز
عشق تو دوستی کو اس کی نہ پوچھ
مجھ سے رکھتا ہے ننگ و عار ہنوز

ردیف س

۲۵۲

ہم سے روٹھا ہے گلعذار افسوس
مفت لٹتی ہے یہ بہار افسوس
خاکساری سے خاک ہو گئے ہم
تیرے دل میں رہا غبار افسوس
بندگی کو مری نہ سمجھا تو
ہائے افسوس صد ہزار افسوس
کبھو شمشیر سے نہ پھیرا سر
نہ کہا تو نے اس پہ یار افسوس
سُن تو اے تاج دارِ باغ و بہار
عشق کا دل ہو خار خار افسوس

۲۵۳

بسکہ[3] ہوں دل تنگ خوش آتا ہے صحرائے قفس
بلبل بے بال و پر رکھتی ہے سودائے قفس
پالنا منظور ہے تو دست پرور کر اُسے
طائرِ وحشی مبادا دیکھ مرجائے قفس
دیکھ کے[4] صیاد کو مجھ تماشا ہو گئی
بلبلِ تصویر سے مت پوچھ ایذائے قفس

---

۱ ۱ۓ ۲ۓ ۳ۓ ۴ۓ ۵ۓ تم ہو۔ ۲ یہ شعر صرف ۵ۓ میں درج ہے۔
۳ ۵ۓ بسکہ دل تنگ، ۶ۓ دل کی تنگی سے۔ ۴ ۲ۓ ۵ۓ دیکھ کر۔

ہم دعا ہو ہمصفیرو تا اجابت ہو قریں — رحم کھا کر باغ میں صیاد پھر لائے قفس
ہمصفیر اس باغ کے سب قید تیرے ہو چکے — عشق مجھ کو بھی دکھا دے تو تماشائے قفس
گل کی خاطر قید میں رہنی ہے ورنہ باغباں — نالۂ جاں سوز سے بلبل کے جل جائے قفس
تیلیاں گنتے ہی گنتے عمر کے دم ہو چکے
تخت سے اُڑ کر نہ پہنچے عشق بالائے قفس

۲۵۴ +

دل کے اقلیم کی یک لخت ہے تعمیر اداس — ساکن اُس کے نہ ہوں کس طور سے دلگیر اداس
نوچ کر بالوں کو کہتی ہے یہ لیلیٰ دردو — مجنوں کے مرنے سے کیوں کر نہ ہو زنجیر اداس
باختہ رنگ توحش زدہ دلگیر و صفا — کس کی ہووے گی خداوند یہ تصویر اداس
اس کماں دار شکاری سے کوئی آہ کہے — دشت میں تیر طلب پھرتے ہیں نخچیر اداس
شیخ جی بات میں کھولے ہیں لگاوٹ دل کی — انہیں کے چہرے پہ پھبتی ہے یہ تقریر اداس
سوز اور ساز گلے میں جو ترے حق نے دیا — اُس کی آواز کے ہیں آ گئے میرزا میر اداس
خوف سے عشق کے کچھ بن نہیں آتی ان کو
کوچے میں تیرے پڑے پھرتے ہیں شبگیر اداس

۲۵۵ +

جا بجا تم بیٹھنے اُٹھنے لگے جس تس کے پاس — کون کہتا ہے کہاں کس وقت کس دن کس کے پاس
نام اگر منظور ہو تو یہ ہنر پیدا کرو — امتیاز اخلاق ادب دلجوئیاں مجلس کے پاس
لذتیں دونوں جہانوں کی ہوئیں اس کو نصیب — ماہرو سیمیں بدن غنچہ دہن ہو جس کے پاس
اہل ثروت ہیں جو رکھتے ہیں یہ دولت یاں کہاں — داغ دل ٹکڑے جگر غم درد الم مفلس کے پاس

---

۱ ل۶ میں ۔ ۲ ل۶ رہتے ہیں ۔ + یہ غزلیں صرف ل۵ میں درج ہیں ۔

عشق جا وے کون گھر اُس کے بجز منکر نکیر
بے زباں بے گوش بیدل بے سخن بے حس کے پاس

ردیف ش

۲۵۶

گرچہ ظاہر میں ہے وہ خستہ وریش — بادشاہِ دو کون ہے درویش
سب یگانے ہوئے ہیں بیگانے — چاہ میں تیری یہ ہوا در پیش
ظلم اتنا نہ رکھ تو مجھ پہ روا — تو تو مشہور ہے صواب اندیش
کیا خدا کو جواب دے گا تو — قتلِ ناحق روا ہے کافر کیش
خون آنکھوں سے کیوں ہوا جاری[1] — خارِ مژگاں کا دل میں لاگا نیش
انھوں[2] کی بات سب میں ہے منظور — وہ جو تقریر کرتے ہیں بے خویش

اس طرح سے ملا ہے حسن میں عشق
جس طرح سے کماں میں پے و سریش

۲۵۷

کی عشق نے کچھ دل میں عجب مشتعل آتش — یک لخت ہوا جل کے مرا آب و گِل آتش
کیا سینۂ سوزاں کا مرے شور سُنا تھا — کھینچ اپنی زباں مُنہ میں جو ہوئی[3] ہے خجل آتش
جوں قمقمۂ[4] غذی افلاک جلیں سب — آنسو سے مرے جو نہ رہے مضمحل آتش
باروت ہوں یا شیشۂ انگورِ مئے ناب — زنہار نہ لانا تو مرے متصل آتش

اس آگ کی بھٹّی ہے مرا سینۂ سوزاں
جس سے کہ بڑا طور پہ عشق ایک تل آتش

---

۱ ۳ ۴ ۵ ۶ نہ ہو جاری۔ ۲ یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔ ۳ ۵ ہوئی۔

۲۵۸

نہ ہووے موجزن کس طور بالے آب میں آتش
بچھائی ہے فلک نے چادرِ مہتاب میں آتش

دلوں پر برق سی گرتی ہے مثلِ نالۂ عاشق
بھری ہے کن نے اس قانون سے مضراب میں آتش

ان آنکھوں میں نہیں آنسو شرر ہیں سوختہ دل کے
بجھاؤں کس طرح سے کہ[1] لگی گرداب میں آتش

نہ ہووے کس طرح بیزار مجھ سے شیخ افسردہ[5]
نفوسِ گرم سے میرے لگی محراب میں آتش

مسبّب بے سبب دیتا ہے اتنا مضطرب مت ہو
لگا دے بے تامل عالمِ اسباب میں آتش

یہ نابِ چہرۂ ساقی ہے یارو جامِ گلگوں میں
تکلف ہے جو کہتے ہیں شرابِ ناب میں آتش

کہوں کیا میں بہرصورت مثالِ عکسِ آئینہ[2]
نگاہِ گرم تیری ہے دلِ احباب میں آتش

[3]تمہارے حسن کے شعلہ کو جب سے اُن نے دیکھا ہے
برنگِ دود ہے اُس دن سے پیچ و تاب میں آتش

مرے دل میں جو شعلہ عشق کا اُٹھتا ہے اے زاہد
نہ دیکھی ہوگی ہرگز طور نے یہ خواب میں آتش

۲۵۹

میں کر چکا شکوے کا سروکار فراموش
تو یار فراموش میں اغیار فراموش

آپس میں کرو بحث تم اے شیخ و برہمن
یاں ہو گئی ہے سبحہ و زنار فراموش

ہم کعبہ و بتخانہ میں کس طرح سے جاویں
مستی سے صنم ہو گئی رفتار فراموش

گو موت ہو یا حشر ہو عشاق کے دل سے
ہوتا ہے کوئی وعدۂ[4] دیدار فراموش

کب یار کو ہم بھولتے ہیں شیخ مزوّر
وہ دل نہیں جو کرتے ہیں دلدار فراموش

اب بحث میاں واجب و ممکن کی کرے کون
یاں ہو گئی ہیں[5] حجت[6] و تکرار فراموش

میں دل کے تصور کو بھلا کیوں[7] کے بھلاؤں
کرتا ہے کوئی[8] شیشہ کو میخوار فراموش

---

۱ ل کہ جو۔ ۲ ل عکس و آئینہ ۔ ۳ یہ شعر صرف ل ۵ میں درج ہے ۔ ۴ ل ۵ مژدہ۔
۵ ل ۵ ہے۔ ۶ ل ۳ ل ۴ قصہ ۔ ۷ ل کیسے ۔ ۸ ل کبھی۔

اے بے خودی اک آن نہ لے ہوش کو میرے تا جلد نہ ہووے وہ طرح دار فراموش

کیا شکر کروں عشق میں اس حال کا تجھ سے
شادی نہ رہی یاد نہ آزار فراموش

۲۶۰

کیا یاد ہے کیا کیا فراموش یہ یاد ہے سب ہوا فراموش
کچھ یاد ہے کچھ کیا فراموش حق یاد ہے ما سوا فراموش
میں آپ کو کر چکا فراموش پر یاد ہے تو خدا فراموش
ناصح تری بات مانوں کیونکر کب ہوتے ہیں آشنا فراموش
شکوہ کو زباں پہ تیرے لاتا پر یار وہ ہو گیا فراموش
تھا برق کی ہم زباں جو نالاں[۱] حیرت سے وہ ہو گیا فراموش
پیالے کو دکھا کے آب پینا کب ہوتی ہے وہ ادا فراموش
آزاد تو ہم بھی ہیں پر اتنا ہو گئی ہے صدا، ندا فراموش

چاہے کہ بتاں سے خوب گذرے
کر عشق تو مدعا فراموش

۲۶۱

دیکھ میرے غبار کی شورش بجھ گئی ہے شرار کی شورش
اس دلِ بیقرار سے یارب کیا کرے گی بہار کی شورش
کون سنتا ہے کس سے اب کہئے اس دلِ داغ دار کی شورش
لیتی ہے آڑے ہاتھوں شانے کو زلف کے تار تار کی شورش

---

۱ رہ نالہ۔

کیا غضب دل پہ لائے گی دیکھیں
عشق لیل و نہار کی شورش

۲۶۲

شمع[1] دل کی ہوے سبب خاموش
نکلے خورشید ہووے تب خاموش

لگی[2] دل کی کہیں بھی بجھتی ہے
عشق کی شمع ہووے کب خاموش

شمع دل کی بجھا نہ رو اتنا
صبح صادق ہوئی بس اب خاموش

آج تک تو سُنی نہ ان نے بات
کل قیامت ہے جاں بلب خاموش

حرف مطلب زباں تک آیا تھا
ہنس کے کہنے لگا ادب خاموش

پہلے خاموش تو ہی ہو اے دل
آخرالامر ہوں گے سب خاموش

بُت پرستی لے بت ہی کر ڈالا
اب رہیں کیوں نہ روز و شب خاموش

تیرے ہی عشق میں رہے نالاں
دلِ شوریدہ ہو نہ اب خاموش

عشق ہم تجھ سے پھر نہ بولیں گے
یہ یقیں جان ہوں گے جب خاموش

ردیف ص

۲۶۳

دل نہ ہو کیوں کے منزلِ اخلاص[3]
ایک یہ گھر ہے قابلِ اخلاص

غرق ہیں اس میں جو شناور ہیں
کن[4] نے دیکھا ہے ساحلِ اخلاص

سب ہی مارے ہوئے ہیں الفت کے
ایک دیکھا ہے قاتلِ اخلاص

۱، ۲ یہ اشعار رکے میں نہیں درج ہیں۔ ۳ رکے کیسے۔ ۴ رکے کس نے۔

پہنچے ہستی سے یار و تا بہ عدم — نہ ملی تو بھی منزلِ اخلاص
راحت اور[1] عشق بازی مشکل ہے — رنج ہے عشق شاملِ اخلاص
جورِ[2] معشوق صرف جور نہیں — جور اُس کا ہے داخلِ اخلاص

خوب رویوں کو خوب دیکھا میں
کوئی ہے عشق قابلِ اخلاص

۲۶۴

پہنچا ہے جب سے عشق کا مجکو سلام خاص — دل کے نگیں پہ تب سے کھدا یا ہے نام خاص
پھولے نہیں سماتے ہو جامہ میں مثلِ گل — پہنچا ہے تم کو آج کسو کا پیام خاص
میخانہ میں خودی کو نہیں دخل شیخ جی — بے خود ہوا ہے جن نے پیا ہے وہ جام خاص
پھر گرد اس کے ذوق سے اے مرغِ جاں تو سن — پھر قصد بیٹھنے کا نہ کیجو ہے بام خاص
کر قتل شوق سے میں تصدق ہوا، ہوا — سر کا نہیں ہے فکر جو ہو انتظام خاص
سب پھانسیوں سے[3] کر مجھے آزاد اے خدا — تا روزِ حشر ہوں میں گرفتارِ دام خاص
اس پر نگاہ لطف کی یا شاہ ہے ضرور — مشہور ہے جہاں میں یہ تیرا غلام خاص
حُجّابِ بارگاہ کو یہ حکم ہو رہے — مانع نہ ہو ویں مجھکو جو ہو اہتمام خاص

مانند کوہکن کے وہ سر چیر مر گیا
جن نے سُنا ہے عشق وہ شیریں کلام خاص

۲۶۵ +

دیکھ صورت کو تری کرتی ہے میری خاک رقص — متصل کرتا ہے جیسے کوزہ گر کا چاک رقص
عشق کی آتش میں ایسے چرخ کھاتا ہے یہ دل — شعلۂ جوّالہ کا کرتا ہے جیسے چاک رقص

---

۱ ن ﮦ د - ۲ یہ شعر صرف ﮦ میں ہے - ۳ ن ۶ پھانسوں سے تو - + یہ غزل صرف ﮦ میں ہے -

دیکھ کر بدمستیاں آنکھوں کی تیری کرتے ہیں
شیشہ و ساغرے و میخانہ بلکہ تاک رقص

چرخ کھاوے روبرو اُس کی یہ لولئ فلک
پھینک عمامہ کریں جو شیخ جی بیباک رقص

خاکساروں کا دلِ بیتاب کس گنتی میں ہے
دیکھ کر رفتار تیری کرتے ہیں افلاک رقص

صید ناچے کیوں نہ جو رقصاں ہو زلفوں کی کمند
رقصِ بسمل دیکھ کر کرنے لگا فتراک رقص

دل ہوائے حسن میں اس طرح سے اڑتا ہے عشق
جس طرح آندھی میں کرتے ہیں خس وخاشاک رقص

۲۶۶

کیوں حاسد ہوے ہیں خاص النخاص
کہتے ہیں قاص لایحب القاص

لڑ گئیں آنکھیں دل ہوا زخمی
سِنٌّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ

آتشِ عشق سے تو کر فانی[1]
تو ہے اکسیر اور میں ہوں رصاص

اُس کی پھانسی سے کوئی چھوٹا ہے
نہیں ہونے کا زلف سے تو خلاص

دردِ دل کے مرے نشید کو سُن
زہرہ[2] و مشتری ہوئے رقاص

منکرِ عشق ہووے نادر ہے
طالبِ عشق ہیں عوام اور[3] خواص

دیکھ کر تیرے روے مصحف کو
عشق پڑھتا ہے سورۂ اخلاص

ردیف ض

۲۶۷

نہ وفا سے نہ ہے جفا سے غرض
صرف ہے مجھ کو بے وفا سے غرض

خاک کو وہ اڑا کے پہنچا وے
تا چمن اتنی ہے صبا سے غرض

---

[1] الا کوئی۔ [2] زُہرا۔ [3] ۳ ۴ ۵ و۔

بے غرض دوست جو جہاں میں ہیں　　کب وہ رکھتے ہیں آشنا سے غرض
خونِ دل ہی ہمارا کافی ہے　　چھوڑ یک مشت تو حنا سے غرض
التجا غیر سے نہ کر تو عشق
کہہ جو کچھ تجھ کو ہو خدا سے غرض

۲۶۸

ملتا ہو زہر پینے کو جب آب کے عوض　　آوے نہ آب آنکھوں میں اب[۱] خواب کے عوض
بازارِ عشق بازی میں ٹک جا کے دیکھ لے　　لیتے ہیں اشک گوہرِ نایاب کے عوض
نقدِ دلِ غریب مسبب کی نذر ہے　　دیتا ہوں کوئی اس کو میں اسباب کے عوض
نازک بدن کو دیکھ کے تیرے خیال باف　　پہناتے ہیں حریر کو کمخاب کے عوض
پیدا کئے ہیں اور[۲] ہی یہ ڈھنگ ان دلوں　　دیتے ہو گالی یار جی آداب کے عوض
مقصود خود پسند[۳] ہے رکھ اس کو[۴] روبرو　　مت آئینہ کو لے دلِ بیتاب کے عوض
زاہد تو فعلِ خالق و مخلوق کو تو دیکھ　　ابرو کو کوئی دیتا ہے محراب کے عوض
محفوظ چاہتا ہے رہے تو[۵] خمار سے　　خونِ جگر کو پی تو مئے ناب کے عوض
ایوانِ سینہ کیوں کے نہ ہو عشق[۶] پر ضیا
جلتے ہیں داغِ دل مرے مہتاب کے عوض

۲۶۹

تروار رکھے کیوں نہ ترے ہاتھ[۷] بل غرض[۸]　　سب ہیں غرض کے مارے جو آتے ہیں الغرض
ٹالے سے جو قضا ٹلے تو ٹالئے اُسے　　نامرد ہیں جو جاتے ہیں میداں سے ٹل غرض
خود کردہ را علاج نمی باشد اے حکیم　　وارد ہے اپنے حال پہ سن یہ مثل غرض

---

۱ ک کیوں۔ ۲ ل زور۔ ۳ ت ۳ ک ل ۵ خود پسندی۔ ۴ ل دیکھ تو۔ ۵ ل جو۔
۶ ک کیوں نہ ہوا ے عشق۔ ۷ ل رکھتی کیوں نہ تری باکھ۔ ۸ بالغرض۔

بہلاوے دل کو سنگ دلوں سے نہیں ہے خوب
دل کو تو اپنے آپ سے بہلا، بہل غرض

کب تک میں انتظار کروں آفتابِ عمر
تکتے ہی تکتے راہ گیا آہ ڈھل غرض

جب[1] تک لگے نہ آگ بجھاویں کسے بھلا
جس تس طرح سے ہووے تو اس فن میں چل غرض

آنسو تو آگ دونی لگاتے ہیں دل کو آہ
اے چشم بدلے اشک کے تو ہی نکل غرض

دستِ[2] رسا کو آہ جہاں سے شتاب کھینچ
عمرِ گذشتہ اپنی پہ تو ہاتھ مل غرض

تمکین و امتیاز نہیں عشق میں عزیزؔ
جاتا ہے جس طرف کو یہ دل تو بھی چل غرض

ردیف ط

۲۷۰

دردِ دل کا میرے ہے اے عشق درماں اختلاط
پر کسو سے کاہے کو کرتے ہیں خوباں اختلاط

اختلاطِ زلف و شانہ دل کو خوش آتا نہیں
اس طرح کا کس کو بھاتا ہے پریشاں اختلاط

کس طرح سے بالرے ہووے سنگ اور شیشہ میں ربط
تجھ سے اور مجھ سے نہیں ہونے کا ناداں اختلاط

طفلِ اشکوں سے تو[3] تھا مختلط آگے نہ کتے
چشم نے پیدا کئے ہیں اب تو طوفاں اختلاط

روبرو سب کے اگرچہ مجھ سے وہ بیزار ہے
رکھتی ہے اُس کی نظر پر دل سے پنہاں اختلاط

کس سے دل ہو مختلط[4] کس سے کہو بیزار ہو
دشمنی تو سخت مشکل ہے نہ آساں اختلاط

جب تلک لو ہو نہ چاٹیں چین ان کو[5] دم نہیں
دل سے رکھتے[6] ہیں ہمارے تیر و پیکاں اختلاط

ربط تب معقول ہے آپس میں ہو جو ہمسری
عشق کرتے ہیں گداؤں سے بھی شاہاں اختلاط

---

۱ یہ شعر صرف نسخہ میں درج ہے۔ ۲ نسخہ دنیا میں دسترس جو نہ ہو ہاتھ کو نکال۔ ۳ نسخہ ۳ نسخہ پیوے۔
۴ نسخہ ۵ ان کو کیوں کر چین ہو، نسخہ ۶ چین اس کو دم نہیں۔ ۵ نسخہ ۶ رکھتا ہے۔

۲۷۱

کبھی بھی بد کے دیتے ہو بھلا شرط — بدے پھر کون ناحق ناروا شرط
جو رستم سے نہ ہووے کر دکھاویں — بھلا اس بات پر بدتے ہو کیا شرط
غرض مشروط کو ہے شرط لازم — نہیں ملنے کا وہ تجھ سے بلا[1] شرط
ترے دم سے مجھے ہے زیست اور موت — کہ جیسے روشنی کو ہے ہوا شرط
مرا دل گم ہوا ہے پاس تیرے — نہیں ہے یہ اگر ہم سے لگا شرط
لگا ہنس ہنس کے کہنے منہ تو دیکھو — لگاوے ایسے سے کس کی بلا شرط

نہ کچھ مشروط سے نہ[2] شرط سے کام
میاں ہے عشق کو تیری رضا شرط

۲۷۲

اس طرح ہے دل کو میرے ان بتاں سے اختلاط — جس طرح آپس میں ہووے جسم و جاں سے اختلاط
ایک مخلص ہے جو رکھتا ہے جفاؤں پر تپاک — ہر کوئی کرتا ہے ورنہ مہرباں سے اختلاط
اس قدر حیرت سے ہے دل ساکت ہے جوں نقشِ خیال — حرف کو گویا نہ تھا ہرگز زباں سے اختلاط
آگے تو ہرگز نہ تھے خوباں سے دل تجھکو یہ ربط — اس قدر پیدا کئے[3] تونے کہاں سے اختلاط
گرم خوں کیوں کر نہ ہو بیکاں سے تیرے دل مرا — ہر کوئی کرتا ہے اپنے میہماں سے اختلاط
دل بہا جاتا ہے میرا اشک ہو آنکھوں کی طرف — شرط ہے شیشہ کو یاروتا بداں سے اختلاط

بسکہ پا یا پست فطرت اس زمیں کی خلق کو
آہ نے پیدا کئے عشق آسماں سے اختلاط

۲۷۳

میری طرف سے جو کہا ان نے برا بھلا غلط — بات پہ ہرزہ گوؤں کی مجھ سے جو ہو خفا غلط

---

۱ لکھ بنا۔ ۲ لکھ نے۔ ۳ لکھ کیا۔

تجھ سا نہیں ہے خوبرو ڈھونڈھ پھرے ہیں کو بکو
آئینہ تیرے رو بہ رو چاہے کہ ہو صفا غلط

تاب ہے کس کو دو بدو ہووے جو تجھ سے تند خو
تو نے درست سب کہا ہم نے جو کچھ کہا غلط

جھوٹ بھرا ہے اس قدر راستی کو نہیں گذر
کرتے ہیں دیکھ الحذر تجھ سے ہوں آشنا غلط

منصفی تو ہی آتی کر صبر کہاں تلک کروں
طرز غلط ادا غلط معنی و مدعا غلط

آنکھوں سے اشک گو بہیں روٹھے خفا خفا پھریں
گو کہ زباں سے کچھ کہیں دل میں نہ ہو دعا غلط

بات کو میری دل سے سن عشق سوا نہ پڑھ نہ گن
دل میں نہ کر ادھیڑ بن اس سے جو ہے سوا غلط

۲۷۴

عاشق کے جتنے کام ہیں ہوتے ہیں کم غلط
یہ غم غلط نہیں جو کرے کوئی غم غلط

یہ سر نوشت میری لکھی خوش نویس نے
کلک قضا کا یار کہیں ہے رقم غلط

دشمن ہیں تیرے دوست نہیں جو سکھاتے ہیں
اہل وفا سے کیجئے جور و ستم غلط

ہر ایک کا جدا ہے جہاں میں پسندِ طبع
جس کو درست کہتے ہو تم اس کو ہم غلط

کرتا ہے دم بدم بجھے وہ یاد درد سے
خالی جو تری یاد سے ہووے وہ دم غلط

قطروں سے تیرے گلشنِ دل کو ہے تازگی
اس راہ میں نہ کیجیو اے چشمِ نم غلط

ہستی ہے ایک عشق کی پیدا ہو یا نہاں
ہم تم کا ذکر کیا ہے وجود و عدم غلط

ردیف ظ

۲۷۵

اور جو جامِ جم سے ہیں محظوظ
ہم بھی اس چشمِ نم سے ہیں محظوظ

عیش و عشرت سے ان کو نفرت ہے
جو ترے درد و غم سے ہیں محظوظ

قول واعظ کا وہ سنے کیوں کر — نَے کے جو زیر و بم سے ہیں محظوظ
دیر و کعبہ میں سر پٹکتے ہیں — تیرے ابرو کے خم سے ہیں محظوظ
آپ سے عشق جو ہوئے بیزار
پھر نہ تم سے نہ ہم سے ہیں محظوظ

۲۷۶

خموش عشق کی باتیں نہ کر بیاں واعظ — حدیثِ عشق کہاں اور تو کہاں واعظ
دماغ دل کو کہاں ہے جو تجھ سے بحث کرے — وگرنہ تیری حقیقت ہے سب عیاں واعظ
حکایت اس دہنِ تنگ سے جو کرتا ہے — اب اس زمانے میں تو ہی ہے نکتہ داں واعظ
ہوا نہیں لگی ہے[1] تجھ کو اس گلستاں کی — یہ بولیاں تب ہی تو بولتا ہے ہاں واعظ
موادِ[2] عشق بتاں کھوتی ہے تری تقریر
صحیح ہے[3] نشترِ فصاد یہ زباں واعظ

ردیف ع

۲۷۷

خلوت میں مری گو کہ نہ ہووے شہودِ شمع — روشن ہیں استخواں مرے جوں تار و پودِ شمع
دل اور دماغ دونوں کو ہے اس سے تازگی — زندہ دلوں کا دود نہیں مثلِ دودِ شمع
روشن ہے جب سے شمع محبت کی دل کے بیچ — ہر رونگٹا بدن پہ ہے رکھتا نمودِ شمع
ہر آن میں فنا و بقا کیوں نہ ہو مجھے — آتش ہے زندگی مری مانندِ بودِ شمع
بیدا نشی سے عشق جلاتا ہے آپ کو
پروانے کے ضرر میں بھلا کیا ہے سودِ شمع

---

۱ ک ہے لگی، ک لگی ہی نہیں۔ ۲ ک سواد۔ ۳ ک ہے گویا۔

۲۷۸

دیکھ کر اُس شعلہ رو کو دل میں بل کھاتی ہے شمع
بلکہ اس حسرت سے ہو بیتاب جل جاتی ہے شمع

راز کہنا دل جلوں کا[1] کب ہے محفل میں بجا
اس زبانِ چرب پر گردن کو کٹواتی ہے شمع

شمع رو مجلس میں آ اور اپنے پروانے دکھا
دو پتنگوں کو جلا کس طرح اتراتی ہے شمع

روز[2] جلتی ہے کھڑی سر سے قدم تک دل جلی
حلقۂ جاں سوز میں تب آبرو پاتی ہے شمع

ہے زبانِ شمع سے روشن دلیلِ سر گذشت
سر جلا گردن کٹوں کو عشق سمجھاتی ہے شمع

ردیف غ

۲۷۹

ناصح اب بکنے کا تجھ سے میں نہیں پاتا دماغ
یہ نصیحت تیری ظالم داغ ہے بالائے داغ

ہجر سے ان گل رخوں کے بسکہ دل ہے داغ داغ
ہے تکلف سخت جو اس پر کروں[3] میں سیرِ باغ

کس کا دل شکوہ کرے اور کس کی تعریفیں لکھے
آہ و نالہ سے اسے ہوتا اپنے کب فراغ

دل جلوں کے تئیں نہیں منظور شہرت عشق کی
ورنہ کب مشہور ہوتا لالہ با این چار داغ

نالۂ بیتاب کو سنتا ہے کب میرے وہ شوخ
ہو اگر آوازِ بلبل اُس کو کب ہے یہ دماغ

جوں صبا سے کھلتے ہیں غنچوں کے دل گلگوں قبا
دیکھ کر تجھ کو ہوا یوں عشق کا دل باغ باغ

۲۸۰

جلتے بلتے کو نہیں دیتا ہے کچھ آزار داغ
پر کروں کس طرح تیرا خلق میں اظہار داغ

اس طبیبِ عشق نے آخر دوا دل کی کہا
بے تکلف کھا تو اب گن گن کے اے بیمار داغ

---

۱ ۲ لے کو۔ ۲ ۲ لے رُو رُو۔ ۳ ۳ لے کب اپنے۔

ہم تو مثلِ شمع سر سے پانوں[1] تک اب جل بجھے
تو دکھایا کر ہمیشہ اپنے لالہ جپا رداغ

گرمیٔ بازار جوں طاؤس کب منظور ہے
تو کہے تو کھاتے ہیں اے یار ہم سو بار داغ

کیوں نہ سینہ میں چھپا رکھوں ہیں اس کو اے صنم
ہے ورق پر دل کے میرے نقطۂ اسرار داغ

صفحۂ اوراقِ دل پر داغ کا ہے دَور دَور
نقطۂ پرکارِ الفت ہے نہیں بیکار داغ

سطحِ دل پر دائرے داغوں کے ہیں گے خط بخط
تختۂ ہستی پہ ہے جوں نقطۂ پرکار داغ

راستی یہاں کام آتی ہے کجی کو دخل کیا
ریب سے ہرگز نہ کھانا عشق کا مکار داغ

سانک سا ہے آگ سے لے کر جلا دیتا بدن
عشق کی آتش سے کھانا دل پہ[2] ہے دشوار داغ

۲۸۱

مجھ سے نہ پوچھ کیا کہوں تجھ سے بیانِ داغ
کاغذ جلے کی طرح میں ہوں کاروانِ داغ

مضمون تازہ پر مرے لالہ گواہ ہے
رنگیں نہ ہووے آگ سے کب پاسبانِ داغ

خورشید کا کمال ہے تقریر سے پرے
مانندِ شمع کس طرح نکلے زبانِ داغ

آزردہ دوستوں کو نہ زنہار کیجئے
ہٹتا[3] نہیں ہے دل پہ پڑا جب نشانِ داغ

نیرنگی[4] و بیرنگی میں اے عشق فرق ہے
طاؤس سے نہ پوچھ یہ ہے بوستانِ داغ

۲۸۲

گو کہ اچھا ہوا بہشت[5] کا باغ
دل کہاں ہے مرا کہاں ہے دماغ

دو پیالے جو ہوش کھوتے ہیں
یار آنکھوں کے ہیں وہ تیری ایاغ

---

۱ ٣ ک ۴ ر ۶ پاؤں۔ ۲ ۵ پر۔ ۳ ر ۲ ر ۵ ر ۶ مٹتا۔

۴ ۵ شہرت اگر نہیں تجھے منظور عشق میں
طاؤس کی مثال نہ ہو بوستانِ داغ

۵ ۵ جہاں۔

ہو نہ بدنام اے معالج تو — کہیں چنگا ہوا ہے عشق کا داغ
دل بھی فکرِ معاش کیوں نہ کرے — پیچ سے زلف کے جو پاوے فراغ

داغ سے عشق[1] کے تو روشن کر
دل میں میرے خدا چراغ چراغ

۲۸۳ +

رکھتے ہو دل میں اپنے عبث آرزوئے تیغ — دیکھی نہیں ہے سنتے ہو ہی گفتگوئے تیغ
ابرو پہ دیکھ اس کے پسینے کو دل کہے — یارب مجھے نصیب ہو یہ آبروئے تیغ
ابرو سے اس کے ٹکٹکی کس طور سے بندھے — آنکھیں نہ جھپکیں کیوں کے کھو روبروئے تیغ
سب عاقلوں کے آگے سبو نامِ ظرف ہے — اس کا میان یا ہے مرا دل سبوئے تیغ
تروار کا یہ کھیت میاں سبز کیوں کے ہو — آتی ہے اس طرف کو کبھی آب جوئے تیغ
کہتے ہیں تجھ کو مان ہنسی کھیل یہ نہیں — آئینۂ قتال ہے مت دیکھ روئے تیغ

چاہے کہ آبرو تجھے میدان میں ملے
اوسان ڈھونڈ عشق نہ کر جستجوئے تیغ

ردیف ف

۲۸۴ *

دنیا میں کیا رہے ہے میاں داد کی طرف — کرتا ہے تو جو اتنا بھی فریاد کی طرف
شیریں کے سنگِ دل میں جو دیکھا اثر نہیں — پھر گئی زبان تیشہ کی فرہاد کی طرف
اس طور تیرے روبرو کرتا ہوں میں نظر — جوں[2] دیکھتا ہے مجرم جلاد کی طرف

---

۱ لا 'دل' غلط ہے۔ + یہ غزل صرف ںٓ میں ہے۔ * یہ غزل ںٓ ۲ لا میں نہیں ہے۔

۲ یہ مصرع ناموزوں ہے۔

جتنے جہاں میں ہیں سو طلب گار عیش ہیں — جز درد کون ہے دلِ ناشاد کی طرف

جتنی نصیحتیں تھیں تجھے عشق کر چکا
باقی نہیں رہی ہے کچھ ارشاد کی طرف

۲۸۵ +

ہوا ہے تیرِ مژہ سے یہ دل شگاف شگاف — یہ اشکِ سرخ ہیں شاہد نہیں کچھ اس میں خلاف

نگہ کی تیغ کا یارو عجب تماشا ہے — وہ کاٹتی ہے جگر جب تلک ہے زیرِ غلاف

اسی کے نور سے عالم تمام روشن ہے — نہ ہووے کیوں کے خلائق اسی کی سمت مضاف

عبث[1] ہے بحث سُن اے شیخ باطل و حق کی — جو کچھ کے سچ ہے سو سچ ہے جو ہے گزاف، گزاف

سوائے درد کے کچھ عشق کی نہیں تحصیل
مجادلے سے کرم کیجے رکھئے اس کو معاف

۲۸۶ *

اس کو نہیں میری جنگ کا خوف — کب شمع کو ہو پتنگ کا خوف

ہوں کوہِ بلادِ دردمندی — لڑکوں کے نہیں ہے سنگ کا خوف

کیوں کر نہ ڈرے صفا کدر سے — آئینہ کو ہووے زنگ کا خوف

ہولی میں نہ نکلیں شیخ باہر — ہے سخت انہوں کو رنگ کا خوف

کہتا ہے یہ دیکھ دل مژہ کو — رہتا ہے مجھے خدنگ کا خوف

کیوں کر ڈرے تیری چشم دل سے — کب شیر کو ہے پلنگ کا خوف

کیا تجھ سے کہوں کہ عاشقی میں — رہتا نہیں نام و ننگ کا خوف

اے سیلِ سرشک بہ پہ تھم تھم — اس کشتی کو ہے ترنگ کا خوف

+ یہ غزل ۳ میں نہیں ہے۔ ۱ ۲ ۳ عجب۔ یہ شعر ۶ میں نہیں ہے۔

* یہ غزل ۲ ۳ ۶ میں نہیں ہے۔

ہیں عشق یہ اشک شورِ دریا
کہتے ہو کسے نہنگ کا خوف

۲۸۷ +

تمہاری بات ہے تقصیر ہو معاف خلاف
یہ راستی ہے جو تم کہتے ہو خلاف خلاف

چھپاتے منہ کو ہو کہتے ہو تجھ سے ہوں میں صاف
صفائی ہے یہی مت کہئے صاف صاف خلاف

نہ ہووے تم کو جو باور تو امتحاں کیجے
ہماری بات میں نکلے کبھو گزاف[1] خلاف

خیال چہرہ کا تیرے تو دین و ایماں ہے
نہ ہووے تیری طرف کو یہ دل مضاف خلاف

درشت و سخت ہے فولاد سے بھی زیادہ تیز
تمہارے دل کے مقابل ہو کوہِ قاف خلاف

ادا و ناز تو تعلیم کرتی رہتی ہے
تمہاری باتوں میں پیارے نہ ہووے لاف خلاف

کہا ہے جن نے یقیں جان تو خدا نہ کرے
جو اس زباں پہ کبھی آوے لام کاف خلاف

وہ ہنس کے مجھ سے لگا کہنے جھوٹ جھوٹ نہ رو
نگاہ تیری نے دل میں کیا شگاف خلاف

کسو کے خون سے رنگا ہے پائے دامن کو
سمجھنے والے کہیں اس کو کیا مخاف خلاف

نگاہ مہر و محبت تو چھپتی ہے اب تک
ہوئی ہے آنکھوں میں اور دل میں کیا مصاف خلاف

میں اپنے قلب کو پاتا ہوں عشق عرش اللہ
پھر اس کو چھوڑ کروں کعبہ کا طواف خلاف

ردیف ق

۲۸۸

یہ جو لگا ہے تیر مجھے اے کمانِ عشق
محشر میں دیکھیو یہی ہوگا نشانِ عشق

سُر کھینچے آہ خاک سے میری جو مثل نے
ہے کیا عجب کہ ہوں میں شہیدِ سنانِ عشق

+ یہ غزل صرف ؔ میں ہے۔ ۱ گزاف۔

مقدور کیا جو کہہ سکوں کچھ رمزِ عشق کو　　جوں شمع ہوں اگرچہ سراپا زبانِ عشق
پرویز نے[1] مٹانے میں تقصیر تو نہ کی　　رہ گئی زبانِ تیشہ پر یہ داستانِ عشق
دل کھونے پر جو روتے ہو اے ہم دمو عبث
ٹک آنکھ کھول دیکھو کہ جاتا ہے جانِ عشق

۲۸۹

کیا پوچھتا ہے مجھ سے تو اب[2] ماجرائے عشق　　وابستۂ الم ہیں جو ہیں آشنائے عشق
قاتل تو میرے قتل کی ہرگز نہ فکر کر　　غیر از نگاہِ تند نہیں خوں بہائے عشق
چکر میں آ گئے تھے فلک دیکھ کر اُسے　　آدم کے دل نے بارے اٹھائی بلائے عشق
یہ اغنیائے دہر حقیقت میں ہیں فقیر　　کونین سے غنی ہے کہ جو ہے[3] گدائے عشق
عاشق نہیں دواؤں کا محتاج اے طبیب
جُز وصلِ یار اور نہیں ہے دوائے عشق

۲۹۰

ستم گر بے وفا کے[4] ہوں تصدق　　میں بانکے میرزا کے[5] ہوں تصدق
اثر کرتی نہیں اس سنگ دل میں　　اس آہِ نارسا کے ہوں تصدق
نہیں منہ موڑتا شمشیر سے دل　　ترے مہر و وفا کے ہوں تصدق
جفا پر کب نظر ہے مجھ کو یارو　　نگاہِ آشنا کے ہوں تصدق
ہمیشہ دربدر کرتا ہے مجھ کو
اس عشقِ بے حیا کے ہوں تصدق

۲۹۱

فکر مت کر کیا بچے گا جس کو لاگا تیرِ عشق　　جلتے بھُنتے ہی نظر آیا کئے نخچیرِ عشق

---

[1] نے تو، غلط ہے۔ [2] کے پوچھتے ہو مجھ سے تم۔ [3] ک جو ہے اب۔ [4]، [5] کے کا۔

یہ غلط فہمی ہے تیری وہ غلط ہرگز نہیں
ہے مناسب معنئ تقدیر سے تدبیرِ عشق

وہ نہیں یہ خاک جو مِس کو بنا دیوے طِلا
آب سا کر دیتی ہے ہر چیز کو اکسیرِ عشق

ہیبتِ مجموعۂ[۱] عالم کو دیکھ اس گھر میں تو
در حقیقت مظہرِ معمار ہے تعمیرِ عشق

ماہ سے لے تا بماہی داغ ہیں اس آگ سے
اب تلک روشن نہیں دل پر ترے تاثیرِ عشق

غیب بیں آنکھیں اگر ہو دیں تو تو دیکھے اُسے
سطحِ دل پر نقش ہے نقاش کا تحریرِ عشق

وحشتِ دیوانگی حاصل نہ ہو کس واسطے[۲]
صوبۂ سودا ہوا ہے بار جی جاگیرِ عشق

ظاہر و باطن میں ہرگز فکر اس کو کچھ نہیں
ہے امیر المومنیں بے شبہہ یارو میرِ عشق

سلسلۃ الذہب کہتے ہیں نظر آتے نہیں
کوئی کس تدبیر سے توڑے کہو زنجیرِ عشق

عشق تیرے قول پر اللہ اکبر ہے گواہ
مُردے کو دیوے حیاتِ دائمی تکبیرِ عشق[۳]

۲۹۲ +

کب زباں پر آ سکے ہے رازِ عشق
گوشِ دل میں آتی ہے آوازِ عشق

عاشقوں کے تھے جگر سو خوں ہوئے
پر نہ سمجھے[۴] اب تلک وہ نازِ عشق

وہمِ[۵] جن و انس سے ہے وہ پرے
عرش پر بجتا ہے یارو سازِ عشق

طائرِ قدسی کو کرتا ہے شکار
ہر کسو پر پر ہلاوے بازِ عشق

یہ کبوتر ہیں کہ چھتری پر اُڑیں
ہے زمیں سے عرش تک پروازِ عشق

یہ ہے بے چارہ محاط اور وہ محیط
عشق سمجھے کس طرح اندازِ عشق

---

۱ ر ۵ ر ۶ مجموئ۔ ۲ ر ۲ ر ۵ ر ۶ طور سے۔ ۳ ر ۵ میں یہ شعر مقطع سے پہلے درج ہے۔ مقطع ہے ؎

عشق کو ایقان بخشا ہے دلیل و بے حجج
ہے شبہ برہان دیں سنتے ہیں یارو میرِ عشق

+ صرف ر ۳ ر ۴ میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۴ ر ۶ وہ نہ۔ ۵ ر ۵ فہم۔

یہ فلاطوں بو علی کا کام ہے
ہو سکے بن عشق جو انبازِ عشق

۲۹۳ +

عبث ناحق نہیں ہنسنا مرا شوق | کسو کے گھر نہیں رہنا مرا شوق
کسو کے پاس نہیں رہنا مرا شوق | کسو کی بات نہیں سننا مرا شوق
خطا مجھ سے ہوئی کیا یار بتلا | لگا کہنے نہیں کہنا مرا شوق

۲۹۴ +

نہ وہ جم پر نہ جام پر عاشق | عشق ہے اپنے نام پر عاشق
اُس رخ و زلف کے ہیں دیوانے | نہ سحر پر نہ شام پر عاشق
جو ہیں شیریں لبوں کے تلخی کش | ہیں وہ شیریں کلام پر عاشق
شاہ ہیں جتنے صاحبِ ہمت | ہیں وہ اپنے غلام پر عاشق
جتنے عاشق ہیں حسن بہ آلِ نبی | ہیں سلام و پیام پر عاشق
بار نخوت سے سر گراں جو ہیں | دل سے ہیں وہ سلام پر عاشق

جتنے ہیں درد مند درد طلب
عشق کے ہیں کلام پر عاشق

ردیف ک

۲۹۵ *

جاتے ہوئے دم کو بھلا روکے کوئی کب تک | آنا ہے تو آ جا کہ نفس باقی ہے اب تک

+ ناکمل غزل نمبر ۲۹۳ ۵ ۶ میں اور غزل نمبر ۲۹۴ صرف ۵ میں درج ہے۔

ا یہ شعر صرف ۱۲ میں ہے۔ * یہ غزل ۳ ۴ میں نہیں ہے۔

آتا ہے نظر حال بُرا دم بہ دم اس کا　　بچنے کا نہیں سنتے ہو بیمار یہ شب تک
کونین سے کیا کام ہے دیوانے کو تیرے　　آرام نہ ہو اس کو تجھے دیکھے نہ جب تک
ڈرتا نہیں میں محتسب اور شیخ سے ملاں　　سنتا ہے مرا شور جنوں پہنچا ہے سب تک
پہنچی ہے میاں[1] ضعف سے یہ عشق کی حالت
جو سانس یکایک[2] نہیں آسکتی ہے لب تک

۲۹۶

غنچہ میں گو ہزار ہو ارنگ اور نمک　　منہ دیکھو اس کا ایسا دہاں تنگ اور نمک
اے مے کشو خبر لو دلوں کی کہ محتسب　　آتا ہے میکدے میں لئے سنگ اور نمک
باتیں ملاپ کی تو بہت میٹھی ہیں پہ یار　　یہ اختراع نیا ہے کہ ہو جنگ اور نمک
حُسن ملیح ہو جو مخطط تو کیا ہے زیب　　مرغوب ہے یہ کس کو کہ ہو بنگ اور نمک
دنیا میں گرچہ شور ہے باغ و بہار کا
پر داغ عشق میں ہیں کئی رنگ اور نمک

۲۹۷

خون کا قطرہ نہیں ہے چشم گریاں اب تلک　　عضو سارے جل گئے پر دل ہے بریاں اب تلک
سو زباں ہو مثل شانہ معذرت کی مو بمو　　صاف دل ہوتی نہیں وہ زلف پیچاں اب تلک
کہیو اے قاصد پیام اس کو کہ تیرے ہجر سے　　جاں بلب پہنچا نہیں آتا ہے تو یاں اب تلک
سُن کے ناخوش ہو کہا نسبت تھی مجھ سے عشق کی　　سو یہ اب معلوم ہوئی تس پر ہے نازاں اب تلک
عشق کا دعویٰ کیا اور ہجر میں جیتا رہا
پھیر[3] تو شاکی ہے ہم سے کہیو ناداں اب تلک

---

۱ کے یہاں۔　۲ کے اب سانس یکایک نہیں آسکتے ہیں کب تک۔　۳ پھر۔

۲۹۸

تسکینِ دل کی خاطر قول و قرار کب تک
تو ہی بتا تو ظالم یہ انتظار کب تک

رُک رُک کے دل ہی دل میں سینے سے ہے نکلتا
دم دے دے دم کو رکھوں اے میرے یار کب تک

بلبل کی نغمہ سازی کرتی ہے داغ دل کو
بن یار کے جہاں میں سیر و بہار[۱] کب تک

یہ بوجھ بھار تیرا پتھر ہے دل پہ میرے
ہو مثلِ گل شگفتہ یہ بوجھ بھار کب تک

آنکھوں کو موند لے تو غمگیں نہ ہو صبا دا
اتنی ہے سخت جانی دم کا شمار کب تک

ہر طرف دیکھ ہنسنا بجلی ہے عاشقوں پر
دل اور جگر ہمارا ہووے ہواں دہار کب تک

بوے وصال اپنی جلدی سے بھیج اس کو
دل عشق کا پیارے ہو خار خار کب تک

۲۹۹

رہی[۲] یہ آرزو آخر کے دم تک
نہ پہنچا سر مرا تیرے قدم تک

نشانہ اور ہی منظور ہے آج
جو تیر اُس کا نہیں آتا ہے ہم تک

فلک کے پار ہوئی گو آہ، حاصل
نہ پہنچی گو بنا گوشِ صنم تک

لکھوں کس طور جو گذرے ہے دل پر
نہیں[۳] مضمون وہ آتا قلم تک

پریشاں بید مجنوں ہے نکلتا
مگر پہنچا ہے شورِ دل عدم تک[۴]

۳۰۰

مجھ کو بیگانہ سمجھتے ہو الٰہی اب تک
بات جو کرتے ہو تم وا ہی تباہی اب تک

دل تو بیزار جفاؤں سے ترے پھرتا ہے
ربط جاتا ہوں لئے خواہی نہ خواہی اب تک

کیفیت کیف کی چھپتی ہے چھپاتے ہو عبث
چشم مے خواری پہ دیتی ہیں گواہی اب تک

---

۱ ۲ ل: سیرِ بہار۔ ۲ ک: اسی حسرت میں نکلے گا یہ دم تک۔ ۳ ک: وہ مضمون آ بھی سکتا ہے قلم تک۔

۴ ل ۱، ۲، ۳، ک ۴، ۵، ل ۶ میں اس غزل کا مقطع نہیں ہے۔

رات رہتے ہو کہیں دن کو کہیں پھرتے ہو　　تس پہ ہے دیکھنے کی ہم کو مناہی اب تک

قتل کے وقت کہا مجھ سے دمِ خنجر نے
عشق شاباش تجھے کس سے نباہی اب تک

۳۰۱

دن کو دیکھی تھی اس پری کی جھلک　　نہ لگی رات کو پلک سے پلک
ہجر میں تیرے مے تو پی نہ سکا　　شیشۂ دل گیا ڈھلک ہی ڈھلک
ایک دم کے لئے نہ مرجھا اب　　غنچۂ دل پہنچ تو یار تلک
شور سے زخمِ دل یہ کہتے ہیں　　یعنے ہم تو نہیں حرام نمک
رات دن گردِ میرے پھرتا ہے　　اُس کا جاسوس ہے مگر یہ فلک
شیخ صاحب کی کچھ نہ پوچھو تم　　اُن سے راضی ہوئے ہیں جن و ملک
جن اداؤں سے تو جھمکتا ہے　　ایسی خورشید میں کہاں ہے چمک
ایک دن عرضِ حال ہم نے کیا　　کہنے لگا کہ دور ہو مت بک

عشق جو دل کباب کرتا ہے
اس شرابی کو ہے پسند گزک

۳۰۲

ہاتھ جاتا مرا اگر دل تک　　جانے پاتا وہ سنگ اوّرسل تک
اس گنہ کے عوض میاں دم ہے　　چھینٹ خوں کی جو پہنچی قاتل تک
سر جلا آگ جا لگی دل کو　　پہنچی یہ بات شمعِ محفل تک
کارواں اشک کا ہوا معدوم　　بلکہ پہنچا وہ اپنی منزل تک
مر گیا آرزو ہی میں اس کی　　تیغ پہنچی نہ حلقِ بسمل تک

ا ﮦ میں یہ شعر نہیں ہے۔

گرد اس کی نہ مجھ تلک پہنچی — خاک پہنچی نہ میری محمل تک
شعر و انداز شعر ہو معلوم — بات پہنچے کسی[1] جو کامل تک
بھول کر[2] عقل ہو وے دیوانہ — شعر پہنچے جو میرا عاقل تک
ایسے ہم بحرِ عشق میں ڈوبے
استخواں بھی نہ پہنچی ساحل تک

+ ۳۰۳

گلشنِ دہر میں کیا زمزمہ پرواز ہے ایک — گوش دل میں جو مرے مختلف آواز ہے ایک
بال و پر رشتۂ الفت سے بندھے ہیں ورنہ — فرش سے عرش تلک دل کی تو پرواز ہے ایک
نسبتِ عشق ہی کافی ہے تجرد کے لئے — سخنِ عاشقوں میں دیکھئے تو راز ہے ایک
زیر و بم ساز کی گو مختلف آواز میں ہے — لے پہ موقوف نہیں سن لے تو دمساز ہے ایک
مختلف عشق کے اشعار اگر رنگ میں ہیں
سر سے لے پانو تلک معنے و انداز ہے ایک

+ ۳۰۴

جوں نفس جاتا ہوں آنا کوچۂ جاناں تلک — شاد و خنداں واں تلک گریاں و نالاں یاں تلک
آہِ ہجراں کے شرارے عرش کے اوپر گئے — پر دلِ غمگیں نہ پہنچا درد سے درماں تلک
آگ تھی کل واں برستی کوئی سودا خاک لے — ہم خریداروں میں تھے ہوتی جو قیمت جاں تلک
جو سر و ساماں تھا ہم الفت میں اس کی کھو چکے — اتنے پر بھی وہ نہ پہنچا بے سر و ساماں تلک
ہم تصور کو ترے کس طور مانیں عشق کہہ
صورتِ عینی نہ پہنچی دیدۂ حیراں تلک

---

۱ ے کسو - ۲ یہ شعر صرف ۵ میں درج ہے - + غزل نمبر ۳۰۳ تا ۳۰۶ صرف ۵ میں ہے۔

۳۰۵ +

مرنے سے اگر ملے تو مر چک — ارمان رہے نہ یہ بھی کر چک
جو ہونی ہو ایسی آگے ہووے — سر اپنے کو پانو پر (تو) دھر چک
کیفیتِ بے خودی، ہے آگے — پیمانۂ عمر کو تو بھر چک
تب دعوئ قول و فعل کیجیو — پہلے تو کچھ آپ تو ٹھہر چک

تب عشق کا عشق نام لینا
جاں اپنی سے پہلے تو گذر چک

۳۰۶ +

لب و جامِ شراب ایک ہے ایک — جیسے موج و حباب ایک ہے ایک
آتش و حُسن مختلف گو ہوں — دل مرا اور کباب ایک ہے ایک
بارشِ چشم و آہ گرمئ دل — مثل بحر و سحاب ایک ہے ایک
اختلافاتِ طبع ثابت ہے — پوچ اور انتخاب ایک ہے ایک
شیوۂ یار دونوں کب ٹھہرے — برملا اور حجاب ایک ہے ایک
شورِ دیوانگی نہ ہو جب تک — پھر تو پیری شباب ایک ہے ایک
دوست کا دید جو نہ ہو حاصل — پھر عذاب و ثواب ایک ہے ایک
شعلہ افشانی ہے اگر منظور — آہ و تیرِ سحاب ایک ہے ایک

ہے حقیقت میں آب و تاب جدا
عشق گل اور گلاب ایک ہے ایک

ردیف گ

۳۰۷ *

ہے شیشۂ اشکوں میں ہمارے جگری رنگ — دکھلاتی ہے بے ساختہ یہ شیشہ گری رنگ

---

* ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ میں ردیف ک اور گ مخلوط ہے۔ بوقت کتابت میں نے دونوں کو الگ کر دیا ہے۔

شہباز کی میرے جو تو رفتار کو دیکھے — جوں مرغ کے اڑ جاوے ترا[1] کبک دری رنگ

یہ جامۂ خاکستری انساں کا جو دیکھا — معلوم ہوا دل کو کہ ہے یہ سفری رنگ

[2]ساقی نہ تکوں جام کی آنکھیں تو کروں کیا — دکھلاتی ہے کس طرح سے شیشہ میں پری رنگ

بے رنگ ہے بے کیف نہ جوہر نہ عرض ہے
سب رنگ میں ہے عشق اور اس کا ہے بری رنگ

۳۰۸

ہر گھڑی بدلے نہ کس طرح سے عشاق کا رنگ — ساتھ پھرتا ہے تری آنکھوں کے آفاق کا رنگ

یاں تلک یاد تری کی کہ وہ خود ہی نہ رہا — ہو بہو تجھ سے ہوا ہے ترے مشتاق کا رنگ

شوخیاں دیکھ تبسم کی دہن میں تیرے — رشک سے جل ہی گیا غنچے کے اوراق کا رنگ

وہ نظر ہے تری کہتے ہیں جسے عین شفا — زہر کس گنتی میں[3] رہتا نہیں تریاق کا رنگ

خوانِ الواں کو جو نعمت کے میں دیکھا سمجھا — یعنے قسمت ہوا مرزوق کی رزاق کا رنگ

یہی گلزار ہے جو دستِ خزاں اس پہ نہیں — دیکھ باور نہیں تو گلشنِ اخلاق کا رنگ

گو سیہ فام سی ہے دید میں لیکن ہے سُرخ — آگ میں دیکھ اگر چشم ہے چقماق کا رنگ

عشق بے رنگ ہے پر رنگ یہ سب ہیں اس کے
خلق میں رنگ جو ہے، ہے وہی خلاق کا رنگ

۳۰۹

تم نہ سمجھو کہ نہیں میرے دلِ تنگ میں آگ — یوں چھپی رہتی ہے جوں آئینۂ سنگ میں آگ

شعلہ گوں جام ہوا ہے نظرِ ساقی سے — جھوٹ کہتے ہیں کہ ہے بادۂ گلرنگ میں آگ

اس کے نندق کا اثر ہے نہیں دیپک کی یہ لو — آگ مضراب کو لگ جا لگی خرچنگ میں آگ

---

۱ ل۶ تری - ۲ یہ شعر صرف ل۵ میں درج ہے - ۳ ل۵ مرزوق کی قسمت میں ہوا -

تری آنکھوں کے طلسمات کی عیاری دیکھ
شعبدہ بازوں کے لگ اٹھتی ہے نیرنگ میں آگ

لبِ یاقوت میں جا اُس کے وہ چقماق بنی
ورنہ دیکھی تھی کسو نے کبھی منہ چنگ میں آگ

ڈھنگ تیرے نے جلایا ہے مرا جاں و دل
یا مجھے آگ لگے یا لگے اس ڈھنگ میں آگ

دل[1] کے جلنے سے مرے مجھ کو ہوا ہے معلوم
یعنے تھی شوخ گلو باز کی آہنگ میں آگ

نام منظور ہے جو عاشقوں میں عشق تجھے
بے تامل ہو لگا نام میں اور ننگ میں آگ

۳۱۰

لختِ دل میرے نہیں نوعِ دگر آگ ہے آگ
دیکھ پامال نہ کر اس سے تو ڈر آگ ہے آگ

شمع کہتی تھی بہ صد سوزِ جگر دیواں میں
شاہ مت بوجھ اسے طرۂ زر آگ ہے آگ

شمع کے طور جلے تار نظر پڑتے ہیں
کون کہتا ہے اسے لختِ جگر آگ ہے آگ

ڈھال اس کو نہ سمجھ آپ پہ مغرور نہ ہو
داغ کے منہ پہ نہ آ تیغِ نظر آگ ہے آگ

دید[2] میں آب ہے اور ہے وہ حقیقت میں شرر
قطرۂ اشک سے تو کیجو حذر آگ ہے آگ

دل کے گلزار کو تو وادیٔ ایمن ہی سمجھ
اس گلستانِ حقیقت کا شجر آگ ہے آگ

ہجر میں اس رخِ زیبا کے نہ پوچھ یار د
عشق کی آنکھوں میں خورشیدِ سحر آگ ہے آگ

۳۱۱

مجلس میں عشق کے نہیں ہے سیم و زر سے رنگ
پیدا کیا ہے اُن نے کچھ اور ہی ہنر سے رنگ

رنگینیٔ چمن کو نہ کر مجھ سے تو بیاں
برسے ہے مثلِ اشک مری چشمِ تر سے رنگ

جوں[3] غنچہ ساتھ رنگ لے آیا وطن سے میں
پیدا نہیں کئے ہیں یہ نوعِ دگر سے رنگ

---

۱ یہ شعر صرف رضا میں ہے۔ ۲ لا دیدۂ آب ہے۔ ۳ لا جو۔

منظور ہے کہ چلنے پہ دل کے گواہ ہو ۔۔۔ یہ بات مان جامہ کو اپنے شرر سے رنگ
وہ رنگ کب ہے یار حقیقت میں رنگ ہے ۔۔۔ مقبولِ دل نہ ہو جو ملے دردِ سر سے رنگ
پرکھے جو اس کو آکے کوئی جوہری نہیں ۔۔۔ آنسو میرے لڑاتے ہیں لعل و گہر سے رنگ

چاہے کہ سرخ روئی کونین ہو نصیب
اے عشق اپنے چہرے کو خونِ جگر سے رنگ

۳۱۲ +

دل کو ہے لگ رہی خدنگ سے جنگ ۔۔۔ ہو گئی شیشہ اور سنگ سے جنگ
غرض اتنی ہمیں ہے یک سوئی ۔۔۔ صلح سے جنگ ہے نہ جنگ سے جنگ
خوش نما عشق میں ہے رسوائی ۔۔۔ اس سبب ٹھہری عار و ننگ سے جنگ
کس کو بھاتی ہے دوستی بے ربط ۔۔۔ جنگ ہے خوب ہو جو ڈھنگ سے جنگ
آب اور رنگ میں ہے صلح قدیم ۔۔۔ رنگ کو کیوں نہ ہووے رنگ سے جنگ
دل پہ چلتی ہے باڑ پلکوں کی ۔۔۔ کر مکِ رشک ہے فرنگ سے جنگ

عشق دریائے دل میں پیرتا ہے
رہتی ہے حسن کے نہنگ سے جنگ

ردیف ل

۳۱۳

میری طرف سے دل میں نہ رکھیو غبار دل ۔۔۔ پھر جیتے جی دکھا یو منہ ایک بار دل
یہ ایک دل تو کب ہے شمار و قطار میں ۔۔۔ قربان تجھ پہ [2] کیجئے گر ہوں ہزار دل
چاروں طرف سے بھالے مژہ کے دکھا دکھا ۔۔۔ کہنے لگا جو دوست ہو تیر اپکار دل

ا یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔ + یہ غزل صرف ۵ میں ہے۔ ۲ ۳ پر۔

سو سو طرح کے[1] اس کو تماشے دکھایئے رہتا ہے کب قرار پہ یہ بے قرار دل

آنکھوں نے آنسو لو ہو کے رو رو یہی کہا مرنے تلک تو کر چکے ہم انتظار دل

ایسا نہ ہو کہ اس کو گھلاوے تو اپنے ساتھ یہ داغ ہے کسی کا مجھے یادگار دل

آنکھوں سے مثلِ اشک گری عشق دل کی قدر

کوچے میں اس کے دیکھے پڑے بے شمار دل

۳۱۴

خدا کے واسطے ٹک منہ میں رکھ اپنی زباں بلبل نہ حرمت کھو تو نالہ کی نہ کر اتنا فغاں بلبل

محبت سیکھ پروانہ سے بھول اس زمزمہ کو تو بجز جلنے کے کچھ منظور ہے نام و نشاں بلبل

بہار آئی چمن میں اور شعلے گل کے روشن ہیں خبر لے آشیانے کی چلی ہے تو کہاں بلبل

تہیں ہنستا دلِ صد پارہ گل اپنا دکھاتا ہے عبث نالاں و شاکی ہے تو اس سے بدگماں بلبل

اگر دیتی نہ گل کو دل تو کیوں احوال یہ ہوتا سسکتی ہے پڑی گلشن میں دیکھو نیم جاں بلبل

وفا گل کی مروت باغباں کی عشق ظاہر ہے

توقع کون سی پر باندھے اس جا آشیاں بلبل

۳۱۵

مشہور ہے جہاں میں اگرچہ[2] جفائے گل سو جانیں ہوں تو کیجئے اس پر فدائے گل

جاتا ہے مثل بو کے یہ دل تو اڑا ہوا کیوں کر بھلا نہ ہوں میں کہو مبتلائے گل

سرسبز گل کی رکھے خدا ہر روش بہار اے باغباں نصیب ہو مجھ کو ہلائے گل

گلزار اس کے داغ سے سینہ مرا ہوا کہدو مرے مزار پر[3] کوئی نہ لائے گل

اس بلبلِ اسیر کی حسرت پہ داغ ہوں مرہی گئی قفس میں سنی جب[4] صدائے گل

۱۔ ن۳ طرح سے۔ ۲ ن۳ اگرچہ جہاں میں۔ ۳ ن۳ پہ۔ ۴ ن۵ جو۔

گلچیں و باغباں کو کہاں اس کی قدر ہے ‏ بلبل کے دل سے پوچھئے جس وقت آئے گل
کچھ آرزو سے کام نہیں عشقؔ کو صبا
منظور اس کو ہے وہی جو ہو رضائے گل

۳۱۶

آگ ہے سینہ میں روشن جائے دل ‏ موج زن ہے شعلۂ دریائے دل
ٹک سمجھ کر پی اسے میخوار تو ‏ زور ہی پر کیف ہے صہبائے دل
اے پری رو دیکھ اس کو مت پٹک ‏ سخت نازک تر ہے یہ مینائے دل
اس زمانہ میں خریداری کہاں[1] ‏ بے بہا ہے ورنہ یہ کالائے دل
گفتگو سے ہے پرے یہ ماجرا
کب زباں پر آئے عشقؔ ایزائے[2] دل

۳۱۷

پہلے پی زاہد کسی عاشق کے دل سے مِل کے مُل ‏ فی الحقیقت تب نظر آویں یہ[3] مشتِ گِل کے گُل
مت ڈرو اے مفلسو آخر تو تم مرتے ہی ہو ‏ بے تامل لوٹ لو ان اغنیا کے پُل کے پُل
ناتوانی دیکھ دل تیری کئی وہ گر گئے ‏ ورنہ تھے تیرِ مژہ تجھ پر رہے قاتِل کے تُل
حلِ مشکل ہے دو عالم میں شہِ مشکل کُشا ‏ دربدر پھرتے جو ہیں، ہیں بستۂ[4] مشکل کے کُل
کشتیاں بھر بھر جواہر کی اگر پُل باندھ دے ‏ حرص کا دریا بہا دے پل میں ناداں پُل کے پُل
جوشِ گل نامِ خدا کیسا ہوا ہے دھوم[5] پر ‏ تو کبھی تو اس سال میں اے غنچۂ دل کھِل کے کھُل
شور و غل اشغال کا مشہور ہے اے عشقؔ سُن
جذبِ حق بن کون توڑے ہستیٔ شاغل کے غُل

---

۱ یہ شعر صرف ہ میں ہے۔ ۲ ایذائے۔ ۳ ر تب آویں یہ، غلط ہے۔ ک نظر آئیں گے۔ ۴ ر تشنۂ۔ ۵ ر نام۔

بلبل کے دل سے پوچھئے جس وقت آئے گل — گلچیں و باغباں کو کہاں اس کی قدر ہے

کچھ آرزو سے کام نہیں عشق کو صبا
منظور اس کو ہے وہی جو ہو رضائے گل

۳۱۶

آگ ہے سینہ میں روشن جائے دل — موج زن ہے شعلۂ دریائے دل
ٹک سمجھ کر پی اسے میخوار تو — زور ہی پر کیف ہے صہبائے دل
اے پری رو دیکھ اس کو مت پٹک — سخت نازک تر ہے یہ مینائے دل
اس زمانہ میں خریداری کہاں — بے بہا ہے ورنہ یہ کالائے دل

گفتگو سے ہے پرے یہ ماجرا
کب زباں پر آئے عشق ایذائے دل[2]

۳۱۷

پہلے پی زاہد کسی عاشق کے دل سے مل کے مُل — فی الحقیقت تب نظر آوے یہ مشتِ گِل کے گُل[3]
مت ڈرو اے مفلسو آخر تو تم مرتے ہی ہو — بے تامل لوٹ لو ان اغنیا کے پُل کے پُل
ناتوانی دیکھ دل تیری کئی وہ گر گئے — ورنہ سکتے تیرِ مژہ تجھ پر رہے قاتِل کے تُل
حلِ مشکل ہے دو عالم میں شہِ مشکل کشا — دربدر پھرتے جو ہیں ہیں بستۂ مشکل کے کُل
کشتیاں بھر بھر جواہر کی اگر پُل باندھ دے — حرص کا دریا بہا دے پل میں ناداں پُل کے پُل
جوشِ گل نام خدا کیسا ہوا ہے دھوم[5] پر — تو کبھی تو اس سال میں اے غنچۂ دل کھِل کے کھُل

شور و غل اشغال کا مشہور ہے اے عشق سُن
جذب حق بن کون توڑے ہستیٔ شاغل کے غُل

---

۱ یہ شعر صرف ۃ میں ہے۔ ۲ ایذائے۔ ۳ رؔ تب آوے یہ، غلط ہے۔ ۔ نظر آئیں گے۔ ۴ ر تشنۂ۔ ۵ ۳ نام۔

۳۱۸

ننگ ہے آہ نہ کر فخرِ اسیری بلبل
جو کوئی جان کو دے ہے وہی میری بلبل

خاک اور خون میں بیزار ہو گل سے لوٹے
اُس کی پیشانی اگر دیکھے عبیری بلبل

بند و بست اپنے کو کر پہلے چمن میں جا کر
ابھی اُگتی چلی ہے گل کی پنیری بلبل

خوش دماغی جو کرے شب کو سحر ہوے ملیل
کان دھر کہتی ہے شبو کی نفیری بلبل

زرِ غنچہ کو گرہ باندھ کے نالاں پھرنا
زو سیاہی ہے نہیں رسم فقیری بلبل

زمزمے کرتی کدھر پھرتی ہے اس رشک سے مر
چولی غنچہ کی ترے یار نے چیری بلبل

عشق تو نالۂ موثر سے ہے اس کے پیدا
ورنہ گلزار میں یکساں ہیں بھنبھیری بلبل

۳۱۹

الٰہی کون ہے غارت گرِ گل
جو لٹتا ہے چمن میں یوں زرِ گل

پسینا[2] تیرے عارض پر جو دیکھے
بھرے رو رو کے شبنم ساغرِ گل

جلاتا ہے مجھے آتش کی مانند
جدائی میں تری یہ بسترِ گل

کروں کیا آہ بلبل تیری فریاد
نہیں جاتی ہے تا گوشِ کرِ گل

لٹک دیکھے اگر طرّہ کی تیرے
جھکے شرمندگی سے افسرِ گل

مگر دیکھا تجھے بلبل نے ظالم
جو رو رو دھوہی ڈالا دفترِ گل

تجھے[3] ہنستا اگر دیکھے چمن میں
چھپاوے شرم سے منہ اخترِ گل

قیامت ہے موثر شورِ بلبل
رہی سوکھی کبھو چشمِ ترِ گل

کبابِ عندلیباں کیوں نہ ہو عشق
دہکتے ہیں چمن میں مجمرِ گل

---

۱ صرف لـ۵ میں یہ شعر بطور مقطع ہے۔ ۲ پسینہ۔ ۳ یہ شعر صرف لـ۵ میں ہے۔

۳۲۰

ٹکڑے نہ ہووے دل جو سنے آہ سردِ دل — اُس دل کو دل نہ کہئے نہ ہو جس کو دردِ دل
سودا رہے سرکشی سے ہے اعلیٰ فردتنی — ظلِ ہما سے خوب ہے عاشق کو گردِ دل
دلدار عاشقوں کا یہی التماس ہے — لختِ جگر ہی آنکھوں میں ہے اُن کے فردِ دل
تختے پہ عشق بازی کے ششدر کا نقش ہے — بے شش و پنج چلتی ہے اس گھر میں نردِ دل
ناچار دل کے حکم میں رہتا ہوں روز و شب — اتنا جگر نہیں کہ اٹھاؤں نبردِ دل
مانع عبث ہے یار مری آہِ سرد کو — بن گرم جوشی تیرے مٹے کیوں کے بردِ دل

دنیا میں آپ آپ کو سب مرد گنتے ہیں
نایاب اس جہان میں ہیں عشق مردِ دل

۳۲۱

مجھ سے مت پوچھ اضطرارِ دل — بے قراری پہ ہے قرارِ دل
انقلابِ زمانہ کیا کہئے — دشمنی میں ہیں دوست دارِ دل
شعلہ رو کی جو یاد میں روئے — جل گیا اشک سے کنارِ دل
دل اگر دل کے ہاتھ میں آوے — دین، دنیا کروں نثارِ دل

دل تفکر سے خار خار ہوا
عشق تو ہی نکال خارِ دل

۳۲۲

گوہرِ اشک کہیں بکتے ہیں افلاک کے مول — تو اگر لیوے تو ہم بیچتے ہیں خاک کے مول
جوہری ہی نہیں تو تجھ سے بیاں کیا کیجے — ہاتھ آتے ہیں گہر دیدۂ نمناک کے مول

---

۱ ٹکڑے کیوں نہ ہوں۔ ۲ درجہ۔ ۳ ہے۔ ۴ دین و دنیا۔ ۵ پھر۔

دخترِ رز کے مصاحب ہوئے جب سے ساقی — شیخ جی کو نہیں لیتا ہے کوئی تاک کے مول

انقلابات جہاں تجھ سے بیاں کیا کیجے
زہر بکنے لگے اس شہر میں تریاک کے مول

۳۲۳

بے کل کو دینے آئے جو ناچار آج کل — شاید مروڑی[1] آہ نے دلدار آج کل

وعدہ ہے آج کل کا کہ آوں گا ہر طرح — دو دن ہی تجھ پہ بھاری ہیں بیمار آج کل

تنگ حوصلہ غرور سے پھولا تو خوف کیا — جھڑ ہی پڑے گا جوں گلِ گلذار[2] آج کل

دم گنتے ہیں غریب کے بالیں پہ[3] آشنا — ایسے سے واہ وعدۂ دیدار آج کل

اتنا غرور خوب نہیں جنسِ حُسن پر — ہوتا ہے سرد یار جی بازار آج کل

قول و قرار تجھ سے کوئی کس طرح کرے — ہر روز سنتے ہیں یہی اقرار آج کل

اخلاق ہاتھ اپنے سے اے عشق تو نہ دے
ہوویں گے منفعل یہ ستم گار آج کل

۳۲۴ +

تجھے جو کہئے سو سب ہے بجا دل — یہ دل میں جو ہے تیرے منہ پہ لا دل

سناں کی طرح دل چبھتا ہے دل میں — کسو کے تیر کا پیکاں ہے یا دل

ہمیشہ شورِ محشر ہے اُٹھاتا — قیامت ماجرا ہے کیا بلا دل

سوا اس کے کیا کیا کام تم نے[4] — رہا تو دل میں یا تجھ میں رہا دل

اگر اللہ کی خواہش ہے تجھ کو — تو اس دنیائے فانی سے اٹھا دل

اگر منظور ہے خوباں سے ملنا — کر اپنا آئینہ سا تو صفا دل

---

۱ ک مڑوڑھی ۔ ۲ ک ہ گلزار، صحیح ہے۔ ۳ ک ہ پر۔ + یہ غزل صرف ک ہ میں ہے۔
۴ ک تو نے، بہتر ہے۔

جہاں میں دوستی معدوم تھی عشق
اگر ہوتا نہ مجھ سے آشنا دل

ردیف م

۳۲۵

نہ ہے آغاز سے مطلب نہ ہے انجام سے کام[1] — نہ غرض صبح سے مجھ کو نہ مجھے شام سے کام
شورشِ درد ہی کافی ہے انیسی کو مری — نہ دل آزار سے مطلب نہ دل آرام سے کام
رشتۂ زندگی کس طور[2] سے مقطوع نہ ہو — مجھے رہتا ہے ہمیشہ تری صمصام سے کام
نہ پرستش ہے بتوں کی نہ خدا کو[3] سجدہ — نہ مجھے کفر سے مطلب نہ ہے[4] اسلام سے کام
کس سے دل جا کے گرفتاری کو اپنی کہئے — نہ قفس سے کوئی واقف نہ لکھے دام سے کام
وصف اوروں کا بھلا کیوں کے میاں دل کو لگے — جس کو رہتا ہو صدا[5] تیری ہی دشنام سے کام

عشق بیزار سے اُس کی جیئے یا کوئی مرے
یار[6] معشوق کو ہے اپنے ہی اب کام سے کام

۳۲۶

کافر عشق کو یارو نہیں اسلام سے کام — گردشِ چشم سے مطلب ہے، نہیں جام سے کام
دم[7] غنیمت وہ سمجھتا ہے جو یاں عاقل ہے — ہے وہ غافل جسے آغاز اور انجام سے کام
حسنِ مطلق نے مقید کیا تقییدِ کے بیچ — کس طرح دل کو نہ ہو اُس بتِ خودکام سے کام
دیر و کعبہ سے صنم تو ہی ہے مقصود مجھے — اس سبب دل کو نہیں کفر اور[8] اسلام سے کام

---

۱ ک مری تسکین کو۔ ۲ ش کس طرح۔ ۳ ک کا۔ ۴ ک ہے نہ۔ ۵ سدا۔ ۶ ک ناز۔
۷ یہ شعر ش میں نہیں ہے۔ ۸ ش سے۔

قتل کو عشق کے ابروہی ترے کافی ہے[1][2]
اُس کو ہرگز نہیں قاتل کسی صمصام سے کام[3]

۳۲۷

کیا اس لئے ہوئے تھے میاں سینہ چاک ہم — خوش تجھ سے[4] اور یار، پھریں دردناک ہم
گو مرگئے تو کیا ہوا جیتے رہے تو کیا — اس زندگی سے خوب ہے ہوویں ہلاک ہم
ملتے ہیں نیک و بد سے پر آلودگی نہیں — مانند نور اُٹھتے ہیں ہر شے سے پاک ہم
امید ہے کہ خاک نہ ہووے یہ منتشر — تم آسمانِ ابر ہو اور مشتِ خاک ہم
آ بیٹھے ہم تو پہلے ہی اس جی سے[5] ہاتھ دھو
مرنے کا عشق دل میں نہیں رکھتے باک ہم

۳۲۸

آہ شبنم ہیں یا صبا ہیں ہم — دیکھتے دیکھتے ہوا ہیں ہم
عکس ہیں آئینہ ہیں صورت ہیں — دل میں ٹک دیکھ اپنے کیا ہیں ہم
کیا کہیں ہم حقیقت اپنی کو — جیسے گنبد میں ہو صدا ہیں ہم
لایقِ بندگی بھی ہو نہ سکے — کس طرح سے کہیں خدا ہیں ہم
آسمان و زمین و ما فیہا — کچھ ٹھہرتا نہیں کہ کیا ہیں ہم
ہم سے تو سیکڑوں ہے اُس سا کون — شاہِ شاہاں وہ ہے گدا ہیں ہم
کہہ غزل در غزل تو اس کو عشق
گفتگو پر تری فدا ہیں ہم

۳۲۹

تجھ سے کیا کیا کہیں کہ کیا ہیں ہم — الغرض بندۂ خدا ہیں ہم

---

۱ ک عشق کے قتل کو۔ ۲ ک ہیں، درست ہے۔ ۳ ک اس کو شمشیر کی حاجت ہے نہ صمصام سے کام۔
۴ ک کم ہو۔ ۵ ک شے سے۔

ہر طرح سے ہمیں غنیمت جان
درد ہیں مہر ہیں وفا ہیں ہم

دیکھنے بھی فقط نہیں پاتے
اُس سے کس دن خلا ملا ہیں ہم

نہ سلام علیک ہے نہ پیام[1]
کہنے کو تیرے آشنا ہیں ہم

کس صفا ساتھ گل کو رکھتے ہیں
عشق بازی میں میرزا ہیں ہم

چشم میں مثلِ اشک رہتے ہیں
جب ادھر دیکھے تو فدا ہیں ہم

چاہتا ہے تجھے جہان سارا
پر انھوں سے میاں جدا ہیں ہم

کس طرح سے اثر سے ہوں خالی
آہ یا نالۂ رسا ہیں ہم

تیرے بندوں میں جب ہوئے مشہور
آپ کو جو کہیں بجا ہیں ہم

بے سرو پا ہیں آپ کے مانند
عشقؔ پل چلنے کو بلا ہیں ہم

۳۳۰

نگاہ گرم ہے اور شیوۂ ادا ہے گرم
غرض کہ سر سے وہ پاؤں تلک بلا ہے گرم

خیالِ یار نہ تو دل میں میرے آیا کر
تنور آتشی ہے اُس کی آب و ہوا ہے گرم

اگرچہ ہم سے تو سر گرم بے وفائی ہے
رہے سلامت و خوش روز[2] آشنا ہے گرم

اگرچہ سرد زمانے سے دل ہوا اپنا
ہنوز دل میں مرے یار تیری جا ہے گرم

ہزار رنگ سے کہتا ہے یہ گلِ تسبیح
برنگ شمع مرے سر پہ گل کھلا ہے گرم

یہ آگ ان دنوں کن نے اسے لگائی ہے
ہمارے روبرو آگے کبھی ہوا ہے گرم

خبر تو لے کوئی جا کر کہیں یہ عشقؔ نہ ہو
کہ اس فقیر کی یارو سدا ندا ہے گرم

۱؎ سلام و علیک ۔ ۲؎ زور۔

۳۳۱

دل کو جب پہلے ہی کھو بیٹھے ہیں ہم
اتنے تب بے فکر ہو بیٹھے ہیں ہم

جستجو دل کی تو سینے میں نہ کر
مدتیں گذریں کہ رو بیٹھے ہیں ہم

اُٹھیں تیرے در سے[1] یہ ممکن نہیں
سر کو چاہو کاٹ لو بیٹھے ہیں ہم

دردِ دل کو تم سنو یا مت سنو
داد دل کی[2] دو نہ دو بیٹھے ہیں ہم

عشق میں ثابت قدم رکھے خدا
جو کچھ اب ہونی ہے ہو بیٹھے ہیں ہم

دور ہیں جو دل سے تیرے دور ہیں
پاس تیرے یار گو بیٹھے ہیں ہم

دین و ایماں اور دل و جاں رائیگاں
عشق کیا کیا اپنا کھو بیٹھے ہیں ہم

۳۳۲

گرچہ صورت میں اب جدا ہیں ہم
درحقیقت خدا نما ہیں ہم

بے وفاؤں سے سخت ہیں بیزار
آشناؤں کے آشنا ہیں ہم

ڈھونڈتا ہے عبث تو ظلِ ہما
غور کر دیکھ[3] تو ہما ہیں ہم

گو کہ ہے دور منزلِ مقصود
گمرہوں کے پہ رہنما ہیں ہم

دعویٰ دوستی کریں جو ہم
عشق کیا کچھ ہیں کیا بلا ہیں ہم

۳۳۳

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام
پھر اُسے دوسری نہ آئی شام

زلف و رخ کا بیاں تو مجھ سے نہ پوچھ
سر پہ خورشید نے اٹھائی شام

---

۱ ر۲ اس کے در سے ۔ ۲ ر۵ کو ۔ ۳ ر۶ دیکھے ۔

شام کو ماہ رو بغل میں ہو ایسی ہم نے کہاں سے پائی شام
دن تو کن[1] کن مصیبتوں سے کٹا یہ غضب دیکھو اور لائی شام
زلف پر اُس کے یہ گلال نہیں شفقی یار دو بن کے آئی شام
بال[2] بکھرا کے منہ پہ کہتا ہے ہم نے دوپہر کی بتائی شام
وعدہ[3] شام تو نہ کر مجھ سے
عشق سو بار آزمائی شام

۳۳۴

گماں نصیب سے اپنے ہو اس قدر معلوم جو ماہ چہر سے ہم پر کرے نظر معلوم
رخ اور زلف کا مارا کہیں بھی جاں بر ہے اگرچہ شام کو جیتا رہا سحر معلوم
کہاں ہیں اشک یہ لختِ جگر ہیں آنکھوں میں سوائے لعل کے اس سبب ہیں گہر معلوم
جفائیں تیری جو اے یار ہم اٹھاتے ہیں پرِ فرشتہ جلیں طاقتِ بشر معلوم
گداز[4] سنگ تو کرتی ہے آہِ پُر تاثیر
بتاں کے دل میں کرے عشق کچھ اثر معلوم

۳۳۵

شہرِ خوباں میں سنو سخت گرفتار ہیں ہم جو وہ چاہیں سو کریں اُن کے گنہگار ہیں ہم
نظرِ لطف اگر اوروں پہ ہو بے جا ہے تری آنکھوں کے میاں دیکھ لے بیمار ہیں ہم
نرگسی چشم کبھو ایک نظر ادھر بھی سخت حیرت زدہ اور تشنۂ دیدار ہیں ہم
چھوڑنا صید کو ہے قید سے صیّاد روا قابلِ بند ہیں نالائقِ تردار ہیں ہم
سُنّت[5] اللہ جہاں میں یوں ہوئی ہے جاری یہی مقصود سمجھ برسرِ اظہار ہیں ہم

---

۱ ۲ ۳ ۴ ۶ گن گن۔ ۲ ۵ میں یہ شعر بطور مقطع ہے۔ ۳ یہ شعر صرف ۵ میں نہیں ہے۔
۴ ۵ گداز سنگ تو کرتا ہے نالۂ عشاق۔ ۵ یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔

کس پر اب جور جہاں میں نہیں ہوتا اے دل اتنے اس آہ و فغاں تیری[1] سے بیزار ہیں ہم

معنیٔ عشق سمجھنا تجھے زاہد ہے ضرور

بندۂ درد ہیں اور صاحبِ اسرار ہیں ہم

۳۳۶

ترے ہاتھوں سے چشم تر گئے ہم غرض روتے ہی روتے مر گئے ہم

لگا وہ ہنس کے کہنے سُن تو ناداں مگر رونے سے تیرے ڈر گئے ہم

فغان و نالہ و فریاد و زاری ترے کوچے میں کیا کیا کر گئے[2] ہم

جب آیا روبرو ٹکڑے ہوا وہ کبھو سابوت لے دل گھر گئے ہم

نہ پوچھ اب واردات عمر کو عشق

بہر صورت دن اپنے بھر گئے ہم

۳۳۷

مثلِ نے گرچہ بے زباں ہیں ہم پر سراپا میاں فغاں ہیں ہم

یہ نہ کہہ تو ہمیں کہاں ہیں ہم تیرے ہیں جس طرح جہاں ہیں ہم

خاکِ پا کے ترے تصدق ہیں گر زمیں ہیں اور آسماں ہیں ہم

تیرے عاشق تو کر کے ہیں مشہور گو کہ بے نام و بے نشاں ہیں ہم

حالِ دیوانگی کو ہم سے پوچھ عشق بازی کی داستاں ہیں ہم

دیکھنا یہ جہان ہے سارا ہم[3] کہاں ہیں میاں گماں ہیں ہم

عشق کے عشق آج میداں میں

آہ مجنوں کے ہم عناں ہیں ہم

---

۱ ف سے تیری۔ ۲ ف کرتے۔ ۳ ط تم کہاں ہو میاں کہاں ہیں ہم۔

۳۳۸

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم
تھے تیری طرف جدھر گئے ہم

تا جاں نہ ہوئے عدو دل حکمی
تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

مدت سے ہیں جستجو میں اپنی
ہیں آپ سے اس قدر گئے ہم

تب سمجھے کہ کیا ہے کفر و اسلام
اُن دونوں سے جب گذر گئے ہم

اے شیخ بُرا بھلا تو کہہ لے
کرتی تھی جو کچھ سو کر گئے ہم

جا بیٹھ نہ بک تو ہم سے زاہد
کیا تجھ سے کہیں کدھر گئے ہم

بتلاویں گے حشر میں یہ اُس کو
مستی میں اگر اُدھر گئے ہم

تھا کعبہ و دیر سے کسے کام
مقصود تھا تو جدھر گئے ہم

جُز عشق نہ سمجھے کفر و دیں کو
طرفین سے بے خبر گئے ہم

۳۳۹

تنورِ لالہ ہے جو پانو اس میں تو دھرے شبنم
مرا تفتہ جگر دیکھے اگر رو رو مرے شبنم

دلِ بے تاب اور روخوں سے جام چشم بھرتا ہے
کہ جیسے ساغرِ گل اپنے آنسو سے بھرے شبنم

توے کی بوند ہو یا دو سمندر جب بایں شوکت
کہو اس سینۂ داغی سے اب کیوں نہ ڈلے شبنم

تکلف برطرف ٹک ہاتھ اپنے جی سے دھو لیوے
مرے گلزار دل کے گرد جو چاہے پھرے شبنم

تفِ دل کو برودت جب نہ بخشے اشک کا باراں
بھلا اے قبلۂ حاجات پھر واں کیا کرے شبنم

نہ کھو اس قطرۂ ہستی کو اپنے آپ طوفاں میں
نہ پڑ گرداب اشکوں میں ولے رہ یا پرے شبنم

نہ ہو دیں جز قناعت سیر نادیدوں کی یہ آنکھیں
کہاں تک کاسۂ نرگس کو اب بار و بھرے شبنم

---

۱ ک تاجان نہ ہو۔ ۲ ک اپنی جستجو میں۔ ۳ یہ شعر صرف ک میں ہے۔ ۴ ک وہ۔
۵ ک پاؤں۔ ۶ ک دھرے تو۔ ۷ ک چشم جام۔ ۸ ک گلزار' درست ہے۔ ۹ ک آنسو۔

مرے ان گوہرِ اشکوں کو لے جا مت گلستاں میں[1]
مبادا عشق جواب گل کی آنکھوں سے گرے شبنم

۳۴۰

کسو عاشق سے ہم چشمی اگر تجھ کو پڑے شبنم
خجالت سے قسم ہے خاک میں جا کر گڑے شبنم

ہلاوں عین رقت میں جو خار سنانِ مژگاں کو
برنگِ دانۂ گوہر ان آنکھوں سے جھڑے[2] شبنم

ہوا و آفتاب و خاک اور کتنے ہی دشمن ہیں
ذرا سی زیست پر بے درد کس کس سے لڑے شبنم

مرے[3] زخم جگر کے داغ کی گرمی اگر دیکھے
لڑھاوے چشم سے بھر بھر کے پانی کے گھڑے شبنم

اگر[4] گل پیرہن میرا چلے گل گشت گلشن کو
تگرگ ہوں دستِ و پا گل کے تاسف سے گڑے شبنم

مرے سینہ پہ جو ہے داغ سو خورشید تاباں ہے
اگر اس سمت کو آوے لگا کر پر اُڑے شبنم

۳۴۱

بات کہتے ہیں اس دہن سے ہم
ہیں پشیمان[5] اس سخن سے ہم

گل رخوں کی ہے اس میں کیا تقصیر
مر گئے اپنے بانکپن سے ہم

قتل کو جو مزار پر آوے
نکل آویں وہیں کفن سے ہم

گل و بلبل سے اے صبا کہیو
خوش رہو تم چلے چمن سے ہم

یہی[6] تکلیف و ذلت و خواری
دیکھی جب سے چلے وطن سے ہم

اشک سے مثلِ شمع جلتے ہیں
کیوں نہ خوش ہوویں انجمن سے ہم

اس سے کیا دوستی لباسی ہے
عشق خوش ہو دیں پیرہن سے ہم

---

۱ ل۵ مرے آنسو کے گوہر کو تو - ۲ ل۵ پڑے، غلط ہے - ۳ یہ شعر صرف ل۵ میں ہے -
۴ یہ شعر ل۵ میں نہیں ہے - ۵ ل۵ پریشان - ۶ یہ شعر صرف ل۵ میں ہے -

۳۴۲

گنتے تھے[1] یار اپنے تئیں بے جگر کہ ہم — پھرتے ہیں تیرے ہاتھ سے وہ چشم تر کہ ہم
رو رو کے لختِ دل مرے کہتے ہیں دن تو ہو — گھبرا کے تو نکلتی ہے آہِ سحر کہ ہم
دھڑکے شبِ فراق کے سُن اشک نے کہا — تم آگے پانو رکھو گے نورِ نظر کہ ہم
گنتے تھے اپنے آپ کو جو بے درم غلام — وہ مال تجھ سے چاہتے ہیں سیم بر کہ ہم

کہتے تھے ان بتوں سے نہ مِل عشق مان لے
اب تم ہی کھینچتے ہو میاں دردِ سر کہ ہم

۳۴۳

مانندِ جان یار چلا دیکھتے ہیں ہم — آنکھوں میں خاک کیا کہیں کیا دیکھتے ہیں ہم
خوش[2] رو کے دیکھنے کو نہ کر منع شیخ تو — اس آئینہ میں نورِ خدا دیکھتے ہیں ہم
نقصان اس سے کیا ہوا کیا گھٹ گیا ترا — آنکھیں چُرا نہ اپنی ذرا دیکھتے ہیں ہم
جو جو کیا سو خوب کیا ظلم یا جفا — بیزار کب ہیں اب بھی بھلا دیکھتے ہیں ہم
چلتے ہیں اپنی بات پہ جو ہونی ہو سو ہو — اب تک میاں بھلا نہ بُرا دیکھتے ہیں ہم
و[3] سواس کیا ہے غیر کی بدنامی سے تجھے — مانندِ نور آنکھوں میں آ دیکھتے ہیں ہم

کھو یا گیا ہے کچھ[4] ترا یا لُٹ گیا ہے تو
کچھ ان دنوں میں عشق خفا دیکھتے ہیں ہم

۳۴۴

کوچے میں جو اس کے جائیں گے ہم — کچھ دیکھو گے کر دکھائیں گے ہم
اس وقت نہ پوچھ دردِ دل کو — جب تو سنے گا، سنائیں گے ہم

---

۱ ن۵ گنتے ہیں مست۔ ۲ یہ شعر صرف ن۵ میں ہے۔ ۳ یہ شعر صرف ن۵ میں نہیں ہے۔ ۴ ن۵ کیا۔

پہلے ہی نہ بگڑو، بگڑیو تم　　منہ تم کو اگر لگائیں گے ہم
دل فکر نہ کر خدا ہی پر چھوڑ　　قسمت میں جو کچھ ہے پائیں گے ہم
پھر کس کو کریں گے یاد اے عشق
جو تجھ کو بھلا بھلائیں گے ہم

۳۴۵

اُن شہیدوں میں لکھے گئے ہیں ترے جلاد ہم　　حشر کو بھی جو نہ لاویں تا بلب فریاد ہم
بے پر و بالی سے اپنی کر چکے فریاد ہم　　اب قفس سے تیرے ہوتے ہیں کوئی آزاد ہم
بندگی مقصود ہے ہونی جو کچھ ہووے سو ہو　　داد یا بیداد سے ہوتے نہیں ناشاد ہم
دل سے خدمت کر سعادت بوجھ اے صیاد تو　　اس خرابے کو قفس کے رکھتے ہیں آباد ہم
ہجر میں جلتے کٹی اور وصل میں روتے کٹی　　کون سی باتیں فلک تیری کریں گے یاد ہم
ہر کس و ناکس کے ہاتھوں میں نہ ہو مٹی خراب　　جوں بگولا کر چکے ہیں خاک کو برباد ہم
دوستی میں شرط نسبت ہے اگر ہووے تو ہو
ہے جفا میں یار ثابت عشق میں اُستاد ہم

۳۴۶

ظالم ترا دہن ہے یا مصدرِ تبسم　　دیکھا ہے جن نے اُس کو ہے ششدرِ تبسم
آبِ حیات اس میں لبریز ہو رہا ہے　　ہیں لعلِ لب پیارے یا گوہرِ[1] تبسم
ایمائے چشم اُس کی فتنہ سے کب ہے خالی　　ابرو کی ہے اشارت بال و پرِ تبسم
سیپی بھی دانت دکھلا کہتی ہے سب سے رو رو　　بتّیسی اس کی دیکھو ہے گوہرِ تبسم
بے لعلِ لب نظر کر ہے صرف منہ چڑانا
ہے عشق اُن لبوں میں کر و فرِ تبسم

---

۱ ساغر کوثر۔

۳۴۷

صورت کشی میں کس کی ہے آمادہ تیشۂ قلم
رنگیں جو ہو گئے ہیں رگ و ریشۂ قلم

تیشے نے کوہکن کے کیا کام کو تمام
خسرو کے سر کو لاگ گیا تیشۂ قلم

بے دستگاہِ محض کو یہ دسترس ملا
آگے زباں کٹے جو لکھوں پیشۂ قلم

آہیں ہوئی ہیں سبز کسی عشق باز کی
یک لخت شعلہ زار ہوا بیشۂ قلم

۳۴۸

صدف کو کیوں نہ کرو گے میاں برابرِ چشم
لگے ہیں ہاتھ تمہارے یہ مفت گوہرِ چشم

تمہارے دور میں اے مے کشو مناسب ہے
شرابِ لعل سے لبریز ہو یہ ساغرِ چشم

لباسِ سرخ جو منظور ہے تو آ کر بیٹھ
بھرا ہے خونِ جگر سے مرے یہ منظرِ چشم

حسابِ عالمِ دنیا تمام تھا اُس میں
ڈبو ہی تو نے دیا طفلِ اشک دفترِ چشم

برنگِ آئینہ آنکھوں میں میری رہنا ہے
نہ ہووے مشرقِ انوار کیوں نہ اخترِ چشم

سہج ہیں دیکھتے ہو اس کی آنکھیں خوش ہو ہو
لگے نہیں ہیں جگر پر مژہ کے خنجرِ چشم

خیالِ یار کو ہر دم ہے اس میں آمد و رفت
کھلے ہی رہتے ہیں دن رات عشق یہ درِ چشم

۳۴۹

ہے کاٹتا جگر کو یہ بے سبب تبسم
اس زخم پر نمک ہے غیروں کا اب تبسم

آتش سے لعلِ لب کی مدت سے جل گیا ہوں
رکھتا ہے دانت اب بھی اس پر عجب تبسم

شوخی کو لعلِ لب کی دل ہے مرا سمجھتا
خالی ہنسی نہ جانو ہے یہ غضب تبسم

---

۱ ھ سر پہ عشق لگا - ۲ لا مل گیا -

زخمِ جگر نے ناصح بخیا[1] ترا اُدھیڑا — ہنس ہنس کے بے تکلف کرتا ہے جب تبسم
دیں جامِ زہر مجھ کو آبِ حیات تجھ کو — قسمت پہ رشک کھا کھا ہوں جاں بلب تبسم
کہتی ہے گل سے بلبل رو رو کے سرنگوں ہو — کرتا ہے کس کے آگے اے بے ادب تبسم
مارا نہ جائے کیوں کر دل عشقؔ تو ہی بتلا
آنکھوں کی وہ اشارت اور زیرِ لب تبسم

۳۵۰

تجلی چہرے کی تیرے نہ ہو نقاب سے کم — کہوں میں کس طرح پھر ماہ و آفتاب سے کم[2]
تمہارے میرے میں سودا جو کچھ ہوا سو ہوا — یہ بے حساب ہے جو دیجئے حساب سے کم
نشا[3] ہے جس کو ترے جامِ چشم کا ساقی — یقین جان کہ ہوتا ہے وہ شراب سے کم
خیال اپنے کو ناحق نہ کر پریشاں تو — یہ دردِ دل ہے نہ ہووے گا اضطراب سے کم
نظر میں عقل کی بڑھتا ہے عشقؔ رتبۂ شعر
نہ سمجھو کہ وہ ہوتا ہے انتخاب سے کم

۳۵۱ +

پیدا کئے ہیں تو نے کہاں سے یہ رنگ چشم — مینائے آسماں تو ہے سوزن سے تنگ چشم
چشمِ زمانہ جو ہے نظر سو خدنگ ہے — دیکھیں ہیں کن نے ایسی کبھو خانہ جنگ چشم
نازاں نہ ہووے رونے پہ اپنے برنگِ ابر — دیکھے جو دل کی میرے اگر تو ترنگ چشم
آگے تو اس طرح سے نہ ہوتی تھی آب آب — دو چار دن سے تو نے نکالے یہ ڈھنگ چشم
تصویر کھینچے کوئی مرے دل سوا غلط — صورت کو تیری دیکھ کے ہوتی ہے دنگ چشم
پلکیں نہیں جھپکتی ہیں چلتی ہے دل پہ باڑ — کرتی ہے ان دنوں میں تو کارِ فرنگ چشم

---

۱ بخیہ - ۲ ئے میں کیونکر کھلا - ۳ ئے میں نشہ، درست ہے - + یہ غزل صرف ئے میں ہے -

بینائے دل سمجھتے ہیں اس دور بیں کو عشق
بنتا ہے دست کاری سے آنکھوں میں سنگ چشم

٣٥٢ +

نالاں کبھو نہ ہوویں گے تیرے ستم سے ہم
ممکن نہیں کہ جاتے رہے عشق ہم سے ہم

شادی و غم میں عمر کٹی ہے مثالِ نے
جیتے ہیں اب جہاں میں میاں تیرے دم سے ہم

دیکھا جسے جہاں میں سو پامالِ دہر ہے
دنیا کو چھوڑ آگے تیرے قدم سے ہم

راحت نصیب میں ہی ہمارے اگر نہ ہو
کس طور دوستی نہ کریں یار غم سے ہم

بارش کی احتیاج تری اے فلک نہیں
شاداب و سبز ہو رہے ہیں چشمِ نم سے ہم

ہر بات پر یہ کہتے ہو میرا لہو پیو
خونیں جگر ہوئے ہیں میاں اس قسم سے ہم

اے عشق کیا بتائیں تجھے قبلہ گاہِ دل
اور ہی طرف کو جاتے ہیں دیر و حرم سے ہم

ردیف ن

٣٥٣

عشق کا میں پیا ہے جام عقل کہاں اور میں کہاں
دور ہوا ہے ننگ و نام عقل کہاں اور میں کہاں

جب سے جنوں ہوا ہے یار جیب ہوا ہے تار تار
ہوش سے سخت ہے ننگ و عار عقل کہاں اور میں کہاں

عقل تو یاں ہوئی ہے دنگ ہوش کا اڑ گیا ہے رنگ
صبر مرا ہوا ہے تنگ عقل کہاں اور میں کہاں

وہمِ خودی ہوا ہے دور خاک میں مل گیا غرور
عشق کا یاں ہوا ظہور عقل کہاں اور میں کہاں

عشق کی میں ہوا زباں عقل کا پھونکا خانماں
ہے یہ عیاں نہیں نہاں عقل کہاں اور میں کہاں

+ یہ غزل صرف لـ میں ہے۔

عشق نے پھونکے کئی فسوں پر یہ بہا یہ اشک خلِ[1] | کام پر ہے مرا جنوں عقل کہاں اور میں کہاں
عشق کا ہے جہاں گذر عقل کے جلتے ہیں گے پر | شام کہاں کہاں سحر عقل کہاں اور میں کہاں
کیا کہوں اب کہاں ہوں میں دیکھے گے جو جہاں ہوں میں | آئینہ جہاں ہوں میں عقل کہاں اور میں کہاں
زلفِ بتاں میں تاب ہوں چشم میں اُن کی خواب ہوں | رنگوں میں مثلِ آب ہوں عقل کہاں اور میں کہاں
جام ہوں یا شراب ہوں گوہر ہوں یا حباب ہوں | کیا کہوں آب آب ہوں عقل کہاں اور میں کہاں
رنگ مرے کے ہیں یہ رنگ ڈھنگ مرے کے ہیں یہ ڈھنگ | صلح کہاں کہاں ہے جنگ عقل کہاں اور میں کہاں

مجھ سے دو چار عشق ہے صاحبِ کار عشق ہے
ہمدم و یار عشق ہے عقل کہاں اور میں کہاں

۳۵۴

رات دن تیرے محب کیا کہوں کیا کرتے ہیں | سانس جب لیتے ہیں تب تجھ کو دعا کرتے ہیں
اپنے سے آپ شکایت ہمیں رہتی ہے سدا | وہ نہیں ہیں کہ ترا یار گلا[2] کرتے ہیں
دن کو رہتے ہیں بگولے کی طرح سرگرداں | رات کو داغ کے مانند جلا کرتے ہیں
[3] حال باقی نہیں کچھ دل کا خدا دیوے شفا | جب تلک سانس وہ لیتا ہے دوا کرتے ہیں
مثلِ آئینہ زباں ہو گئی پتھر یارو | جب وہ کچھ کہتے ہیں ہم دیکھ رہا کرتے ہیں
کہتے ہیں لیجیئے ہر طرح فقیروں کی دعا | سو تو ہر آن دعا اُس کو کیا کرتے ہیں

کس کی طاقت جو کرے عشق کچھ اب چون و چرا
تیری خاطر یہ نوا خوانی سنا کرتے ہیں

۳۵۵

نام پر تیرے جی کو کھوتے ہیں | [4] ایسے پیدا کہیں بھی ہوتے ہیں

---

۱ ک عقل، درست ہے۔ ۲ گلہ - ۳ یہ شعر صرف ملا میں نہیں ہے۔
۴ ک ایسے عاشق بھی اور ہوتے ہیں۔

دیکھ رخسار تیرے[1] شمس و قمر　اشک شبنم سے منہ کو دھوتے ہیں
ابتدا ہی سے یوں چلی آئی　ایک ہنستے ہیں ایک روتے ہیں
لڑکے ابتر جو ہو نکلتے ہیں　خانماں اپنے کو ڈبوتے ہیں

عشق بہ نیند کیسی آئی ہے
جب میں سنتا ہوں آپ سوتے ہیں

۳۵۶

جتنے وہ مہربان ہوتے ہیں　اُتنے ہی بدگمان ہوتے ہیں
عوضِ جاں اگر ملیں ہیں مفت　خوبرو جانِ جان ہوتے ہیں
ہیں پچوڑے جو گالیاں دیویں　خوبرو بدزبان ہوتے ہیں
آہ و نالہ کو تو نہ کر بدنام　عاشقی کے نشان ہوتے ہیں
چوک و بازار[2] میں جہاں دیکھا　تیرے میرے بیان ہوتے ہیں
اشکِ گلگوں کی مے جگر کے کباب　کیجئے میہمان ہوتے ہیں
سب جفاؤں کے بعد یہ تو کہو　آشنا بھی ندان ہوتے ہیں
بھاگتے ہیں جہاں سے زور آور　واں کھڑے ناتوان ہوتے ہیں
جان مدت سے یاں ہوا ہو گئی　واں ابھی امتحان ہوتے ہیں

عشق کچھ دل میں تو بُرا مت لا
اس میں اوروں کو کان ہوتے ہیں

۳۵۷

معذرت کی کچھ احتیاج نہیں　کل جو تم کچھ تھے یار آج نہیں

---

۱ ۱ ۳ ۳ ۴ ۵ ۵ ۶ رخسارے ترے۔ ۲ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ چوک بازار۔

بھان متیوں کی سی یہ ٹوپی ہے — شیخ صاحب کے سر پہ تاج نہیں
جو کہا تم نے سو بجا لائے — بد دماغی کا کچھ علاج نہیں
متنفر ہے بوئے گل سے دماغ — وہ جو آگے تھا اب مزاج نہیں
ستم آباد ہو گیا ہے شہر[1] — کچھ تمہارے ہی گھر میں راج[2] نہیں
ہر[3] کسو کے وہ منہ سے لگتی ہے — دخترِ رز کو حیف لاج نہیں

دردِ دل کو سنے کسی کے عشق
شہرِ خوباں میں یہ رواج نہیں

۳۵۸

چشمِ بد دور یار رکھتے ہیں — ایک مثلِ ہزار رکھتے ہیں
وہ جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں — ہم کہاں اختیار رکھتے ہیں
پر غلط ہے جو کیجے فکرِ معاش — ہم بھی پروردگار رکھتے ہیں
کوئی آنکھوں میں اور کوئی دل میں — یار و میرا غبار رکھتے ہیں
اُس رخ و زلف کے تصور کو — دل میں لیل و نہار رکھتے ہیں
تشنگی میری کے بجھانے کو — تیغ وہ آبدار رکھتے ہیں
جب بگڑتے ہیں عاشقوں سے وہ — ایک یا دو کو مار رکھتے ہیں
چشمِ نرگس جو ہیں کھلے رہتے — کسو کا انتظار رکھتے ہیں
شیخ کردارِ خلق کو مت ٹوک — وہ بھی تو کردگار رکھتے ہیں
کون[4] ناصح کا ہووے منت کش — جیب کو تار تار رکھتے ہیں

کچھ فقط نامِ عشق رکھا ہے
عاشقی کے شعار رکھتے ہیں

---

۱ ک یہ شہر۔ ۲ ک آج۔ ۳، ۴ یہ اشعار صرف ک میں درج ہیں۔

۳۵۹

عاشق کے دردِ دل سے تو آگاہ ہی نہیں — لیتا ہے نام چاہ کا سو چاہ ہی نہیں
گمراہ جانتا ہے کہ گمراہ خلق ہے — ہیں اپنی اپنی راہ پہ گمراہ ہی نہیں
جوں تارِ سبحہ پائے جو سو دل میں راہ کیا — حاصل جو دل میں اپنے اگر راہ ہی نہیں
رکھتے اگرچہ ملتی کہوں آہ درجگر — پر کیا کریں کہ آہ میاں آہ ہی نہیں

باتیں بھری ہیں دل میں تو لاز و نیاز کی
پھر کہئے کس سے عشق سے آگاہ ہی نہیں

۳۶۰

گو کہ کہنے کو ہے جہاں نمکین — نمکیں یار سا کہاں نمکین
نمکیں اس طرح کا دیکھا ہے — نام لیجے تو ہو زباں نمکین
جو نمک میں گرا نمک ہی ہوا — کیوں نہ ہوں میرے استخواں نمکین
ہوں نمک خوار خوبرویوں[1] کا — کیوں نہ ہووے مرا بیاں نمکین
لبِ عالم پہ شور ہے اُس کا — ہے نمک داں ترا دہاں نمکین
شعر سُن سُن کے ہونٹ چاٹتے ہیں[2] — یہ زمیں اور آسماں نمکین

عشق کا شور سُن گیا جو ہیں
جا کے دیکھا نہ واں مکاں نہ مکین

۳۶۱

ہنسی کو دیکھ کر تیرے دہن میں — ہوئے ستھراؤ پھولوں کے چمن میں
دیا غنچے نے زرِ یک مشت گل کو — کہ کیجو صرف یہ سیرِ چمن میں
دبا کر جیبھ جب وہ بولتا ہے — کہوں کیا رس ٹپکتا ہے سخن میں

---

۱ خوبرؤوں — ۲ ۓ چاٹے ہیں۔

جوابِ نامہ قاصد جو لے آوے | نہ پھولا میں سماؤں پیرہن میں
خیالِ یار سینہ توڑ نکلا | کہ دل لگتا نہیں بیت الحزن میں
کہا مجنوں نے کہیو بوعلی سے | مزا[1] لے عقل کا دیوانہ پن میں
خبر لو یارو[2] واں کیا عشق آیا
مچی ہے ہاو ہو جو انجمن میں

۳۶۲

شکیبائی رہے کب جان و تن میں | لڑاوے آنکھیں جو نرگس چمن میں
جنازہ دیکھ بولا باغباں یہ | کہ رکھیو گل کو بلبل کے کفن میں
اگر پردیس میں ہووے تو ہووے | خدا رسوا نہ کیجو تو وطن میں
اگر[3] نرگس لے آوے جام بھر کر | ....
کوئی[4] لذت اُٹھاتے ہیں فراواں | کوئی ہیں معترض میرے سخن میں
خوشی[5] ہر ایک کی تھی عشق منظور
ہوے سو دونوں خوش وقت اپنے ظن میں

۳۶۳

قول و قرار تیری خاطر سے مانتا ہوں | ورنہ یہ جھوٹی باتیں میں خوب جانتا ہوں
دل بسکہ ہے مکدر گردش سے اس فلک کی | ساعت کا حب سے شیشہ میں خاک چھانتا ہوں
ناصح دماغ سوزی بے فائدہ ہے تیری | کرتا ہوں بات میں وہ جو دل میں ٹھانتا ہوں
کچھ[6] بوالعجب نہیں ہے نرگس اگر کرے گُل | یہ مشت خاک اپنے آنسو سے سانتا ہوں

---

۱ مزہ - ۲ لـ؁ ۲ نـ؁ ۶ یار - ۳ یہ ایک مصرع صرف ر؁ ۲ ر؁ ۶ میں درج ہے، مصرعۂ ثانی نہیں ہے -

۴ و ۵ و ۶ یہ اشعار صرف ر؁ ۵ میں ہیں -

اے عشق تو جگا دہ شب ہوگئی ہے آخر[1]
چادر کو نیند کی لے میں سر پہ تانتا ہوں

۳۶۴

ہم جس کو یارو[2] اپنا معبود جانتے ہیں
کونین میں اسی کو موجود جانتے ہیں

آدم وہ ہے فرشتے کرتے ہیں جس کو سجدہ[3]
منکر کو اُس کے ہم تو مردود جانتے ہیں

اثبات اُس کی ہستی ہر چیز میں ہوئی جب
نفی میں اپنی اپنی بہبود جانتے ہیں

شانیں اُسی کی سب ہیں غیر و سوا کہاں ہے
اس واسطے سبھوں کو مسجود جانتے ہیں

اُن پر کھلی ہیں رمزیں اسرارِ دو جہاں کی
جو عیب اور ہنر کو محمود جانتے ہیں

ترنے[4] سے ڈوبنے سے مقصود یاں نہیں ہے
دریائے عاشقی میں ہم کود جانتے ہیں

بُود اُن کی ہے ہمیشہ اے عشق ہم سے سُن لے
جو ماسوا کو اس کے نابود جانتے ہیں

۳۶۵

دل کے جلنے پر جلوں یا چشمِ نم کا غم کروں
کس کو روؤں کس کو پیٹوں آہ کیا ہمدم کروں

دل جگر دونوں ہی اپنے کام میں استاد ہیں
کس کو میں یارو بڑھاؤں اور کس کو کم کروں

آمد و رفت اس زمانہ[5] میں چلی جاتی ہے آہ
پھر خوشی کس کی کروں کس کا کہو ماتم کروں

کن نے کی تھی بد دعا یہ خاک آنکھوں میں تری
آہ دل تو جل بجھا پھر چشم کیوں کر نم کروں

ایک[6] دل رکھتے تھے مشفق اُس پہ وہ آفت پڑی
آہ یارو کس کو میں اس درد سے محرم کروں

روز و شب اس فکر میں رہتا ہوں کھاتا پیچ تاب[7]
صحبت اُس کی غیر سے اب کس طرح برہم کروں

---

۱ یہ شعر صرف ف میں ہے۔ ۲ ف یار۔ ۳ ل سجدے۔ ۴ یہ شعر صرف ف میں ہے۔

۵ ل۳ ل۴ ل۶ زمانے۔ ۶ ل۶ ایک دن۔ ۷ ل۲ پیچ و تاب۔

داغ تیرا دل پہ ہے چشم و چراغِ زندگی
عشق کافر ہوں اگر فکرِ سر[1] مرہم کروں

۳۶۶

جور و جفا کو تیرے محبوب کر چکے ہیں
کیا خوب کر چکے ہیں کیا خوب کر چکے ہیں

نازک قدم کو اپنے بے فکر ہو کے یاں رکھ
پلکوں سے اس گلی کو جاروب کر چکے ہیں

اب آ گے اس کے جو ہو یا شادی یا مصیبت
زلفوں سے تیری دل کو منسوب کر چکے ہیں

سر کو قدم پہ رکھ کر جی کو نثار کیجے
مرنے کا ہم یہ اپنے اسلوب کر چکے ہیں

ہے عجز مشفقوں میں ہمدم ہے خاکساری
ان کے سوا سبھوں کو محجوب کر چکے ہیں

یوسف کے اپنے غم میں کس کس طرح سے روئے
آنکھیں سفید ہم بھی یعقوب کر چکے ہیں

جذبہ طلب جو ہووے سو عشق آوے یاں تک[2]
کتنے ہی سالکوں کو مجذوب کر چکے ہیں

۳۶۷

عشق کا کر شکار لایا ہوں
شیر کو دیکھو مار لایا ہوں

نذر کو اور کچھ نہ تھا جو پاس
دلِ بے اختیار لایا ہوں

زخم اور داغ کی ترے دولت
اب کی میں بھی بہار لایا ہوں

زندگی ایسی کا بھروسا[3] کیا
کسی سے مستعار لایا ہوں

سُن کریمی کو تیری نا محدود
گنہِ بے شمار لایا ہوں

دیکھتا تو گیا دکھانے کو
جائے چشم انتظار لایا ہوں

عشق فیاض تجھ کو جان کے میں
یہ دلِ بے وقار لایا ہوں

---

۱ ک فکرِ دسر۔ ۲ یہ شعر صرف ک میں ہے۔ ۳ ک بھروسہ، درست ہے۔

۳۶۸

جہاں میں جو سوا اس کے نہ پاویں ۔۔۔ کہو پھر کس کو وہ خاطر میں لاویں
اگرچہ ناتواں ہیں عاشقِ زار ۔۔۔ فلک سے جو نہ اُٹھے وہ اُٹھاویں
برنگِ آئینہ ابتر نہیں ہیں ۔۔۔ جو تیری باتیں تیرے مُنہ پہ لاویں
قیامت ہوا بھی برپا مری جاں ۔۔۔ ترے دیوانے جو عرصہ میں آویں
ہمارے سر پہ جو آوے سو آوے ۔۔۔ یہ ممکن ہے ترے کوچے سے جاویں
نہ ہووے شہر میں جو تو ہی ظالم ۔۔۔ وہ آبادی ہی اُوجڑ پھیرے بھاویں

نہ مجنوں سے ہوئے نہ کوہکن سے
عبث پھر عشق[1] کو کیا مُنہ دکھاویں

۳۶۹

[2]معلوم کس طرح سے وہ ہوں نوحہ گر نہیں ۔۔۔ ٹکڑے مرے جگر کے وگرنہ کدھر نہیں
دل سے نکل گئے تھے درِ چشم تک یہ اشک ۔۔۔ پھر آگے جس سے پوچھا کہا کچھ خبر نہیں
تم دیکھتے عبث ہو مرا[3] جیب و آستیں ۔۔۔ وہ کون سی زمیں ہے جو آنسو سے تر نہیں
خورد و بزرگ دل کی مصیبت کو رو چکے ۔۔۔ اب تک تجھے ہے حال پہ اس کے نظر نہیں
تاثیرِ سوزِ عشق مکاں لامکاں میں ہے ۔۔۔ تیرے ہی دل میں آہ کو میری اثر نہیں
گھر میں کسو کے دخل نہیں محتسب کو یار ۔۔۔ تیری گلی سوائے مرا اور گھر نہیں

ناز و ادا نگاہ تمہاری نہ سمجھوں میں
اتنا بھی فنِ عشق میں میں بے خبر نہیں

۳۷۰

غلط گو ہیں جو تیری چشم کو بیمار کہتے ہیں ۔۔۔ یہ[4] ویسی بات ہے سر دیوے جب سردار کہتے ہیں

---

۱ ل۲ کیا عشق کو پھر - ۲ ک اک بجھ کو اشکِ خوں کی مرے کچھ خبر نہیں - ۳ ک مرے - ۴ ل۶ نہ -

۱۶۷

تری آنکھوں کی کیفیت کو طاقت ہوئے جو سمجھے
مغاں کے مصطبہ میں رند کو ہشیار کہتے ہیں

سلیمانی کے دانہ نے کہا شیخ و برہمن سے
خطِ فاصل کو گیا قوسین کے زنار کہتے ہیں

سحر سے شام تک سو بار کُٹ کرتے ہیں یاری کو
بڑے وہ لوگ ہیں جو تم کو اپنا یار کہتے ہیں

کہاں یہ ہر کسی سے ہو سکے دلداری[1] مشکل ہے
غضب ہے دل شکن کو یار جو دلدار کہتے ہیں

مژہ کے تیر نے تیری کیا گھر میری چھاتی میں
کوئی پیکان کہتے ہیں کوئی سوفار کہتے ہیں

غزل کی طرح کہنے کی ہمارے ہاتھ آئی ہے
کہا یہ عشق نے سن کر اسے پندار کہتے ہیں

۳۷۱

اُس شعلہ رو کے جل گئے ہم انتظار میں
تا حشر آگ پاوگے تم اس غبار میں

ٹکڑے جگر کے بہ گئے دل تھا سو[2] جل بجھا
کیا کیا مزے نہ دیکھ چلے ہجرِ یار میں

منت کشِ صبا نہ ہوا یہ بھی شکر ہے
کھلا[3] گیا یہ غنچۂ دل ہی بہار میں

خوباں میں بن کے بیٹھے ہیں وہ طرہ یار جاں[4]
لختِ جگر پروے ہیں زلفوں کے تار میں

جی سے اٹھاؤں ہاتھ پہ یہ تو نہ ہو سکے
تجھ بن کروں مقام رہوں اس دیار میں

دھڑکا مٹا ہے دل سے تو یوم الحساب کا
مجھ سا غریب کب ہے شمار و قطار میں

اے جامِ چشم دور ہمارا ابھی ہو کبھو
خمیازے کھینچیں کب تلک ہم اس خمار میں

آرام کر تو حشر تلک یار شوق سے
شعلہ ہے نورِ حق کا نہیں دل کنار میں

منکر نکیر[5] نے کہا یہ دیکھ عشق کو
پھر جلتے ہیں جو آویں ترے ہم مزار میں

---

۱ ن، ہ، دلدار۔ ۲ ن، ہ جو۔ ۳ کملا۔ ۴ ن، ہ خاں۔

۵ ن، ن۲، ن۳، ن۴، ن۶ میں یہ شعر مقطع نہیں ہے، صرف ن۵ میں بطور مقطع درج ہے۔

۳۷۲

جہاں میں یار وہی اعتبار پاتے ہیں جو کچھ بھی دل میں ترے اختیار پاتے ہیں
ترے تو کوچے میں مانندِ نقشِ پا ہر جا برنگ گورِ غریباں مزار پاتے ہیں
برنگ سُرمہ اُسے کھینچتے ہیں آنکھوں میں کہیں جو اہلِ دلوں کا غبار پاتے ہیں
نمود و بود کو ہم کیا بیاں کریں تجھ سے وجود اپنے کو مثلِ شرار پاتے ہیں
ہمیشہ حُسن کا واں بندوبست ہے تجھ سے سوائے آئینہ منُہ دیکھو یار پاتے ہیں
ہزاروں[1] ڈھونڈتے ہی ڈھونڈتے ہلاک ہوئے بڑے نصیب ہیں اُن کے جو یار پاتے ہیں

ہزاروں کرتے ہیں سو سو طرح سے تقلیدیں
غلط ہے عشق کا کوئی شعار پاتے ہیں

۳۷۳

جان کو بے قرار پاتے ہیں دل کو بے اختیار پاتے ہیں
نہیں پھولے سماتے عالم میں جس گھڑی تجھ کو یار پاتے ہیں
خاک میں ہم ملیں نہ کیوں کر کہہ تیرے دل میں غبار پاتے ہیں
چشمِ وحدت سے دیکھتے ہیں جو ایک ہی کو ہزار پاتے ہیں
داغ دل کے تجھے بتاؤں[2] کیا یہی حُسن بے شمار پاتے ہیں
چشم سے اشکِ سرخ کیوں نہ گریں دل کے گلشن میں خار پاتے ہیں

عشق لذت کو اُن کی جا کر پوچھ
وہ جو صحبت ہزار پاتے ہیں

۳۷۴

منفعل ہو آپ میں تجھ سے ملا کرتا نہیں پر خدا ناخواستہ تیرا گلا[3] کرتا نہیں

---

۱ ۔ ک ہزار۔ ۲ ۔ ک بتادیں۔ ۳ گلہ۔

اشک ساکیوں کر نہ ہو عالم کی آنکھوں میں سُبک — یہ دلِ بدبخت تو میرا کہا کرتا نہیں

درد کی دارو ہے جو کچھ سو میسّر ہے نہیں — لا علاج اب ایسی ویسی میں دوا کرتا نہیں

جس گھڑی لذت تری دشنام کی آتی ہے یاد — گبر ہوں اُس کے عوض جو میں دعا کرتا نہیں

ہجر میں تیرے کوئی کب پوچھے خیر و عافیت — جز لبِ گور اب تو کوئی لب بھی وا کرتا نہیں

کون سی ہے رات جو بے تابِ دل کے ہاتھ سے — سر ہمارا تیری چوکھٹ پر رہا کرتا نہیں

عشق کا شیوہ نہیں جو یہ تحکم وہ کرے
کیوں بُرا کرتا نہیں اور کیوں بھلا کرتا نہیں

۳۷۵

برنگِ شکلِ مصور خیال اپنا ہوں — غرض یہ ہے کہ گرفتارِ حال اپنا ہوں

جہاں میں کھیت لٹے کی طرح خیالی ہوں — جو سوچتا ہوں تو میں احتمال اپنا ہوں

غرضکہ رشتۂ اعمال اپنے آپ ہی دیکھ — برنگ صورتِ بدانفعال اپنا ہوں

نہ آئی کام مرے آہ شعلہ افروزی — سبھوں کو راہ نما اور خیال اپنا ہوں

ترا تو فیض ہی بے گانوں تک محیط رہا — کرم سے اپنے مجھے پال، پال اپنا ہوں

کمال میرے نے[2] مجھ پر زوال لایا ہے — مثالِ سایہ میاں پائمال اپنا ہوں

ہوا ہوں عقل کا اپنی اسیر میں آپ ہی
خودی سے عشق چھٹوں کیوں کے جال اپنا ہوں

۳۷٦

یکساں[3] ہی جانتا ہوں بہار و خزاں کو میں — کس واسطے کہ دیکھ لیا ہے جہاں کو میں

ہمدم نہ پوچھ حالِ پریشاں کو کیا کہوں — جاتا ہے کس طرف کو یہ دل اور کہاں کو میں

---

۱ یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔ ۲ ۵ مرا کمال ہی۔ ۳ ۱، ۲، ۳، ۴، ٦ یکسان۔

تیرِ و سناں سے کم نہیں چلنے کے وقت پر — رکھتا ہوں روک روک کے اپنی زباں کو میں
جی تک تو دے چکا پہ نہ سمجھا وہ آشنا — کس طور کہئے صاف کروں بدگماں کو میں
دل کو جلا کے خاک کیا پھر اُڑا دیا — شاباش اب بھی کیا نہ کہوں مہرباں کو میں
افسردہ رہ گیا ہے کوئی دم ہے جان میں — دلوا چکا ہوں فاتحہ شور و فغاں کو میں

سکہ مرا نہ ہووے بھلا کس طرح رواں
گز کر چکا ہوں عشق زمیں آسماں کو میں

۳۷۷

بن تیرے کس طرح سے عالم کو ماہ دیکھوں — تجھ کو اگر نہ دیکھوں پھر کس کو آہ دیکھوں
جب وہ ہے میں نہیں ہوں جب میں ہوں وہ نہیں ہے — دل کس طرح سے اس کو بھر کر نگاہ دیکھوں
ممکن نہ ہووے آنا تیرا اگر ادھر کو — خونِ جگر کو کھاؤں تا حشر راہ دیکھوں
کر فضل اور کرم تو دنیا و دیں میں مجھ پر — مرنے سے اپنے آگے میں تجھ کو شاہ دیکھوں
خوش رو کو آئینہ سے اُلفت نہ ہووے کیوں کر — کس رو سے اس کو کہئے میں روسیاہ دیکھوں
پھر کس طرف کو جاؤں جو اس طرف نہ آؤں — تیرے ہی پاس اپنا جو میں پناہ دیکھوں

خوش حالیاں جہاں کی دل کو نہیں خوش آتیں
بن عشق کب تلک میں حالِ تباہ دیکھوں

۳۷۸

جتنے ہم غم سے یار و گلتے ہیں — اُتنے وہ پھولتے ہیں پھلتے ہیں
باغ کو پات پات کر ڈھونڈا — کوئی تجھ جیسے گل نکلتے ہیں
زندگی موت کیا دورا ہا ہے — تم اُدھر ہم ادھر کو چلتے ہیں
بھر رہا ہے مرا خزانۂ دل — مژہ فوارہ سے اُچھلتے ہیں
مثلِ تصویرِ شمع بے حاصل — رات دن دل کے داغ جلتے ہیں

جب سے تجھ سے جدا ہوئے ہیہات — سر پٹکتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں

چشم ہیں عشق یا حبابی حوض

بلبلے سے پڑے اُبلتے ہیں

۳۷۹

یہ دل ہے ناز پروردہ اسے لے کر کہاں جاؤں — فلک کی قید سے چھٹتا نہیں ہوں میں جہاں جاؤں[1]

کوئی کعبہ کو جاتا ہے کوئی ہے دیر میں بیٹھا — نہ یاں بیٹھوں نہ واں جاؤں جہاں تو ہووے واں جاؤں

تکلف برطرف میری بہرصورت گزرتی ہے — اگر آؤ نہ آؤ تم لگا کہنے کہ ہاں جاؤں

اگر مرضی شریف اُس کی مجھے معلوم ہو یارو — کوئی جاتا ہے پاؤں سے تو میں آنکھوں سے واں جاؤں

مرے داغوں سے گھر روشن ہے جوں افلاک انجم سے — اگر بیزار ہو مجھ سے تو کہیے مہرباں جاؤں

مجھے جانے نہیں دیتے ہیں میخانہ[2] میں مستوں کے — اگر پروانگی پہنچے تو میں پیرِ مغاں جاؤں

سنا ہے[3] عشق کا قصہ وہ سننا ہے بہرصورت

میں اُس کی خواب گہ میں کہنے کو یہ داستاں جاؤں

۳۸۰

کیا کہوں بے طرح ستاتے ہیں — دیکھو پھر آپ روپ آتے[4] ہیں

کل کی پرسوں کی آج کی مت پوچھ — روز سہلے نئے سناتے ہیں

کہیے گو یہ سُنا سُنا اُن کو — کون سنتا ہے یہ جو گاتے ہیں

پر حیا ہوں تو سُن کے چپ ہو رہیں — اپنا اوروں کا سر پھراتے ہیں

غرض اپنا تو دل اُداس ہوا

عشق تو بیٹھ ہم تو جاتے ہیں

---

۱ رہ چھٹتا نہیں ہمدم، رہ۶ چھٹتا ہوں میں ہمدم۔ ۲ رہ۲ میخانوں، رہ۳ رہ۴ میخانے۔

۳ یہ شعر بطور مقطع صرف رہ۵ میں ہے۔ ۴ رہ۵ لاتے؛ آتے بہتر ہے۔

۳۸۱

یاں درد کے ماروں کے گو[1] جان نکلتے ہیں
عاشق کسی کے واں تو ارمان نکلتے ہیں

جوں دُرِ نجف آنسو آنکھوں سے ٹپکتے ہیں
بالوں کے عوض اُن میں پیکان نکلتے ہیں

ہو جائیں فدا تجھ پر بے دید و دانستہ
ہم سے بھی کہوں عاشق پہچان نکلتے ہیں

اتنی بھی تو روپوشی اچھی نہیں لگتی ہے
کوچہ میں کبھو تیرے ہم آن نکلتے ہیں

اے دیدۂ تر موتی صدقے ترے کرنے کو
دھر پتلیوں کے سر پر کئی خوان نکلتے ہیں

آنکھیں[2] نہ چرا اب بھی ٹک دیکھ تلطف سے
بے دم ہیں کوئی دم کے مہمان نکلتے ہیں

آتش[3] سے نگاہوں کی ہے عشق جلا سینہ
لختِ جگر آنکھوں سے بریان نکلتے ہیں

۳۸۲

کوئی بات ایسی نہیں[4] جس کے لئے دلگیر ہوں
ہوں شگفتہ کس طرح سے غمزدہ تصویر ہوں

کیا کہوں تجھ سے حقیقت تو سمجھنے کا نہیں
چشم دل[5] میں نور ہوں اور آہ میں تاثیر ہوں

دوش دوں میں کس طرح سے اس کی چشم و زلف[6] کو
بستۂ دام قضا یا کشتۂ تقدیر ہوں

سلسلہ کو دوستی کے توڑ میں سکتا نہیں
لے قفس میں قید ہوں نے[7] بستۂ زنجیر ہوں

قدر کو میری کہاں ہیں جانتے اہل ریا
عاشقوں کے معرکہ میں واجب التوقیر ہوں

آنچ دے دے خوش نگاہوں نے مجھے کشتہ کیا
دیکھنے میں راکھ ہوں تاثیر میں اکسیر ہوں

میرے تاثیرات عالم میں نہ ہوں مشہور کیوں
درد ہوں اور عشق ہوں اور آہ کا ہم پیر ہوں

---

۱ ۵ جو۔ ۲ و ۳ یہ اشعار صرف ۵ میں ہیں۔ ۴ ۶ ایسی تو ہے۔

۵ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ چشم و دل۔ ۶ ۶ چشم زلف۔ ۷ ۵ نہ۔

۳۸۳

مجھے موت کا تو خطر کچھ نہیں ترے ڈر سوا اور ڈر کچھ نہیں
وہ بیمار تیرا سفر کر گیا تجھے اُس کی ظالم خبر کچھ نہیں
کوئی تیغ سے منہ کو ہیں موڑتے تکلف ہے مت لے سپر کچھ نہیں
لگا کہنے تصویر لیلیٰ کی دیکھ کہا ہم نے لے دور کر کچھ نہیں
ہنر چاہیئے گو بُرا[۱] بھی وہ ہو یہی عیب ہے جو ہنر کچھ نہیں
جہاں میں یہ روشن ہے مانند شمع بجز داغ دل کے قمر[۲] کچھ نہیں
چلے چشم سے اور گرے خاک میں[۳] سُن اے اشک ایسا سفر کچھ نہیں
گیا گھر کو شادی کے بیت الحزن میں کہتا ہوں دل گھر میں گھر کچھ نہیں
کبھی آنکھیں دیکھی کبھی زلف عشق
پریشان نظر پر نظر کچھ نہیں

۳۸۴

جب خیالِ شراب کرتا ہوں آبلے دل کے آب کرتا ہوں
آہ کی سیخ داغ کے کوئلے دل کے تکے کباب کرتا ہوں
رُو برو دل کے آئینہ کو لا[۴] یار کو بے حجاب کرتا ہوں
ایک دن شیخ کو پلا کر مے[۵] دیکھو کیسا خراب کرتا ہوں
ایک ہی وہ نظر میں آتا ہے سو طرح سے حساب کرتا ہوں
گل رخوں کی ہے اس میں کیا تقصیر آپ کو میں خراب کرتا ہوں
رحمت ہے آپ ہی[۶] گناہ طلب میں عبث اضطراب کرتا ہوں

---

۱ ن عیب کرنے کو بھی۔ ۲ ن ۲ ن ۳ ن ۴ ن ۵ ن ۶ ن ثمر۔ ۳ ن خاک پر۔
۴ ن دل کا آئینہ سامنے رکھ کر۔ ۵ ن ۵ میں۔ ۶ ن ۵ اس کی ہوئی۔

عاشقوں کو جو دیکھتا ہوں میں[1] عشق کو انتخاب کرتا ہوں
لاکھ کو چھوڑ ایک سے وہ ملے[2] یہ حساب و کتاب کرتا ہوں
کل کہوں گا اگر سنے گا تو
آج تو عشق خواب کرتا ہوں

۳۸۵

تری یاد میں جو کبھو سو گئے ہیں تکلف ہے کہنا کہ کیا ہو گئے ہیں
اٹھا نہ الفت میں مارا گیا تو کہ یاں جی کو اپنے کئی رو گئے ہیں
نہ پوچھو رہ عشق کی بات کو تم بساط اپنی جو کچھ تھی ہم کھو گئے ہیں
گزشتوں کو معدوم اصلا نہ جانو کہیں اور ہیں یاں سے وہ گو گئے ہیں
خبر ان کی آتی نہیں کچھ ادھر کو
طرف عشق کے عشق جو جو گئے ہیں

۳۸۶

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کس طور چین آوے کہہ بعد قتل مجھ کو جو حسرتیں تھیں دل میں سو جوں کی توں رہیں ہیں
کوچے میں تیرے ظالم عاشق کا حال دیکھا لخت جگر کہیں ہیں اور چشم تر کہیں ہیں
اس بے وفا کے غم میں جب چشم نم کئیں ہیں[3] پل مارنے میں دیکھو واں ندیاں بہیں ہیں
نام وفا جہاں میں اے عشق رہ گیا ہے
غیر از جفائیں کہہ تو دلداریاں کہیں ہیں

۳۸۷

ہم نہ میاں دیر و حرم جانتے ہیں نام خدا اس کو صنم جانتے ہیں

---

۱ و ۲ یہ اشعار صرف لہ میں ہیں۔ ۳ لہ کئے ہیں۔

۱۷۵

دور ہے تقریر سے یہ گفتگو — ہم جو کچھ ہیں آپ کو ہم جلتے ہیں
آمد و رفت اتنے لیئے کس سے ہو — زندگی[1] کو ایک دو دم جلتے ہیں
جو ہیں گرفتار ترے درد کے — عیش کو دنیا کے وہ غم جلتے ہیں

عشق سوا غیر کو ہستی نہیں
اس کو وجود اس کو عدم جانتے ہیں

۳۸۸

تیغِ ابرو کو جب وہ تانتے ہیں — دھڑ[2] سے ہم سر کو دور جانتے ہیں
تاجدارِ غرور ہیں جتنے — اُس کے کوچے میں خاک چھانتے ہیں
ہم جو کوچے ہیں اس کے جاتے ہیں — مرگ کو سر پر اپنے ٹھانتے ہیں

بعد[3] فرہاد کے جو ہیں عاشق
جاں کنی عشق تیری مانتے ہیں

۳۸۹

وہ اور دن تھے جن دنوں تھا ہم زباں فغاں — دیوانے کر تو صبر کہاں تو کہاں فغاں
مقدور ہے جو کر سکیں دل میں نہاں فغاں — پھر اور[4] کیا کریں نہ کریں جو فغاں فغاں
آباد عاشقوں کے تو شور و فغاں سے (تھی)[5] — ماتم کدہ یہ ہو گیا تجھ بن جہاں فغاں
مثلِ صدا چلا گیا دشتِ عدم کو تو — جز رنج اور غم کے نہ چھوڑا نشاں فغاں
دم[6] کھینچیو نہ منزلِ مقصود تک بھلا — آتا ہے تیرے پیچھے چلا کارواں فغاں

۳۹۰

تمہاری آنکھوں سے جو آشنا ہوئیں آنکھیں — غرض میں کیا کہوں کیا کچھ تھیں کیا ہوئیں آنکھیں

---

۱ ۲ک ۵ک ۶ک عشق، غلط ہے۔ ۲ ک تن ۳ ۵ک کوہکن کے سوا جو ہیں عاشق، ک کوہکن کے سوا جو عاشق ہیں۔
۴ ۵ک عشق۔ ۵ تھا۔ ۶ یہ شعر صرف ۵ک میں ہے۔

۱۷۶

بطورِ مردمِ نا آشنا پھریں سب سے — یہ ایک پل میں میاں بے وفا ہوئیں آنکھیں
مثالِ آئینہ جھپکی اُٹھیں نہیں آتی — مجھے یہ حیرت ہے[1] کس رو پہ وا ہوئیں آنکھیں
ہزار عقدۂ دل کھل گئے نگہ سے تری — یہ مرتضے کہ یہ مشکل کشا ہوئیں آنکھیں

نہ ہوتیں یہ تو نہ رسوائے خلق میں ہوتا
یہ عشق جان کو میری بلا ہوئیں آنکھیں

۳۹۱

صفِ عاشقوں[2] میں جگر دار میں ہوں — مقابل ترے عشق خونخوار میں ہوں
جفا کو نہ کر اپنی ضائع تو بے جا — تری جان کیسوں خریدار میں ہوں
ترے دور میں اور بے خود ہیں ساقی — مگر ایک بے کیف ہشیار میں ہوں
سُن اب سر بسر عشق تو میری حالت — کہ اُس چشمِ شہلا کا بیمار میں ہوں
نظر باز ہوں دن کو دیوار و در کا — خیالِ پری اور شبِ تار میں ہوں
نہ[3] تسکین ہے دل کو جو خواب آوے — غرض اس مصیبت میں بیدار میں ہوں
تڑپنے تڑپتے ہوا جوں ہی بیدار — وہیں آ پکارا خبردار میں ہوں
ہمیشہ تو کہتا تھا لوگوں سے جھوٹے — کہ ہر شب نگہبان وہشیار میں ہوں

یہ راتوں کو سو سو کے دن کو یہ کہتا
انھیں باتوں پر تجھ سے بیزار میں ہوں

۳۹۲

یہ بہارِ باغ وصہبا ہوئی ہے خراب تجھ بن — کسے ہے دماغ ساقی جو پئے شراب تجھ بن
بامید دادِ دل نے جو کیا گلو کو پارہ — نہ سنا کسو[4] نے نالہ نہ دیا جواب تجھ بن

---

۱ ک یہ حیرت ہے مجھے۔ ۲ ل ۲ عاشقاں۔ ۳ یہ شعر صرف ل ۲ ک ل ۲ میں ہے۔ ۴ ک کسی۔

مرے دل کی کچھ نہ پوچھ اب کہ وہ ہجر میں جلا کیوں ۔۔۔ نہیں دل جہاں میں ایسا کہ نہ ہو کباب تجھ بن
دلِ دردمند بے کس کہے کس سے جا کے حالت ۔۔۔ نہ کیا جہاں میں آن لے[1] کوئی انتخاب تجھ بن

نہ ہمیں[2] کبھو پلا دے قدحِ شراب بھر کر
کرے کس سے عشق نالش شہِ بوتراب تجھ بن

۳۹۳

نالۂ سینہ اور رباب کہاں ۔۔۔ گریۂ چشم اور سحاب کہاں
گو کہ وہ دم میں[3] پھوٹ بہتا ہے ۔۔۔ دیدۂ تر کہاں حباب کہاں
دیکھ خورشید رو تجھے جوں اشک ۔۔۔ نہ گروں اتنی مجھ کو تاب کہاں
دونوں آتش زدہ ہیں پر دیکھو[4] ۔۔۔ دلِ بریاں کہاں کباب کہاں

عشق کرتا ہے یہ خراب آباد
تو کہاں اور یہ خراب کہاں

۳۹۴

یاں کی کیا پوچھتا ہے کیا ہے یاں ۔۔۔ آہ یک نام[5] و صد ہوا ہے یاں
ناتواں دیکھ تجھ کو چھوڑ گئے ۔۔۔ دل نہ گھبرا ترا خدا ہے یاں
دل جلاتی ہے یاں کی گرم ہوا ۔۔۔ کوئی دل سوختہ دبا ہے یاں
آرزوؤں سے ہاتھ اٹھایا ہے ۔۔۔ نہ تمنا نہ التجا ہے یاں
شہرِ الفت میں جا کے پوچھا کل ۔۔۔ کسو سے کوئی آشنا ہے یاں
دمِ خوش[6] یاں کوئی بھی لیتا ہے ۔۔۔ یا تری آفت اور بلا ہے یاں
عیش و عشرت کی بھی دکانیں ہیں ۔۔۔ دلبری ناز اور ادا ہے یاں

---

۱ ھ اس نے۔ ۲ ک نہیں۔ ۳ ک دم میں گو وہ بھی۔ ۴ ک تو ہیں لیکن۔ ۵ ک بام۔
۶ ھ دمِ خوش۔

یا کہ بازار آہ و نالہ کا | گرم ہے جور اور جفا ہے یاں
کہا رو رو کے ایک نے مجھ سے | [1]شعرا اوروں سے یہ سنا ہے یاں
[2]چلن اس شہر کا نرالا ہے | جو روا ہے سو ناروا ہے یاں

مصرعۂ عشق پڑھ تو مجھ سے نہ پوچھ
آہ یک بام و صد ہوا ہے یاں

۳۹۵

تصرف چشم کا جو میں دکھاؤں | ابھی پل میں میاں طوفاں اٹھاؤں
لگے اُٹھنے ہی آخر دل سے [3]شعلے | [4]تو ہی کہہ کس طرح ان کو بجھاؤں
کبھو دیکھی ہے صورت آئینہ میں | کھُپی ہے دل میں [5]یوں کیوں کر مٹاؤں
یہ دم میں بلبلا سا پھوٹتا ہے | کہاں تک شیشۂ دل کو بناؤں

کروں برپا ابھی شورِ قیامت
اگر وعدے پر اپنے عشق آؤں

۳۹۶

پوچھ مت ہم سے تو سودازدہ کارِ دامن | دامنِ کوہ بنے چُنئے جو خارِ دامن
جل بجھے قوس قزح رشک کی آتش سے فلک | پوچھ آنسو کو جو دکھلایئے تارِ دامن
جیب و دامن سے مرے آگ برستی ہے میاں | ہوئے تر دامنی تو کیجے فشارِ دامن
فیض بختی کے لئے دامنِ صحرا ہے پسند | خلعتِ خارِ مغیلاں ہے نثارِ دامن

ٹکڑے ٹکڑے ہی کرے جیب کو اپنے کوہ طور
عشق گر جھاڑے صبا اپنا غبارِ دامن

---

۱ ن۵ کیا کہوں تجھ سے یار کیا ہے یاں۔ ۲ یہ شعر صرف ن۵ میں موجود ہے۔ ۳ ن۲ ن۶ شعلہ۔
۴ ن۵ بھلا۔ ۵ ن۶ کون، غلط ہے۔

۳۹۷

نہ کچھ زندگی کے لئے ہم رہے ہیں
ترے دیکھنے کو کوئی دم رہے ہیں

تکلف ہے انسان کہنا انھیں اب
محبت کے غم سے جو بے غم رہے ہیں

کروں سیر کیا باغ کی اے صبا کہہ
نہ گل ہے نہ بلبل نہ ہمدم رہے ہیں

کسو سے نہ مل یار یہ بات سُن لے
زمانہ[1] میں اب آشنا کم رہے ہیں

ٹپکتے نہیں کس کی دہشت سے عشق اب
جو پلکوں میں یہ اشکِ خوں تھم رہے ہیں

۳۹۸

اندھے نہیں ہیں ہم جو تری جستجو کریں
آتا ہے تو ہی آنکھوں میں جس سمت رو کریں

عالم کی دید و فہم سے اٹھیں یہ کثرتیں
وحدت کا جام پی کے جو ہم ہاو ہو کریں

دونوں جہان گو ترے بدلے ہمیں ملیں
تو ہی بتا تو کس کی بھلا آرزو کریں

مل کے[2] ہم اپنے یار سے خاموش ہیں گے شیخ
کچھ باؤلے نہیں جو عبث گفتگو کریں

جو جرم عاشقی پر[3] اگر قتل ہے روا
حاضر ہوں لیکن اُس کے مجھے روبرو کریں

محرابِ عاشقی میں روا ہووے تب نماز
پہلے جو خونِ دل سے ہم اپنے وضو کریں

ہے مصلحت یہ وقت کی خوشخو کو اپنے عشق
جو پھیر پھیر دیکھنے کو تند خو کریں

۳۹۹

اے اشک بس اب کہ گل گیا میں
مانندِ جگر پگھل گیا میں

جوں اشک کے طے منازلیں کیں[4]
پر روبرو اس کے ڈھل گیا میں

ا ۔ لا ک زمانے۔ ۲ ۔ ھ مل کر۔ ۳ ۔ ھ پہ۔ ۴ ۔ ۃ کی۔

نعرہ ہی کے ساتھ اپنے اے آہ — اُڑ بان کی طرح جل گیا میں
پاتا نہیں کچھ سُراغ اپنا — کیا جانوں کہاں نکل گیا میں

رکھا نہ ثمر بغیر اے عشق
داغوں سے ہی اپنے پھل گیا میں

۴۰۰

جان و دل سے نیاز کرتے ہیں — اُس کے خنجر سے ساز کرتے ہیں
اُن کو اکسیر کی نہیں خواہش — دل جو اپنا گداز کرتے ہیں
جب سے بدخواب تجھ کو ہم نے[1] سُنا — آہ سے احتراز[2] کرتے ہیں
اس کی مجلس میں شمع کی مانند — ہم بھی اب سوز و ساز کرتے ہیں
کھا کے تروار کر تو سجدۂ شکر — خوبرو کس پہ ناز کرتے ہیں
خمِ ابرو کو اس کے سامنے رکھ — ہم بھی زاہد نماز کرتے ہیں

تیری شمشیر کے جو ہیں مقتول
عشق کا امتیاز کرتے ہیں

۴۰۱

تجھے کیا کہیں کیا صنم جانتے ہیں — خدا جانتا ہے جو ہم جانتے ہیں
ترے غم سے مسرور جو یار اب ہیں — وہ شادی کو عالم کی غم جانتے ہیں
ہمیں یار تو دمبدم دم نہ دے، بس — کہ اُس دم کو ہم دمبدم جانتے ہیں
خدا صرف معبود ہے شیخ صاحب — سوا اس کے جو ہے صنم جانتے ہیں
انھیں سیرِ دریا سے کیا کام ہے دل — جو قطروں کو آنسو کے یم جانتے ہیں

ا[2] ہم نے تجھ کو۔ ۲ لالا اضطراب۔

جو تیری جفاؤں کے مشتاق ہیں اب　　تلطف کو سب سے ستم جانتے ہیں

غزل در غزل کہہ تو اے عشق سُن اب
ثلاثت[1] کو تیری نہ کم جانتے ہیں

۴۰۲

تکلف ہے کہنا کہ ہم جانتے ہیں　　پہ یہ جانتے ہیں کہ کم جانتے ہیں
تماشا کیا جب سے گلزار[2] ہستی　　وجود اپنے کو ہم عدم جانتے ہیں
نظر میں ہے جن کے وہ دریائے وحدت　　جہاں کو اُسی یم کا نم جانتے ہیں
جہاں سے نہ اہلِ جہاں سے غرض ہے　　غنیمت میاں اپنا دم جانتے ہیں
خدا جانتا ہے تری قدر یا شاہ　　نہ تجھ کو عرب نے[3] عجم جانتے ہیں
مقرر ہے ہر عُسر کو یسر ہونا　　تو ہر عیش کو ہم ستم جانتے ہیں

سمجھتے ہیں وہ کیفیت عشق کی دل
جو تحریرِ لوح و قلم جانتے ہیں[4]

۴۰۳

نکر کس کی ہے تجھ کو غنچہ دہن　　یہ گنہگار ہے یہ تیغ و کفن
ہونٹ ہیں تیرے یا عقیقِ یمن　　دانت رکھتے ہیں جس پہ مرد و زن
دیکھ تیرا تبسمِ شیریں　　بھول بیٹھے ہیں سے جو غنچہ دہن
بے کسی اپنی کیا کروں میں بیاں　　اُس کے سب دوست ہیں مرے دشمن
تیری ہستی سوا نہیں ہستی　　تو ہی تو ہے میاں نہ ما و نہ من
گل گریباں کریں نہ کیوں کر چاک　　جامہ زیبی کی دیکھ تیرے پھبن

---

۱ سلاست۔　　۲ ۲ گلزار‘ درست ہے۔　　۳ ۶ نہ۔
۴ اسی غزل میں ایک اور شعر صرف ۲ میں درج ہے لیکن یہ شعر غزل نمبر ۴۰۱ کا مطلع ہے۔

وہ جو معدوم ہے مرے صاحب — نہ سفر ہے اُسے نہ سیرِ چمن
متحد یار سے ہوا ایسا — نہ گماں ہجر کا نہ وصل کا ظن

عشق سا رو بکار کب آوے
کھاوے سو چرخ اگر یہ چرخِ کہن

۴۰۴

آئینہ ہے بے قرار جی میں — جوں[1] آئینہ دار یار جی میں
پتھر نہیں بلکہ آئینہ ہوں — کس طور چھپے شرار جی میں
کس طور وہ سمجھے حال میرا — روتا ہوں میں زار زار جی میں
ٹک دیکھ کے بات کہیئے ناصح — رہتا نہیں اختیار جی میں
یہ تیری نگاہِ شوخ بے جا — چبھتی ہے مثالِ خار جی میں
پتھرا جو گئی ہیں چشم تیری — شاید کہ ہے انتظار جی میں
کیا زلفِ بتاں سے ہے سروکار — رہتا ہے جو تار تار جی میں
پیغامِ وصال[2] گو کہ پہنچا — آتا ہے کب اعتبار جی میں
بیزار جو شور سے ترے ہے — دل شوق سے تو پکار جی میں
[3]رنگین نہ ہوویں کیوں کے آنسو — پھرتا ہے وہ نوبہار جی میں

غیرت یہی کہتی ہے نہ جا واں
پر عشق کہاں قرار جی میں

۴۰۵

کہوں کیا جو جو گذرا درد و غم میں — حقیقت ہی نظر آوے گی دم میں
جگر سے آہ اُٹھ پہنچے لبوں تک — کہاں ہے اتنی طاقت[4] یار وہم میں

---

۱ ک جو۔ ۲ لک وصل۔ ۳ یہ شعر صرف ک میں ہے۔ ۴ ک طاقت اتنی۔

دلِ عاشق میں پیدا غیب ہے سب — عبث تو ڈھونڈتا ہے جامِ جم میں
نہ ملک اور[1] مال کی خواہش ہے مجھ کو — گذر جاتی ہے میری کم سے کم میں
نہ باراں میں نہ دریا میں نہ کاں میں — جو کچھ کہ[2] فیض دیکھا چشمِ نم میں
ہمارے گلشنِ دل کی کرو سیر — کہ گل پھولے ہیں کب باغِ ارم میں
اگر پردہ تعین کا اُٹھاوے — وہی مشہود ہو دیر و حرم میں
مزا کا ہے کو اتنا لطف میں ہے — تکلف بر طرف جو ہے ستم میں
اگر اس دل کو گاڑا ساتھ میرے
کرے گا عشق رسوا یہ عدم میں

۴۰۶

ناحق تمہاری زلف جو بل کھائے کچھ نہیں — اس میں اُلجھ اُلجھ کوئی مر جائے کچھ نہیں
کہہ لے جو بات کہنے کی ہو لے وفا شتاب — غماز اشک اس میں جو آ جائے کچھ نہیں
یہ بات ہے ٹھکانے کی کہتے ہیں تجھ کو دوست — جس بات میں کہ دل کوئی دکھ پائے کچھ نہیں
دل آئینہ ہے اس کو صفا رکھ تو زنگ سے — ایسا نہ ہو کہ دیکھ کے فرمائے کچھ نہیں
اتنا تڑپ نہ عشق ادب سے تو جان دے
قاتل کا ہاتھ خوں سے جو بھر جائے کچھ نہیں

۴۰۷

جس طرف عشق باز آتے ہیں — پھر اُدھر سے نہ باز آتے ہیں
سُن مری آہ کو لگا کہنے — ایسے کئی نے نواز آتے ہیں
قاصدوں کی خوشی ہے دال اس پر — کرکے کچھ ساز باز آتے ہیں

---

۱ لک ملک ومال۔ ۲ لک کے۔

کیا کہوں دل جو کچھ[1] گذرتی ہے یاد جب اس کے ناز آتے ہیں

عشق کے پاس ہم جو جاتے ہیں
دل کو کر کے گداز آتے ہیں

۴۰۸

کھلیں عقدے کسو کے جس سے وہ سب سے بڑا ناخن وگرنہ چنگلِ موذی ہے گو ہے شیر کا ناخن

برہمن شیخ دونوں راہ اپنے دل میں دیتے ہیں کہ ہر رشتہ کا ہے یارو مرا عقدہ کشا ناخن

میاں کاوش سے جس کی گوہرِ مقصود پیدا ہو تفکر کے سوا بارے بتاؤ[2] دوسرا ناخن

عبث تدبیر کر تو رنج بیجا کھینچتا ہے کیوں کہیں تقدیر کے عقدے بھی کھلتے ہیں بھلا ناخن

نہ خارش کا تردد ہے نہ کاوش کا تفکر ہے
قسم ہے یارو جب سے عشق کا دل پر لگا ناخن

۴۰۹

کسو خوش چشم کی ڈوبی ہے کیا تصویر پانی میں کہ رو رو مردمِ آبی ہوئے دلگیر پانی میں

پھپھولے پڑ گئے سب جل کے حباب اس بحر کے منہ پر ہوئی کس کی نگاہِ گرم کی تاثیر پانی میں

ڈبو کر اشک کے طوفاں میں فرمایا یہ زلفوں سے بہا جاتا ہے تم پکڑو مرا نخچیر پانی میں

جو کچھ تھی خلعتِ آبی سبھی حلقہ بگوش اب ہے مگر پہنچی ہے تری زلف کی زنجیر پانی میں

اگر چاہے کہ آیاتِ الٰہی سے تو واقف ہو
خیال اور وہم کی عشق اب ڈبو تفسیر پانی میں

۴۱۰

فلک میں نزع میں ہم تو نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں کسو کم بخت پر ظالم بھلا دن ایسے پڑتے ہیں

---

۱ ک دل پہ کیا، لا دل پہ جو۔ ۲ لا بتا تو۔

کبھو سر کو پٹکتے ہیں کبھو کر آہ مرتے ہیں
کوئی سنتا نہیں اتنا کہ کیا فریاد کرتے ہیں

وہ کافر ہو جسے منظور عیشِ دین و دنیا ہو
خوشی تیری اگر ہو اس میں ہم سر سے گذرتے ہیں

زبانِ گفتگو جوں شمع تیرے آگے جلتی ہے [1]
بہت باتیں بھری ہیں دل میں لیکن کہتے ڈرتے ہیں

عقیق اور لعل لب کو کم سخن کے کیوں کے ٹھہراؤں [2]
نگین لعل پر جب حرف ہیں تب نام دھرتے ہیں

طریقِ بیت اقدس سے تو واقف تو ہے اے زاہد [3]
بتوں کے کوچے میں جاتے ہیں جب سر سے گذرتے ہیں

زمین و آسماں کا بھی ہیولا تھا نہ خارج میں
ہم اس ساعت سے یہ صورت بنا کر عشق پھرتے ہیں

۱۱۴

نے برگِ تازہ نے ثمرِ نو رسیدہ ہوں
مانندِ اشک چہرۂ غم پر دویدہ ہوں

شکوہ نہ کچھ رقیب سے مجھ کو نہ یار سے
میں اپنے دل کے ہاتھوں سے آفت رسیدہ ہوں

جلتا ہوں تیرے روبرو مانندِ شمع آہ
پُر آرزو ہوں پر میں زبانِ بریدہ ہوں

از بسکہ اشتیاق ہے دیدار کا مجھے
مانند آئینہ کے سراپا میں دیدہ ہوں

کرتا ہے کیا بیاں تو غزالوں کی وحشتیں
ناداں میں اپنے سایہ سے آپ ہی رمیدہ ہوں

ناصح ترے کہے سے کروں گا اسے رفو
تا صبحِ حشر یوں ہی گریباں دریدہ ہوں

کثرت تو کیا ہے جو کرے وحدت میں کچھ خلل
مانندِ عشق سب میں ملا اور جریدہ ہوں

۱۱۲

مثالِ اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں
کسو کے دید کو یہ دم رہا ہے آنکھوں میں

گداز ہو کے یہ نکلا ہے دیکھنے کو ترے
کہاں ہے خون یہ دل جم رہا ہے آنکھوں میں

---

۱ و ۲ و ۳ یہ اشعار صرف ملا میں نہیں ہیں۔ م کے ہاتھ سے۔

جگر جلوں سے سرانجام اشک ہو کیوں کر ‏— نہ دل میں خوں نہ ذرا نم رہا ہے آنکھوں میں
سوائے اُس کے کوئی کیوں کے چشم میں ٹھہرے ‏— برنگِ نور وہی رم رہا ہے آنکھوں میں
جہاں میں شور پڑا کس کے لعلِ میگوں کا ‏— نہ قدرِ جام نہ اب جم رہا ہے آنکھوں میں
نگاہ دیر و حرم سے پھرے نہ اب کیوں کر ‏— ترے ہی ابرو کا دم خم رہا ہے آنکھوں میں

جو کچھ تھا آنکھوں میں سو اشک نے بہایا عشقؔ
جز انتظار کوئی کم رہا ہے آنکھوں میں

۴۱۳

شعلہ رو شمع کی مانند جلا جاتا ہوں ‏— بلکہ جوں اشک گداز ہو کے ڈھلا جاتا ہوں
جوں خس و خار صبا آن گرا گلشن میں ‏— یاں سے آہستہ گذر[1] ورنہ اُڑا جاتا ہوں
جذبۂ حُسن تجھے ایک کشش ہے لازم ‏— ورنہ اس وادیٔ الفت میں رہا جاتا ہوں
مت خفا ہو مرے آنے سے تو کوچے میں صنم ‏— راہ، راہ اپنی میاں میں تو چلا جاتا ہوں
[2]نہیں آلودہ مرا دامنِ دولت ہرگز ‏— چمنِ دہر سے میں مثلِ صبا جاتا ہوں

دیکھئے منزلِ مقصود کو پہنچوں کب عشقؔ
عمر کے طور شب و روز چلا جاتا ہوں

۴۱۴

سودا ہے اور دل ہے زنجیر اور میں ہوں ‏— یہ دشت اور گریباں تدبیر اور میں ہوں
آنکھیں ہیں اور خوں ہے دیوار اور سر ہے ‏— تو اور خوابِ غفلت تعبیر اور میں ہوں
حیراں ہوں کس طرح سے یہ زندگی کٹے گی ‏— قاتل ہے اور تغافل شمشیر اور میں ہوں
سونپا ہے اب خدا کو مقصود دین و دنیا ‏— تدبیر تو کیا کر تقدیر اور میں ہوں

---

۱ گذار - ۲ یہ شعر صرف ﷺ میں ہے۔

کر ذبح جلد مجھ کو اے عشق دیر کیا ہے
خنجر ہے اور تو ہے تکبیر اور میں ہوں

۴۱۵

یہ داغ دار دل نہ کھلا لالہ زار میں
غنچہ جو جل گیا سو کھلے کیا بہار میں

یہ حسن یہ ادا یہ نگاہیں یہ گرمیاں
نامِ خدا کہاں ہیں کسی طرح دار میں

آرام ایک دم نہیں تجھ کو مثالِ چرخ
پھرتا ہے کس طرح کے تو دل کار و بار میں

کیا جانئے کہ وصل میں یہ لطف ہو نہ ہو
جو کچھ مزا ملا ہے مجھے انتظار میں

یارب پھرا ہے عشق مگر یاں برہنہ پا
جو[1] بوئے مہر آتی ہے اس دشتِ خار میں

۴۱۶

بیک دیدن لیا دل[2] دلربائی اس کو کہتے ہیں
تغافل سے کیا بسمل[3] خدائی اس کو کہتے ہیں

یہ باتیں بھید کی اغیار سے کہنی روا کب ہے
بغیر آتش جلے دل آشنائی اس کو کہتے ہیں

شمیمِ زلف سے تیری گرہ غنچہ کی کھلتی ہے
یہ بوئے مرتضےٰ مشکل کشائی اس کو کہتے ہیں

نصیبا درد کا سو کوس پر عاشق کو پہنچے ہے
قسم ہے تیری الفت کی رسائی اس کو کہتے ہیں

میں پوچھا[4] تو سے کیوں کرتا ہے تو پاؤں[5] کو آلودہ
لگا کہنے میاں رنگِ حنائی اس کو کہتے ہیں

ہمیشہ[6] آئینہ کو سامنے رکھ اپنے کہتا ہے
اگر آنکھیں ہیں دیکھو خود نمائی اس کو کہتے ہیں

تلاشِ مے خیالِ بُت ہمیشہ دل میں رہنا ہے
طریق عشق میں کیا پارسائی اس کو کہتے ہیں

---

۱ ل لہ کیوں۔ ۲ ل لیا دل اک نظر میں۔ ۳ ل تغافل اپنے بسمل سے۔ ۴ لا جو۔
۵ ل پاتوں۔ ۶ یہ شعر صرف ط میں ہے۔

۴۱۷

شعلۂ برق اور چراغ کہاں گرمیٔ مہر سوزِ داغ کہاں
ہو دیں تحریر تیرے جور صنم آہ و نالہ سے پر فراغ کہاں[1]
جامِ جمشید دے اگر ساقی تیری آنکھوں کا وہ ایاغ کہاں
خاک ہو کر صبا سے مل جاؤں پر ملے ہے ترا سراغ کہاں
کب ہے فرصت شمارِ زخم سے دل میں کہاں اور سیرِ باغ کہاں
[2]دونوں کالے ہیں دیکھنے میں گو عندلیب اب کہاں یہ زاغ کہاں
گو کہ[3] دل جل کے خاک ہو جاوے[4]
عشق شاکی ہو یہ دماغ کہاں

۴۱۸

مجھے کیا کہوں میں کہاں دیکھتا ہوں مجھے دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں
دیا جب سے آنکھوں میں کحلِ محبت جو کچھ تھا نہاں سو[5] عیاں دیکھتا ہوں
بیاں کی نہ طاقت نہ شکوے کی قدرت دکھاتے ہو جو کچھ میاں دیکھتا ہوں
ادھر اور ادھر کو جو دیکھوں عبث ہے جو دل ہی میں کون و مکاں دیکھتا ہوں
[6]عدم کو وجود اور وجود اس عدم کو مکاں ہی میں میں لامکاں دیکھتا ہوں
[7]سوادِ دیر و کعبہ میں ڈھونڈوں کدھر میں نہ یاں دیکھتا ہوں نہ واں دیکھتا ہوں
کہوں تجھ سے کیا عشق حالت میں اپنی
کہ ہر شے میں اپنا نشاں دیکھتا ہوں

---

۱ الا کے تیرے ہاتھوں۔ ۲ یہ شعر صرف ک۵ میں ہے۔ ۳ ک گرچہ۔ ۴ ک جائے۔ ۵ ک وہ۔

۶ یہ شعر ک۱ میں نہیں ہے۔ ۷ یہ شعر صرف ک۵ میں ہے۔

۴۱۹

تیری صورت ہے یار آنکھوں میں
دیکھ لی ہے بہار آنکھوں میں

گرد آلود اشک آتے ہیں
ہے یہ دل کا غبار آنکھوں میں

خواب میں آنے کو تو کہتا ہے
رات کٹتی ہے یار آنکھوں میں

دیکھ کر رخ کو تیرے شعلہ عذار
اشک ہو گئے شرار آنکھوں میں

جو نظر سے گرا ترے[1] اے عشق
ہو گیا بے وقار آنکھوں میں

۴۲۰

جوں آفتاب تاباں کہنے کو عشق یاں ہوں
یہ پرتوا ہے میرا اٹک دیکھ میں کہاں ہوں

جب چشم دل سے دیکھے تب تو کھلے حقیقت
مت سہل جان مجھ کو آئینۂ جہاں ہوں

ظاہر میں میرا یارو گو نام اور نشاں ہے
جو دیکھو فی الحقیقت یا وہم یا گماں ہوں

[2]دنیا میں جو مکاں ہے اس کا مکین میں ہوں
مانند شمس دیکھو گھر گھر میں میں عیاں ہوں

باتیں نہ سن تو میری آتش لگے گی دل کو
میں برق آسماں ہوں یا عشق کی زباں ہوں

۴۲۱

بات کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں
عشق رخصت دے تو شور حشر اب برپا کروں

کچھ روی پر اس کی آتا ہے ڈبا دوں اشک سے
دود آہ دل سے ادا ہی میں فلک پیدا کروں

دین و ایماں اور دل و جاں رونمائی دے چکے
ہے رہا کیا جو خریدار اس کا ہو سودا کروں

سن کے باتیں عقل کی ایذائیں کیا کیا تو نے دیں
مجھ کو پھر تو دل نہ کہیو جو نہ میں رسوا کروں

---

۱ الا ترے گرا۔ ۲ یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔

اول و آخر کو میرا عشق کافی ہے مجھے
فکر بے جا ہے اگر امروز یا فردا کروں

۴۲۲

رد و قبول کی طرفین کچھ رہی نہیں
واں جو نہیں نہیں ہے تو یاں بھی نہیں نہیں

ہے لطف جو جفا میں تری سو کہیں نہیں
ہاں ہاں سے تو بروؤں کی تیری نہیں نہیں

روتے ہی روتے گذری ہے ظالم تمام عمر
کوئی آج آنسوؤں کی یہ جوئیں بہیں نہیں

بس چشم تر کو دیکھتے ہی ہو گئے خفا
دل کی مصیبتیں تو ابھی کچھ کہیں نہیں

دکھلا کے ہم کو مارنا تروار اور پر
ابتک جفائیں تیری یہ ہم نے سہیں نہیں

خانہ خراب دل کا وہ کرتے ہیں پل کے بیچ
پھر کہتے ہو کہ آنکھیں مری یہ بہیں نہیں

موجود ہے جہان میں اکسیر عشق آہ
دل پھیرنے کی طرز جو چاہے کہیں نہیں

۴۲۳

جب زخم دل کو اپنے، میں وا کیا چمن میں
غنچوں نے منہ چھپایا، کٹ کٹ کے پیرہن میں

دل آگ بھانکتا ہے[1] گلگیر کی طرح سے
کیونکر دھواں نہ نکلے یارو مرے سخن میں

[2]تیغے کی طرح ٹھہرا رہنا جہاں کے منہ پر
کچھ اور ہی مزا ہے عاشق کے بانکپن میں

عاشق کی تیر زاہد تاریک کس طرح ہو
جوں آفتاب تاباں ہے داغ دل کفن میں

[3]رسوائی جو جو ہم نے ہشیاری میں اٹھائی
دیکھی نہ ہو گی مجنوں تو نے دوانہ پن میں

گوشہ کو چھوڑ اپنے کیوں دربدر ہوں ناداں
کرتا ہوں سیر بیٹھا جوں مردمک وطن میں

[4]مطرب شراب و ساغر شیشہ کباب و ساقی
جب تک چلے نہ یارو کیا لطف انجمن میں

---

۱ کے بھبکتا ہے۔ ۲ و ۳ یہ اشعار صرف ک میں ہیں۔ ۴ ک میں یہ شعر نہیں ہے۔

کچھ عشق کی حقیقت کیونکر کہوں میں تجھ سے
مانندِ شمع جلتی ہے یہ زباں دہن میں

۴۲۴

کوئی بت کہتے ہیں اور کوئی خدا کہتے ہیں
ہم سے جو پوچھو تو دونوں سے جدا کہتے ہیں

درد سے لختِ جگر آنکھوں میں لا کہتے ہیں
ہنس کے کہتا ہے تمرّد اسے کیا کہتے ہیں

دل کے دینے کے برابر کوئی تقصیر بھی ہے
جو مجھے کہتے ہیں یارو سو بجا کہتے ہیں

بات ہے ایک سمجھنے میں تفاوت ٹک ہے
کفر و اسلام کو ناداں ہی جدا کہتے ہیں

ایک[1] دن درد سے بیتاب ہو اس سے یہ کہا
اس تغافل کو غلط کارِ وفا کہتے ہیں

ہنس کے کہنے لگا اے دوختۂ تیرِ قضا
عشق سے پوچھ کہ اس بات کو کیا کہتے ہیں

جس کے دل کو لگی ہو سو ہی تو سمجھے ورنہ
عشق کو کوئی بُرا کوئی بھلا کہتے ہیں

۴۲۵

جان جی[2] کو جہاں سمجھتے ہیں
یہ سمجھ ہم نداں سمجھتے ہیں

پرورش نفس کی ہے واں منظور
جسم کو جو کہ جاں سمجھتے ہیں

کیوں نہ اہلِ یقیں وہ کہلا دیں
عشق کو بدگماں سمجھتے ہیں

اُس سوا ہے جہان میں کچھ اور
پھر اُسے بے نشاں سمجھتے ہیں

قتلِ عشاق کو روا رکھنا
اُس کی یہ ایک آں سمجھتے ہیں

یہ تبسم نہیں ہے کچھ بے چیز
ہم بھی اے مہرباں سمجھتے ہیں

شمع کو کب کہیں وہ چرب زباں
عشق کی جو زباں سمجھتے ہیں

---

۱ یہ شعر ر۲ ر۵ میں ہے۔ ۲ ر۲ ر۵ جان ہی کو۔

۴۲۶

آفتِ جاں ہے یا کبھو کے ہیں — چشم بد دور وہ کسو کے ہیں
جاں نثاروں میں اپنے بوجھ ہمیں — اور یہ یار گفتگو کے ہیں
کس طرح چین آوے اب دل کو — ہم گرفتار تند خو کے ہیں
عاشقِ آرزو ہیں اور ہی یار — قتل ہم تیری آرزو کے ہیں
اب تلک جانتا نہیں افسوس — تیرے[1] بندے تو ہم کبھو کے ہیں
گو کہ ملتا نہیں ہے ہم سے وہ — عاشق ہم اپنی جستجو کے ہیں
چھوڑ ناصح تو اس گریباں کو — ہم تصدق ترے رفو کے ہیں
بے[2] تامل جو دل کو دے بیٹھے — تجھ کو کیا کہیے ہم ہی چوکے ہیں

گلرخاں قدرِ عشق کیا جانیں
عاشق اپنے وہ رنگ و بو کے ہیں

۴۲۷

دل کو ہمارے یاد بجز ذکر ہو نہیں — اس کے سوا زباں پہ بھی کچھ گفتگو نہیں
منت[3] کر تو مجھ سے تو تو دمیں میں سے گفتگو — میدانِ عشق میں تو میاں میں اور تو نہیں
ہر[4] جائی ہونا خوب نہیں راہِ عشق میں — وہ یار ہی نہیں ہے اگر ایک سُو نہیں
آتا ہے عکس مجھ کو نہ دیکھ آرسی کو تو — مانند آئینہ کے یہ دل رو برو نہیں
رنگیں حنا سے ہاتھ نہ کیجے سوائے خوں — ہنس[5] کر لگا یہ کہنے کہ سُن اپنی خو نہیں

لذاتِ عیش و غم میں جو کچھ ہیں سو بھتے ہیں
ایسی ہے کوئی چیز جہاں عشق تو نہیں

---

۱ ن ۵ بندے ۔ ۲ یہ شعر صرف ن ۵ میں ہے۔ ۳ یہ شعر ن ۵ میں نہیں ہے۔
۴ یہ شعر صرف ن ۵ میں ہے۔ ۵ ن ۲ ن ۵ ہنس کے ۔

۴۲۸

جوں شمع جل رہا ہوں میں[1] سخت دل کے ہاتھوں
سر پر بلا جو آئی کم بخت دل کے ہاتھوں

ہم داغ دل پہ[2] اپنے نازاں ہیں مثلِ لالہ
حاصل کیا ہے ہم نے یہ تخت دل کے ہاتھوں

دل پُر نے پُر نے ہووے سر گڑے ٹکڑے ہووے
جوں شمع رنج کھینچے یک لخت دل کے ہاتھوں

اس دور میں ہے پھرتا جوں جام گردِ ساقی
رسوا ہوا ہوں عشق[3] اب کم بخت دل کے ہاتھوں

۴۲۹

زور ہے یاں تلک مجھے دیکھو لو اختیار میں
اشک نکل کے تھم رہا دیدۂ اشکبار میں

لالہ رخاں کو دیکھ کر وحشتِ دل ہوئی بلند
پھیر[4] جنوں نے گل کیا فصلِ گل و بہار میں

خوشۂ لعل میں کہوں، اُس صنم کی زلف[5] کو
غنچۂ دل لٹکتے ہیں طرۂ مشکبار میں

ہاتھ میں اس کے سیف ہے آنکھ میں اس کی کیف ہے
دردِ سر اپنا دور کر جلد چل اس خمار میں

آنکھ کو اپنی کھول کر دیکھ لے مثلِ آئینہ
نور ہے لمعہ زن صنم عاشقوں کے غبار میں

کر[6] تو تصور اس طرح[7] جو نہ لگیں مژہ بہم
دل سے نکل کے پہنچے جب دیدۂ انتظار میں

گرمی و ناز کی بہم[8] تازگی جفا ستم[9]
حُسن و ادا کی کچھ نہ پوچھ لطف سبھی ہیں یار میں

جھوٹ کو یار و خوف ہے سچ کو نہیں کہیں زوال
ایک کے آگے جو کہیں وہی[10] کہیں ہزار میں

دل میں ترے نہیں ہے جا عشق سے بے قرار کی
ورنہ ازل سے ربط ہے سنگ میں اور شرار میں

---

۱ ک اس۔ ۲ ش پر۔ ۳ ر۲ یارو۔ ۴ پھر۔
۵ ر۲ ش یا کہوں اس صنم کی زلف، ک یار کی زلفِ ناز کو۔
۶ ک ملتی نہیں پلک پلک شوقِ جمالِ یار میں ٭ دل سے نکل کے پہنچا ہے دیدۂ انتظار میں۔
۷ ر۲ اس وجہ۔ ۸ ک غضب۔ ۹ ک سانچ کو آنچ کیا لگے۔ ۱۰ ک کہدیں وہی۔

۴۳۰

آہ پھر تجھ کو اے بے رحم خبر کرتے ہیں
یعنی آجا دمِ آخر ہے سفر کرتے ہیں

اپنے آنسو کا ہی طوفان نظر آتا ہے
حالتِ گریہ میں جس سمت نظر کرتے ہیں

وصل اور ہجر کے عالم کو نہ پوچھو ہم سے[1]
ڈرتے ڈرتے کبھو اُس سمت گذر کرتے ہیں

رنج سو طرح کے عاشق کو اگر ہو دیں نصیب
عشق بازی میں وہ کب چشم کو تر کرتے ہیں

دیکھئے گوہرِ مقصود کو کب پہنچے[2] عشقؔ
عمر ہے گذری کہ ہم خاک بسر کرتے ہیں

۴۳۱

پاکبازوں کو نہیں مرغوب[3] یہ اسلوبیاں
اور ہیں وہ جن کو بھاتی ہیں یہ تیری خوبیاں

دردِ دل سے ناتواں جس دم کوئی کرتا ہے آہ
الاماں کرتے ہیں اُس دم عرش پر کروبیاں

عاشقِ شیدا ہوا ہے کھو کے دین و دل کو وہ
جن نے[4] دیکھی ہیں تری معشوقیاں محبوبیاں

ہم وفا کا نام لیں کس رو سے عالم میں بھلا
ہجر میں جینے کی یارو سخت ہیں محجوبیاں

کیوں نہ موجِ خوں رواں ہو عشقؔ تیری چشم سے
برچھیاں اُس کی نگاہوں کی جگر میں ڈوبیاں

۴۳۲

لاریب یہ سمجھا[5] ہوں کہ مقصودِ جہاں ہوں
پاتا نہیں پر اپنے تئیں کیا ہوں کہاں ہوں

کیونکر نہ کریں سوختہ دل مری پرستش
ہر قلب میں جوں شعلۂ جاں نور فشاں ہوں

تاثیر نہ ہو قول میں کس طور سے میرے
تم جس کو اثر کہتے ہو میں اس کا بیاں ہوں

ظاہر کو مرے دیکھ کے تم سہل نہ سمجھو
بے تاب و توانوں کے لئے[6] تاب و تواں ہوں

۱ے مجھ سے - ۲ے پہنچیں - ۳ے مطلوب - ۴ے جس نے - ۵ے سمجھتا - ۶ے بے تاب و تواں کے لئے ہیں -

صاحب نظراں عشق مرا نام ہے مشہور
گو چشم سے پوشیدہ ہوں پہ دل میں[1] عیاں ہوں

۴۳۳

نایاب آنسوؤں کے ہیں موتی جہان میں
وہ دُر نہیں ہیں یہ جو ملیں ہر دکان میں

بیٹھا ہے بوجھ بھار سے کس طنطنہ پہ وہ
پھونکا ہے بت تراش نے کیا بت کے کان میں

نازک مزاج دیکھ کر اُس زود رنج کو
ڈرتا ہوں اس قدر کہ نہیں جان جان میں

تو بود باش[2] اپنی کو نابود ہی سمجھ
اس کے سوا غلط ہے جو کچھ ہے گمان میں

یعقوب وار چشم جو روتی ہیں متصل
ہے یوسف اے عزیز و مگر کاروان میں

بے نام و بے نشاں ہو تو نقش و نگیں کو دیکھ
جو کچھ قبا حتیں ہیں سو نام و نشان میں

دیر و حرم کے جھگڑے کو موقوف رکھئے آپ
بتلائیے ہمیں وہ نہیں کس مکان میں

تقریر صاف کرنے پہ[3] موقوف کیا ہے عشق
وہ چیز اور ہے جو[4] اثر ہو زبان میں

۴۳۴

بے فائدہ یہ آنکھیں یارو نہیں روتی ہیں
اس سیپ کے ہر قطرے آنسو نہیں موتی ہیں

دل اور جگر باہم در در پڑے پھرتے ہیں
یہ خانہ خراب آنکھیں کس کس کو ڈبوتی ہیں

سُن شورِ جنوں میرا مجوب و خجل ہو کر
آوارگی و وحشت ہوش اپنے کو کھوتی ہیں

اب کس کے تصور میں روتی ہو تم اے آنکھو
جو اشک کے شیشوں میں تصویریں یہ ہوتی ہیں

ٹک ان کو جگا دینا کہتے ہیں کہ عشق آیا
کیا راحت و آسائش اب تک پڑی سوتی ہیں

---

١ ک سے۔ ٢ ک تو اپنی بود و باش کو۔ ٣ ک پر۔ ۴ ک کہ۔

۴۳۹

آرزو اپنی کو یک لخت قلم کرتے ہیں | جو کسو سے[1] نہیں ہو سکتی[2] وہ ہم کرتے ہیں
دل، جگر، چشم سبھی آرزوئیں رکھتے ہیں | دیکھیے آج وہ کس کس پہ کرم کرتے ہیں
سر کٹو آگ لگو جل ہی بجھو شمع کے طور | گردن اپنی کو اکڑ سے کوئی خم کرتے ہیں
یاد کرتے ہیں بھلے آپ کو ہیں بھولے ہم | اب وجود اپنے کو اس طور عدم کرتے ہیں
گو کہ سو جور و جفا ان پہ روا رکھے تو | ترے دیوانے کوئی چشم کو نم کرتے ہیں
رم اگر ہو تو مسلّم ہے یہ غیروں سے ہی | ہم جہاں پھرتے ہیں واں آپ سے رم کرتے ہیں
یاد جب آتی ہے وہ صورتِ زیبا یا رو | پڑھ کے ہم سورۂ اخلاص کو دم کرتے ہیں
خوبرووؤں[3] سے برآوے کہو کوئی کیوں کر | بات ہنس کے نہیں کہتے وہ ستم کرتے ہیں

اور عاشق بھی تو دنیا میں بہت ہیں مشہور
عشقؔ پر تیری طرح باتیں یہ کم کرتے ہیں

۴۴۰

میں کہاں سیرِ لالہ زار کہاں | تو کہاں اور یہ نزار کہاں
بن ترے یہ جہان سونا ہے | گُل و بلبل کہاں بہار کہاں
تو جو کہتا ہے آہ مت کیجیو[4] | دل کہاں اور اختیار کہاں
کس سے کرتا ہے یار قول و قرار | بے قراروں کو اب قرار کہاں

جلد ہی جانا اُسے خوش آتا ہے
عشقؔ عاشق کو انتظار کہاں

۴۴۱

سخت بے رونق نظر آتا ہے بازارِ چمن | بلبلیں کیا ہوئیں کدھر گئیں وہ طرحدارِ چمن

---

۱ ﮈ کسی سے۔ ۲ ﮈ ہوتا ہے۔ ۳ یہ شعر صرف ﮈ میں ہے۔ ۴ ﮈ کھینچو۔

گلشنِ دنیا نظر آتا ہے اُس کو زیرِ پر
بلبلِ آزاد کب ہووے گرفتارِ چمن

نسبتیں باہم گرفتاری کی ہیں پر عندلیب
میں گرفتارِ قفس اور تو گرفتارِ چمن

خندۂ گل شورِ بلبل اشک ریزا برِ بہار
ہوش میں ہم رہ چکے ہیں یہ جو اطوارِ چمن

گل تو عقل و ہوش دیوانے کے سر سے لے گیا
دیکھئے کیا گل کریں باقی ہیں اب خارِ چمن

عشق کا احوال کچھ تازہ نہیں جو میں کہوں
مدتوں سے ہو گیا ہے نقشِ دیوارِ چمن

۲۴۴

خیالِ نالۂ[1] بے اثر کب ہیں مری آہیں
بنام ایزد خدائی کر دکھاوے جن کو ہم چاہیں

اُکھاڑا محتسب نے تاک کو کس ظلم سے ساقی
نہ روویں کس طرح مے خوار اُن کی ٹوٹ گئیں باہیں

پھرا ہوں در بدر جوں ماہ میں مشرق سے مغرب تک
جہاں میں جتنی بھر دیکھیں وہ کھفیں سب تیری درگاہیں

بجوم آہ شعلہ بار سینہ سے نکلتا ہے
عجب کیا ہے جو جل جاویں فلک کی ساتوں خرگاہیں

خیالِ عشق آنے دوں نہ دل میں کس طرح ناصح
کسی تدبیر سے رُکتی نہیں ہیں فکر کی راہیں

۲۴۳

چٹختے ہیں مرے دل میں شرارِ آتشِ حُسن
شگفتگی پہ ہے جوں گل بہارِ آتشِ حُسن

سپند وار[2] یہ دل ہو گیا بلا گرداں
نمود جب سے ہوا ہے عذارِ آتشِ حُسن

قرار[3] اُس کے کو جو بے قرار ہو سمجھے
کہ بے قرار ہے ناداں قرارِ آتشِ حُسن

برنگِ لالہ میں آتش سے رنگ رکھتا ہوں
نہ ہووے کیوں کے مرا دل نثارِ آتشِ حُسن

میں اشکِ سرخ سے اس واسطے ہوں دینا آب
کہ عشق خوب کھلے لالہ زارِ آتشِ حُسن

---

۱ نالۂ بے اثر۔ ۲ طرح سپند کے۔ ۳ جو بے قرار ہو اس کے قرار کو سمجھے۔

۴۴۴

گو میاں ہم غضب کے مارے ہیں ۔۔۔ پر بھلے یا بُرے تمہارے ہیں
داغ کہیے انھیں معاذ اللہ ۔۔۔ فلکِ دل کے یہ ستارے ہیں
خلق میں ہم ہیں خلق ہم میں ہے ۔۔۔ مثلِ دل گو کہ ہم کنارے ہیں
ہم تم ہیں ایک یار کہنے کو ۔۔۔ تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں
کس طرح تجھ سے وہ اٹھاویں ہاتھ ۔۔۔ جو زباں تجھ سے بار ہارے ہیں
جھڑکیاں اس کی کچھ نہیں بے چیز ۔۔۔ عشق[۱] کی آگ کے شرارے ہیں

مرے در سے انھیں اٹھاؤ مت
عشق سے یہ بھی غم کے مارے ہیں

۴۴۵

زخم ہوں تیغِ یار ہنستا ہوں ۔۔۔ آہ بے اختیار ہنستا ہوں
زعفرانی لباس تیرا دیکھ ۔۔۔ گرچہ ہوں سوگوار ہنستا ہوں
گل کو تم دیکھ کھلکھلاتے ہو ۔۔۔ اس شگوفہ[۲] پہ یار ہنستا ہوں
حال پر اپنے یار[۳] رو رو تا ہوں ۔۔۔ بر سرِ روزگار ہنستا ہوں
کیا کہوں اس کو دل سمجھتا ہے ۔۔۔ مجھ کو یہ انتظار ہنستا ہوں
گدگدی وہ نگہ سے کرتا ہے ۔۔۔ تب میں لیل دنہار ہنستا ہوں

خیر خواہی پہ ناصحوں کے عشق
جیب کر تار تار ہنستا ہوں

۴۴۶

مرنا ترے فراق میں دشوار کچھ نہیں ۔۔۔ جینا سوائے تیرے یہ آزار کچھ نہیں

---

۱ ل۲ حسن۔ ۲ ل۳ ل۴ شگوفے۔ ۳ ل۲ یار۔

اے زلفِ یار وقت ہے[1] یہ بند وبست کا — شانے سے ان دلوں میں سروکار کچھ نہیں
ناچار ہم چھپانے لگے اپنے داغ کو — تو نے کہا کہ گرمیٔ بازار کچھ نہیں
جوں سبحہ دل میں رکھتے ہیں زنارِ تارِ زلف — گردن پہ ڈالے پھریئے جو زنار کچھ نہیں
محتاجگی پسند ہے بندوں کی ورنہ میں — تیرے سوائے تجھ سے طلب گار کچھ نہیں
عینِ شفا ہے نام تمہاری نگاہ کا — مر جائے پر یہ چشم کا بیمار کچھ نہیں

غصہ مرا شعار ہے آتش مزاج ہوں
مت رو تو عشق تجھ سے تو بیزار کچھ نہیں

۴۴۷

تری باتیں جو ترے منہ پہ نہیں لاتے ہیں — ہم سمجھتے ہیں کہ اپنا ہی کیا پاتے ہیں
کون سنتا ہے جو دکھ سکھ کہیں اس سے اپنا — بات میں جیتے ہیں اور بات میں مر جاتے ہیں
رات دن کٹتے کو تم ہم سے نہ پوچھو یارو — کبھو روتے کبھو ہنستے کبھو گھبراتے ہیں
راہ میں اُس کی اگر خاک ہوئے شکر یہ ہے — عطفِ دامن سے تو ہم اُس کے لگے جاتے ہیں
کوئی سنتا ہے یہ کافر جو نصیحت کیجے — دل کو سو سو طرح سمجھاتے ہیں بہلاتے ہیں
کون سا ہوگا وہ دن یارو[2] خدا ہی جانے — عمر ہے گذری یہ[3] سنتے ہیں کہ آپ آتے ہیں
سارے عالم سے تو ان بن ہے کہیں کس سے حال — بات کہتے ہیں کبھی دل جو ترا پاتے ہیں

جان بن کوئی خوش آتا ہے تماشائے عشق[5]
گو مرقعے مجھے لا سیکڑوں دکھلاتے ہیں

۴۴۸

جو دل کہ چھپ رہے ہیں خودی کے حجاب میں — وہ دل نہیں ہے اہل دلوں کے حساب میں

---

۱ ہے یہ ہے۔ ۲ ے یار۔ ۳ ے عمر گذری ، ے عمر گذری ہے۔ ۴ ہ پہ۔
۵ تماشہ۔

خواب و خیال سے بھی تسلی تو دل کو کی ہو [1] — سو خواب ہی نہیں کہ اُسے دیکھیں خواب میں

کیا پوچھتا ہے فرق تو آب و تگرگ کا — جب یہ گرہ کھلی تو ملا آب آب میں

ہستی چھپی عدم میں ہوئی نیستی نمود — [2] دھوکا نہ جان مخفی ہے دریا سراب میں

مت منہ چھپا [3] اگرچہ گنہگار ہیں ترے — ٹھلاتے ہیں معذبوں کو آفتاب میں

آتشکدہ کے طور بھری اس میں آگ ہے — آوے وہ کس طرح دلِ خانہ خراب میں

دیوانہ تیری آنکھوں کی گردش نے کر دیا — کچھ اور ہی [4] نشا ہے میاں اس شراب میں

[5] آئینہ سنگدل ہے نہیں ہے جو بے قرار
جو کچھ مزا ہے عشق سو ہے اضطراب میں

۹۴۴

دار و اس درد کی مشکل ہے کچھ آسان نہیں — بن اجل مر گئے قالب ہے پڑا جان نہیں

دلِ حیرت زدہ کو طعن عبث کرتے ہو — سنگِ آئینہ نہیں دیکھ کے حیران نہیں

شکر اس بات کا اللہ کہاں تک کیجے — تیرے دیدار سوا دل میں کچھ ارمان نہیں

جام شیریں سے مے تلخ ہوں پیتا لیکن — طلبِ بوسہ کروں یہ تو میری شان نہیں

مو بمو عقدۂ عالم کو جو کھولا دیکھا — زلف کا تیری گرفتار پریشان نہیں

[6] دستِ پُر خون میں حاجب کے تو حاجب کیا ہے — خانۂ عشق میں دیکھو در و دربان نہیں

ننگ اور عار کو گنتے نہیں جی کو کھو دے
عشق دل دیجے کسو کو میاں آسان نہیں

---

[1] ن۵ تو دل کو تسلی دے۔ [2] ن۲ دھوکا نہ کھا کہ مخفی ہے دریا سحاب میں۔ [3] ن۳ ن۲ اگر۔ [4] ن۵ نشاں، نشہ۔

[5] ن۵ چکھ دیکھ اس کو اے نمکیں بے نمک نہیں
جو کچھ مزا ہے عشق جگر کے کباب میں

[6] یہ شعر صرف ن۵ میں ہے۔

۴۵۰

وہ سخن کہئے جو نہ آئے سخن — سخن ہے جو سخن نہ لائے سخن
تنگ نکتہ سے ہے دہن اُس کا — حرف کو دخل کیا چہ جائے سخن
کوہ ہے جو کوئی اُٹھاوے اسے — دل سے کیونکر کوئی مٹائے سخن
قدر اس کی وہی سمجھتے ہیں — ہیں جہاں میں جو آشنائے سخن
یہ سخن عشقؔ کا خوش آتا ہے
فرض ہے جو کوئی اُٹھائے سخن

۴۵۱

دل تنگ کس طرح سے نہ ہو اُس سے وا نہیں — جوں غنچہ سو زبان ہے پر بولتا نہیں
حسن و ادا جفا و ستم دلبری و ناز — نامِ خدا سبھی کچھ ہے تجھ پاس کیا نہیں
مت پوچھ بے وفائی کو اُس کی تو مجھ سے یار — گو مثلِ دل بغل میں ہو پر آشنا نہیں
جو عشق یہ ہے اور یہی اُس کا رنگ ہے — ہم کو سوائے مرنے کے کچھ سوجھتا نہیں
معشوق کب ہے دشمنِ جانی بغل میں ہے — لیکن ہزار شکر کہ وہ بے وفا نہیں
آنکھوں سے گرچہ دور ہے دل سے نہیں وہ دور — مانندِ عکسِ آئینہ[۱] مجھ سے جدا نہیں
اُن سے وہی ملے جو میاں ہو صنم پرست
گو عشقؔ بت پھرے تو بلا سے خدا نہیں

۴۵۲

کعبہ سے عشقؔ کھینچ لے آیا کنشت میں — شاید یہی لکھا تھا مری سرنوشت میں
سُرما[۲] دیا جو آنکھوں میں وحدت کے نور کا — تو ہی نظر پڑا مجھے ہر خوب و زشت میں

---

[۱] عکس و آئینہ۔ [۲] ق: 'سرمہ' درست ہے۔

۲۰۴

ہے جستجو میں فرق پہ مقصود ایک ہے
ہم ڈھونڈتے ہیں آپ میں تو سنگ و خشت میں
کب چھوڑتا ہوں سایۂ دیوارِ یار کو
کہتے ہیں سب کچھ ہے پہ نہیں یہ بہشت میں
عاشق مزاج کیوں کے نہ ہوں نام عشق ہے
دیوانگی ہے یارجی میری سرشت میں

۴۵۳

جو پائمال کرو تم تو خاکسار ہوں میں
غرض جو دشمنی ہو کیجے دوست دار ہوں میں
جلا ہوں آتشِ لعلِ خموش تیری سے
نہ چھیڑو باد سے اصلا اگر شرار ہوں میں
نہ پائمالِ جنوں ہوں نہ کحلِ دیدۂ عقل
پسا ہوں بے طرح سے آہ گو غبار ہوں میں
سبب نہ پوچھ مرے دل کی سوزشوں کا تو
کسو کے داغ کی دولت سے لالہ زار ہوں میں
سبب نہ پوچھ مرے دل کی بے قراری کا
ترے قرار پہ اے عشق بے قرار ہوں میں

۴۵۴

مثلِ نگیں تو چھپ ہی گیا نام نام میں
جیسے لبوں پہ ساغرِ مے جام جام میں
بکھرا کے بال جھانکتے ہو عاشقوں کو تم
یہ بات ہی نئی ہے کہ ہو دام دام میں
لازم ہے اختلاط کو شرطِ مناسبت
بیٹھیں خواص خاص میں اور عام عام میں
داغوں میں دل کے خارشِ اشک آ ہوئی نمو
کیا کیجے عشق آپڑے جو کام کام میں
تعریفِ شام سے ہوئی آشفتہ زلفِ یار
پھولی ہے آج عشق نئی شام شام میں

۴۵۵

فلک ہے سر پھرا تیرا نہ پھر تو میرے کینے میں
عداوت کی وجہ تیرے نہ کھانے میں نہ پینے میں

۱۔ ۵ کو ترے۔

نہ کچھ یاں خال و خط لکھا ہے سینے کے سفینے میں
تراہی نام روشن ہے مرے دل کے نگینے میں

بہارِ زندگی عاشق کو ہے معشوق کی صحبت
نہ ہو جو پاس تو پیارے تو لعنت ایسے جینے میں

فلاطوں تو نہ ہو مغرور اپنے خم پہ خُم ہم سے
نشا[1] اور ہی بھرا ہے عاشقوں کے آبگینے میں

کہوں کیا اشتیاق اپنا گھڑی اک[2] اک برس کی ہے
پھر اس پر رات دن چھوڑا ملاقات[3] ہو مہینے میں

رہا مقبوض یہ غنچہ شگفتہ یوں ہوا آخر
تکلف برطرف تکلیف مت کر زخم سینے میں

گلاب[4] اس رشک سے گو آب اب ہو گیا کر دوں دل کو
کہ بوئے جان آتی ہے اُسے تیرے پسینے میں

نہ[5] دل میں تاب طاقت ہے، نہ اب پاؤں میں ہے طاقت
ہماری خاک کو اللہ ہی پہنچا دے مدینے میں

خیالِ بت پرستی عشق یاں تک ہم لے پہنچایا
بجائے دل یہ پتھر روٹھا ہے دیکھ اب میرے سینے میں

۴۵۶

سنانے پر دلوں کے تم لگے کرنے[6] ہو من چلیاں
سمجھ کر دیکھو ہم کہتے ہیں یہ باتیں نہیں بھلیاں

غرورِ حُسن سے بجلی زمیں پر پاؤں دھرتی ہے
گرے بے اختیار ہو کر جو دیکھے تیری اچپلیاں

درختِ[7] آرزو کو اے فلک یوں بے ثمر رکھا
نہ پھولا گل تمنا کا[8] گریں مرجھا کے یہ[9] کلیاں

خدا سے کل کہو گے کیا جواب اس بات کا کہئے
مچاتے ہو ہمیشہ خونِ عاشق سے یہ رنگ رلیاں

زباں شیریں ولب شکر وہ بوسہ قند[10] سے میٹھا
کروں کس کس کی تعریفیں یہ سب مصری کی ہیں ڈلیاں

ہرن وحشت کے سایہ سے مری بد شرط دوڑی تھی
نہ پہنچی گرد کو اُس کی اگرچہ لوٹ گئیں[11] نلیاں

لگا کہنے انھوں نے میرے نئیں گستاخ دیکھا تھا
نکلوا آنکھیں بیچاروں کی تلوں کے تلے ملیاں

پھر ہری لے دلِ دیوانہ پھر لہروں پہ[12] آتا ہے
بہارِ تازہ پھر آئی ہوائیں عشق کی چلیاں

---

۱ ؁ نشہ، درست ہے۔ ۲ ؁ سو سو۔ ۳ ؁ ملاقی۔ ۴ یہ شعر صرف ر ۲ ؁ میں ہے۔
۵ یہ شعر صرف ؁ میں ہے۔ ۶ ک کیا کرتے۔ ۷ ک نہالِ۔ ۸ ک نہ پھولے گل تمنا کے۔ ۹ ک سب۔
۱۰ ک سخن قند مکرر ہیں۔ ۱۱ ؁ گئیں سو لوٹ گئی نلیاں۔ ۱۲ ؁ پر۔

پیارم دل شکستہ عشقؔ اتنا دل سے کہہ دیجیو
نہیں آساں قدم رکھنا کٹھن ہیں زلف کی گلیاں

۴۵۷

گھر میں مرے نہ شمع ہے اور نہ اب چراغ ہیں
سینہ پہ آبلے[1] ہیں جو گوہرِ شب چراغ ہیں

خاک ترے شہید کی مہر سے جلوہ گر نہیں
داغِ جگر تھے جتنے یاں واں کے وہ سب چراغ ہیں

دہم کو اپنے دور کر جاکے تو پاس سے تو دیکھ
داغِ جگر میں جلوہ گر شیخ وہ کب چراغ ہیں

جس کے جگر کو عشق نے داغ دیئے ہیں شیخ جی
قبر پہ اُس کی شک نہیں جلتے یہ جب چراغ ہیں

بادِ حسد کی دے بجھا اس کو غلط تو جانیو
آلِ نبی کے یہ چراغ نور کے سب چراغ ہیں

شمس[2] و قمر کے دو چراغ رات کو دن کو مشتعل
جلتے ہیں متصل یہ داغ دیکھو عجب چراغ ہیں

آنکھ سے اپنی دیکھے ہیں جلتے ہیں دل تپنگ سے
دیکھ تو اس کی چشم کو عشقؔ غضب چراغ ہیں

۴۵۸

بن[3] ترے یہ درد و غم کس سے کہیں
تو نہیں سنتا ہے ہم کس سے کہیں

ایک دو باتیں جو ہوں کوئی سُنے
دل کی خواہش دم بدم کس سے کہیں

چاہتا ہے تو اگر مجھ سے نہ مِل
تو ہی کہہ یہ اب ستم کس سے کہیں

بیشتر ہے جور اور ہے مہر کم
آہ دل یہ بیش و کم کس سے کہیں

دل سمجھتا ہی نہیں دکھ کو ترے
عشقؔ بن اے چشم نم کس سے کہیں

۴۵۹

جوش کھاتے ہیں خُمِ مے جام لے سکتے نہیں
بھر رہا ہے دل میں لیکن نام لے سکتے نہیں

---

۱ لٹ آبلہ۔ ۲ یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔ ۳ لے جُز۔

کام بے کامی میں پایا کام لے پھر کیا کریں
یہ غلط فہمی ہے تیری کام لے سکتے نہیں

تیرے بیماروں کی نوبت یاں تلک پہنچی کہ آہ
لے سکیں جو صبح کو تو شام لے سکتے نہیں

اس دلِ آفت طلب کو رنج راحت سے ملا
چین بے چینی میں ہے آرام لے سکتے نہیں

قاصد آیا ہے خبر لے اس بتِ مستور کی
ڈر سے بدگوؤں کے ہم پیغام لے سکتے نہیں

معرکے میں عشق کے گرچہ صلائے عام ہے
خاص لے سکتے ہیں جو وہ عام لے سکتے نہیں

بے سر و پا ہیں یہ دیوانے طلسمِ عشق میں
بھول گئے آغاز کو انجام لے سکتے نہیں

۴۶۰

کے نفس باقی رہے ہیں عید آنا پھر کہاں
رسم ہے دنیا کی مل لے یہ بہانا پھر کہاں

دیر و کعبہ کو سلام اب کرتے ہیں وہ رات دن
جو ترے کوچے میں بیٹھے ان کو جانا پھر کہاں

گردشِ ایام کیفیت تری آنکھوں کی دیکھ
بھول جاوے اپنی چالیں یہ سنانا پھر کہاں

دُور دَورِ چشم ہے گو زہرِ قاتل دیویں پی
گردشِ ایام میں یہ دَور پانا پھر کہاں

روبرو آجاوے تیرے گو کسو صورت سے عشق
بن ترے اُس آئینہ کو منہ دکھانا پھر کہاں

۴۶۱

نکلے ہی پڑتے ہو جامہ سے ہمارا نام سُن
کیا بلا لاؤ گے سر پر وصل کا پیغام سُن

دیکھ گردش چشم کی کچھ میں ہی سرگرداں نہیں
بے تکلف ہوگئی ہے گردشِ ایام سُن

قتل کرنا بے گناہوں کو تجھے معیوب ہے
کیا کہیں گے بارے کہہ تو اس کو خاص و عام سُن

عشق بازی میں عوض ہیں پر جدا ہیں رسم سے
ہم دعا دیتے ہیں دل سے یہ تری دشنام سُن

---

۱ ل۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۲ ل۲ آفت زدہ۔ ۳ صلائے عام۔ ۴ ل۳ دیکھ کر، غلط ہے۔

کہتے ہیں مے خوار سب مل دَور دورِ چشم ہے
محفلِ جمشید میں کیوں کر نہ ہووے جام سُن

ناوک اندازی سے تیری چشم کی ہو منفعل
اب مشبک کیوں نہ ہووے دیدۂ بادام سُن

اپنے دل کی کیا کہوں عالم کی کیفیت کو دیکھ
بن رخِ خورشید تیرے ہے فلک کا نام سُن

شوق میں ناوک کے تیرے سر سے پاؤں تک میاں
چھید چھید ہے ہوگیا جوں مرغِ دل یہ دام سُن

عشق کا آغاز یا انجام یہ جلنا ہی ہے
دیکھ لے آغاز کو اے شمع رو انجام سُن

۴۶۲

ہوس دل کی افسوس مرتی نہیں
طبیعت جو بگڑی سنورتی نہیں

فلک میرے آنسو کی شوکت کو دیکھ
گھٹا اور و پانی یہ بھرتی نہیں

نہ ہو جب تلک ساغرِ آفتاب
جدائی کی یہ شب گذرتی نہیں

چلی جاتی ہے کڑکڑاتی وہ کیوں
اگر برق نالہ سے ڈرتی نہیں

رہوں یا نکل جاؤں حیران ہوں
کوئی بات دل میں ٹھہرتی نہیں

فسوں عشق کی لہر کو کیا کرے
چڑھی جس پہ کا فر اترتی نہیں

نہ کر عشق یہ شاخ شانے بیاں
ترا کچھ مری زلف دھرتی نہیں

۴۶۳

غلط کہتے ہو چشم لڑتی نہیں
یہ بجلی ہے کس کس پہ پڑتی نہیں

ہمیں پرورش بات اپنی کی ہے
نہ سمجھو طبیعت مکرتی[2] نہیں

ہوا ہے ترا دل ہی شاید اُداس
نظران دلوں دل میں گڑتی نہیں

---

۱ یہ شعر صرف ر۵ میں ہے۔ ۲ ر۲ ر۳ ر۴ ر۵ بگڑتی۔

کوئی کیوں کے بہلائے اس دل کو ہائے　　مصیبت کی شب تو نبڑتی نہیں

یہ زلفِ سیہ سب پہ کھاتی ہے بل

تجھ ہی سے فقط عشقؔ اکڑتی نہیں

۴۶۴

مثلِ آئینہ ترے رو برو گو آتے ہیں　　بات تب کہتے ہیں جب منہ کو ترے پاتے ہیں

مئے گلگوں کو بدل خونِ جگر سے کرنا　　جام لے ہاتھ میں دکھلاتے ہیں ڈھکلاتے ہیں

یار ہم سا نہ ملے گا اسے تو جان یقیں　　تیرے وہ دوست نہیں جو تجھے بہکاتے ہیں

وقت رخصت یہ پڑھا عشقؔ نے مصرع رو رو

تم سلامت رہو ہر طرح سے ہم جاتے ہیں

۴۶۵

دم بدم تجھ کو یاد کرتے ہیں　　دلِ غمگیں کو شاد کرتے ہیں

حق تعالےٰ تری مرادیں دے　　یہ دعا نامراد کرتے ہیں

اُن کو کہتے ہیں صاحبِ ہمت　　ہاتھ کو جو کشاد کرتے ہیں

زندگی تک جُدا نہیں ہوتے　　جس سے ہم اتحاد کرتے ہیں

دلرباؤں کا مدعا کیا ہے　　دل کو لے جو عناد کرتے ہیں

موقلم کر مژہ کے آنکھوں سے　　تیری آنکھوں پہ صاد کرتے ہیں

اے علیؑ ولی گدا تیرے　　بندہ کو کیقباد کرتے ہیں

پاس تم آؤ میرے بے وسواس　　بار پر اعتماد کرتے ہیں

چوٹ پر دل کی عشقؔ سنتا ہے

لعلِ لب کا ضماد کرتے ہیں

ا؎ کا۔ ۲؎ تو اسے۔

۴۶۶

یہ غلط ہے کہ کسو سے وہ خطر کرتے ہیں
ماہرو دل میں اثر ہو کے گذر کرتے ہیں

لعل و گوہر کی قدر چشم سے گر جاتی ہے
جب کبھو درد سے ہم دیدۂ تر کرتے ہیں

دل چھپاوے کوئی خورشید رخوں سے کیوں کر
مثلِ یاقوت تو وہ سنگ میں گھر کرتے ہیں

کسو بد وضع سے اس طور کی باتیں کیجے
ہم فقط منہ پہ ترے گاہ نظر کرتے ہیں

آپ کے دل کی حقیقت نہیں حضرت معلوم
سنگ و فولاد تلک شعر اثر کرتے ہیں

آہ گھبرا کے جو کرتے ہیں تو کہتے ہیں خدا
بے اثر کیجیو اتنا تو حذر کرتے ہیں

عشق کس لہو و لعب میں تو گرفتار ہوا
اہلِ دل شام سے رو رو کے سحر کرتے ہیں

۴۶۷

نہ ہنسے سحر کو میری کہو کیوں کے شامِ یاراں
کبھو دیکھی ہے منور سحرِ سیاہ کاراں

نہ گلا[1] ہے دوستوں سے نہ قصورِ یار ہرگز
تری چشم نے کیا ہے مرے دل کو تیر باراں

نہیں شیشہ دل پیارے یہ پہاڑ سے قوی ہے
کبھو ٹوٹنا نہیں ہے یہ قرارِ بے قراراں

یہ[2] الٹ پلٹ فرس کی دل و جاں کو ہے کھنڈلتی
نہ نظر یہ کا وے کھاوے کہو شاہِ شہسواراں

ہوں جلا بھنا ازل سے اسی غم میں آہ یاراں
کرے قتل کیوں نہ مجھ کو دلِ درد سوگواراں

اُسے کس طرح سے ہووے سروکار مجھ سے یارو
پڑے ہیں گلے میں جس کے سرو تاجِ تاجداراں

وہ جمیل ہم فدا ہیں وہ کریم ہم گدا ہیں
نہ ہو کس طرح اجابت طلبِ گناہ گاراں

ہمیں دیکھ کر چمن میں یہی بولے بلبل و گل
وہ غفور ہے پیو تم نہ ڈرو شراب خواراں

رہے عقل کس طرح سے نہ ہو فہم کیوں کے زائل
مجھے لاتی ہے جنوں پر یہ ہوائے گلعذاراں

---

۱ گلہ۔ ۲ اشعار نمبر چار تا گیارہ صرف ن۵ میں ہیں۔

نہیں کھینچی مدتوں سے نظرِ امیدواراں ‏ لبِ بام پر ٹک اک آ ذرا دیکھ ادھر ادھر کو

نہ بھلا برا ہوں سمجھا نہ ہوں نیک و بد سے مائل
سرِ عشق و پائے مینا لبِ جامِ طرحداراں

۴۶۸

یہ یقیں جان تو گماں نہیں ‏ بن ترے جان میری جان نہیں
چشم کے زخم کو نشان نہیں ‏ با وجودِ زباں بیان نہیں
اس کے کوچے[1] میں جانے لاگے ہو ‏ ایک دن دیکھو لوگے جان نہیں
گالیوں تک تو وہ نہیں سنتے ‏ بے حیا ناصحوں کے کان نہیں
جل بجھا یارو آہ گازۂ دل ‏ اب بلاؤں کہاں مکان نہیں
قدر عاشق کی کیوں کے ہو معلوم ‏ گھر میں تیرے تو امتحان نہیں
کس طرح بھاگوں یاں سے ششدر ہوں ‏ کم قفس سے یہ آسمان نہیں

آن اُس کی کرے نہ دل میں خلش
عشق ایسی تو کوئی آن نہیں

۴۶۹

آوے جب آفتاب آنکھوں میں ‏ کیوں نہ ہو آب و تاب آنکھوں میں
جن نے دیکھا سو ہو گیا بے خود ‏ تھی یہ کیسی شراب آنکھوں میں
دل نہ ہو مبتلا ترا کیوں کر ‏ تو ہی ہے انتخاب آنکھوں میں
گو زباں سے تو اُن نے[2] کچھ نہ کہا ‏ پر دیئے سب جواب آنکھوں میں
دل تری بات کیوں کے مانوں میں ‏ بے طرح ہے حجاب آنکھوں میں

---

۱ ک۲ کوچہ۔ ۲ ک۵ اس نے۔

کوئی سوتا کھلا ہے کیا دل کا　　چلا آتا ہے آب آنکھوں میں
اُس کی کیفیتیں نہ پوچھو تم　　جس دم[1] آتا ہے خواب آنکھوں میں
موج کی طرح کیوں نہ گذروں میں　　یہ جہاں ہے حباب آنکھوں میں

یا الٰہی مجھے طفیلِ عشق
تو نہ کیجیو خراب آنکھوں میں

۴۷۰

کام میں پھرتے ہیں گو ہر کام سے واقف نہیں　　ہیں تڑپتے دام میں اور[2] دام سے واقف نہیں
مے کدہ تیرا فلک آباد ہو یا جل بجھے　　مست اُس کی چشم کے تو جام سے واقف نہیں
عاشق اور معشوق کو ہے ربط مجھ سے ہر طرح　　یہ تعجب ہے وہ میرے نام سے واقف نہیں
دیکھ تیری چشم کی گردش کو بھولا شش جہت　　جام چھٹ اس گردشِ ایام سے واقف نہیں

رات دن آنکھوں کی تیری عشق ہے تعریف میں
صبح سے واقف نہیں اور شام سے واقف نہیں

۴۷۱

تم جو کہتے ہو کم سمجھتے ہیں　　تم سمجھتے ہو ہم سمجھتے ہیں
حق کی ہستی ہے حق ہی ہے موجود　　یہ وجود و عدم سمجھتے ہیں
دم بدم التجا کریں کس سے　　زیست کو ایک دم سمجھتے ہیں
جلوہ گر ہے تجلیٔ وحدت　　ہم نہ دیر و حرم سمجھتے ہیں
قدر معلوم اُن کو کل ہوگی　　جو جو تجھ کو صنم سمجھتے ہیں
دیکھتے[3] ہیں حرم کی جب محراب　　تیرے ابرو کا خم سمجھتے ہیں

۱ے جس سے۔ ۲ لے پر۔ ۳ یہ شعر صرف ے میں ہے۔

اپنے آنسو کے آگے ہم اے عشق
قعرِ دریا کو نم سمجھتے ہیں

۴۷۲

دل کس سے روٹھنا ہے پڑا آن آن میں — رسمِ یگانگت ہی نہیں اس جہان میں
گل اس روش سے باغ میں ہنستا جو ہے مگر — کچھ عندلیب کہہ گئی ہے اُس کے کان میں
کیوں ڈھونڈتے ہو جسم کی صورت میں جان کو — رہتی ہے مدتوں سے مری جان جان میں
سُن شور تیرے لعل لبوں کا جہاں کے بیچ — یاقوت خوں ہوا ہے اسی غم سے کان میں
موقوف شعر کہنے پہ اے عشق کچھ نہیں
تاثیر ہے کچھ اور ہماری زبان میں

۴۷۳

بھر رہی ہے یہ نہیں فتنہ سے خالی آستیں — کس کے لوہو میں کہو بارے[2] ڈبالی[3] آستیں
قلئیہ[1] چشم و جگر یا ناوَدانِ باغِ دل — شاخِ مرجاں یا بنی لوہو کی نالی آستیں
رنگ سے ہولی کے یہ رنگیں نہیں ہے میری جاں — قمقمہ دل کا جو پھوٹا، ہوئی گلالی آستیں
سیر کرنے دے بہارِ خوں کی یہ معقول ہے — میرے لوہو میں ڈبو مجھ سے چھپالی آستیں
موجِ خوں جائے شفق یار و ہوا ہے جو نمود
عشق نے آنکھوں سے اپنی کیا اٹھالی آستیں

۴۷۴

نہیں سو دا زمیں کو دیکھوں یا میں آسماں دیکھوں — نہ یہ دیکھوں نہ وہ دیکھوں تجھ ہی کو مہرباں دیکھوں
نہ دوزخ سے عداوت ہے نہ جنت سے محبت ہے — بہشت اب اُس کو سمجھا ہوں تجھے پیارے جہاں دیکھوں

---

۱ یہ شعر صرف ۱۲ ہ میں ہے۔ ۲ ک ہے کیوں۔ ۳ ہ ڈبولی۔

جو کچھ دیر و حرم میں ہے سو کہتے ہیں کہ یاں بھی ہے — گراہوں کو چپۂ دل میں کہاں ڈھونڈوں کہاں دیکھوں

بھٹکتا دشت میں کب تک پھروں تو ہی صبا آجا — نہ دیکھوں کارواں کو خوب گردِ کارواں دیکھوں

خدا سے آرزو یہ عشق رکھتا ہوں[1] کہ دنیا میں
جسے تم بے نشاں کہتے ہو اُس کو میں عیاں دیکھوں

۴۷۵

کس طرح یار و شب و روز نہ میں آہ کروں — یہ وہ قصہ نہیں ہے جس کو میں کوتاہ کروں

سب گئے چھوڑ مجھے درد اکیلا ہی رہا — نہ کروں اُس کو اگر کس کو میں دلخواہ کروں

نام کو سُن مرے اوروں سے وہ رُک جاتا ہے — سنگ دل ایسے ہیں کس طور بھلا راہ کروں

تاب و طاقت نہیں اس آہ کو گھونٹوں کب تک — اتنی رخصت دے مجھے نالۂ جاں کاہ کروں

کھینچتا ہے مجھے دل چاہِ زنخداں کی طرف — چاہ میں گرنے کی کس طور سے میں چاہ کروں

درد کو اپنے تو سنتے ہی نہیں نفرت سے
عشق بیگانے کو کس طور سے آگاہ کروں

۴۷۶

کوئی گلرو بو گیا ہے یہ چمن — چشمِ بلبل ہو گیا ہے یہ چمن

کشتِ کارِ باغباں ممکن نہیں — کوئی عاشق رو گیا ہے یہ چمن

کس کے غم کے اولے ہیں اس پر پڑے — سر بسر جو سو گیا ہے یہ چمن

ہجر میں اُس کے خوش آوے کس طرح — یار یار و کھو گیا ہے یہ چمن

قطرۂ شبنم میں یہ قدرت کہاں
عشق رو رو دھو گیا ہے یہ چمن

---

[1] رکھتا ہے۔

۴۷۷

کاش ہو جاوے[1] امتحان کہیں ‎ ‎ تا نہ جاوے[2] یہ مفت جان کہیں
بے سبب یہ غضب خدا سے ڈر ‎ ‎ ٹوٹ پڑتا ہے آسمان کہیں
ہم نے اپنے سے جستجوئیں کیں ‎ ‎ نہ ملا یار کا نشان کہیں
دم کی غفلت میں آہ دم ہی گیا ‎ ‎ سر اُٹھایا تو کاروان کہیں
بن تمہارے تو جی میں جی ہی نہ تھا ‎ ‎ تم بھی تو آؤ مہربان کہیں
ایک بھی بات کا جواب نہیں ‎ ‎ پیچ کھائے ہیں تو نے کان کہیں
مرگ کو سر پہ اپنے ہم نے ٹھان ‎ ‎ دل میں باتیں جو تھیں ندان کہیں
پاس آ میرے سات پانچ نہ کر ‎ ‎ لے تردد ہو بد گمان کہیں
ان دنوں تم نہ پوچھو دل کا حال ‎ ‎ دیکھتا کچھ ہے اور دھیان کہیں
یہ تو ممکن نہیں کہ اُس بن اب ‎ ‎ دل کو ہو چین ایک آن کہیں
ہم وہ ہیں ایک جان دو قالب ‎ ‎ ناصح اب اس کو سچ ہی مان کہیں
زندگی اس طرح سے[3] ہوتی ہے ‎ ‎ کہیں قالب پڑا ہو جان کہیں

عشقؔ شاکی ہوں اپنے آپ سے میں
چپ نہیں رہتی یہ زبان کہیں

۴۷۸

ایسے تو انقلاب جہاں میں ہزار ہیں ‎ ‎ کل جو نگیں تھے آج وہ لوحِ مزار ہیں
نرگس کے پھول روئے زمیں پر نہیں ہیں یار ‎ ‎ آنکھوں سے دیکھ دیدۂ پر انتظار ہیں
شمس و قمر پہ ہے رقم احوالِ رفتگاں ‎ ‎ سر دابۂ جہاں پہ یہ لوحِ مزار ہیں

ا ک ہو جائے۔ ۲ ک جائے۔ ۳ ک بھی۔

فصلِ بہار نے یہ مچائی ہے اپکی دھوم ـــــ لے گل سے میری جیب تلک تار تار ہیں
یہ عشق ان بتوں کا تو دو چار دن کا ہے ـــــ عاشق جو ہیں خدا کے وہی پائدار ہیں

تو عشق ایک گل سے بھی سر بر نہ ہو سکا
بلبل کا دل سراہیئے جس کے ہزار ہیں

۴۷۹

عاشقوں کا دل لگے کیوں کر بھلا دلدار بن ـــــ بلبلِ شیدا نہ ہووے خوش کبھی گلذار[1] بن
خوبیاں جو ہیں ہیں مکاں میں ہیں مکیں سے جلوہ گر ـــــ بدتر از دوزخ بہشت ہے جو ملے دیدار بن
رنج کھینچے عشق بازی میں تو راحت ہو نصیب ـــــ گل نہیں دیکھا کسی نے اس چمن میں خار بن
کیا خدا تحقیق جھگڑے میں انھوں نے ہے کیا ـــــ بات ہی کہتے نہیں ہیں شیخ جی تکرار بن

عشق ہر دم یار سے رکھتا ہے اپنے اختلاط
ہے نہیں ممکن کہ اس کی گذرے یار دیار بن

۴۸۰

جو نہ کہنی تھی سو ندان کہیں ـــــ نہ سُنی اُن نے[2] مہربان کہیں
جن نے دیکھا اُسے وہ مر ہی گیا ـــــ یارو دیکھی ہے ایسی آن کہیں
چرب گفتار پر برنگِ شمع ـــــ مفت کٹواؤ گے زبان کہیں
سانس لیتا نہیں ہوں خوف سے میں ـــــ چونک اٹھے نہ پاسبان کہیں
قصۂ دردِ دل کو بکتا ہوں ـــــ پہنچے اُس تک یہ داستان کہیں
صبر کس طور سے کروں یارو ـــــ ٹوٹ پڑتا ہے آسمان کہیں
کہیں سو سو طرح سے رو رو کر ـــــ کوئی سنتا ہے بدگمان کہیں

---

[1] ن۵ گلزار' درست ہے۔ [2] ن۵ اس نے۔

تیری تو ہم نے سیکڑوں مانیں[1] اک ہماری بھی بات مان کہیں

زلف ورخ کو بیان کون کرے

دل کہیں عشق اور جان کہیں

۴۸۱

نہ ہم کعبہ کو جاتے ہیں نہ دیر ہی میں بھٹکتے ہیں
جہاں تم پالو[2] کو رکھتے ہو واں ہم سر پٹکتے ہیں

فلک ٹک ہاتھ اٹھا اپنا جفا سے پیستا ہے کیوں
ہوئے ہیں خاک تو بھی تیری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں

بتاں[3] کی سرکشی اور خاکساری اپنی کیا کہیے
جو لپٹوں گرد ہو دامن میں دامن کو جھٹکتے ہیں

بنام ایزد عجائب آتشیں رخسار دیکھا ہے
کہ جائے دانۂ اسپند دل جل جل چٹکتے ہیں

دلِ پُر آبلہ کو ڈھونڈتا زلفوں تلک پہنچا
ہزار دل خوشۂ انگور سے دیکھے لٹکتے ہیں

وہ اور ہی شخص ہیں جو خوف کی باتوں سے ڈرتے ہیں
انھیں جنبش نہیں آتی جہاں عاشق اٹکتے ہیں

برنگِ ماہ و خور دن رات گھر گھر آتے جاتے ہیں

جہاں سنتے ہیں نامِ عشق واں خوباں ٹھٹکتے ہیں

۴۸۲

پڑے اس شوخ کی جو تارِ نظر پانی میں
لہریا بات سوہری ہو لہر پانی میں

قد و قامت کو ترے دیکھ مرے آنسو میں
خلق کہتی ہے عجب خشک شجر پانی میں

تختۂ آب سے ہو تختۂ یخ بحرِ عمیق
بھر نکئے اپنے دمِ سرد اگر پانی میں

ایک شب سیر کو دریا پہ گیا تھا وہ ماہ
غوطے کھاتا ہے پڑا تب سے قمر پانی میں

دیکھ ہنسنے میں ترے دانتوں کی چمکاہٹ کو
رشک سے ڈوبے چھپے جا کے گہر پانی میں

تری تصویر رہے کیوں کے مری آنکھوں میں
ڈوبے رہتے ہیں سدا دیدۂ تر پانی میں

---

۱ یہ شعر صرف لـ میں ہے۔ ۲ ک پاؤں۔ ۳ ک بتوں کی۔

دوست دشمن کو جلاتا ہے یہ رونا میرا[۱]
آتشِ عشق چھپے عشقؔ مگر پانی میں

۴۸۳

فقط خونِ دل ہی کو کھو جانتے ہیں — نہ ہنس جانتے ہیں نہ رو جانتے ہیں
کہا اس سے رو رو کر احوال اپنا — لگا ہنس کے کہنے چلو جانتے ہیں
مرے آنسوؤں کی نہ پوچھو حقیقت — یہ لڑکے فقط گھر ڈبو جانتے ہیں
غلط فہمی اُن کی بیاں کیا کروں میں — تجھے اور مجھے وہ جو دو جانتے ہیں
کہوں[۲] کیا میں تجھ سے حقیقت کو اپنی — سمجھتے ہیں وہ مجھ کو جو جانتے ہیں
اگرچہ کسی کام کے ہم نہیں ہیں — فقط تیرے بندے تو ہو جانتے ہیں

کہیں عشق نامی کوئی شخص ہے[۳] کیا
لگا کہنے ہم عشقؔ کو جانتے ہیں

۴۸۴

بے زبانی میں بھی زبانیں ہیں — لبِ قانون تک ترانے ہیں
صبح سے شام تک تو وعدے ہیں — شام سے صبح تک بہانے ہیں
جلوہ فرما تو ہر مکاں میں نہ ہو — دیدہ و دل ترے ٹھکانے ہیں
اُس کی تیرِ نگاہ کے آگے — عاشقوں کے جگر نشانے ہیں
آتشِ گل صبا بلند نہ ہو — عندلیبوں کے آشیانے ہیں
کب تلک یہ شکست و ریخت سمجھ — یار بازی کے بھی زمانے ہیں

عشقؔ خاموش رہ نہ بک اتنا
بے زبانی میں بھی زبانیں ہیں

---

۱ ف تیرا۔ ۲ ف میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۳ ف ہے گا۔

۴۸۵

زبانِ حال سے بولے مے گلرنگ شیشے میں
پچھی کیفیتیں ہیں اور میرے ڈھنگ شیشے میں

کہا اُس کے تصور سے مرے دل سے نہ جا باہر
لگا کہنے کہ رہتی ہے پری دل تنگ شیشے میں

غم و شادی کے صدمے سے دلِ نازک نہ ہو مضطر
پہلواں دونوں لڑتے ہیں مچی ہے جنگ شیشے میں

دوئی ہے اعتباری درحقیقت دونوں ایک ہی ہیں
نہاں تھا پہلے شیشہ سنگ میں اب سنگ شیشے میں

گلابی منہ لگاتے قلقلِ مینا سے میں سمجھا
کہ یہ ہے سازِ عشرت بجتے ہیں منہ چنگ شیشے میں

منقش دیکھ شیشہ کو فلک کے کیوں تو حیراں ہے
مصور نے بچھائی چادرِ ارژنگ شیشے میں

نشا[1] میں کہتے ہیں افشائے رازِ قلب ہوتا ہے
نہیں یہ مے بھرا ہے عشق نام و ننگ شیشے میں

۴۸۶

عشق کی نامِ خدا ایسی مچی ہے دھوم یاں
عاشق و معشوق ہیں جو لازم و ملزوم یاں

سو طرح کی خوبیاں رنگینیاں عالم میں ہیں
بات جو تم ڈھونڈتے ہو بات سو معلوم یاں

گرچہ عالم کی نظر سے مثلِ جاں تو ہے چھپا
بندگی تیری میں ہیں ہر[2] حاکم و محکوم یاں

آفتاب و بحر کے مانند ہے یاں فیضِ عام
بندہ پرور ہے تاسف جو رہوں محروم یاں

نیست ہے وہ درحقیقت دیکھئے جو غور کر
شعبدہ بازی میں گو ہے ہستیٔ موہوم یاں

پست نظرت ہوگئے منصوب پیش آئے زبیں
وہ جو مرفوع القلم تھے ہوگئے مضموم یاں

دشمنی تو اُٹھ گئی ہے عشق کے دیوان سے
دوستی رکھتے ہیں باہم ظالم و مظلوم یاں

۴۸۷

لڑا تو عشق سے آنکھیں ضرر ہووے تو میں جانوں
بنام ایزد کسی کی پھر نظر ہووے تو میں جانوں

---

۱ نشہ ۔ ۲ ہر۔

بہر صورت گذرتی ہے یہ سب باتیں ہیں کہنے کی
ترے بیمار کو تجھ بن سحر ہووے تو میں جانوں

پیارے تجھ سے میرے عبث تو نکر کرنا ہے
کہیں تجھ جیسے بے کس کی خبر ہووے تو میں جانوں

اگر بیزار ہے کثرت سے دل تیرا تو ٹک کہدے
فرشتے کا اگر پھر یاں گذر ہووے تو میں جانوں

جسے تیرے لب جاں بخش کی ذرّا اعانت ہو
اسے زہر ہلاہل کا اثر ہووے تو میں جانوں

کلیجا[۱] خون ہو کر بہ گیا ہمراہ آنسو کے
اگر عاشق کے سینہ میں جگر ہووے تو میں جانوں

مریضِ عشق تو چنگا مسیحا سے نہ ہووے گا
عبث تدبیر کرتے ہو اگر ہووے تو میں جانوں

۴۸۸

زندگی سے اور کچھ مطلب نہیں
پر ملوں کس طرح تجھ سے ڈھب نہیں

میں نے چاہا کچھ کہوں کہنے لگا
پھر کبھو کہیو سنیں گے اب نہیں

روشنی اس کی نہ ہو یکساں کیوں
مہ جبیں کی ہے زنخ کو کب نہیں

دل دماغ و چشم تو موجود ہیں
ایک چیز ان میں سے لیجئے سب نہیں

ہر گھڑی احوال دل کو[۲] تو نہ پوچھ
درد سے معمور یہ دل کب نہیں

سب یہ بے مقدور ہیں نادر وہ ہے
جو خدا کے تو کسو[۳] سے دب نہیں

دوستی معلوم اس سے ہوتی ہے
ہر گھڑی ہر بات پر جب تب نہیں

اشک آنکھوں سے جو ایسے کم گئے
دل جگر سینہ[۴] میں اب اغلب نہیں

تو نہ یاقوتی مجھے اب دے طبیب
کیا دوا میری کو اُس کے لب نہیں

نیک و بد دریافت کیجئے خلق کا
شیخ جی اپنا تو یہ مشرب نہیں

بت پرستی عشق کب تک، چھوڑ دے
دل لگانے کے لئے کیا اب نہیں

---

۱ کلیجہ۔ ۲ نؔ ۳ دل کے۔ ۳ نؔ ۲ نؔ ۵ کسی۔ ۴ نؔ ۳ نؔ ۲ سینے۔

۴۸۹

ہنوز میری طرف سے غبار رکھتے ہیں
بلا سے کچھ نہ کہو اختیار رکھتے ہیں

نثار تجھ پہ کریں کیا کہ کچھ بساط نہیں
یہ ایک جان ہے سو جاں نثار رکھتے ہیں

وہ خاک جس کو کہ اکسیر لوگ کہتے ہیں
قسم ہے تیری ترے خاکسار رکھتے ہیں

جہاں کی دولت و دنیا سے ہم کو کام نہیں
بجائے دل تجھے سینہ[1] میں یار رکھتے ہیں

کھلے ہی رہتے ہیں دن رات دیدۂ نرگس
غلط نہیں کسو کا انتظار رکھتے ہیں

وہ ایک پل میں کئی منہ کو لال کر دیتا
دلِ غریب کو ہم مار مار رکھتے ہیں

مثالِ اشک وہ آنکھوں سے نکلے پڑتے ہیں
نہیں وہ رہتے ہیں عشقؔ اب ہزار رکھتے ہیں

۴۹۰

ہوش میں اس کو گنوں یا گنوں بے ہوشی میں
مثلِ تصویر کٹی عمر تو خاموشی میں

چاند سے منہ کو چھپاتا ہے کوئی عالم سے
سیکڑوں طرح سے[2] بدنامی ہے روپوشی میں

فرصتِ عیش بہت تنگ ہے بینا دل کو
مردمک کاٹتی ہے عمر سیہ پوشی میں

جام ہنس ہنس کے جو مجلس میں لگا کھانے چرخ
کچھ تو شیشہ نے مقرر کہا سرگوشی میں

اتنا کہہ لے نہیں منظور نشہ[3] کی باتیں
تا کہ برہم نہ ہو صحبت تری مے نوشی میں

یاد کرنے میں مزا ہے یہ دوئی ہے ثابت
ہم تو پاتے ہیں مزے خوابِ فراموشی میں

سایہ جوں محو ہو خورشید کے پرتو سے مل
ہم کنارے ہوئے اے عشقؔ ہم آغوشی میں

۴۹۱

مجھ سے مت پوچھ یار کی باتیں
قتل کرتی ہیں[4] پیار[5] کی باتیں

ا ۱ ۔ سینے۔ ۲ ۔ ۲ ۔ طرح کی۔ ۳ ۔ ۳ ۔ نشے کی۔ ۴ ۔ ہے۔ ۵ ۔ یار۔

روتے روتے ہوئے ہیں چشم[1] سفید — کیا کہوں انتظار کی باتیں
کیوں کے سودا نہ ہو سنوں جو ہیں — طرۂ تابدار کی باتیں
خیر خواہی جو دل کی ہو منظور — نہ سنو سوگوار کی باتیں
صید ہونے کو دل تڑپتا ہے — سنتے ہیں جب شکار کی باتیں
دیتے ہو یہ بھلا سرے کس کو — اور ہیں اعتبار کی باتیں
ٹک تو اپنے سلوک کو دیکھو — یہ ہیں قول و قرار کی باتیں
دل میں اپنے تو غور کر دیکھو — جھوٹ ہیں خاکسار کی باتیں
وہ کہے کس طرح جو ہو مجبور — آہ دل، اختیار کی باتیں
کان گلذار[2] کے نہیں بہرے — سنتے ہیں وہ ہزار کی باتیں

عشق بے شبہہ تیری خاطر سے
سنتے ہیں سو ہزار کی باتیں

۴۹۲

باتیں بنا نہ اتنی تو ہے مری نظر میں — دیتا ہے کوئی آتش ظالم خدا کے گھر میں
آنکھوں سے کر اشارت اغیار کو بلانا — لیتے ہو چٹکیاں تم ناحق مرے جگر میں
جس کو اثر ہیں کہتے آگے کبھی[3] وہ ہوگا — اس عصر میں نہ پایا ہم نے اثر اثر میں
صیاد کا تردد کھوتا ہے ہوش میرے — بے چین ہو رہا ہے جو سعیٔ مشت پر میں

آنکھیں خدا جو دیوے ہر سنگ آئینہ ہو
دیکھے تو عشق اُس کو دیوار اور در میں

۴۹۳

عشق سا دنیا میں رسوا بھی نہیں — کہیئے جو بے جا ہے بے جا بھی نہیں

---

۱ ک ہوئی ہیں آنکھیں۔ ۲ ک ۵ گلزار، درست ہے۔ ۳ ک ۲ کبھو۔

کس طرح سے چھوڑ بیٹھوں ہائے ہائے
درد دل اُس بن تو جاتا بھی نہیں

کس طرح سے درد اس کا سمجھئے
دل کی باتیں منہ پہ لاتا بھی نہیں

جو نہیں ملتا تو یہ طالب ہیں کیوں
کہئے ملتا ہے تو ملتا بھی نہیں

دوست دشمن کیا کہوں حیران ہوں
اب تلک میں اس کو سمجھا بھی نہیں

شور و غوغا عشق کا مشہور ہے
وہ مکاں سے اپنے ہلتا بھی نہیں

۴۹۴ +

آہ تیرے حضور کھینچتے ہیں
آپ کو یار دور کھینچتے ہیں

خانہ جنگی کا یاں نہیں شیوہ
تیغ پر بالضرور کھینچتے ہیں

خاک آنکھوں میں ان کی جو ہو اب
سرمۂ کوہ طور کھینچتے ہیں

جب تصور کو اُس کے کرتے ہیں
بغل اپنے میں حور کھینچتے ہیں

جب تجھے دیکھتے ہیں مہر سے ہم
عشق کیسا سرور کھینچتے ہیں

۴۹۵

جیسے اُس بن نہیں وجود نہیں
ویسے ہم بن اُسے نمود نہیں

قطرہ دریا سے مل ہوا دریا
عشق بازی میں کیوں کے سود نہیں

ما و من ہی حجاب تیرا ہے
حق ہے یہ غیر حق کو بود نہیں

گو کہ گنتی میں ہو ویں لاکھ چراغ
روشنی میں دوئی شہود نہیں

اکرم الاکرمیں ہے نام اُس کا
اُس سوا غیر کو سجود نہیں

اف چین اس بن دل کو آتا بھی نہیں۔ + غزلیں ۴۹۴ تا ۵۲۳ صرف ک میں ہیں۔

رمز میں گر خوشی سے رقصاں ہو
کون کہتا ہے تجھ کو کُود نہیں

مثلِ اختر یہ داغ روشن ہے
دیکھ لے اس دیئے میں دود نہیں

دل کی بو سونگھے سو دماغ کہاں
دلِ بریاں مرا تو عُود نہیں

عشق جو خوف ہے گناہوں کا
مغفرت کے لئے درود نہیں

۴۹۶

مت ہنس مرے رونے پہ ادھر دیکھ فدا ہوں
جوں شمع ہوا واری میں مر مر کے جیا ہوں

کہتا ہے مرا داغ فلک سے یہی ہنس ہنس
خورشید سے روشن ہوں پہ جلنے کو دیا ہوں

سرگشتگی میری کی حقیقت کو نہ پوچھو
طوفان ہوں آندھی ہوں بگولا ہوں بلا ہوں

ٹک ظاہر و باطن پہ مری شیخ نظر کر
صورت میں تو بندا ہوں پہ معنے میں خدا ہوں

ہوں شاہ و گدا کے نہ تعیّن میں گرفتار
جو بات کہے عشق کی میں اُس پہ فدا ہوں

۴۹۷

عشق پھرتا تھا عجب رنگ سے کل گلشن میں
خونِ دل آنکھوں میں اور لختِ جگر دامن میں

تیرے شمشیر سے ابرو کی اشارات مجھے
یوں نظر آتی ہیں جوں جوہرِ خوب آہن میں

دل اُٹھاتا ہے تری تیرِ مژہ کو ورنہ
دیکھ ابرو کو ترے ست نہ رہے راون میں

آہ کس غنچۂ نازک کو چنا گل چیں نے
جیبِ گل چاک ہیں اور بلبلیں ہیں شیون میں

حشر تک زلف کے ماروں کو نہیں آتا (ہوش)
نہ کسی زہر میں یہ لہر نہ ہے سانپن میں

وہ زباں گرچہ وہی رنگ پہ اُڑ جاتا ہے
یہ کبودی ترے ہونٹوں کی کہاں سوسن میں

وصل میں بھی یہ مزا کوئی نہ پاتا ہوگا
عشق جو کچھ کہ دکھاتا ہے مجھے ان بن میں

۴۹۸

اپنی رہنے دے یہ مداراتیں کٹے پر لون ہیں تری باتیں
یا وہ عزت تھی یا یہ ذلت، سچ کبھی کے دن ترے کبھی راتیں
گر بہ شاشید گفت بار النسب شیخ صاحب کی ہیں کراماتیں
چاپلوسی کی باتیں اور سے کر سب سمجھتے ہیں تیری ہم گھاتیں

شکر اس کا بیاں کرے کیوں کر
جو جو ہیں عشق پر عنایاتیں

۴۹۹

نہ پوچھ کہ لطف و ستم دیکھتے ہیں دکھاتے ہو جو کچھ وہ ہم دیکھتے ہیں
تماشا[1] بتوں میں وہ ہم دیکھتے ہیں جو کعبہ میں اہلِ حرم دیکھتے ہیں

قطعہ

صنم اور صمد کا بیاں کیا کریں وہ جو سیرِ وجود و عدم دیکھتے ہیں
عزیز ایک غم نامی پیدا ہوا ہے جو ہاتھوں سے اس کے ستم دیکھتے ہیں
سو کہتے ہیں وہ بند دل میں ہے تمہارے یہ دریا زمیں اس کو کم دیکھتے ہیں
لگا کہنے کس کی بلا جانے، ہوگا نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں

جگر کی خبر عشق کچھ ہم سے کہہ تو
ہمیشہ تری آنکھیں نم دیکھتے ہیں

۵۰۰

یہ پیکھنے کے شاہ ہیں سردار ہیں بھی اور نہیں مانند انت بالخیار مختار ہیں بھی اور نہیں
بے دل ہمارا نام ہے اور دار دل سے کام ہے مانند تیری چشم کے بیمار ہیں بھی اور نہیں

---

[1] تماشہ۔

رعنائی تیری دیکھ کر لے حامل شور و طرب ۔ یہ ذکر صبح و شام ہے بیزار ہیں بھی اور نہیں

رہنما ہمارا دہر میں اس وجہ ہے جو شعر ہیں ۔ واضح ہو حرف زایدہ دلکار ہیں بھی اور نہیں

اوضاع عالم دیکھ کر کہتا ہے دل گوشہ گیر
کیا کیجئے عشق ان کی صفت یہ یار ہیں بھی اور نہیں

۵۰۱

تیر تیرے جو جان بیٹھے ہیں ۔ جان کو میہمان بیٹھے ہیں

عاشقی کے نشان بیٹھے ہیں ۔ کھول مجنوں کے کان بیٹھے ہیں

دل کہے دیکھ خوبرویوں[1] کو ۔ بے نشاں کے نشان بیٹھے ہیں

ڈھونڈتے ڈھونڈتے کٹی سب عمر ۔ دل میں دیکھا تو جان بیٹھے ہیں

کب اٹھائے کسی کے اُٹھتے ہیں ۔ سیر کر دو جہان بیٹھے ہیں

سن کے ترار کی تری دہشت ۔ سب گئے نیم جان بیٹھے ہیں

کب کسو کے وہ گھر میں جاتے ہیں ۔ چھوڑ جو خاندان بیٹھے ہیں

جو جو چھوٹے ہیں میری آہ کے تیر ۔ یہ فلک پر ندان بیٹھے ہیں

عشق جنبش نہیں انھیں ممکن
مان تو یا نہ مان بیٹھے ہیں

۵۰۲

اپنے بیگانے جان بیٹھے ہیں ۔ اس لئے ہم بھی آن بیٹھے ہیں

دل میں جس جس طرح سے ہو منظور ۔ کیجئے امتحان بیٹھے ہیں

آسماں ٹوٹے یا زمیں ہو شق ۔ یار تو کوئی آن بیٹھے ہیں

---

[1] خوبروؤں۔

اتنی بک بک بھی شیخ خوب نہیں — اور کیا بے زبان بیٹھے ہیں
ہونی جو کچھ ہو آج ہو جاوے — ہم بھی یہ دل میں ٹھان بیٹھے ہیں
یہ خبر پا کے میں بھی آیا ہوں — برسرِ امتحان بیٹھے ہیں
گھر سے کس طور تیرے جاویں ہم — بوجھ دار الامان بیٹھے ہیں
ہم کو جنبش نہیں بہ رنگِ اشک — پھرتے پھرتے ندان بیٹھے ہیں
قتل کس کا ہے دیکھئے منظور — ہاتھ میں لیئے پان بیٹھے ہیں
آنکھیں کیوں کر نہ اہتمام کریں — تخت پر دل کے جان بیٹھے ہیں

عشق داوی[1] سے باز آتا ہے
گو کہ نواب و خان بیٹھے ہیں

۵۰۳

حق تعالیٰ نہ دے دشمن کو بھی ہلکا دشمن — مثلِ دل جاہل و کم ظرف بغل کا دشمن
یہ نہیں دوستی ہر آن جو لے چین کرے — دوست کہتے ہیں اسے جو ہو خلل کا دشمن
کس طرح اس کو مسیحا نہ کہوں تم ہی کہو — جان میرا تو ہے تحقیق اجل کا دشمن
بے کلی اس کو ملے تا کہ وہ کل کو جانے — وعدے ہر روز مجھے دیتا ہے کل کا دشمن
سال کا ماہ کا دن رات کا احوال نہ پوچھ — چین لینے نہیں دیتا مجھے پل کا دشمن
کیجے دستورِ عمل کو جو عمل دستور اب — کیوں کے معمول نہ ہو بارے عمل کا دشمن

دل کے ہاتھوں سے کروں آگے میں کس کے فریاد
دوست کس طور سے ہو عشق ازل کا دشمن

۵۰۴

تمہیں حق کو سونپا کہیں سو کہیں — نہیں آ کے رخصت رہیں سو رہیں

---

[1] دعویٰ۔

لب لعل یا جام گلگوں شراب — جو دیتے ہو سو دو نہیں سو نہیں
جفائیں سہیں تھیں کچھ اور ہی سمجھ — بس اب آگے مت چل سہیں سو سہیں
صمد یا صنم جا نبد...... لے — جگا دیں گے تجھ کو کہیں سو کہیں
جگر بر گیا عشق دل جل گیا
بہیں آنکھیں کب تک بہیں سو بہیں

۵۰۵

کون سے خوش چشم نے آنکھیں اُسے دکھلائیاں — آنسوؤں سے مل کے جو دامن میں آنکھیں آئیاں
کس کے غم میں مخترق سودا زدہ پھرتا ہے ماہ — مثلِ مدقوق اس کے چہرے پر پڑی ہیں چھائیاں
ہجر کی لوئیں جہاں میں آہ کیا چلنے لگیں — عاشقوں کے دل کی کلیاں سر بسر مرجھائیاں
کس کی آنکھیں دیکھیں جو سر سے نشہ ان کے گیا — جام و مینا لیتے ہیں خمیازہ اور انگڑائیاں
عکس کے مانند کیوں کر میں نہ ہوں پامالِ عشق
خوبرو چلتے ہیں اپنی دیکھ کر پرچھائیاں

۵۰۶

سلام اپنی طرح کا جو جو ہیں آگاہ کرتے ہیں — جنھوں نے عشق کو دیکھا وہ عشق اللہ کرتے ہیں
جہاں میں جو جو سب کرتے ہیں سو دلخواہ کرتے ہیں — بڑا رتبا[۲] ہے ان مردوں کا جو للّٰلہ کرتے ہیں
لیا تھا بات کے کہنے کی تو ہم نے کہاں پائی — ادھر جب دیکھتے ہیں وہ تو ہم بھی آہ کرتے ہیں
لب زخمی نہیں معیوب عاشق کے شہِ خوباں — کرم کرتے ہیں جس پر اس کو آصف جاہ کرتے ہیں
خرابی کارخانہ جات کی تفصیل سے سمجھو — جو کچھ یاں کرتے ہیں سو بندۂ درگاہ کرتے ہیں
سنا ہے دخترِ رز منہ لگی چھٹتی نہیں ہرگز — اسی شوخی پہ اُس کی یار بھی اب چاہ کرتے ہیں

---

۱ یہ شعر صرف ۵ میں ہے اور کرم خوردہ ہے۔ ۲ رتبہ۔

سوائے خودنمائی اور تو مقصود کیا ہوگا ۔ برنگِ آئینہ جو دل میں تیرے راہ کرتے ہیں

یہی اللہ اکبر شاہدِ اوقات میرا ہے
نمازِ عشق جب کرتے ہیں بسم اللہ کرتے ہیں

۵۰۷

جسے تو ڈھونڈتا پھرتا ہے سو قائل ہے شیشہ میں ۔ نظر پر کس طرح آوے کہ تو حائل ہے شیشہ میں

احاطت سے فلک کے جو کوئی چھوٹے تو دل چھوٹے ۔ کہوں کیا حالتِ دل کو کہ دل کا دل ہے شیشہ میں

تمامی عمر رو رو کر بھرا ہے شیشۂ دل کو ۔ خدا معمور رکھے زیست کا حاصل ہے شیشہ میں

خدا جانے یہ کیا طوفانِ مے تھا یا تصرف تھا ۔ نہیں باقی رہی محفل میں یہ فاضل ہے شیشہ میں

گرفتارِ تحیر ہوں نہیں یہ بات کھلتی ہے ۔ خدا جانے پری یا آب ہے، عامل ہے شیشہ میں

نکل کر یاں سے جامِ چشم میں پہنچوں تو تم دیکھو ۔ شرابِ ارغوانی کی طرح منزل ہے شیشہ میں

اگر عشق ہے تو سنگِ آہ سے تو توڑ شیشہ کو
بجز مرنے نہیں چھٹنے کا جو داخل ہے شیشہ میں

۵۰۸

بجائے اشک گل ہیں چشمِ تر میں ۔ مگر گلزار پھولا ہے جگر میں

دکھا رنگِ حنا اڑتے ہو کس سے ۔ تمہاری باتیں ہیں میری نظر میں

پریشاں زلف کے مانند رہتے ۔ اگر تاثیر کچھ ہوتی اثر میں

نگیں کے طور گو خانہ نشیں ہے ۔ پہ مثلِ لولۂ دیدہ ہیں سفر میں

مثالِ شمع کر تو زندگی یاں ۔ کہ سودا اوروں کو ہو اپنے ضرر میں

نہیں وہ قبلۂ حاجات ملتا ۔ درونِ کعبہ گو ہیں ایک گھر میں

قدم جو گھر سے رکھے باہر اپنے ۔ برنگِ اشک ہے خوف و خطر میں

توکل صرف حاصل ہے اسی کو ۔ ہنرمندی یہی ہے بے ہنر میں

نہیں یہ روشنی خورشید کی عشق
لگائی آہ نے آتش سحر میں

۵۰۹

آئینہ کے مانند طلب گار ہوا میں — اس مطلعِ انوار پہ زنگار ہوا میں
رکھے جو قدم حد سے پرے کیا اُسے کہئے — خوش فعلی سے ہی اپنی گنہگار ہوا میں
مانندِ صبا سیرِ چمن کیوں نہ کروں میں — اس ہستیٔ موہوم سے بیزار ہوا میں
میں خواب سے غفلت کے یکایک جو نہی چونکا — تھا خانۂ آئینہ کو بیدار ہوا میں
ہم کم میں تھے ہم کیف میں تھے مختلف اللون — ہر شیشہ میں ہر طرح نمودار ہوا میں
ہر رنگ میں ہر وضع میں تھی اور تجلی — دیوانہ ہو ہر شے پہ گرفتار ہوا میں
اطفال کے مانند ہو مسرور و مخوف — کیا تم سے کہوں کس طرح سے خوار ہوا میں
ناگاہ ہوا عشقِ نمودار جہاں سوز — مل آنکھوں کو غفلت سے خبردار ہوا میں
سو زنگ سے ساجد ہوا خدمت میں میں اُس کی — اس عقدہ کشائی کا طلب گار ہوا میں
کہنے لگا نیرنگی میں بے رنگی کو تو دیکھ — سنتے ہوئے اس بات کو ہشیار ہوا میں
تب میں نے کہا اس سے کہ اے مرشدِ برحق — تیری نظرِ رحم سے گلزار ہوا میں
جوں عکس مجھے اب نہ زباں ہے نہ ثنا ہے — حیرت زدہ ہو صورتِ دیوار ہوا میں

۵۱۰

کڑک بجلی کی کب ہے تو بہ ہے کم دردِ ہجراں میں — کٹاری بوند کی چلتی ہے بہم برفِ باراں میں
نہ صرف آنکھوں میں موجِ لعل و گوہر کا تماشا[۱] ہے — مرصع پوش پتلی جلوہ گر ہے چشمِ حیراں میں
ہم آغوشی ہماری بھی لطافت سے نہیں خالی — اگر واں گل ہے یاں یاقوتِ شہلاں ہے گریباں میں
مگر روتا ہی کیا تھا ناقۂ لیلیٰ کے پیچھے وہ — کھڑا ہے جو پریشاں بیدِ مجنوں اس بیاباں میں
سخن سچا قبولِ دل ہے جھوٹا جھوٹ کو جانے — اٹھانا ہاتھ کا ایمان پر رخنہ ہے ایماں میں

---

۱ تماشہ۔

نہیں ہے مطلع و مقطع پر کچھ موقوف کیفیت ۔۔۔ تکلف شعر و شاعر کا نظر آتا ہے دیوان میں

خدا جانے یہ مالیخولیا یا عشق یا سودا
بلا ہے شور ہے طوفاں قیامت ہے دل و جاں میں

۵۱۱

جب غزل کہتے ہیں پہلے یہ شگوں کرتے ہیں ۔۔۔ یعنی سو طرح جگر اپنے کو خوں کرتے ہیں
قصۂ درد کو سنتے ہی نہیں وہ دل دے ۔۔۔ بکتے بکتے جو رہو چپکے تو ہوں کرتے ہیں
کس طرح رکھ سکے کوئی کہو دل کو اپنے ۔۔۔ آنکھوں سے آنکھیں ملا کر وہ فسوں کرتے ہیں
دل جہاں میں نہیں پیدا کئے حق نے یکساں ۔۔۔ دکھ جو ناحق تجھے دیتے ہیں زبوں کرتے ہیں
دین و ایماں کی وہ جڑ بیخ کو کرتے ہیں خراب ۔۔۔ ذاتِ حق میں جو کوئی چون و چگوں کرتے ہیں
زلفِ خوباں کا یہ سودا ہے مرے سر کے ساتھ ۔۔۔ یہ اطبّا تو عبث فکرِ جنوں کرتے ہیں

بے وفائی و جفا جور و ستم ظاہر ہیں
پر وفا عشق سے دیکھا تو کہوں کرتے ہیں

۵۱۲

آپ ہی روتے ہیں آپ ہی ہنستے ہیں ۔۔۔ کمر اپنی پھر آپ کستے ہیں
ہیں دُرِ بے بہا مرے آنسو ۔۔۔ تو خریدار ہو تو سستے ہیں
کیوں نہ ہو ویں شرار اشک مرے ۔۔۔ دل میں شعلہ عذار بستے ہیں
تیری پلکیں نہیں ہیں اے خوش چشم ۔۔۔ فوج کے نیزہ باز دستے ہیں

عشق احوال کیا کہے اپنا
جو تجھے دیکھتے ہیں ہنستے ہیں

۵۱۳

عشوہ و ناز ہیں غضب دونوں ۔۔۔ ہوئے ہیں دل میں منتخب دونوں

مہر اور ماہ نے تجھے دیکھا پھرتے ہیں دربدر جواب دونوں
تیغ ابرو کی تیر پلکوں کے ہم سے روٹھے ہیں کیا سبب دونوں
جب سے دیکھا ہے تجھ کو اے کافر گم ہوئے ہیں حسب، نسب، دونوں
عشق اور شور عشق بے کس پر
مہرباں ہو ویں میرے رب دونوں

۵۱۴

چشم میں خلق کی گو مثلِ حباب آتا ہوں عین دریا ہوں حقیقت میں بہا جاتا ہوں
معنیٔ نقطہ انا الحق کو نہ پوچھو مجھ سے ڈھونڈتا ہوں اُسے جب آنکھوں میں پا جاتا ہوں
کیف و کم میرے ہیں جوں موجِ حباب و دریا مجھ سے اُٹھتے ہیں اور میں ہی اُنھیں کھا جاتا ہوں
چشمِ ظاہر کو اگر بند کرے تو دیکھے رنگ برنگے کو (میں) کس رنگ میں دکھلاتا ہوں
شمع کے طور جلاتا ہوں جگر آتش میں
سخنِ عشق زباں اپنی پہ جب لاتا ہوں

۵۱۵

آویں کس طرح اور بیٹھیں کہیں آدمیت تری سکوں میں نہیں
مرتے مرتے نہ اُس نے پوچھی بات دلِ بیتاب میں رہیں سو رہیں
اتنی بک بک کسے خوش آتی ہے چپ رہو بس جو کچھ کہیں سو کہیں
جل گئے مثلِ شمع آہ نہ کی سختیاں جو پڑیں سو سر پر سہیں
دید وا دید کو نہ پہنچے عشق
آنکھیں اس غم میں پھوٹ پھوٹ بہیں

۵۱۶

زخم پر زخم یار کھاتے ہیں پر سپر منہ پہ کب اٹھاتے ہیں

اے نسیم سحر ملول نہ ہو　　　آگے چل پیچھے ہم بھی آتے ہیں
یوں تو احوال کہہ نہیں سکتے　　　شعر کہہ کہہ انھیں سناتے ہیں
خواب میں بھی نہیں وہ دیتے چین　　　جب میں سوتا ہوں آ جگاتے ہیں
کتنے ہوتے ہیں عشق دیوانے
میری زنجیر جب ہلاتے ہیں

۵۱۷

چھنتا ہے تن بدن سب جب پلکیں ہلتیاں ہیں　　　باڑھیں فرنگیوں کی گویا یہ چلتیاں ہیں
ریشہ دواں ہوا ہے سودائے زلف دل میں　　　یہ بیلیں غم کی یارو کانٹوں سے پھلتیاں ہیں
ایمائے چشم سے جب تو مجھ کو ہے بلاتا　　　بے شبہ جان دل کی پھانسی نکلتیاں ہیں
رخسارۂ آتشیں کو مجلس میں دیکھ تیرے　　　بے تاب ہو ہو دل میں شمعیں پگھلتیاں ہیں
جی دیتے چھوٹ ہیں پھر کیا اور سوجھتا ہے　　　جس وقت تیری آنکھیں آنکھیں بدلتیاں ہیں
تیغ نگاہ لے کر جب آنکھیں رو برو ہوں
بن قتل عشق تیرے وہ کوئی ٹلتیاں ہیں

۵۱۸

خواب میں ہم جو خواب دیکھتے ہیں　　　سینہ پر آفتاب دیکھتے ہیں
بحر ذخار تجھ کو پاتے ہیں　　　آپ کو جوں حباب دیکھتے ہیں
پردے اٹھ جاتے ہیں دوئی کے سب　　　جب تجھے بے حجاب دیکھتے ہیں
آپ کو آب آب پاتے ہیں　　　خلق کو ہم سراب دیکھتے ہیں
آگ کس شعلہ رو کے آگے لگی　　　دل کو جو ہم کباب دیکھتے ہیں
اٹھ گئے ہم جو تو ہے تو ہی ہے　　　یہ سخن انتخاب دیکھتے ہیں
کیا کہیں اپنی ہم حقیقت کو　　　گل میں جیسے گلاب دیکھتے ہیں

دیکھنے والے تیری آنکھوں کے دونوں عالم خراب دیکھتے ہیں

عشق کو ہم نشہ میں وحدت کے

جام میں جوں شراب دیکھتے ہیں

۵۱۹

کون کہتا ہے تجھ سے باہر ہیں ہم اور تو ظاہر اور مظہر ہیں

کوئی خالی مکان اُس سے نہیں مثلِ خورشید وہ تو گھر گھر ہیں

یاں گرفتار ہیں تعیّن کے واں تو شاہ و گدا برابر ہیں

رات اور دن اُنھیں مساوی ہیں نور سے تیرے جو منور ہیں

ہے گدا اور کریم میں نسبت مفتخر ہو غریب پرور ہیں

عشق بازی کے ہیں مقام جدا جتنے دانا ہیں اس میں ششدر ہیں

عشق سے جس کو اختلاط نہیں

در بدر ہیں خراب مضطر ہیں

۵۲۰

تشبیہہ کو بدن سے ترے یاسمن نہیں گو ہے سفید پوست پہ نازک بدن نہیں

مانع نہ ہو فقیر پہ خانہ بدوش ہے کرتا ہے دید اس کی ہوائے وطن نہیں

معیوب ہو بدن تو چھپاوے کسی سے وہ جوں آئینہ مجھے تو سرِ پیرہن نہیں

صراف ہووے کیا ہی، کیا صرف وہ کرے میرا یہ وہ سخن ہے کہ جس میں سخن نہیں

دل جاتا ہے اس کے سمے کو بہار کو یہ صبح روئے یار ہے صبحِ چمن نہیں

جھڑتے ہیں پھول لب سے ترے بات بات میں منہ کھولے آگے تیرے کلی بہ دہن نہیں

واعظ سمجھ کے آئیو مجلس میں عشق کی

انبوہِ بے دلاں ہے تری انجمن نہیں

۵۲۱

خوش آتی ہیں سب کو منسانے کی باتیں　　پسند آتی ہیں یاں رُلانے کی باتیں
رہے گی پڑی کب تلک نعش یارو　　کرو اس کے جلدی اُٹھانے کی باتیں
خوشی کی بھی کچھ باتیں ہیں یاد تم کو　　فقط سیکھی یا دل گھٹانے کی باتیں
مری جان سُن لے یہ خاطر سے تیری　　جو ہم سنتے ہیں یہ زمانے کی باتیں
خداوند ایسا کرے بھول جاؤں　　کہاں تک سنوں جان کھانے کی باتیں
تکلف کو مت دخل دو عاشقی میں　　وہ ہیں اور ہی دل لگانے کی باتیں

جو کچھ عشق کل تو کہے گا سنے گا
عبث مت بکو یہ اڑانے کی باتیں

۵۲۲

جب جدائی میں تیری روتے ہیں　　اشک روئے زمیں ڈبوتے ہیں
یہ سمجھتے نہیں کہ کل کیا ہے　　فرصتِ وقت مفت کھوتے ہیں
گریۂ وصل کی نہ پوچھو تم　　دامن اور آستیں بھگوتے ہیں
رات آنکھوں میں گرچہ کٹتی ہے　　فی الحقیقت جو دیکھو سوتے ہیں

اُس کے کوچہ میں ہم جو جاتے ہیں
جان سے عشق ہاتھ دھوتے ہیں

۵۲۳

جو عارف بتوں میں صنم دیکھتے ہیں　　سوا اُن کے عالم میں کم دیکھتے ہیں
سحر اُٹھ جو آئینہ ہم دیکھتے ہیں　　تجھے ساتھ اپنے بہم دیکھتے ہیں
ہوئے جب سے مشتاق بے صورتی کے　　زمانے کی صورت عدم دیکھتے ہیں
فلک میں فقط نام ہے خوش دلی کا　　بھرا اس گھروندے میں غم دیکھتے ہیں

فلک اور ملائک سجدہ ہیں کرتے — زمیں پر جو تیرا قدم دیکھتے ہیں
شکایت انھوں سے نہ ہووے گی ہرگز — جو اسرارِ لوح و قلم دیکھتے ہیں
کہیں واردات اپنی کیا تجھ سے زاہد — نشاں بے نشاں کو بہم دیکھتے ہیں
کبھی وعدے ایفا نہیں ہوتے دیکھے — زباں پر اگرچہ قسم دیکھتے ہیں
تجلی تری جب سے دیکھی ہے قبلہ — نہ ہم سیرِ دیر و حرم دیکھتے ہیں

غزل داغ غزل کہہ کے نکلے بچارا اب
تری عشق آنکھوں میں نم دیکھتے ہیں

۵۲۴ +

دہر سے اُٹھ گیا دفاؤں کا ناؤں — شہر بھی دیکھے اور ڈھونڈے گاؤں
کشتۂ چشم کیا کرے ساقی — آبِ انگور اور تاک کی چھاؤں
دیر و کعبہ میں ہیں برہمن و شیخ — عشق کے ماروں کو نہ ٹھور نہ ٹھاؤں
دل کی بستی پڑی ہے سب اُجڑ — نظر آتا نہیں ہے گاؤں کا ناؤں

فرش آنکھوں کا جا بجا ہے عشق
بے تامل نہ رکھ تو اپنا پاؤں

ردیف و

۵۲۵

نام خدا ہی تیرا حافظ ہو پاسباں ہو — اپنی یہی دعا ہے تو اور یہ جہاں ہو
درد و الم مصیبت جور و جفا و محنت — افسردہ ہو رہا ہوں تم ان دنوں کہاں ہو
ایزائیں میرے جی کو پہنچیں ہیں اس سے اتنی — دل کو جلا ہی ڈالوں گر تو نہ درمیاں ہو

+ را، ر۲، ر۳، ر۴، ر۵ میں یہ غزل ردیف 'و' میں درج ہے۔ یہیں سے ردیف 'ن' میں منتقل کر دیا ہے۔ ۔ ا ایڈیٹر۔

ممکن نہیں یہ ہونا جی کو نہ کھو تو ناحق
لاحول پڑھ تو ناداں وہ بجھ پہ مہرباں ہو

مت بہہ ہوا تنا آنکھوں کے ہو نہ سنکھ
منظور ہے تو پہلے اے ابر خوں فشاں ہو

فکرِ معاش چھوڑ اب تدبیر موت کچھ کر
وہ چھوڑتی نہیں ہے گو پیر یا جواں ہو

کر چھوڑ یہ وصیت بادِ صبا کو آنی
پہنچا دے خاک میری جس جا تر انشاں ہو

شہبازِ غمزہ تیرا کرتا ہے صید اُس کو
جو ہو زمیں کے اوپر یا زیرِ آسماں ہو

قطروں کو آنسوؤں کے ڈالیں اگر یہ آنکھیں
یہ آستیں ہماری مانندِ کہکشاں ہو

پہلے علاج اُس کا شاید جو کرتے ، ہوتا
آتش بلند دل کی اب کس طرح نہاں ہو

آہِ حزیں کسی کی کرتی ہے دل کو محزوں
اس قافلہ میں ڈھونڈو شاید وہ ناتواں ہو

نالہ[1] مرے نے جا کر مجنوں کے کان کھولے
کہنے لگا کہ حضرت تم کب سے آئے یاں ہو

ہم سیر ڈھونڈتا تھا مدت سے تو عدم کو
ہم راہ بوئے گل کے اے عشق چل رواں ہو

۵۲۶

میرے رونے کے ٹک ہنر دیکھو
ٹک خدا سے ڈرو ادھر دیکھو

کیا مزا اس کا ہم کہیں تم سے
تم بھی حضرت کسو[2] پہ مر دیکھو

زلف اس کی لے پیچ میں ڈالا
ورنہ میں اور دردِ سر دیکھو

شعلۂ حسن دل میں رکھتا ہے
آئینہ کا ہے یہ جگر دیکھو

دل[3] میں پتھر کے گھر وہ کرتا ہے
عشق کی آگ کا اثر دیکھو

تم کو جو ہے حجاب دامن گیر
ٹک جھروکے سے جھانک کر دیکھو

عشق کا آج اور عالم ہے
تم[4] بھی ٹک اُس کو جھانک کر دیکھو

---

۱ ر ۳ لہ نالے۔ ۲ ۵ کسی۔ ۳ یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔ ۴ ۵ رحم ہی کھاؤ تم اگر دیکھو۔

٥٢٧

اے آہ کچھ اثر کی رہے شور و شر نہ ہو — آوے وہ چپ چپاتے کسو کو خبر نہ ہو

ہنستے عبث ہو دوستی سے یہ بھید ہے — بجلی پڑے جو دل پہ تو ٹکڑے جگر نہ ہو

آنکھیں لڑا تو شوق سے خوش چشم میرے ساتھ — منظور ہو اگر کہ کسو کی نظر نہ ہو

اس دور میں فلک کے تو راحت نہیں مدام — ساقی شراب پیجے اگر دردِ سر نہ ہو

رکھتا ہوں آہ اپنی کو سینہ میں گھونٹ گھونٹ — ڈرتا ہوں تیرے دل میں کہیں کارگر نہ ہو

وہ نام ہے کہ نام مٹے اصل و نسل کا — اے روسیاہ مثلِ نگیں نامور نہ ہو

کن کن مزوں سے دید کی لذت اڑائی ہے — رسوا کبھی نہ ہوجئے جو چشم تر نہ ہو

عین الکمال دیکھتی رہتی ہے چشمِ عشق
اس کی نظر پڑے تو کسو کی نظر نہ ہو[۱]

٥٢٨ +

والضحیٰ جب فضلِ حق سے ہووے میرے روبرو — سورۂ واللیل کو کیوں کر نہ دیکھوں مو بمو

شکر کا سجدہ کرے تا قبلۂ حاجات' دل — ڈھونڈتا پھرتا ہے تیرے نقشِ پا کو کو بکو

ایک ہے تو در حقیقت جیسے ہیں واحد احد — ذاتِ حق سے ذات تیری بے تفاوت ہوبہو

دین و دنیا میں مجھے کر استقامت کا پہاڑ — بادِ عصیاں سے نہ جنبش ہووے دل کو سو بسو

عشق ہے بندوں میں تیرے یا محمد مصطفیٰ
تیرے بندے سے کسے طاقت جو ہووے دو بدو

٥٢٩

آگ دے بیٹھے ہم تو محمل کو — کہیو یار و سلام منزل کو

---

۱ ف جو یہ نظر پڑے تو کسو کا گذر نہ ہو۔ + غزلیں نمبر ٥٢٨ تا نمبر ٥٣٢ ف میں نہیں ہیں۔

ہر کوئی تا قدم نہ رکھے یاں | نہ اُٹھانے دو نعشِ بسمل کو
کوئی اس سا نہیں جہاں میں شفیق | تم نہ آزردہ کیجیو دل کو
دردِ سر زندگی کا دور کیا | آفریں دستِ بُردِ قاتل کو
دیکھ شعلہ کو حسن کے تیرے | لگ گئی آگ شمعِ محفل کو
سب ہیں دریاے احدیت میں غرق | کن نے دیکھا ہے اُس کے ساحل کو

عاشقوں کی پسند ہے یہ غزل
اور کہہ جو خوش آوے عاقل کو

۵۳۰

تو نے دیکھا جو شمعِ محفل کو | ہم نے ناچار آگ دی دل کو
نہ توانائی ہے نہ زادِ سفر | دیکھئے کیوں کے پہنچیں منزل کو
کس طرح کے مزے اُڑاتا ہے | دیکھ لیلیٰ کے قیس محمل کو
عشق کے دبدکی اگر ہے دُھن | کر عدم اپنے نقشِ باطل کو
کون قاتل کے منہ پہ آتا ہے | سبھی کرتے ہیں طعن بسمل کو
کوہکن کیوں نہ سر کو اب چیرے | اک اشارت ہی بس ہے عاقل کو

عشق کے خوں نے یارو جوش کیا
یہ خبر پہنچی اُس کے قاتل کو

۵۳۱

ناشاد جو گئے ہیں اُنھیں شاد کیجیو | یعنی کہ بعدِ مرگ ہمیں یاد کیجیو
جور و جفا جو کچھ کہ ہو منظور ہے ہمیں | پر بندگی سے اپنی نہ آزاد کیجیو
فیضِ قدوم اپنے سے لے رونقِ بہار | اس خانۂ خراب کو آباد کیجیو

---

۱ دلا کے

ہر کوئی تا قدم نہ رکھے یاں — نہ اُٹھانے دو نعشِ بسمل کو
کوئی اس سا نہیں جہاں میں شفیق — تم نہ آزردہ کیجیو دل کو
دردِ سر زندگی کا دور کیا — آفریں دستِ بُرد قاتل کو
دیکھ شعلہ کو حسن کے تیرے — لگ گئی آگ شمعِ محفل کو
سب ہیں دریائے احدیت میں غرق — گن نے دیکھا ہے اُس کے ساحل کو

عاشقوں کی پسند ہے یہ غزل
اور کہہ جو خوش آوے عاقل کو

۵۳۰

تو نے دیکھا جو شمعِ محفل کو — ہم نے ناچار آگ دی دل کو
نہ توانائی ہے نہ زادِ سفر — دیکھئے کیوں کے پہنچیں منزل کو
کس طرح کے مزے اُڑاتا ہے — دیکھ لیلیٰ کے قیس محمل کو
عشق کے دید کی اگر ہے دُھن — کر عدم اپنے نقشِ باطل کو
کون قاتل کے منہ پہ آتا ہے — سبھی کرتے ہیں طعن بسمل کو
کوہکن کیوں نہ سر کو اب پھیرے — اک اشارت ہی بس ہے عاقل کو

عشق کے خوں نے یار و جوش کیا
یہ خبر پہنچی اُس کے قاتل کو

۵۳۱

ناشاد جو گئے ہیں اُنھیں شاد کیجیو — یعنی کہ بعدِ مرگ ہمیں یاد کیجیو
جور و جفا جو کچھ کہ ہو[1] منظور ہے ہمیں — پر بندگی سے اپنی نہ آزاد کیجیو
فیضِ قدوم اپنے سے اے رونقِ بہار — اس خانۂ خراب کو آباد کیجیو

---

۱ والے کے

بیداد عاشقوں پہ صنم ہے بجائے داد — کہتا ہے کون تجھ کو نہ بیداد کیجیو
دے عقل غافلوں کو خداوندِ روزگار — دیوانگی میں تو ہمیں استاد کیجیو
تاثیر اُس کے دل میں خداوند بخشیو — فریاد دل جلوں کی نہ برباد کیجیو
ثابت قدم ہو جلیو تو ماننادِ شمع عشق
مثلِ سپند اُڑیو نہ فریاد کیجیو

۵۳۲

سن کے نالہ کو مرے کس طور وہ محزوں نہ ہو — عشق کا نالہ ہے یہ، یہ نالۂ مجنوں نہ ہو
اس طرح بسمل تڑپتا ہے ادب کا مقتضی — دامنِ قاتل مبادا یار جی گلگوں نہ ہو
خال و خط کا مورچہ ہے عارضِ گلگوں کے گرد — یہ فرنگستاں ہے ظالم دیکھیو شب خوں نہ ہو
بیت ہی بیت الحزن ہیں مطلع و مقطع نہ پوچھ
عشق جب تک آہ کا مصرع مرا موزوں نہ ہو

۵۳۳

دیئے جب عشق نے یہ داغِ نمایاں مجھ کو — جل گیا دیکھتے ہی سروِ چراغاں مجھ کو
خوف رونے میں مرے دل کو یہی رہتا ہے — تیرِ باراں نہ کرے جنبشِ مژگاں مجھ کو
سایۂ زلفِ بتاں سر پہ سلامت ہی رہے — گرمئ حشر سے کیا خوف ہے یاراں مجھ کو
زلف کا بسکہ دل و جاں سے میاں عاشق ہوں — خواب میں خواب ہے مرغوب پریشاں مجھ کو
اشک سے میرے یہ سرسبز ہے گلشن اُس کا — باغباں سمجھے نہ کیوں رونقِ بستاں مجھ کو
اے فلک تو نے کیا جو جو اُٹھایا سر پر — جور اپنے سے کبھو دیکھا ہے نالاں مجھ کو
مصرعِ آہِ شرربار یہی کہتا ہے
حضرتِ عشق کرو مطلعِ دیواں مجھ کو

ا یہ شعر صرف لٹ میں ہے۔

۵۳۴

بٹھلاتے[1] عبث ہو پاس مجھ کو
میں کون کہاں حواس مجھ کو

جس گل کو ہوں دیکھتا چمن میں
آتی ہے اُسی کی باس مجھ کو

ہوں[2] اتنے ہی کام کا پیارے
پھرنے دے ٹک آس پاس مجھ کو

ہے راستی یار سچ کہوں میں
بھاتا ہے ترا لباس مجھ کو

آنکھوں سے ذرا تو کہہ نہ رووے
دیتا ہے دل التماس مجھ کو

دل داغ سے ہو گیا ہے گلزار
تجھ سے ہے یہ اقتباس مجھ کو

دے اوروں کو ملک و مالِ دنیا
پر عشق دے بے قیاس مجھ کو

۵۳۵

گئی کہہ یہ صبا مستِ چمن کو
خبر لے گل نے پھاڑا پیرہن کو

مگر لالے نے میرے داغ دیکھے
لگی آتش جو اُس کے تن بدن کو

ہوا لبریز پیمانہ ہمارا
سلامت رکھے حق اس انجمن کو

وہیں چھلتے ہیں دانائی کے مارے
بُرا کہتے ہو پھر دیوان[3] پن کو

ملے رتبا[4] اسے گوہر سے افزود
سخن پہنچے اگر صاحب سخن کو

ہمارے سوزِ دل کی سرگذشتیں
سُنائی کن نے شمعِ انجمن کو

وصیت اتنی کر بلبل گئی مر
گلابی کیجیو میرے کفن کو

دکھاتا ہے مجھے وہ عشق ہر دم
جو تیشہ نے دکھایا کوہکن کو

---

۱ لے بلاتے - ۲ لے میں یہ شعر نہیں ہے - ۳ لے دیوانہ - ۴ رتبہ -

۵۳۶

بن تیرے ایک آن رہوں یہ کبھو نہ ہو
وہ زندگی ہی مرگ ہے جو پاس تو نہ ہو

آزار دوں کسو کو یہ مجھ سے کبھو نہ ہو
رہتا ہے خوف دل میں کہ اُس دل میں تو نہ ہو

وہ دل نہیں ہے جس کو تری جستجو نہ ہو
وہ کیا زباں ہے جس پہ تری گفتگو نہ ہو

ناصح نصیحتوں سے نہ ٹکڑے جگر کو کر
ممکن نہیں کہ جیب کو تیرے رفو نہ ہو

کعبہ میں دل کے راہ ملے کیوں کے شیخ جی
جب تک کہ پہلے خونِ جگر سے وضو نہ ہو

نعرہ وہی ہے کام کا تاثیر جس میں ہو
کس کام کی وہ ہُو ہے کہ جس ہُو میں ہُو نہ ہو

جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال
بہتر یہ آرزو ہے کہ کچھ آرزو نہ ہو

نسبت نہیں ہے آگ سے کچھ آئینہ کو عشق
وہ تیرے سوزِ دل کے کبھو روبرو نہ ہو

۵۳۷

دم بدم بڑھتا ہی رہے یہ عشق یارب کم نہ ہو
زندگی ہی بے مزہ ہے جو غمِ ہمدم نہ ہو

میرے رونے سے نہ ہو بیزار اتنا گلعذار
آبروئے گل نہ ہو جو گریۂ شبنم نہ ہو

اس نگینِ دل کو میرے ہاتھ میں اپنے تو رکھ
دست بر ملکِ سلیماں یار بے خاتم نہ ہو

قدر کو اُس کی غنیمت جان اے میخوار تو
یہ دلِ بیتاب ہے واللہ جامِ جم نہ ہو

جس کی گردش سے ہزاروں مست ہوویں کامیاب
چرخ اُن آنکھوں کے آگے کس طرح سے خم نہ ہو

یہ تمنا ہے مجھے ہر وقت اُس معبود سے
ماسوا کا دل پہ میرے جو کبھو بھی غم نہ ہو

بے غرض ملنا غنیمت بوجھ ظالم عشق کا
ہر گھڑی ہر بات پر بے وجہ تو برہم نہ ہو

---

۱ لہ ۲ نہ ہو جستجو تری، لہ ۵ نہیں جستجو تری، لہ ۷ وہ دل ہی کیا ہے جس کو نہ ہو جستجو تری۔ ۲ لہ ۳ لہ ۲ میرے، غلط ہے۔

۵۳۸

اُس بے وفا کو مجھ سے سروکار ہو، نہ ہو
دل نذر کر چکا وہ خریدار ہو، نہ ہو

عاشق ہمیشہ آپ گرفتارِ رنج ہے
معشوق اس کے درپئے آزار ہو، نہ ہو

ہم صرف اس کے واسطے اب داغ کھا چکے
طاؤس وار گرمیٔ بازار ہو، نہ ہو

اسلام و کفر سنتے ہو موقوف دل پہ ہے
ظاہر میں گرچہ سبحہ و زنّار ہو، نہ ہو

تنہا نگاہ بس ہے مرے دل کے قتل کو
تیر و کمان خنجر و تروار ہو، نہ ہو

دل اس کے پیچھے اشک کے مانند ہے رواں
گو اُس میں یارو طاقتِ رفتار ہو، نہ ہو

مطلق بھی ایک قید ہے جو دیکھو غور کر
آزادگی کا عشق گرفتار ہو، نہ ہو

۵۳۹

لطف ہو یا قہر ہو دل خواہ یہ ہو وہ نہ ہو
عشق بازی کھیل ہے جو آہ یہ ہو وہ نہ ہو

سیرِ گل میں مجھ سوا کوئی نہ ہو[1] تیرا رفیق
بندگی میں بندۂ درگاہ یہ ہو وہ نہ ہو

مطرب و مے عیش و عشرت کے میاں ساماں ہیں
یہ بھی کوئی ہٹ ہے جو ہمراہ یہ ہو وہ نہ ہو

تجھ کو دیں ہم سر کو رکھی بات یہ معقول ہے
حضرتِ من جان لو واللہ یہ ہو وہ نہ ہو

بڑھتے گھٹتے دونوں ہیں عشق آستیں یا ہاتھ ہو
کہنے ہی کی بات ہے کوتاہ یہ ہو وہ نہ ہو

۵۴۰

کیا لطفِ زندگی جو کوئی مبتلا نہ ہو
پر تجھ سے بے وفا سے کوئی آشنا نہ ہو

جو بوئے زلف تیری نہ ہووے نسیم میں
غنچوں کا دل چمن میں کبھو اس سے وا نہ ہو

دنیا و دیں لذتِ عیش و نشاط، عمر
جاتے رہیں بلا سے میاں تو جدا نہ ہو

---

[1] ا، ۲: نہیں۔

بَرِّ عرب کی خشکی سے کیوں کر نجات ہو — اس قافلہ میں اشک اگر رہنما نہ ہو

ایذا[1] و رنج و محنت و غم سب قبول ہیں
پر عشق بے اثر کسو[2] کا اے خدا نہ ہو

۵۴۱

پھنسا ہے دام میں آزاد دیکھئے کیا ہو — شکار زور ہے صیاد دیکھئے کیا ہو
جواب صاف تو آ گے ہی عاشقوں کو تھا — نمودِ خط پہ اب ارشاد دیکھئے کیا ہو
ہوا ہوں در بدر ایسا ہی تیری دولت سے — پھر آگے اے دلِ ناشاد دیکھئے کیا ہو
جفا[3] و جور و ستم تم نے جو کئے دیکھے ہیں[4] — پھر اس کے آگے اب ایجاد دیکھئے کیا ہو

دلِ نگار نے مجھ کو مسیح سمجھا تھا
سو عشق ہو گیا جلاد دیکھئے کیا ہو

۵۴۲

دل سا جگر جو رکھے سو اُس سے دو بدو ہو — منہ دیکھو آئینہ کا جو اُس کے روبرو ہو
حسرت کو دل میں مت رکھ شمشیر آزما لے — ہم مر گئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو
حالت کو دیکھ میری کہتے ہیں گبر و مومن — ہو مشکل اس کی آساں یارب یہ ایک سو ہو
گو باغ میں جہاں کے پھولے ہیں پھول یارو[5] — اُس گل پہ دل فدا ہے[6] جس میں کہ اُس کی بو ہو[7]

آہ و فغاں فقط سے کیا کام ہے نکلتا
جب اشک سرخ نکلیں تب عشق سرخرو ہو

۵۴۳

وصل ہے منظور تو اغیار ہو — فخر ہے مقصود تو یاں خوار ہو

---

۱ الف ایذا، درست ہے۔ ۲ ل۲ کسی۔ ۳ یہ شعر صرف ل۵ میں ہے۔ ۴ ل۵ جن کو۔
۵ لے لاکھوں۔ ۶ ل۲ ہو۔ ۷ لے گل میں اس کی بو ہو۔

چشمِ مسیحا سے اگر ہے مطلب — عیش کو تو بھول کے بیمار ہو
مطلبِ آزادگی ہے گر تجھے — زلفِ بتاں میں تو گرفتار ہو
قیمت اگر چاہے کہ ہووے بلند — عجز کے معنی کا خریدار ہو
ہے تجھے منظور اگر کشفِ سِرّ — بے خبری سے تو خبردار ہو
غیر[۱] کے شکوے سے زباں بند کر — اپنا میاں آپ ہی تو یار ہو
عشق کی منظور ہے جو دوستی
اور ہوا خواہوں سے بیزار ہو

۵۴۴

زاہد ہمیں بہشت میں تو یاد کیجیو — غلماں کے حسن کو نہ تو برباد کیجیو
مرجاؤں گا خزاں ہی کو صیاد دیکھ کر — دامِ قفس سے مجھ کو نہ آزاد کیجیو
سالِ گذشتہ ہم سے تو جاتی رہی بہار — آزاد اب کی سال تو صیّاد کیجیو
مجنوں کی روح سے کیا میں یہ سوال جب — دیوانگی سے تو نظرِ اُستاد کیجیو
سوءِ الادب ہے غرض جو خدمت میں کچھ کہیں — لیکن نکاتِ عشق سے ارشاد کیجیو
بھر آہ ایک اُن نے زباں سے یہی کہا
مثلِ سپند جلیو نہ فریاد کیجیو

۵۴۵

عشق سے دل آشنا ہو — پھر بھلا ہو یا بُرا ہو
دین و دل تو جا چکا ہے — آگے پھر اب دیکھیں کیا ہو
سر کو عاشق دے نہ ہرگز — گو کہ اس میں سر جدا ہو

---

۱ یہ شعر صرف ۱۵ میں ہے۔

۵۴۵

سوز کو میرے وہ سمجھے جس کا دل کچھ بھی جلا ہو
دل جو چاہے خوب گذرے اُس صنم پر مُبتلا ہو
لاکھ جانیں نذر کیجے حقِّ قاتل تب ادا ہو
عقل[1] جا کونے میں بیٹھے
عشق جس دم برملا ہو

۵۴۶

مبتلائے بلا ہوا ہے تو کیا بلا مبتلا ہوا ہے تو
ایک دم چین دل نہیں دیتا جب سے مجھ سے جدا ہوا ہے تو
آپ سے آپ جو اُلجھتا ہے کسو سے آشنا ہوا ہے تو
دیکھ کر یک بیک اُسے اے دل کیا کہوں تجھ سے کیا ہوا ہے تو
سب مظاہر ہیں جلوہ گر تو ہے
عشق کیسا فنا ہوا ہے تو

۵۴۷

منہ لگایا جب سے ہم نے جام کو دور کر بیٹھے ہیں ننگ و نام کو
عشق کا زخمی کوئی بچتا نہیں یہ مرے گا صبح کو یا شام کو
لعل اور یاقوت کی خواہش نہیں لختِ دل کافی ہے ظالم نام کو
کس کی زلفوں کا بیاں تو نے کیا شعر لے گئے ہند سے جو شام کو
ٹک خدا کے واسطے تو دیکھ عشق
زلف نے زاہد کے کھینچا دام کو

---

۱ یہ مقطع صرف رضہ میں ہے۔

۵۴۸

عشق کو قبلہ گاہ مت پوچھو
آہ مت پوچھو آہ مت پوچھو

خوبیوں پر نظر کرو اپنی
سببِ آہ آہ مت پوچھو

دل کی باتوں کو دل سمجھتا ہے
دل بدل ہے یہ چاہ مت پوچھو

کام میرا تو ہو چکا ہے تمام
خواہ تم پوچھو خواہ مت پوچھو

غافلو دیکھو کھول کر آنکھیں
شاہ سے شاہراہ مت پوچھو

نام حضرت کے ہیں غفور و کریم[1]
پھیر ہم سے گناہ مت پوچھو

عشقؔ ہے یار و خاکساروں میں
سرکشی اور کلاہ مت پوچھو

۵۴۹

چھپائے دل میں رکھتا ہوں نفس کو
جلاؤں ورنہ نالہ سے قفس کو

دعا کہیو مری فریادرس کو
کہاں طاقت جو میں کھینچوں نفس کو

نہیں کرتا اگر صیّاد آزاد
بھلا ٹک باغ میں تو رکھ قفس کو

طریقِ عشق میں فریاد ہے خوب
دلِ بیتاب کہتا ہے جرس کو

کسو عاشق کے دل کو پھونک دے آگ
جلاتی ہے عبث تو خار و خس کو

نہ ملنا ہے نہ آمد رفت قاصد
نفس کس طور پہنچے ہم نفس کو

تمنا آرزو وسواس ہیں عشقؔ
مٹا دے صفحۂ دل سے ہوس کو

۵۵۰

آخر الامر دیں گے ہمدم کو
جان کو دل کو ہوش کو دم کو

---

[1] یہ شعر صرف ر۵ میں ہے۔

دل پہ گذری جو کچھ گذرنی تھی — نہ تمھیں کچھ ہوا نہ کچھ ہم کو
گل و گلشن[1] تلک اگر پہنچے — اشک کہیو سلام شبنم کو
سوز کو داغ کے مٹا دیوے — آگ لگ جائے ایسے مرہم کو
کبھو محراب سے نہ چھوڑوں سر — ترے ابرو کے دیکھ کر خم کو
جب سے ہم سے جدا ہوا ہے تو — تب سے ہمدم کیا ہے میں غم کو
سارے عالم سے دل کو نفرت ہے — عشق نے کیا دکھا دیا ہم کو
قطرۂ اشک رات مفت نہ کھو — منہ دکھانا ہے صبح شبنم کو

عشق دیتا نہیں ہے رخصت آہ
پھونک دوں ورنہ سوز ماتم[2] کو

۵۵۱

رکھے حق خوش تجھے جہاں ہے تو — دلِ آفت زدہ کہاں ہے تو
دل[3] میں بندوں کے اپنے ہے موجود — گو کہ آنکھوں سے اب نہاں ہے تو
بن ترے ہے جہان میں کچھ اور — باوجودیکہ بے نشاں ہے تو
در[4] حقیقت تو شاہِ شاہاں ہے — پر ہمارا بھی پاسباں ہے تو
اپنی کج فہم پر نہ ہو نازاں — تو کہاں ہے اے بےگماں ہے تو
دیر و کعبہ میں کیوں کے پٹکوں سر — نہ فقط واں ہے تو نہ یاں ہے تو
تو[5] مکاں لامکاں (میں) پیدا ہے — کچھ چھپا تو نہیں عیاں ہے تو
جو خبردار ہیں سو کہتے ہیں — مثلِ جاں دل میں مہرباں ہے تو

تیری باتوں سے شعلے اُڑتے ہیں
رِشق کیا عشق کی زباں ہے تو

---

۱ ۔ گلِ گلشن ۔ ۲ ۔ سوز و ماتم ۔ ۳ و ۴ و ۵ یہ اشعار صرف ل۵ میں ہیں۔

۵۵۲

سمجھے وہ بات عشق کی جس کو شعور ہو
معشوق وہ ہے جس کو بہت سا غرور ہو

میدانِ عاشقی میں جوانانِ عشق باز
اُس دل کو دل کہیں گے جو زخموں سے چور ہو

سیرِ بہشت کرنے سے مقصود تو ہی ہے
ہے کیا بلا جو بن ترے حور و قصور ہو

رنجِ فراق سے مجھے محفوظ رکھے حق
جو کچھ کہ ہونی ہووے سو تیرے حضور ہو

دنیا و آخرت جسے چاہے تو بخش دے
پر اس دلِ شکستہ میں تیرا ظہور ہو

غیر از کشش ملاپ ہوا اُس سے جوں پتنگ
جتنا اسے بڑھایئے اتنا ہی دور ہو

دیوانگی کو اپنی نمایاں اگر کرے
مجنوں کی طرح عشق کا پھر بار و شور ہو

۵۵۳

مری سخت جانی سے برہم نہ ہو
وہ تروار لے جو تبردم نہ ہو

نہ ہو سرکشی خلق سے پیش رفت
فلک میرے آگے اگر خم نہ ہو

جہاں سر بسر گو کہ بہتا پھرے
مرا تو بھی خونِ جگر کم نہ ہو

مناسب نہیں زخم کو آب سن
خبردار اے چشمِ تر نم نہ ہو

مرے دل کے سب زخم ہنستے رہیں
الٰہی کبھی ان کو مرہم نہ ہو

چلے راہ میں حق کی کوئی اگر
قیامت تلک یہ سفر کم نہ ہو

کرے خواب آنکھوں میں ہرگز نہ گل
ترے سر پر جو یہ سپر[۱] غم نہ ہو

تری زلف و رخ کو جو دیکھوں اگر
مجھے یار شام و سحر غم نہ ہو

غنیمت سمجھ دوستوں کے ستم
جفا سے خفا عشق ہر دم نہ ہو

---

۱ یہ شعر صرف ل۵ میں ہے۔

۵۵۴

کیا کروں میں لے کے اس تسبیح اور زنّار کو | یہ دلِ وحشی طلب کرتا ہے زلفِ یار کو
حور و غلماں کوثر و جنت جسے چاہے تو دے | دل طلب کرتا ہے تجھ سے تیرے ہی دیدار کو
دل دہی کر جس طرح ہو جھوٹ سچ کیسو رہے | یا اس کی باتیں سناتا ہے کوئی بیمار کو
وحشتِ دل کیا کرے ہو گئے پھپھولے پائے بند | بندگی کہیو ہماری عشق دشتِ خار کو
یار میرا جب گیا ہنستا ہوا گلشن میں، گل | جھک گئے[1] ہیں دیکھ اس کے طرۂ دستار کو
اس قدر رسوا ہوا ہوں میں کسی کے عشق میں | عار و ننگ آتا ہے مجھ کو دیکھ ننگ و عار کو

کشمکش سے چھوٹ جاؤں ہو غریقِ بحرِ عشق
کوئی آوے وار کو اور کوئی جاوے پار کو

۵۵۵

اتنا پیام کہیو[2] کوئی چشمِ یار کو | نومید کیوں کیا دلِ اُمیدوار کو
لیل و نہار راہ وہ تکتا ہی رہ گیا | کیا صبح منہ دکھاویں گے ہم انتظار کو
بے[3] برگ و بے نوا کی مدارا تسے ہے ضرور | کہیو یہی پیام مرا گلعذار کو
نخلِ امید اپنا خزاں ہی میں جل گیا | کہیو سلام یارو ہمارا بہار کو
گرمی کو عاشقوں کی کریں تجھ سے کیا بیاں | لرزا[4] چڑھے ہے نام لئے سے شرار کو
ہے پائمالِ عشق نہ لت خوردۂ فلک | انصاف ہے جو بھولو نہ اس خاکسار کو

آتش سے کم نہ بوجھ کہ ہے عشق کی یہ راکھ
زنہار پائمال نہ کر اس غبار کو

۵۵۶

لے ڈالا جو نہ میں رگِ ابرِ بہار کو | شاباش جیبِ سرخ ترے تار تار کو

---

۱ ۱-۲ رہے ہیں۔ ۲ ۱-۲ کہدے۔ ۳ یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔ ۴ لرزہ۔

دے دے کے مجھ کو داغ یہ ہنس ہنس کے کہتے ہیں[1] ۔۔۔ گل پوش بھی کریں گے تمہارے مزار کو
ساقی ترے نثار ہے میخانۂ جہاں ۔۔۔ کافی ہے جام چشم ہمارے خمار کو
کیوں کر ہنسی نہ آوے وہ ہے شاخِ زعفراں ۔۔۔ نسبت ہنسی سے ورنہ کہاں سوگوار کو
چشمِ سیاہ یار نے مجھ کو جلا دیا کیا ۔۔۔ سُرما[2] کریں نہ اہلِ بصر اس غبار کو
کہتے ہو تم ہزار اگر ایک ہم کہیں ۔۔۔ جامے سے نکلے پڑتے ہو کیوں اپنی بار کو

معلوم قدرِ عشق کی ہووے گی تم کو جب
سمجھو گے اس کے شعر کو اس کے شعار کو

۵۵۷

اے اشکِ سرخ پوش نکل مت جگر سے تو ۔۔۔ صدما[3] کہیں نہ کھینچے صبا دا نظر سے تو
وہ دن خدا نصیب ہمیں بھی کبھو کرے ۔۔۔ روتے اِدھر سے ہم چلیں ہنستا اُدھر سے تو
بستی ہمارے دل کی بسی یا اُجڑ گئی ۔۔۔ بیزار کیوں ہوا ہے عبث اپنے گھر سے تو
یہ برگ و باریاں کے پھپھولے ہیں داغ کے ۔۔۔ اے آرزو کے نخل گزر اس ثمر سے تو
صیاد بھولتا ہے کب اپنے شکار کو ۔۔۔ اتنا بھی بے خبر نہ ہو میری خبر سے تو
ہوتی ہے ایک دم میں رہِ زندگی تمام ۔۔۔ جانِ عزیز دل نہ چرا اس سفر سے تو

[4]ہے آرزو یہ تیری کہ مقبولِ عشق ہو
اے آہ مُنہ نہ موڑیو ہرگز سفر سے تو

۵۵۸

جوں مہر و ماہ سینہ و دل[5] پر ہیں داغ دو ۔۔۔ آنکھوں کے جیسے دہکے ہیں روشن چراغ دو
کیوں کر نشہ نہ ہووے دوبالا اے گلعذار ۔۔۔ گردش میں تیری چشم کی آویں ایاغ دو

---

۱ ؏ وہ دے کے۔ ۲ ؏ ’سُرمہ‘ درست ہے۔ ۳ ؏ ’صدمہ‘ درست ہے۔
۴ یہ شعر صرف لؔ میں ہے۔ ۵ ؏ سینۂ دل۔

دنیا و آخرت میں تم ایسے نہ پاؤ گے
روئے نگار و گلشنِ دل ہیں یہ باغ دو
اے مرغِ دل درستی ہے یاں کی شکستگی
ہوتے ہیں دو سے ایک کریں جو جناغ دو
فکرِ معاش و عشقِ بتاں کس طرح سے ہو
انسان کو نہیں ملے دل یا دماغ دو

۵۵۹

اس لیئے کہتے تھے دل بے ربط مل جاتا ہے تو
آج دکھ پاتا ہوں میں یا بار دکھ پاتا ہے تو
روزِ اول سر دھنتا تھا ڈھنگ کو آنکھوں کے دیکھ
دل بلا سے میری اب اپنا کیا پاتا ہے تو
عشق بازی اب تلک تو ہم نے یہ دیکھی نہ تھی
ہر کسو کو دیکھ کرنا حق کو[1] مر جاتا ہے تو
ایک کی ہم سو کہیں گے گو بھلا ہو یا برا
ایسے نکتوڑوں سے باتیں کس کو فرماتا ہے تو
دل تو یہ موجود ہے جو حکم ہو وے سو کرے
اپنی زلفوں کی طرح کیوں مفت بل کھاتا ہے تو
سر بسر یاں پیچ ہے اور مو بمو ہے یاں دغا
یہ سلجھنے کے نہیں جو ان کو سلجھاتا ہے تو
شیشہ بازی انکلے جو قطرۂ خونیں سے عشق
بے سبب ہر بات پر آنکھیں جو بھر لاتا ہے تو

۵۶۰

کس طرح دل کھوا داس نہ ہو
یار ہو پاس اور پاس نہ ہو
طور شعلہ کے دل میں رہتا ہے
میرے سینہ میں کیوں کے یاس نہ ہو
جبینِ ابرو جو تیری دیکھے[2] وہ
دل بے چارہ بے حواس نہ ہو
دیکھ نبّاض نے کہا بیمار
وہ دوا چھوڑ دے جو راس نہ ہو
سیرِ عاشق کی اپنی دید پہ ہے
شیخ صاحب کا یہ قیاس نہ ہو

---

۱ ل۲ ش جو۔ ۲ ل۲ ش جو دیکھے تیری۔

کب کہیں اس کو بندۂ درگاہ — آہ جب تک کہ حق شناس نہ ہو
راستی موجب رضائے خدا ست — ہو نہ ظاہر جو یہ لباس نہ ہو
[1]ایسی تو کوئی شب نہ ہووے گی — آہ و نالہ جو بے قیاس نہ ہو
[2]اس طرح کا تو کوئی دن ہی نہیں — ہاتھ میں میرے التماس نہ ہو
[3]میں نے لا تقنطوا سنا ہے بجاں — کچھ بھی ہو دل کو میرے یاس نہ ہو

پاس جب دوستی کا ہو اس کو
کس طرح عشق آس پاس نہ ہو

۵۶۱

درد کی سرنوشت تھی دوش نہیں حبیب کو — شکوۂ دوستاں نہ کر چھوڑ تو اس نصیب کو
آرزوئیں رہیں تمام مفت گیا یہ ننگ و نام — کیوں کے کوئی دکھاوے[4] منہ آہ دلِ غریب کو
یار ہے دل میں جلوہ گر آہ نہ کھینچ سوچ کر — دور نہیں کہ اٹھے جل آگ نہ دے قریب کو
سنتے ہی کوس احمدی دبدبۂ محمدی — دونوں طرف سے چڑ گیا دیکھ لے جا سلیب[5] کو
چال کو اس کی کچھ نہ کہہ بات نہ سن خموش رہ — دیوے نگاہ سے ادب دیکھے اگر ادیب کو
[6]شور و فغاں نہ کر عیاں تا نہ خراب ہو جہاں — آہ جگر کو اپنے گھونٹ کام یہ کہہ نقیب کو

شاکیٔ دوستاں نہ ہو عشق کی رمز کو نہ کھو
درد سے تو نہ کر خبر کہتے ہیں سن طبیب کو

۵۶۲

[7]بے خبر صورتِ جہاں ہوں تنہا ہا یا ہو — آئینہ دارِ جہاں ہوں تنہا ہا یا ہو
[8]آپ کو چشمِ حقیقت سے جو دیکھا میں نے — وہم و پندار و گماں[9] ہوں تنہا ہا یا ہو

---

۱ و ۲ و ۳ یہ اشعار صرف ۵ میں ہیں۔ ۴ ۵ دکھاؤں، غلط ہے۔ ۵ صلیب۔
۶ یہ شعر صرف ۵ میں ہے۔ ۷ و ۸ یہ اشعار ۶ میں نہیں ہیں۔ ۹ ۵ پندارِ گماں۔

ڈھونڈتا ہے تو عبث کون و مکاں میں مجھ کو
نہ میاں ایں ہوں نہ آں ہوں تننا ہا یا ہو

چشم سے دور اگر ہوں تو مجھے دیکھیں وہ
آپ سے آپ نہاں ہوں تننا ہا یا ہو

خلق نے مجھ کو بتایا ہے نشانا حق کا
ہا تھ میں تیر و کماں ہوں تننا ہا یا ہو

بے خودی میری خودی اس کی سے یہ کہتی ہے
کون ہوں بارے کہاں ہوں تننا ہا یا ہو

خط اگر کھینچے دو عالم پہ تو مجھ کو دیکھے
بے نشانی کا نشاں ہوں تننا ہا یا ہو

دیکھے وحدت کو تو کثرت میں اگر آنکھیں ہوں
اس معمّے کا بیاں ہوں تننا ہا یا ہو

نیک و بد سے اُسے کیا کام جو ہو وے بے خود
تم جو کچھ کہتے ہو ہاں ہوں تننا ہا یا ہو

کعبہ و دیر ٹھکانے ہیں یہ دونوں میرے
نہ میاں یاں ہوں نہ واں ہوں تننا ہا یا ہو

برق و خرمن کی طرح ہوں میں جہاں سے مربوط
عشق یا اُس کی زباں ہوں تننا ہا یا ہو

دیکھ پر تو کو مرے ہیں خوش و ناخوش یہ سب
کیا کہوں ان سے کہاں ہوں تننا ہا یا ہو

صورت و آئینہ و عکس مری شانیں ہیں
کس سے مخفی ہوں عیاں ہوں تننا ہا یا ہو

روشنی میری نے عالم سے چھپایا مجھ کو
بسکہ پیدا و نہاں ہوں تننا ہا یا ہو

سب کچھ ہوں عشق کہوں تجھ سے حقیقت اپنی
بندۂ پیرِ مغاں ہوں تننا ہا یا ہو

۵۶۳

شاباش طفلِ اشک ترے آب و تاب کو
بے آب کر دیا دُرِ غلطاں کے آب کو

دیکھا بغل میں رات کو میں ماہتاب کو
ظاہر خدا دکھا مجھے تو میرے خواب کو

لے صبح تا بہ شام وہ پھرتا ہے دربدر
ڈالے ہیں دن پہ منہ نے ترے آفتاب کو

آنسو سے بحث کرنے کو آتا تھا پھول پھول
پتلا کیا ہے پانی سے اُن نے سحاب کو

---

۱ نشانہ۔ ۲ ر۲ ر۳ لگا کی، غلط ہے۔ ۳ ر کے دیکھے مجھ کو۔ ۴ ر کے عشق سب کچھ ہوں۔

مہماں سے کوئی دم کے فراق و حجاب کیا — ہو بے حجاب دور کر اپنے حجاب کو
بجلی پڑے جو آئینہ خانہ پہ لطف کیا — کہنے لگا یہ کہہ دلِ خانہ خراب کو
عشرت سے کاٹتے ہیں شبِ وصل ہٹ نہ کر — پی اور پلا اٹھا دے تکلف کے باب کو

کہنے لگا تو جام کو ہونٹوں سے مت لگا
آتش سے عشق ربط نہیں ہے شراب کو

۵۶۴

شکایت کب تلک کیجے دلِ بیتاب ہی گم ہو — وہی ہم ہیں وہی تم ہو نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تم ہو
نہ پہنچیں لب اگر میرے رکابِ شوخِ گلگوں تک — نگینِ نقش پیشانی نشانِ نعل یا سُم ہو
بجز قسّام معنی کے نہ یہ قسمت کسی سے ہو — مری خاطر مرا دل ہو فلاطوں کے لئے خُم ہو
چھُٹ اس کوچے کی خاکستر کے پیراہن کو پہنوں کب — تکلف برطرف ہے پشم گو سنجاب و قاقم ہو
نگاہوں سے خُمِ دل جوش میں آوے عجب کیا ہے — اگر پرتو پڑے اُس کا تو دریا میں تلاطم ہو
نہ ہو کیوں سُرمۂ دنبالہ دار اس چشمِ وحشی میں — اُسے معیوب گنتے ہیں غزالوں میں جو بے دُم ہو
خداوندا کبھی دکھلا اُسے تو ان اداؤں سے — نگاہوں میں مروّت ہو لبوں پر بھی تبسّم ہو
جفاؤں کو اٹھاتے ہیں نہ کچھ کہتے نہ سنتے ہیں — ادھر جو داد رس پاویں ادھر سے ہی تظلم ہو

جگر تو آب ہوتا ہے برنگِ آئینہ عشق اب
وہ اُس کے روبرو ہووے جسے دل پر تحکم ہو

۵۶۵

پست ہو گئی شمع رو رو دیکھ شانِ شعلہ کو — کون سمجھے غیر دل میری زبانِ شعلہ کو
ہو زبانِ آتشیں جس کی کہے یہ سرگزشت — شمع کہتی ہے کہ مت کہہ داستانِ شعلہ کو
دل کی آتش سے جو ہووے آبدیدہ کیا عجب — اشک سے خالی نہ پایا تابدانِ شعلہ کو
آئینہ سادہ نہیں ابتر کہ لاوے روبرو — دل میں رکھتا ہے چھپا عاشق نشانِ شعلہ کو

۵۶۵

حسن کے شعلہ کو دیکھے تیرے پروانہ اگر — بے تکلف ہی لگا وے آگ جانِ شعلہ کو
جو جلاوے سو جلاوے باد پر ہے وہ سوار — روک رکھ سکتا ہے کوئی بھی عنانِ شعلہ کو

کیا بیاں تجھ سے کروں میں عشق کا دل سے سلوک
پوچھ لے تو پنبہ دانہ سے بیانِ شعلہ کو

۵۶۶

مؤثر نہیں پاتے تری آہِ سحری کو — رسوا نہ کہیں کیجیو دل نوحہ گری کو
معشوق ہوا آئینہ خانہ میں نمایاں — دل طعن نہ کیجیو تو پریشاں نظری کو
فتنہ نے ترے خط کے لیا گھیر جہاں کو — پُر شور نہ کیوں کر لکھوں دورِ قمری کو
بے دام وہ ہوتا ہے گرفتار خبر لے — صیاد سے کہہ دے مرے بے بال و پری کو
کہتے ہیں خبر ہے کہ خبر بے خبر ہوگی — کیا عشق کی پہنچی ہے خبر بے خبری کو
پیکاں سے فقط دل کی تسلی نہیں ہوتی — جب تک نہ لگا لیوے گلے سے دوسری کو

منہ دیکھ کے اُس شمع کا دم عشق نے کھینچا
پروانگی ہے نالہ کی مرغِ سحری کو

۵۶۷

پھولوں کی سیج کیا کروں جو گلبدن نہ ہو — ہووے بھی صبحِ حشر جو صبحِ چمن نہ ہو
انداز و لطف شعر میں تصویر جیسے ہوں — اچھا سخن نہیں جو سخن در سخن نہ ہو
دینے میں پیچ اوروں کے کھاتا ہے پیچ آپ — وہ اختیار فن کرو جس فن میں فن نہ ہو
نسبت ہے اتحاد کی مانندِ بوئے گل — خلوت در انجمن ہو تو سیرِ وطن نہ ہو
عاشق کو نیرے چاہیے تجہیز نہ کفن — پروانہ کو ضرور نہیں جو کفن نہ ہو
مستی و پاک دامنی سے ربط ہی نہیں — کس کام کا وہ عشق جو دیوانہ پن نہ ہو
اس کج روی پہ چرخ کی خوش کس روش سے ہوں — مرغوبِ خلق ہو وہی جو بد چلن نہ ہو

گلگشتِ باغ و بادیہ گردی میں فرق ہے
یہ مرحلیں۱ ہیں عشق کے سیرِ وطن نہ ہو

۵۶۸

کسے ہوس ہے کہ دولت ہو یا تجمل ہو
بغل میں یار ہو اور جام سے توسُل ہو

ہوائے آہِ سحر گر فلک پہ سیر کرے
تو کیا عجب ہے کہ یہ شمعِ ماہ بھی گُل ہو

چمن میں ناز و ادا سے جما ہی جو لیوے
ہر ایک غنچہ سے بیشک صدائے بگُل ہو

سوائے رنج نہیں ہیں جہاں کی تدبیریں
گذرتی خوب ہے اُس کی جسے توکُل ہو

جگر میں لو ہو نہ آنکھوں میں نم رہا باقی
بھلا تمہیں کہو پھر کب تلک تحمل ہو

ہمارے اشک کی تائید اگر نہ ہو گلچیں
نہ گل چمن میں ہنسے نے فغانِ بلبل ہو

جہاں میں عشق کو آئیں پسند دو چیزیں
بہارِ زندگی ہو اور موسمِ گُل ہو

۵۶۹

جاتے ہیں اشک بہتے کسی کے سراغ کو
روشن کیا ہے۲ دل کے جو لوٹن چراغ کو

آنسو سے اپنے جام کو رو رو کے تھا بھرا
دے پٹکا اُن نے ہاتھ سے لے کر ایاغ کو

سینے۳ میں روشنی ہے سو اُس کے سبب سے ہے
کیوں کر بجھاؤں بارے کہو دل کے داغ کو

جانبازیوں کو میری نہ سمجھا وہ کھیل بھی
کس طور خوش دماغ کروں بد دماغ کو

تختوں کو اس چمن کے لگے آگ جل بجھیں
دیکھوں کس آنکھ سے ترے بن گل کو باغ کو

انصاف سے بعید ہے وحشت اگر نہ ہو
بلبل کے ہم مکان میں جو دیکھیں زاغ کو

اے عشق گرم و سردِ جہاں سے تو منہ نہ موڑ
مت کہہ بُرا تو دل کو نہ کچھ کہہ دماغ کو

---

۱ مرحلے - ۲ ہے اس نے - ۳ سینہ -

۵۷۰ +

زحمتِ تن سے محبت نے چھڑایا مجھ کو — تخت پر عرش کے لے جاکے بٹھایا مجھ کو
پرتوے جس کے سے یہ شمس و قمر روشن ہے — پردۂ حسن میں وہ نور دکھایا مجھ کو
کیوں نہ تعریف کروں اپنے خداوندکی میں — خاک ناچیز سے انسان بنایا مجھ کو
میں تو مخفی نہیں ہوں چشمِ حقیقت میں شے — گو گرفتار بے صورت کے بنایا مجھ کو
اس عنایت کے بیاں سے تو زباں قاصر ہے — پردۂ غیر میں منہ اپنا دکھایا مجھ کو
دل کو تھی عرش سے یا عرش کو دل سے الفت — جو ہنگورے میں محبت کے جھلایا مجھ کو

مستی اب میں نہ کروں تو کہو پھر کون کرے
عشق نے جام محبت کا پلایا مجھ کو

۵۷۱

کبھو شیشہ کی طرح دل نے رولایا مجھ کو — جام کے طور کبھو اُن نے ہنسایا مجھ کو
ظلم اور جور و جفا حق میں مرے خوب نہیں — بہلے ہے مہر و محبت سے بلایا مجھ کو
اور سب باتیں ہیں یہ بات ہوئی ہے تحقیق — جن نے پایا ہے تجھے ان نے ہے پایا مجھ کو
کیوں کے مشتاق ہوں محبت کا جلا تم ہی کہو — جو جو آتا تھا نہ مجھ کو سو سکھایا مجھ کو

عشق احسان فلک کا کروں میں کیوں کے بیاں
کوچۂ یار میں لے جاکے بٹھایا مجھ کو

۵۷۲

حال پر رفتگاں کے دل مت رو — جاگتے جاگتے گئے ہیں سو
شوخ کافر کو دل تو ہم نے دیا — ہونی اب جو کچھ ہووے اس پر ہو

+ غزلیں نمبر ۵۷۰ تا نمبر ۵۷۹ صرف لـ میں ہیں۔

چشم رونے کا نام تب لیجو | جیب اور آستیں تو اپنی ڈبو
شاید احوال سن کے کھاوے رحم | درد تو میرا کوئی اس سے کہو
باتیں خانہ خراب کرتی ہیں | آگے مت بولو بس ڈھکے ہی رہو
ہے ملاقات میں سراسر لطف | جو برا جانتے ہو تم نہ ملو

عشق کوچے میں اس کے جاتا ہے
ساتھ اس کے کوئی چلو نہ چلو

۵۷۳

نخچیر اسے سن کر کیوں کر نہ پریشاں ہو | عاشق کا دلِ نالاں جب تیر کا پیکاں ہو
پتھر سے نہیں کم دل مبہوت نہ ہو کیوں کر | صورت کو تری دیکھے آئینہ جو حیراں ہو
بجلی کہیں گرتی ہے جلتا ہے کوئی اور ہی | ہنستا ہے تو اوروں سے دل کیوں کے نہ بریاں ہو
اللہ کی قدرت سے کچھ دور نہیں عشق اب | وہ شوخ جفا پیشہ اس درد کا درماں ہو

آوے شبِ ہجراں میں لے جام و صراحی گو
ہو زندگی تازہ مشکل مری آساں ہو

۵۷۴

دیکھ آنکھیں تری ہنستی ہے خدائی مجھ کو | اتنی بھی خوب نہیں چشم نمائی مجھ کو
دستگیری کو تری رنگِ حنا نے پا کر | بے طرح تلووں سے ہے آگ لگائی مجھ کو
قطرۂ اشک چھڑک سوتے نصیبوں کو جگا | چشم روئے کہ نہیں آہ رسائی مجھ کو
خاک کو چھانتے ہی چھانتے میں خاک ہوا | دیکھئے ملتے ہی کیا خاک اڑائی مجھ کو
حالتِ دل کو بیاں تجھ سے غرض کیا کیجے | سخت ہے روزِ قیامت سے جدائی مجھ کو

---

۱ یہ شعر مقطع معلوم ہوتا ہے۔

بندہ پرور مجھے تو بندگی اپنی ہی میں رکھ — بن ترے کیا کروں گو ہوئے خدائی مجھ کو

عشق مدت سے تمنا تھی کہوں کچھ لیکن
جب ہوا سامنے کچھ بات نہ آئی مجھ کو

۵۷۵

گرچہ سب باتوں میں تم آفت ہو — دل کے لینے میں پر قیامت ہو

دل کی کیا پوچھتے ہو مر ہی گیا — روتے روتے غریقِ رحمت ہو

ہم نے تو اور ہی سنا تھا کچھ — بارے جیتے تو ہو سلامت ہو

تا دمِ مرگ جو نہ لے دم ہوش — تم کو وہ چاہے جس کی شامت ہو

یہ تو قدرت نہیں زباں سے کہے
عشق کو کچھ بھی تو عنایت ہو

۵۷۶

دل نہ دیں گو ہزار اپنا ہو — آہ جو اختیار اپنا ہو

دونوں عالم سے ہاتھ اٹھاتا ہوں — تو اگر ہمکنار اپنا ہو

جان و دل تک نثار کرتا ہوں — اتنے پر وہ جو یار اپنا ہو

قرب اتنا مجھے ملے تجھ سے — پاؤں تیرا غبار اپنا ہو

عشق کی دھو میں سن کے کہتا ہے
کس طرح وہ شکار اپنا ہو

۵۷۷

جب تلک قطع بند بند نہ ہو — مثلِ نے نالۂ بلند نہ ہو

نام اس کا یہ (اب) سفید ہوا — لعلِ شیریں کے آگے قند نہ ہو

جو خدا کو بھی آپ میں پاوے — کس طرح کہئے خود پسند نہ ہو

شیخ جاتا ہے رو برو اس کے — ہمیں کہیو جو ریش خند نہ ہو
زندگی دل کی آگ ہے جوں شمع — بھڑکے آتش سے یہ سپند نہ ہو
بے شبہہ بے نموں جو بے چوں ہے — بے کم و کیف چوں و چند نہ ہو

نظرِ لطف سے اگر دیکھے
عشق سا کوئی ارجمند نہ ہو

۵۷۸

چاہ میں مطعون مت کر بندۂ درگاہ کو — کھینچتے ہیں دل کو خوباں کہربا جوں کاہ کو
آئینہ عالم ہوا بے صورتی ہوئی جلوہ گر — جس طرف ہوں دیکھتا ہوں دیکھتا اللہ کو
جان جینے سے پشیماں دل علیٰ ہذا القیاس — حال میرا جا کہو کوئی مرے دلخواہ کو
اشک رو رو کر یہ کہتے ہیں زبانِ مژہ سے — گرم رو اے آہ مت ہو ساتھ لے ہمراہ کو
باؤلے دیوانے مستانے خراب و خستہ ہیں — ٹوکتا کیوں ہے فقیروں کی تو رسم و راہ کو
داغ مثلِ آفتاب و چشم ہے مانندِ ابر — کس طرح عاشق چھپاوے بارے کہئے چاہ کو
بے خودی کے میں تصرف سے ہوا ہوں ہست نیست — آہ میری تو دعا پہنچا دلِ آگاہ کو
کس طرح سے پہنچوں خدمت میں کہ قدرت سلب ہے — بے پری میری تو کہیو آہ بے پرواہ کو
چاہ میں اور جاہ میں تخسیس[1] تھی دھوکے کو کیا — گر پڑے ہم چاہ میں تم کہیو حبِّ جاہ کو
واردات اپنا[2] کہوں میں غیر سے ناداں نہیں — درد و غم میرا سبھی معلوم ہے اللہ کو

غرض میری عشق کی خدمت میں پہنچا آہ تو
راہ دکھلا راہ دکھلا جلد اس گمراہ کو

۵۷۹

جاتی ہے مری جان ادھر جان تو دیکھو — سنتے ہی نہیں بہرِ خدا کان تو دیکھو

---

۱ تخصیص۔ ۲ اپنی۔

دیوانے کو کہسار کے سمجھے ہو نمکدا! قربان ان آنکھوں کے یہ پہچان تو دیکھو
جوں آئینہ معشوق وہ رکھتا ہے بغل میں حیران اسے کہتے ہیں حیران تو دیکھو
ہر موئے بدن یاد میں جلتا ہے تری یاں کیا خوب تماشا ہے چراغان تو دیکھو
تھا خونِ جگر صرف ہوا آنے پہ اس کے دل دیتے ہیں لیتا نہیں مہمان تو دیکھو
بارش نے مرے اشک کی عالم کو ڈبایا سچ کہتا ہوں ٹک آکے یہ طوفان تو دیکھو
ذرّہ کے ہو خورشید بغل میں کہو کیوں کر اس منہ سے طلب بوسہ کی ارمان تو دیکھو
حیوان بہت دیکھے ہیں انسان کی صورت انسان کو نہ پہچانے وہ انسان تو دیکھو

جو قدر و قدر میں نہیں کرتے ہیں تفاوت
سو عشق ہوئے میرے قدر دان تو دیکھو

ردیف ہ

+۵۸۰

جب لا الٰہ سے تو ہووے آگاہ تب حق ہے باقی اور قصہ کوتاہ
خلق اور خدا کو دو سمجھوں زاہد استغفر اللّٰہ، استغفر اللّٰہ
میں تو کہاں ہے ہم تم غلط ہے اللّٰہ، اللّٰہ، اللّٰہ، اللّٰہ
میں کیوں کے دل کو دلبر سے رکھوں الحکمُ لِلّٰہ وَالملکُ لِلّٰہ
یوسف سے اپنے ہے مجھ کو مطلب اشکوا وَبثّی حُزنی اِلی اللّٰہ

شمشیرِ عشق اب لگ گئی ہے دل پر
ناگاہ، ناگاہ، ناگاہ، ناگاہ

+ غزل نمبر ۵۸۰ اور ۵۸۱ ... میں نہیں ہے۔

۵۸۱

معنیٔ لَا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ[1] ! — جلوہ گر ہے جدھر کرے تو نگاہ
بن نفی کے نہ ہووے یہ اثبات — کس طرح سے کروں تجھے آگاہ
ایک[2] دم چین کا نہیں دل کو — کیا بلا قہر تھا وہ تیرِ نگاہ
سب طریقوں سے ہے جدا یہ طریق — یاں جو دانا ہے سو ہی ہے گمراہ
اس[3] مصیبت کا نام کیا رکھوں — قہر یا درد یا بلا یا چاہ

عشق کی رمز کیا کہوں تجھ سے
دل سے آتی نہیں زباں تک آہ

۵۸۲ +

جی ہی لینا ہے دل خواہ — دیر نہ کیجے[4] بسم اللہ
تجھ سا پیارے کوئی نہیں ہے — لا اِلٰہ اِلّا اللہ
ہم روتے ہیں تم ہنستے ہو — دل کو دل سے سچ ہے راہ
شوکت اپنی ہے منظور — در در مت پھر بن کر ماہ

باتوں پہ مت جا[5] تو اس کی
مرتے مرتے عشق نباہ

۵۸۳

ترے پانوں پہ سر رکھوں مرے دل میں ہوس ہے یہ — دو عالم کے اگر بدلے تجھے دیویں تو بس ہے یہ
خجالت سے مری آبِ حیات اب پانی پانی ہے — اگر جاں بخشے ایسے کو مسیحائی میں جس ہے یہ
کٹی سب عمر میری انتظارِ آمد آمد میں — اگر آنا ہے تو آ جا رہا باقی نفس ہے یہ

---

۱ ر۲ بے نفی کے، ر۳ نفی کے بن۔ ۲ ر۵ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۳ یہ شعر صرف ر۵ میں ہے۔
۴ ر۳ 'پھر کیا دیر نہ کیجے'، ناموزوں ہے۔ ۵ ر۵ مت جا۔ + غزل نمبر ۵۸۲ اور ۵۸۳ ر۳ میں نہیں ہے۔

دلِ نالاں مرا ہادی ہوا ہے راہِ الفت میں
کہ یعنی بھولے بھٹکوں کے بلانے کو جرس ہے یہ

لگا ویں خونِ دل کو چشم سے ہم پانوں میں تیرے
حنا بندی اگر منظور ہو تو دسترس ہے یہ

مساحت کو فلک کی کل منجم تھے بیاں کرتے
دلِ بیتاب سے پوچھا لگا کہنے قفس ہے یہ

بہار آئی نہ جامِ مے نہ مینا ہے نہ گل پھولا
نہ بلبل ہی کہیں بولی خدا کیسا برس ہے یہ

دلِ نالاں کی کیفیت کو کیا تم سے بیاں کیجے
تعجب ہے کہ ہم فریاد و ہم فریاد رس ہے یہ

حجاب آتش کو کب ہے نیک و بد کا سوچ مت تو بھی
جلا دے بے تامل عشق کو گو خار و خس ہے یہ

۵۸۴

وہ دن گئے جو لب پہ تھی ہر وقت آہ آہ
نکلے ہے یار ضعف ہے اب[1] گاہ گاہ آہ

مانندِ اشک خلق کی آنکھوں سے گر گیا
جس کی طرف سے پھر گئی تیری نگاہ آہ

اس مملکت میں یہ بھی کوئی پوچھتا نہیں
کرتا ہے کس کے ظلم سے تو بے گناہ آہ

آنسو تو رو رو پہلے ہی آنکھیں بدل گئے
آخر تلک تو کیجیو مجھ سے نباہ آہ

تاثیر ہی نہ ہو تو نہیں عشق معتبر
ہوتی ہے دل کے جلنے پہ حضرت گواہ آہ

۵۸۵

اُس نکتہ سنج کا نہیں تنہا دہن گرہ
دیکھو جو اس کی زلف تو ہے ہر شکن گرہ

کیونکر کرے وہ خوبئ لکنت نری بیاں
اس کی زباں پہ پڑتی ہے جائے سخن گرہ

خاطر کو عاشقوں کی گرہ در گرہ نہ کر
بندِ قبا کو اپنے نہ دے سیم تن گرہ

زلفوں کی بو صبا جو گئی لے خطا کیا
نافہ میں رشک سے ہوا مشکِ ختن گرہ

تو کھلکھلا کے باغ میں جوں گل اگر ہنسے
کُھل جائے دل سے غنچہ کے رشکِ چمن گرہ

---

[1] اے آپ۔

یہ انبساط و عیش نہ کر تنگ گلعذار چینِ جبیں سے ہے ترے اک انجمن گرہ

فرسودہ عشق ناخنِ تدبیر کو نہ کر
تقدیر کی پڑی ہے نہایت کٹھن گرہ

۵۸۶

کیا بلا سخت یہ رکھتا ہے جگر آئینہ روبرو جو ترے کرتا ہے نظر آئینہ

دیکھ اعجاز ہے ناداں نگہِ گلرو کا بن گیا سنگ سے پھولوں کا شجر آئینہ

جب سے دیکھا ہے پسینا[1] ترے عارض پہ صنم تب سے رہتا ہے سدا دیدۂ تر آئینہ

نقش پا تیرے کا کیا عکس پڑا ہے اس میں سر بسر دیکھ لے ہے خاک بسر آئینہ

تیر پلکوں کے تری اس میں گذر کرتے ہیں گو کہ فولاد کی رکھتا ہے سپر آئینہ

سوچ[2] کر دیکھ رُخ و زلف کا سودا ہے بُرا روبرو اپنے نہ رکھ شام و سحر آئینہ

عشق تب اس رُخِ زیبا کے مقابل ہووے
دل کو جو اپنے بناوے تو اگر آئینہ

۵۸۷

ہو درد محبت سے جس کا جگر آلودہ وہ جانے کہ ہیں کیسے یہ چشم تر آلودہ

کیا درد ہے دل تجھ کو کچھ ہم کو بتا ظالم کس غم میں تو رہتا ہے شام و سحر آلودہ

کیا اشک مرے کم ہیں رنگنے کو[3] کفِ پا کے پھر پالوں کو مہندی سے ظالم نہ کر آلودہ

یہ سینۂ بریاں تو تودے سے نہیں کچھ کم ہر ایک طرف مت کر تیرِ نظر آلودہ

مت[4] عشق کے پاس آؤ جل جاؤ گے ناحق کو
کوئی دم میں نکلتی ہے آہِ اثر آلودہ

---

۱ رف 'پسینہ' درست ہے۔ ۲ یہ شعر صرف رف میں ہے۔ ۳ رلا میں۔
۴ رلا 'تب عشق کے پاس جل جاؤ گے ناحق کو' ناموزوں ہے۔

۵۸۸

آ چکے ہم جو دور باش ہے یہ ۱ — یہ زباں یا قلم تراش ہے یہ

دوستوں سے خفا خفا پھرنا — واہ جی واہ کیا معاش ہے یہ

میری دلداری تیری خونخواری — کچھ چھپی تو نہیں ہے فاش ہے یہ

اشک با دل گرا جو آنکھوں سے — طور شیشہ کے پاش پاش ہے یہ

زندگی موت ہوئی ہے اُس کے ہاتھ
اپنی تو عشق بود باش ہے یہ

۵۸۹

نہ روک کہتے ہیں ہم تجھ سے راہِ دیوانہ — کہ یار بے طرح ہوتی ہے آہِ دیوانہ

پڑے جو برق پہ جل اٹھے یار و خرمن برق ۲ — برنگ شعلۂ عشق ہے نگاہِ دیوانہ

پڑا ہے مول وہ کونین تک نہیں بکتی — کچھ اور رکھتی ہے قیمت کلاہِ دیوانہ

غریب اس کو سمجھ کے کرو نہ تم پتھراؤ — یہ فوجِ اشک نہیں ہے سپاہِ دیوانہ

فلک تلک تو اسے سنگسار کرتے ہیں — سوائے حق کے نہیں ہے پناہِ دیوانہ

عبث خراب نہ ہو محتسب خدا سے ڈر ۳ — نہیں حساب میں رکھتے گناہِ دیوانہ

سبق جنوں کا جو عاقل ہیں اس سے پڑھتے ہیں
یقین جان کہ ہے عشق شاہِ دیوانہ

۵۹۰

ہے زباں میری اگرچہ پر جو کچھ کہتا ہے وہ — اٹھ گیا میں درمیاں سے آپ ہی رہتا ہے وہ

سر بسر دنیا کی تعمیرات بے بنیاد ہے ۴ — کل جو کچھ تم نے بنایا آج تو ڈھلتا ہے وہ

---

۱ لہ آنے ہی میرے۔ ۲ یہ شعر ۲ میں نہیں ہے۔ ۳، ۴ یہ اشعار صرف ۵ میں ہیں۔

فکر[1] کر دل جلد اپنی جا کے سنمکھ اس کے تو　　کھینچ کر تروار ہنواسوں کو پھر کہتا ہے وہ

کل تو پلکیں خشک تھیں پھر آج کہہ یہ کیا ہوا　　خونِ دل کل تھم رہا تھا آج پھر بہتا ہے وہ

در حقیقت عشق کو پروا نہیں کونین کی

مہربانی تجھ پہ ہے باتیں تری سہتا ہے[2] وہ

۵۹۱

بے نیازی تری قائم رہے اور ناز بھی ساتھ　　حسنِ جاں سوز بھی اور چشم فسوں ساز بھی ساتھ

عشق کے دام میں جب سے پھنسے آ کر صیاد　　سیرِ[3] گلشن بھی گیا اور پرِ پرواز بھی ساتھ

لطف[4] و انداز سے جو بات ہے خالی ہی نہیں　　ہر سخن اس کے میں ہے دیکھ تو انداز بھی ساتھ

رو[5] برو ہوتے ہی آنکھوں کی اشارت سے کہا　　کس طرح تجھ سے کروں بات ہے غماز بھی ساتھ

خلق کی آج زباں پر یہی چرچا ہے صنم

چشم بد دور کہ ہے عشق نظر باز بھی ساتھ

۵۹۲

سرِ سودا کو جلاتا ہے سرِ پروانہ　　سوخت کرتا ہے جگر کو جگرِ پروانہ

حسن کی شمع سے جز جلنے کے حاصل کیا ہو　　غیر آتش نہیں پڑتی نظرِ پروانہ

آتشِ شمع نہ ہو جس سے لپٹ جاوے وہ　　جلتے ہیں دیکھ تجھے بال و پرِ پروانہ

شمع کو پہلے جلا آپ بھی پیچھے جلنا　　داغ کرتا ہے مجھے یہ ہنرِ پروانہ

عشق جلنے کے سوا اور کچھ اچھا ہی نہیں

داغ کرتی ہے مجھے تو خبرِ پروانہ

۵۹۳ +

دیتا ہے کوئی یار کو آزار ہمیشہ　　رکھتا ہے کوئی زار کو بیزار ہمیشہ

---

۱ یہ شعر صرف رہ میں ہے۔ ۲ لا ہیں، غلط ہے۔ ۳ رک لطف ۔ ۴، ۵ یہ اشعار صرف رہ میں ہیں۔ + یہ غزل رہ میں نہیں ہے۔

شمشیر کو ہر وقت جو ہے کھینچ دکھاتا
اس شوخ سے ہے مجھ کو سر و کار ہمیشہ

اپنی تو دعا ہر گھڑی اللہ سے یہ ہے
قائم رہے یہ گرمیٔ بازار ہمیشہ

ہم تو ہوئے جب ایک دوئی کون بلا ہے
ناحق کو میاں کرتے ہو تکرار ہمیشہ

یہ ظلم کسی نے کسی پر بارے کیا ہے
آگے بھی زمانے میں تھے دلدار ہمیشہ

جینے کی نہیں آس نہ مرنے کا ہے دھوکا[1]
کس بات پہ کہتے ہو خبردار ہمیشہ

تجھ کو بھی خبر عشق کی کچھ پہنچی ہے ظالم
ہم دیکھتے ہیں اس کو تو بیمار ہمیشہ

۵۹۴ +

یہ نہیں کہتا مجھے تو جان رکھ
کام کے جو ہوں انھیں پہچان رکھ

بعد مرنے کے تو یہ حسرت نکال
شب کی شب جو نعش کو مہمان رکھ

جھوٹے قصوں کو عبث سنتا ہے کیا
درد دل سن ٹک ادھر بھی کان رکھ

جمدھر و شمشیر و برچھی ہو نہ ہو
سب کے بدلے ہاتھ میں اوسان رکھ

مرنے جینے کو نہ رکھ مقصود تو
عشق ہر صورت سے اپنی آن رکھ

۵۹۵

جس کو کہتے ہیں شاہ عالیجاہ
ہے حقیقت میں قیدِ تخت و کلاہ

دل جو آراستگی یہ تیری ہے
حق تعالیٰ نہ ہووے اس کا نباہ

آنکھیں عالم سے تم لڑاتے ہو
اس طرف بھی تو ہووے ایک نگاہ

آنکھیں رو رو کے کرتی ہیں رسوا
دل کا ہے کہئے بارے کوئی گناہ

---

۱ دھوکہ - + غزلیں نمبر ۵۹۴ تا نمبر ۵۹۶ صرف ٹ میں ہیں۔

کہنے لاگا کہ دل میں رہتا ہوں　　میری اس بات پر خدا ہے گواہ
سن کے دل نے یہ بعدِ دیر کہا　　کیجے کیا بس نہیں ہمارا آہ
کس تفکر میں ہے شبا نہ روز
عشق در پیش ہے وہ روزِ سیاہ

۵۹۶

آنکھوں میری کا تو تارا ہو نہ　　اس اندھیرے کا اجالا ہو نہ
زلف پر ہاتھ جلایا شب کو　　اتنے پر دل سے نکالا ہو نہ
گرد عالم کے پھر نہ خانہ خراب　　آپ ہی آپ تماشا ہو نہ
مال و دولت کے لئے دنیا میں　　جا سے تو اپنی نہ بے جا ہو نہ
دھوم پر حسن فرنگ آیا ہے　　دور میں ایسے مسیحا ہو نہ
ہے سزا وار انا الحق ہی کو　　تو ہی منصور دوبارا[1] ہو نہ
دور کر ہستئ وہمی کو تو
عشق سے عشق مبرّا ہو نہ

ردیف ی

۵۹۷

لے جو منظور ہو کہیں جا بھی　　نذر ہے جان و دل کلیجا بھی
تیر و تر دار آزمانے کو　　سر بھی حاضر ہے اور بھیجا بھی
درد دل میں تو پھیل پھیل نہ بیٹھ　　اُس کے تیروں کو ٹک لے ہے جا بھی
آج کہتا ہے دل خبر لاؤں　　قاصدِ اشک ہم نے بھیجا بھی

---

[1] دوبارہ۔

موت سر پر چڑھی ہو آتا ہے | خیریت چاہے تو پرے جا بھی
ننگ و ناموس کو جواب دیا | جو جو کہئے بجا ہے بے جا بھی
کب تلک دوری و فراق بتا | ایک دن ہم سے آ کے مل جا بھی[1]
ہم تو سب طرح اس سے صاف لِہے | گو وہ سو سو طرح سے اُلجھا بھی

کھولتے کھولتے کٹی سب عمر
رشتۂ زلفِ عشق سلجھا بھی

۵۹۸

کلی دل کی سینہ میں کل ڈہڈہی تھی | ہوا آج کیا عشق مرجھا رہی تھی
نہ[2] پوچھو جدائی کے دن کی حقیقت | مری آنکھوں سے جوئے خوں ہی بہی تھی
نظر پڑتے ہی اس کی دل لُٹ گیا جو | مگر حسن کی فوج کی وہ گہی تھی
کسو سے کہا تھا جلاؤں گا اس کو | اسی کے لئے یہ مصیبت سہی تھی

لگا کہنے چل دور ہو سامنے سے
مکرنا ہوں کیا میں نے ہاں ہاں کہی تھی

۵۹۹

یار تیرے شکار ہیں ہم بھی | ذبح کر رو بکار ہیں ہم بھی
بوئے گل ٹک ٹھہر[3] کہ چلتے ہیں | تیز رو جوں بہار ہیں ہم بھی
تو صبا رفتگاں سے یہ کہیو | کسو کے انتظار ہیں ہم بھی
اے شرر دیر کیا ہے[4] جلدی کر | ہم سفر ہم شعار ہیں ہم بھی
دم بدم رُک نفس نہ اتنا چل | جوں صدا بے قرار ہیں ہم بھی

---

۱ ل۵ آ کے ہم سے۔ ۲ ل۶ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۳ ل۵ ٹھیر ٹک۔ ۴ ل۵ کیا ہے دیر۔

کسو ہی طرح دل کو چین نہیں — آہ بے اختیار ہیں ہم بھی
گاہ شادی میں گاہ غم میں ہیں — صورتِ روزگار ہیں ہم بھی
بلبل اتنا بھی نوحہ خوب نہیں — دیکھ توسوگوار ہیں ہم بھی
ہاتفِ غیب نے کہا مجھ سے — اپنے دل میں پکار ہیں ہم بھی
دل نے غنچہ[1] سے یہ کہا رو رو — زخمیٔ بے شمار ہیں ہم بھی

نالہ و آہ ربط کیوں نہ کرے
عشق کی یادگار[2] ہیں ہم بھی

۶۰۰

زندگی کوئی دم کوئی پل ہے — جلد آ ورنہ یہ بھی فیصل ہے
کسو صورت اسے خدا دکھلا — دل مرا آج سخت بے کل ہے
دل جگر چپ رہو خدا سے ڈرو — دو ہی تیروں پہ آتنی کلکل ہے
کل سے بے کل کیا ہے اس گل نے — جن کو یاں آج ہے انھیں کل ہے
بے کلی اس کے گرد کب پھٹکے — جس کے ہاتھوں میں دل کی دل کل ہے
حاصلِ[3] دردِ عشق یار نہ پوچھ — تادمِ مرگ روز اوّل ہے
پاٹ[4] دریا کا تونے دیکھا ہے — ایک دامن کا اس کے آنچل ہے
کس کی طاقت جو آئے اس دل میں — یہ محل تیرے بن مقفل ہے
کوچ ہے عنقریب کیا دم کا — تن کی بستی میں یہ جو ہلچل ہے

---

۱ لا غنچے۔ ۲ ش یاد' غلط ہے۔ ۳ ر۳ لا میں یہ شعر مقطع ہے۔
۴ ر۳ لا میں یہ ایک دوسری غزل کا مطلع ہے۔

ایک دم اشک بن نہیں رہتی　　چشم ہے یارو یا یہ بادل ہے
شمعِ سوزاں ہے عشق یا دل ہے
شعلۂ آہ جو مسلسل ہے[1]

۶۰۱

گل کے خریدار ہوا چاہیئے　　داغ سے گلزار ہوا چاہیئے
سر کے لئے سر کے تئیں دیجئے　　صاحبِ اسرار ہوا چاہیئے
جی نہ رہے یار ہے اس امر میں[2]　　یار کے پر یار ہوا چاہیئے
مجھ سے اگر دوستی منظور ہے　　اور سے بیزار ہوا چاہیئے
آرزوئیں دل کی جو دیوے جلا　　اُس کے طلب گار ہوا چاہیئے
ہووے[3] مسیحا کے اگر دل میں چاہ　　پہلے تو بیمار ہوا چاہیئے
خال و خط و زلف و رخ اب چھوڑ کر　　دل سے گرفتار ہوا چاہیئے
چاہیئے جب حق سے یہی چاہیئے
عشق میں سردار ہوا چاہیئے

۶۰۲

اُٹھ گئے یار جو شتابی سے　　چھوٹے دنیا کی وہ خرابی سے
بھرے دل میں گُلِ گلاب ہی تھے　　آنسو نکلیں نہ کیوں گلابی سے
تیری آنکھیں جنھوں نے دیکھیں[4] ہیں　　مست پھرتے ہیں وہ شرابی سے
جوں نگیں چاک چاک ہے یہ دل　　اس زمانے کے انقلابی سے
سونگھ کر میرے دل کی بوئے کباب　　ہنس کے کہنے لگا شتابی سے

---

۱ ن۳ و ن۴ میں یہ شعر ایک دوسری غزل کا مقطع ہے۔　۲ ن۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔　۳ ن۲ ن۳ ن۴ ہووے۔
۴ ن۵ دیکھی۔

گرم اتنی مصاحبت نہ کرو کچھ نظر آتے ہو کبابی سے
مضطرب روز عشق رہتا ہے
کہیو اے درد اضطرابی سے

۶۰۳

ایذا میں عاشقوں کے بیباک ہو گیا ہے کچھ ان دنوں فلک تو سفاک ہو گیا ہے
اب جائے شعلہ اس سے اٹھیں نہ کیوں بگولے جل بل کے مدتوں سے دل خاک ہو گیا ہے
بادِ صبا سے آگے جاتا ہے شور اس کا نالہ کچھ ان دنوں میں چالاک ہو گیا ہے
کوئی نہال تازہ یاں خاک میں ملا ہے یہ چرخ جس کے غم سے کاواک ہو گیا ہے
شیریں لبوں سے بسکہ کھینچی ہیں تلخیاں میں یہ جامِ زہر ساقی تریاک ہو گیا ہے
آتش میں ڈال دل کو بے فکر و بے تامل جو عشق میں جلا ہے سو پاک ہو گیا ہے
کیا جانے کس طرح کا ہے دردمند عشق اب
دیکھا ہے جن نے اس کو غم ناک ہو گیا ہے

۶۰۴

اپنے گھر سے یار باہر نزک جانا کیجئے جو کوئی اچھا کہے تو اس کو مانا کیجئے
یہ سرِ رستہ دکانیں چشم کی موجود ہیں نورِ روشن کی طرح ان میں[۲] ٹھکانا کیجئے
چوری یاروں سے دغا پیروں سے[۱] اچھی ہے نہیں اور کے گھر جائیے ہم سے بہانا کیجئے
باغباں رخصت اگر دے بے تکلف سیر کی چند روز اس باغ میں بھی آشیانا کیجئے
عشق ناداں دوست ہے، اور دشمنِ دانا ہے وہ
یار بار ہی کیجئے نو یار دانا کیجئے

---

۱ ک میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۲ ک اس میں۔

۶۰۵

ساقی کو کہو جام و صراحی کو اٹھا لے | کیا دست نگم آنکھوں کے ہیں دیکھنے والے
ایذائیں جو کچھ دل نے ہمیں دی ہیں کہیں کیا | کرتے ہیں بُروں کو تو خدا ہی کے حوالے
پروانے کو در پردہ جلاتی ہے عبث تو | اے سوختہ دل پردۂ فانوس اٹھا لے
قدرت سے خدا کی جو کبھو ہو جے تنہا | ہر ایک بہانے سے وہ اوروں کو بلا لے
آنکھیں نہیں جو ان کو کوئی موند کے رکھے | مچلائی پہ دل آوے تو پھر کون سنبھالے
دل لے چکے یہ جان بھی ہے نذر تمہاری | کہنے لگا چل دور ہو یہ میری بلا لے
یک لخت بد و نیک پہ یہ ظلم ستم گر | بے ساختہ کہتا ہوں کسی کی تو دعا لے
اُس شوخ ستمگار سے کچھ بن نہیں آتی | پڑ جائے اگر منہ پہ نظر دیدے نکالے

گو بگڑیئے کاکل سے نہیں چھوٹتی وہ عشق
زنجیر کی مانند پڑی پانو منا لے

۶۰۶

جگر کو خوں کر آنکھوں سے جب وہ بے وطن نکلے | مژہ کے طور پر آنسو سے پیکانِ کہن نکلے
لبوں پر مہر خاموشی تو اپنے واسطے رکھی | زباں سے تیری بے مرضی مبادا کچھ سخن نکلے
نکل آویں تماشے کو گریباں چاک کر غنچے | مرا گل پیرہن جو سیر کو طرفِ چمن نکلے
ملے واں حضرتِ یعقوب نورِ دیدہ نرگس کو | اگرچہ باغ میں یوسف کا میرے پیرہن نکلے
تصور میں اگر اس گوہرِ مقصود کے روؤں | بجائے اشک آنکھوں سے مرے دُرِّ عدن نکلے

---

۱ ر ۵ بروں کی۔ ۲ ل ۵ ہو۔ ۳ ر ۵ بہانہ۔ ۴ ر ۳ ر ۴ ر ۵ پہ

۵ اسی غزل کا ایک اور شعر ر میں ہے ~

ہر خار جو سر سبز نئے سر سے ہوا ہے ؎ دیوانے کے پھوٹے ہیں مگر پاؤں کے چھالے

بساط عاشق کی جز نامِ خدا کیا اور بھی کچھ ہے — اگر بلبل کے گھر نکلے تو برگِ گل کفن نکلے

یقیں تم جانوں یارو عشق سیدھا سب کو کرتا ہے

مقابل کیسے ہی بانکے ہوں اُن کا بانکپن نکلے

۶۰۷

آج وہ بدگمان جاتا ہے — دیکھیں کس کس کا جان جاتا ہے

جاں تک ہم بھی نذر کرتے ہیں — نہ رہا وہ ندان جاتا ہے

سیرِ گلشن نہیں فقط منظور — بر سرِ امتحان جاتا ہے

اتنی بے اعتنائی خوب نہیں — کسی کا اس میں جان جاتا ہے

دل بھی رخصت ہوا یہی کہہ کر — اشک کا کاروان جاتا ہے

مانتا[2] ہے وہ یوں کسو کی بات — اپنے گوں کی وہ مان جاتا ہے

لوٹتا[3] خاک پر ہے پیرِ فلک — جب کوئی نوجوان جاتا ہے

آگ دے دل کو یہ لگا کہنے — بے طرح یہ مکان جاتا ہے

کھڑے ہوتے ہیں جس مکان میں ہم — واں سے ٹل آسمان جاتا ہے

دیکھنا ہے تو اس کو آ ٹک دیکھ — ورنہ یہ نیم جان جاتا ہے

دل سلامت رہے وگرنہ عشق

دوستی کا نشان جاتا ہے

۶۰۸

موسمِ گل ہے اگر دید کی رخصت دیجے — فرصتِ وقت غنیمت ہے جو مہلت دیجے

ماسوا سے رہے بیزار دلِ وارستہ — یا علی بہرِ خدا اتنی تو ہمت دیجے

ا؎ جانو، درست ہے۔ ۲ ر؎۳ میں یہ شعر مکرر درج ہے۔ ۳ ر؎۳ لوٹتا ہے وہ پرے پیرِ فلک۔

مجھ کو جو چاہیے سو کیجئے گنہگار ہوں میں ‏— سانس لینے کی ذرا دل کو[1] تو فرصت دیجے
راحت و عیش، خوشی تیری خوشی ہے مجھ کو ‏— یہ غلط ہے[2] جو کہیں تم سے کہ راحت دیجے
اور تہمت تو سزاوار نہیں عاشق کو
تہمتِ عشق اگر دیجے جو[3] تہمت دیجے

۶۰۹

لطف جینے کا سوا تیرے نہ پایا ہم نے ‏— زندگی سے ہی غرض ہاتھ اُٹھایا ہم نے
دیکھ کر زخم کی صورت پھٹی چھاتی اس کی ‏— سینۂ جرّاح کو افسوس دکھایا ہم نے
سرگذشت اپنی کو القصہ بطورِ قصّہ ‏— اُس جفاکار کو رو رو کے سنایا ہم نے
کچھ ترحم نہ کیا سُن کے وہ ہنستا ہی رہا ‏— آخرِ کار لگا کہنے کہ پایا ہم نے
رشک سے ذکر ترا عشق زباں سے نہ کیا
جوں نگیں نام ہی کو دل پہ کھدا یا ہم نے

۶۱۰

کلی کا تیرے آگے کیا دہن ہے ‏— ہزاروں طرح کا اُس پر سخن ہے
بجائے[4] اشک لہو ہے ٹپکتا ‏— الٰہی چشم یا زخم کہن ہے
نہ عُریانی کی کر تحقیر اے شیخ ‏— یہ خاک ہی عاشقوں کا پیرہن ہے
نہیں پتھر میں یارو بے بہا لعل ‏— یہ خونِ آرزوئے کوہکن ہے
نہ ہو باغِ ارم سبز اس کے آگے ‏— ترا روئے مبارک وہ چمن ہے
گلی تیری کو کہتے ہیں بلا ہے ‏— مجھے کیا کربلا میرا وطن ہے
صفا و رنگ و بو نازک نہایت ‏— الٰہی برگ گل ہے یا بدن ہے

---

۱ ل ۵ مجھکو۔ ۲ ل ۵ ہے۔ ۳ ل ۵ تو۔ ۴ ل ٹپکتا ہے لہو آنسو کے بدلے۔

۲۷۷

ترے کوچے[1] کو اہلِ دل ہیں کہتے گلی یا عاشقوں کی[2] انجمن ہے
کوئی[3] ہم چھوڑتے ہیں عشق تجھ کو
ہمارا جب تلک یہ جان و تن ہے

۶۱۱

دل میں اپنے ہی راہ کر لیجے جس طرح ہووے آہ کر لیجے
یار کے دل میں راہ کر لیجے آہ کر لیجے آہ کر لیجے
دل میں حسرت رہے تو خوب نہیں مرتے مرتے نگاہ کر لیجے
دیکھ رحمت کی تیری جلوہ گری جی میں آیا گناہ کر لیجے
جان گو جاؤ یا رہو اس میں جو کچھ ہو اُس کی چاہ کر لیجے
سجدۂ فقر ہو اگر منظور
عشق کو قبلہ گاہ کر لیجے

۶۱۲

تیرِ مژگاں جب اس کا چھوٹا ہے صاف سینہ کے پار چھوٹا ہے
رہ تو بے خوف تھونی آہ کی دے کیا ہوا آسمان ٹوٹا ہے
داد و فریاد کس طرح کیجئے فوج خوباں نے دل کو لوٹا ہے
خوف سے آہ کر نہیں سکتا ابھی نو رس ہے شوخ بوٹا ہے
عشق تیرِ مژہ کے لگنے کو
سینہ تو دے کا خوب[4] کوٹا ہے

۶۱۳

تیرے بن کرنی پڑی کس کس کی دلداری مجھے دل کی آنکھوں کی جگر کی ناز برداری مجھے

ا ل۵ کوچہ۔ ۲ ل۵ کا، غلط ہے۔ ۳ ل۳ ۱۲ میں یہ شعر مکرر تحریر ہے۔ ۴ ل۳ خوف، غلط ہے۔

چھٹ گئی ہے ان دنوں ہاتھوں سے زلفوں کی کمند
کون سکھلا دے وگرنہ یار عیاری مجھے

تیرے ملنے نے قیامت کر دیا مجھ کو سبک
ہر گھڑی ہر بات پر کرنی پڑی زاری مجھے

شکوۂ[1] قسمت کروں یا خوبیٔ طالع کہوں
خوابِ غفلت دی تجھے بے چینی بیداری مجھے

گو ضعیف و ناتواں و زار و نالاں خستہ ہوں
رستم اپنے وقت کا ہوں تو جو دے یاری مجھے

ملک و مال[2] و دولت و دنیا جسے چاہے وہ دے
سب کے بدلے آپ کو دے حضرتِ باری مجھے

خدمتیں بٹتی تھی جس دن عشق کے دربار میں
سرکشی تجھ کو ملی خونخوار، غم خواری مجھے

۶۱۴

بھلے بُرے پہ کسو کے[3] تجھے نظر بھی ہے
ہوا نہ خوف جہاں کچھ خدا کا ڈر بھی ہے

جفا و جور کہاں تک خدا سے ڈر ظالم
سوائے دل شکنی اور کچھ ہُنر بھی ہے

ستم ظریف نہ ہو اس قدر غریبوں سے
ہر ایک چیز کا آخر کو کچھ ثمر بھی ہے

ہمارے رونے پہ گل کی طرح سے ہنستے ہو
نرا یہ پانی نہیں اس میں کچھ اثر بھی ہے

ہمیشہ کوچے میں دن رات شور کرتا ہے
کوئی تو پوچھو کہ خانہ خراب گھر بھی ہے

نہیں ہیں لعل و گہر پاس میرے گو لیکن
جگر کے ٹکڑے ہیں اور یار چشمِ تر بھی ہے

دلِ غریب کا احوال پوچھتے ہو کیا
چڑھی ہے عشق کی تپ اور دردِ سر بھی ہے

۶۱۵

شامِ غربت کو خداوند سحر آوے گی
یا اسی غم میں مری عمر بسر آوے گی

دلِ بیتاب[4] خبر لینے کو واں تک پہنچا
ہوں اسی سوچ میں کیا اُس کی خبر آوے گی

---

۱ یہ شعر صرف ن۳ ن۱۲ ن۵ میں ہے۔ ۲ ن۵ ملک و جاہ۔ ۳ ن۲ ن۳ ن۱۲ ن۵ پر کسی کے۔ ۴ ن۵ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۶۱۵

جیتے جی کس کی ہے طاقت جو لے آوے دل کو — سر کئی جائیں گے جب نعش بھی گھر آوے گی

جب خفا ہو کے نکل جاوے گا وہ وحشت سے — قدر عاشق کی انھیں تب ہی نظر آوے گی

اشک کے سیل میں طوفانِ تماشا ہو گا — کشتیِ چشم کی جب بحر نظر آوے گی

دلِ بیتاب خبر لینے کو ہے عشق گیا[1]
ہوں اسی سوچ میں کیا اُس کی خبر آوے گی

۶۱۶

شہرِ سودا زدہ میں منڈی ہے دیوانوں کی — جو درِ چشم ہے دکان ہے دُر دانوں کی

جام مے دور میں پھرتا تھا جو ساقی نے کہا — چرخ کھانی ہی پڑی خاک پریشانوں کی

غیرتِ دوستی افسوس جہاں سے اٹھی — بات سنتے ہیں یگانے ترے بیگانوں کی

سرگذشتوں کو[2] بیاں کن نے کیا شمع کی آہ — لوتھ پر لوتھ گری سنتے ہیں[3] پروانوں کی

گلشنِ شہر سے تا دشتِ جنوں تک دیکھو — فصلِ گل میں ہوئی ہے سیر گریبانوں کی

موسمِ گُل ہے دہکتے ہیں چمن کے تختے — کس طرح گرم نہ ہو بزم غزل خوانوں کی

بے شعوری مری ظاہر ہے دیا دل لیکن — بات سنتے ہیں خردمند بھی نادانوں کی

لعلِ لب ساقی کے جو چوم لئے عیب نہیں — شیخ لغزش یہی ہے دیکھ لے مستانوں کی

سر بکف تیرے خریدار پڑے پھرتے ہیں
عشق وہ کر چکے جن کو پڑی ہے جانوں کی

۶۱۷

رو رو کے کہا چشم نے یہ دل کی زبانی — جوں عمر شبِ وصل کی میں قدر نہ جانی

سبحانی کا جملا[4] ہے میاں تیری زبانی — پھبتی[5] ہے مرے حال پر ما اعظمِ شانی

---

۱ ۳ ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۲ ۵ سرگذستونکی، غلط ہے۔ ۳ ۲ ۳ ۲ ہی۔ ۴ جملہ۔ ۵ ۵ بنتی۔

کس طور نہ روکھا ہو ترے تیر کا پیکاں ۔۔۔ چاٹا نہ ذرا خوں نہ ملا بوند بھی پانی
رہتا ہے بغل میں مرے دل، نام جفاکار ۔۔۔ ہوں دوست میں اُس کا وہ مرا دشمنِ جانی
مانند صبا عمر تو پرواز میں اُڑ گئی ۔۔۔ آخر دمِ پیری میں تو کر بال نشانی
سینہ[1] میں نہ آنکھوں میں گریباں نہ بغل میں ۔۔۔ دامن میں کہیں لگ رہی ہے دل کی نشانی
یہ عشق سوا اور کسی کا نہیں زہرا[2]
جی دینے تلک بات کبھی[3] منہ پہ نہ لانی

۶۱۸

بات جانی ہی رہی رات چلی جاتی ہے ۔۔۔ تیری[4] ہر بات میں وہ بات چلی جاتی ہے
مرتے مرتے بھی ترے ہم تو کبھو منہ نہ لگے ۔۔۔ ناہ تو ہی تری بدذات چلی جاتی ہے
چشم سے اُس کو عداوت ہے وگر نہ دل سے ۔۔۔ کچھ ملاقات خیالات چلی جاتی ہے
دور تیرے[5] میں کہاں تک رہوں گریاں ساقی ۔۔۔ جام دے جام کہ برسات چلی جاتی ہے
صورت حال ملاقات نہ پوچھو مجھ سے ۔۔۔ نام پر میرے میاں لات چلی جاتی ہے
کم نہیں ہوتے شب و روز کے وعلے تیرے ۔۔۔ رات دن عمر ہی ہیہات چلی جاتی ہے
ایک روکھا ہے تجھی سے تو جہاں میں وہ عشق
ورنہ اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے

۶۱۹

ہمیں قدیم سے یاں بندگی غلامی ہے ۔۔۔ جو کچھ سلوک کروگے تو نیک نامی ہے
ڈراتے ہو ہمیں ہر وقت قتل کرنے سے ۔۔۔ سوائے حق کے غریبوں کا کون حامی ہے
نگہ کا تیر بھی دل سے مرے یہ کہتا ہے ۔۔۔ یہی ہے نذرِ بتاں اور یہی سلامی ہے

---

۱ ر، ۳، لا سینے۔ ۲ زہرہ۔ ۳ ر، ۳، لا، ۵ تری۔ ۴ ر، ۳، لا بیری۔
۵ ر، ۵ دور میں تیرے، دے ہجر میں تیرے۔

نگاہ حسن پہ کرتے ہیں جی سے دھو کر ہاتھ — خیال و فکر اگر دل میں آویں خامی ہے
یہ خوبرویوں کے گھر کا کرایہ سستا ہے — جگر ہے خوردنی[1] اور دل میاں مقامی ہے
زباں پہ لاتے ہیں کب بات یہ حلال نمک — لبوں کی تیرے شکایت نمک حرامی ہے

غریب[2] عشق قدم آگے کس طرح رکھے
چڑھی نگاہ ہے اور چشم اہتمامی ہے

۶۲۰

رہتے نہ ایک دم بھی ہم اس چمن سے جاتے — کہتے ہیں آج کل تو وہ ہیں ادھر کو آتے
دہشت سے اس کی آنسو ہم پی ہی گئے ہیں — طوفاں جہاں میں آتا جو اشک کو بہاتے
آنکھوں کی بھی اشارت اس سمت کو جو ہوتی — تم[3] عاشقوں کو اس کے ڈھونڈے کہیں نہ پاتے
جو جانتے صبا کا اس کی طرف گذر ہے — صورت کو اپنی کب کا ہم خاک میں ملاتے
اے شور[4] حسن تو نے کچی ہی نیند اٹھایا — محشر کے دن فرشتے ورنہ ہمیں جگاتے
بازار عاشقوں کا کل گرم واں ہوا تھا — مضمون عشق بازی پڑھ پڑھ کے تھے سناتے
مانند قصہ خواناں پاتے اگر توجہ — دو چار وارداتیں کہتے اسے رولاتے

افسوس عشق ہم تک اس کی خبر نہ پہنچی
اس معرکہ میں کل کے بے شبہہ ہم بھی جاتے

۶۲۱

وہ نظر امتحان پر آئی — دل خبر لے کہ جان پر آئی
آہ کو سن کہا فرشتوں نے — کیا بلا آسمان پر آئی
مختلط زلف ہو کے شانہ سے — ان دنوں اور ہی شان پر آئی

---

۱ لکھ خورنی، غلط ہے۔ ۲ لکھ میں یہ شعر مقطع سے پہلے ہے۔
۳ دلکھ رھ ایذائیں کھینچتے ہم اور جی میں کچھ نہ لاتے۔ ۴ رھ چمن۔

دل کی دل میں رہی گئے گو مر پر نہ دل سے زبان پر آئی
جان پر میری سہل تھی شمشیر رفتہ رفتہ جہان پر آئی
کاٹ سینہ کو دل پہ جب بیٹھی کہنے لاگا مکان پر آئی
یہ شکایت کا وقت عشق نہیں
بات ہے اب ندان پر آئی

۶۲۲

بحرِ عمیق کون سے کا یہ حباب ہے دریا ہے خلق عشق جہاں کا سراب ہے
موج و حباب و کف[1] یہ شیونات بحر ہیں جب مٹ گئے تو تختۂ آئینہ آب ہے
ہر ہر سخن کا تیرے مرے دل پہ داغ ہے اس کا حساب جو کرو سو بے حساب ہے
فرقت کی آگ آہ جہنم سے کم نہیں دل مدتوں سے سینہ میں میرے کباب ہے
چھپتے ہیں مثلِ ماہ تجھے دیکھ شرم سے خوبانِ روزگار میں تو آفتاب ہے
سنبل کو تیری زلف کی شاید ہوا لگی مثلِ ہوا جو آج اسے پیچ و تاب ہے
کرتے ہیں کوئی دم میں بہشتوں کی سیر دل گھبرا نہ زندگی ہی تلک یہ عذاب ہے
آثار اس کے دید میں آتے نہیں مری تب پوچھتا ہوں تم سے کہ دنیا میں خواب ہے
توڑے حباب چشم کے اس موجِ زلف نیں[2]
کیا کہئے عشق اب بھی وہی آب و تاب ہے

۶۲۳

یہ دیدۂ تر اور بھی کچھ کام کریں گے یا صرف وہ رو رو ہی کے بدنام کریں گے
جینے میں شکایت تو ہیں خوش نہیں آتی مر جائیں گے تب شکوۂ ایام کریں گے

---

۱ ف حبابِ کف۔ ۲ نے۔

آگے تو غرض کیا کہیں آنکھوں سے ہم اپنی
طوفاں بھی کہو گے تو سر انجام کریں گے
گو فرض کیا دن ہے بھٹکتا پھرے اب کون
زلفوں کے تری سایہ میں ہم شام کریں گے
کہتے ہیں نہیں زیرِ فلک بسترِ راحت
دل اپنے میں ہم بیٹھیں گے آرام کریں گے
معشوق کے ہاتھوں سے خلاصی نہیں ممکن
دل لے چکیں گے جان کا پیغام کریں گے
وہ کام فقط شیخ جی تسبیح سے لیں گے
ہم دانہ کریں گے اسے ہم دام کریں گے
تیور پھرے ہیں میری طرف سے ابھی آگے
کیا جانئے کیا گردشِ ایام کریں گے

روشن کریں گے داغ کو ہم عشق کے ہر طور
ان آنسوؤں کو روغنِ بادام کریں گے

۶۲۴

مرتے مرتے گئی نہ[1] تنہائی
اے شبِ وصل تو بھلے[2] آئی
دل تو گوشہ میں اپنے بیٹھا رہ
کہتے ہیں شوخ ہے وہ ہرجائی
ننگ اور نام سے گذرا[3] اے دل
لطف ہے عشق میں سو رسوائی
میری صورت سے ہو گئیں[4] بیزار
طاقت و صبر اور شکیبائی

آگے[5] تو مجھ کو عشق کہتے تھے
ان دنوں میں لقب ہے[6] سودائی

۶۲۵

آنسو جو ہے نکلتا سو درد سے بھرا ہے
کیا ماجرا ہے دل پر کیا غم ہے کیا بلا ہے
حالِ مزاج بندہ کیا پوچھتے ہو ناحق
دو چار ہی گھڑی میں تم دیکھ لیجو کیا ہے
کس کی ہے راہ تکتا وہ کون شخص ہو گا
پانی ہو جان میرا آنکھوں میں آرہا ہے

---

۱ ن۳ ن۲ یہ۔ ۲ ر۲ خوب تو۔ ۳ گزر۔ ۴ ن۵ ہو گئی۔ ۵ ر۲ پہلے۔
۶ ر۲ اب لقب ہو گیا ہے سودائی۔

۲۸۴

رخصت دل و جگر اب جو مانگتے ہیں ہم سے — کہہ دو انکھوں کو جاویں اپنا بھی اب خدا ہے
بیٹھا ہے اس طرح سے گویا کہ یاں نہیں ہے — تیرا خیالِ نازک ظالم کدھر گیا ہے
قیمت پڑی ہے دل کی ناز و ادا و الفت — کیوں چھینتے ہو نا حق سودا ابھی چکا ہے

مانیں گے عشق ہم بھی تسخیر یہ جو ہوگا
گو سیکڑوں پہ آگے جادو ترا چلا ہے

۶۲۶

فلاطوں نے لڑا حکمت جو یوناں میں عمارت کی — کسی عاشق نے موجِ اشک سے کہتے ہیں غارت کی
کسو نے عاشق و معشوق کا احوال جو پوچھا — ادھر کو دیکھ پھر اپنی طرف اُن نے اشارت کی
حقیقت مہر و مہ کی یا گل و بلبل کی اب کہئے — جدائی میں تری دلدار کس کس نے شرارت کی
نکل سکتی نہیں ہرگز کسی تدبیر سے یارب — دماغ و دل میں جس کے بھر گئی ہے بو امارت کی

جلایا طور جن نے، وادیٔ ایمن کیا روشن
اسی شعلہ کی ہم نے عشقِ انساں میں زیارت کی

۶۲۷

نیک و بد پر ترے نگاہ نہ کی — جل گئے مثلِ شمع آہ نہ کی
راہ کی بات اس سے مت پوچھ — اپنے ہی دل میں جن نے راہ نہ کی
مرد و زن حُسن کے ہیں دیوانے — کن نے یوسف کی یاد و چاہ نہ کی
خن کے بدلے دیا نہ دنیا کو — اتنی بھی تو نے رو سیاہ نہ کی
خاکساری کو چاہتے ہی رہے — کبھو تو ہم نے حبِّ جاہ نہ کی
چشم کو چشم تیری چشم سے تھی — سو نظر اُن نے ایک ماہ نہ کی

---

۱ ۳ کسکی، ۲ کس کس کی۔ ۲ ۵ رات۔

۲۸۵

جی دیا اس کو آہ کی مت پوچھ
خواہ کی ہم نے عشق خواہ نہ کی

۶۲۸

ہم مر گئے مدت سے کہاں ما و منی ہے — جامہ کو قبا کر چکے پوشش کفنی ہے
حب الوطن اپنے کو فراموش کیا ہے — تم جس کو وطن کہتے ہو سو بے وطنی ہے
ہر ایک نگہ اس کی مری چھاتی پہ یارو — تم اس کو یقیں جانیو برچھی کی انی ہے
ظاہر پہ فقیروں کے نہ کر طعن تو سفلے — اب تک نہیں تو نے سنا اللہ غنی ہے

ناخن سے تفکر کے جو ہستی کو اکھاڑا
انصاف تو کر عشق کم از کوہکنی ہے

۶۲۹

دل چھن ہی گیا جان پر اب آن بنی ہے — اُس کی نگہِ تیز تو برچھی کی اَنی ہے
کس طور سے جوشش نہ کرے درد مرے ساتھ — اس ملکِ مصیبت میں وہی ہم وطنی ہے
یوسف کو کنوئیں میں تھا جو گرا اس کو نکالا — دل دیکھ کے رکھ پانو یہ چاہِ ذقنی ہے
شیریں دہاں کام کہیں کیوں کے نہ مجھ کو — مدت سے اجارے میں مرے کوہکنی ہے
جوں[2] مُہر کہو کیوں کے درِ دل پہ نہ بیٹھے — ماننِدِ نگیں یار مرا اک سخنی ہے
الماس بھی پتھرا گئے دانتوں کو ترے دیکھ — بندا[3] ترے ہونٹوں کا عقیقِ یمنی ہے

آئینہ پہ میں رشک سے جو پھول کو مارا
واں داغ پڑا عشق یہ نازک بدنی ہے

۶۳۰

سلوکِ سنگ اور شیشہ دیکھو لگا نگت کا یہی اثر ہے — غلط بہ مشہور ہو گیا ہے جگر جگر ہے دگر دگر ہے

---

۱ الف میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۲ لـ جو۔ ۳ لـ بندہ ' درست ہے۔

نشان دل کا ملا نہ ہم کو اگرچہ ڈھونڈا ہے جز و کل کو
اُدھر جو پوچھا کہا اِدھر ہے اِدھر جو پوچھا کہا اُدھر ہے

خبر کو لینے جو تم گئے تھے خوشی سے چلے ہو آتے[1]
جو کچھ سنا ہو سو جلد کہئے قرار پر ہے قرار پر ہے

مثال دم کی چلا ہوں جاتا کہوں میں کیا تم سے[2] حال اپنا
جہاں میں مجھ کو حضر نہیں ہے سفر سفر ہے سفر سفر ہے

خیال محبوب دل میں رکھنا زباں سے ویسا ہی شعر پڑھنا
مزاج عشق اب کچھ ان دنوں میں کدھر نہیں ہے کدھر کدھر ہے

۶۳۱

کیا کہوں میں تم سے یارو سخت مشکل ایک ہے
فکر دنیا ہیں کروڑوں اور یہ دل ایک ہے

قتل کرنے کی تو نوبت ہم تلک آوے کہاں
یاں تو مجرم ہیں ہزاروں اور قاتل ایک ہے

اس خودی سے بے خودی تک پانچ سات[3] دن کی راہ
اور میں کہتا ہوں جھوٹ[4] ہے اس کو منزل ایک ہے

عید قرباں دست بستہ اس کے آگے ہے کھڑی
ایک جو مارا گیا تو نیم بسمل ایک ہے

لیلی و مجنوں ہیں گنتی میں اگرچہ ایک دو
جس طرح کہنے ہیں[5] خانہ دو ہیں محمل ایک ہے

جس کو تم باطل کہو وہ اس کو حق ہیں جانتے
عارفوں کی چشم میں یہ حق و باطل ایک ہے

ایک سے پیدا ہوئے ہیں عشق یہ ہر دہ ہزار
سیکڑوں گل پھولتے ہیں دیکھ لے گل ایک ہے

۶۳۲

جہاں میں جو پھرتے تھے غل شور سے
گلی میں تری پھرتے ہیں چور سے

نہ ہووے یہ سر جو کوئی کاٹ لے
لیا دل کسو نے کہوں[6] زور سے

نظر رحم سے اس کی خالی نہ تھی
سلیماں کو کیا کام تھا مور سے

دوانے جو خوباں پہ[7] ہوتے نہیں
نظر آتے ہو شیخ جی کور سے

---

۱ ک ہ آگے۔ ۲ ک ہ تم سے کیا۔ ۳ ک ہ رات۔ ۴ ک ہ ہے جھوٹ۔ ۵ ک ۳ د ۲ کہنے میں۔
۶ ک ہ کہو۔ ۷ ک ہ جو خوباں پہ دیوانے۔

سمجھا ہے عشق اس کو آرام گاہ
عبث ڈرتے ہیں لوگ یہ گور سے

۶۳۳

دلِ بیتاب نے جس دن سے تجھ کو یار دیکھا ہے ۔ خدا ہی جانتا ہے حال کو اس کے کہ کیسا ہے
جگر گوشے[1] کو میرے آنکھ سے اتنا گرا دینا ۔ نہ تھا معلوم یہ تجھ کو کہ کس محنت سے پالا ہے
ہوا دیوانا[2] ہے وہ دیکھتے آنکھوں کی کیفیت ۔ بلا ہیں دیدہ و دانستہ دل نے مجھ کو ڈالا ہے
لبوں پر مہر خاموشی ہے جب تک خیر اس میں ہے ۔ بیاں میں کیا کروں تجھ سے مجھے باتوں کا سودا ہے
ہمارے جامۂ عریاں کی کیفیت کو مت پوچھو[3] ۔ ہمیشہ پہنے پھرتے ہیں نہ اُجلا ہے نہ میلا ہے
فقط تھا درد دل میں اس کی بے چینی تو ظاہر تھی ۔ خدا حافظ ہے وہ کم بخت سب سینے میں پھیلا ہے
کروں کیا عشق میں تعریف تیری فہم کے آگے
ہزاروں غوطے کھاتے ہیں نہ ندی ہے نہ نالا ہے

۶۳۴

عاشقوں کی صف میں ہم کو بھی پکارے دیکھئے ۔ بوجھ کو سر کے ہمارے بھی اُتارے دیکھئے
دیدہ و دل سے جگر تک مستعد بیٹھے ہیں سب ۔ کون کون اس کھیت میں ہو ویں اُتارے دیکھئے
یہ تو ہم کہتے نہیں کیجے قدم رنجہ ادھر ۔ جاتے جاتے ٹک ادھر کو بھی تو پیارے دیکھئے
اتنی بے رحمی ریاست میں نہیں ہے خوشنما ۔ ہیں پڑے کوچے میں یہ آفت کے مارے دیکھئے
کیا ستاروں کی فلک کی کرتے ہو تعریف عشق
ٹک ہماری آہ کے بھی یہ شرارے[4] دیکھئے

۶۳۵

جہاں میں جس قدر رہتے بلا کے مبتلا ہوتے ۔ اگر بالفرض جیتے سو برس پھر کہئے کیا ہوتے

---

۱ ۵ گوشہ ۔ ۲ ۵ دوانہ ہو گیا ۔ ۳ ۵ میں یہ شعر نہیں ہے ۔ ۴ ۵ بھی شرارے ۔

فلک کی گردشوں سے بس نہیں چلتا ہے کیا کیجے
اگر مقدور ہوتا یار ہم تجھ سے جدا ہوتے

طریقِ آشنائی آپ کو مرغوب تھا لیکن
کسو کو آشنا پاتے تو ہم بھی آشنا ہوتے

بتاں کی خوبیاں فانی تاسف کیجے پھر کس پر
کبھو ہوتا نہ تھا یہ تو کہ بندے سے خدا ہوتے

شرایط بندگی کے ہو نہیں سکتے ہیں اس منہ سے
تکلف برطرف کیا خوب کرتے جو خدا ہوتے

چمن میں سیر کو جاتے گلوں سے دل کو بہلاتے
گرہ غنچوں کی وا کرتے مزہ[1] لیتے ہوا ہوتے

فلاطوں[2] عقل کے عالم میں ہم سے درس لیتا ہے
اگر دیوانگی پر آتے مجنوں کے چچا ہوتے

اگر ہم خاک بھی ہوتے بگولے کی طرح سے عشق
کسو کے تاج سر ہوتے کسو کی خاک پا ہوتے

۶۳۶

کام شادی سے نہ کچھ ہے نہ ہمیں غم سے بھی
آہ بیزار ہوئے بیٹھے ہیں ہم دم سے بھی

روکھی باتیں جو ہمیں اتنی سناتے ہو عبث
کبھو[3] تو کام بھلا ہووے گا کچھ ہم سے بھی

بات میں میری تفاوت کوئی پاتے کا نہیں
تجھ سے کہتا ہوں جو کچھ کہتا ہوں عالم سے بھی

اس کے آنسوؤں کو رکھتے ہیں (جو) گل آنکھوں میں
کیا بلا گر گئے آنسو مرے شبنم سے بھی

اس کی ہر بات پہ جی دیوے ترا کام ہے عشق
یہ سخاوت نہیں ہو سکتی ہے حاتم سے بھی

۶۳۷

سمجھ ہم چکے ہیں یہ باتیں تو کب کی
جو کچھ کہتے سنتے ہو سو اپنے ڈھب کی

غرض اس کے ہاتھوں سے جینا ہے مشکل
لیا مفت میں دل کو پھر جاں طلب کی

عوض پان کے لختِ دل ہے چباتا
نہ پوچھو حقیقت کوئی لعل لب کی

---

۱ ؎ ۲ ؎ ۳ ؎ ن ۵ ؎ مزے۔ ۲ ن ۳ ؎ ن ۵ ؎ میں یہ شعر بطور مقطع درج ہے۔ ۳ ن ۵ ؎ کچھ تو ہووے گا بھلا کام کبھو ہم سے بھی۔

۲۸۹

مری آنکھیں ہیں مجھ کو بارانِ رحمت　　جنھیں دیکھ کر آگ سینے[1] کی دبکی

خوشی میں جلاتے ہیں جوں شمع مجھ کو　　کہوں کس طرح آہ رنج و تعب کی

تکلف محبت میں رہتا نہیں ہے　　جدی راہ ہے اے مؤدب ادب کی

چھپائے نہ رکھوں میں ٹکڑوں کو دل کے　　نشانی ہے سینے میں میرے حلب کی

نظر مہر کی برق سے کم نہیں ہے　　دکھاوے خدا دشمنوں کو غضب کی

دماغ و دل و چشم و جانِ حزیں کیا　　تجھے دیکھ کر اُڑ گئی عقل سب کی

شرابی کی دعوت جو منظور ہووے　　تو رکھ ہاتھ میں اپنے سبحہ عنب کی

کسو کو نہ سمجھا میں ملجا و ماوا　　مجھے ہے پناہ اپنے باللہ رب کی

کوئی آن رونے سے خالی نہیں ہے　　نہ پوچھو حقیقت مرے روز و شب کی

سوا عشق کے کچھ نہیں جانتا ہوں[2]
نہ پوچھو کوئی اب حسب اور نسب کی

۶۳۸

کیا زخم مرے دل سے میاں دور ہوا ہے　　گھُٹ گھُٹ کے دل ہی دل میں وہ ناسور ہوا ہے

جل جانے سے اس کے نہیں کچھ خوف مرے یار　　صد شکر کہ یہ دل تجھے منظور ہوا ہے

سابوت نہیں[3] شیشۂ دل سینہ میں میرے　　آنکھوں سے تری جب سے گرا چور ہوا ہے

کیا بات کہوں دل کی ترے تیروں کی دولت　　تھا خانہ خدا خانۂ زنبور ہوا ہے

بے فائدہ ہی اس کو نصیحت کرے کوئی　　دیوانگی ہی عشق کا دستور ہوا ہے

جس شخص نے[4] بھر ایک نظر تجھ کو جو دیکھا　　رسوائوں میں عالم کے وہ مشہور ہوا ہے

جو بات کہیں حق کی تو ہے خلق بگڑتی
کہ عشق کوئی اور بھی منصور ہوا ہے

۱۔ ک سینہ ۔ ۲۔ ر، ۳، ک میں ۔ ۳۔ ک ثابت نہیں یہ ۔ ۴۔ ک جس شخص نے بھی ایک نظر دیکھا ہے تجکو ۔

۶۳۹

بے اس کے یہ دل بہلے سو امکاں نہیں ہے — تدبیر کروں اس کی تو اوسان نہیں ہے

سوتے کو جگاتے ہیں جو ہو جاگتا پھر کیا — بیتابیٔ دل کہئے وہ انجان نہیں ہے

دل کے لئے سر دیتے ہیں وہ چیز ہے یہ دل — دل دیجئے ہر شخص کو آسان نہیں ہے

گرداب میں آنکھوں کے فلک کھاتے ہیں غوطے — رونے کو مرے کہتے ہو طوفان نہیں ہے

سینہ میں اگر ڈھونڈئے دل ہے نہ کلیجا[1] — کہنے کو مری جان ہے پر جان نہیں ہے

کہتے ہیں بہار آئی خجالت ہے مجھے سخت — باقی تو کوئی تارِ گریبان نہیں ہے

دکھلائے مجھے دیر میں کعبہ کی تجلی
پھر کیوں کے کہوں عشق مسلمان نہیں ہے

۶۴۰

غلط ہے مجھے کام کیا ماسوا سے — خدا ہی کو میں چاہتا[2] ہوں خدا سے

مصیبت لگے آ کے اس طور[3] لپٹی[4] — کہ جیسے ملے آشنا آشنا سے

نہیں ہے جو دلداری منظور اس کو — مرا دل مجھے پھیر دیوے بلا سے

رضا تیری مقصود جب سے ہوئی ہے — میاں ہاتھ اٹھایا ہے ہم نے دعا سے

جفا کو میں خاطر میں لاتا ہوں کوئی — مجھے کام رہنا ہے اپنی وفا سے

غلط فہمی ہے یہ طبیبوں کی یارو — مرض عشق کا کب گیا ہے دوا سے

عبث نیمچے[5] کو تو ہے باڑھ[6] دیتا — کئی مر گئے مفت تیری ادا سے

ہمیشہ لے آتی ہے وہ بوئے گل کو — نہ ہو خوش دلی مجھ کو کیوں کر صبا سے

سفارش عبث عشق کرتا ہے خوباں
کہ ہیں مدتوں سے لہو کے پیاسے

---

۱ کلیجہ۔ ۲ کے مانگتا۔ ۳ کے اس طرح۔ ۴ کے ۵ نیمچہ۔ ۶ باڑ۔

۶۴۱

جو نصیبا ہی ہم نہ لائے تھے — کس لئے پھر جہاں میں آئے تھے
آئے ہو میرے پاس یہ تو غلط — سچ کہو کس طرف کو آئے تھے
جھڑسے گالیاں ہمیں وہ دے — یہ نصیب ہم نے یارو پائے تھے
آہ کس کس کا نام اب لیجے — جور جو جو ترے اٹھائے تھے
سیر ہیں زندگی سے ہم اپنی — تیر مژگاں کے ہم نے کھائے تھے
سیر کا اپنی کل کے ذکر تو کر — خود بدولت بلانے آئے تھے
کیا کہوں تجھ سے ماجرا واں کا — دیکھ دل نے جو رنج اٹھائے تھے
کئی تو سر کٹے پڑے تھے واں — کتنوں کے دل فقط جلائے تھے
ان کی تقصیر پوچھی کہنے لگا — میرے گھر بن بلائے آئے تھے
اس کے آگے خیال کر لے عشق
یہ تماشے مجھے دکھائے تھے

۶۴۲

ساقی ترے شراب پلانے کو عشق ہے — ان بے خودوں کے ہوش میں آنے کو عشق ہے
پایا کبھو درست نہ اس کی وفا نہ عہد — ناحق جفا و جور اٹھانے کو عشق ہے
صورت چھپا کے اپنی ہوا ہو بہو وہی — آئینہ تیرے روبرو آنے کو عشق ہے
گذری تمام عمر نہ آئے ادھر کبھو — ایسے خلاف وعدے[2] سنانے کو عشق ہے
جاوے گا جان دیکھ کے یہ جانتے تھے ہم — پھر اس بلا سے دل کے لگانے کو عشق ہے
بدلے میں اس کے جان مری جان ہے نثار — خلوت میں اپنے پاس بلانے کو عشق ہے

---

۱ ک میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۲ ک وعدہ۔

پیاسی لہو کی تھی تری شمشیرِ آب دار
یہ سن کے عشق رو برو جانے کو عشق ہے

۶۴۳

کس طور دلِ غمزدہ بیمار نہ ہووے
پھسلانے کو اس کے جو طرحدار نہ ہووے

ہے اس کے نصیبوں میں پریشانیٔ عالم
زلفوں سے تری جس کو سروکار نہ ہووے

کوئی نہیں ایسا کہ کریمی کو تری سن
جو سیکھنے (کو) چھوڑ گنہگار نہ ہووے

دنیا میں تو رہنے کی نہیں پاتے ہیں لذت
جب تک کہ دل آزار کوئی یار نہ ہووے

تشبیہہ پلک کو کہو کب تیر سے دیویں
جب تک کہ کلیجے سے میاں پار نہ ہووے

فردوس طلب کوئی نہ ہو میرے خداوند
اس باغ میں جو وعدۂ دیدار نہ ہووے

اتنی ہی دعا دل کی خداوند مرے سن
جز عشق کے آزار کے آزار نہ ہووے

۶۴۴

ان دنوں دل میں شور آیا ہے
چشم بد دور زور آیا ہے

نذر کے واسطے کچھ اور نہ تھا
جی کو لے تا بہ گور آیا ہے

خوبرویوں سے کیوں نہ ہو بیزار
شیخ دنیا میں کور آیا ہے

شیخ یوں ناچتے ہیں مجلس میں
جیسے مستی پہ مور آیا ہے

جام کو منہ لگا اسے دیجئے
جاں بلب چاشت خور آیا ہے

دل میں آیا نہیں ہے مفت خیال
چوری کرنے کو چور آیا ہے

اشک گلگوں کی عشق دولت سے
رنگ میں شور بور آیا ہے

---

۱ ک۵ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۶۴۵

نگاہِ گرم سے اس کی جہان جل جاوے
جہان کیا ہے زمین و زمان جل جاوے

ترے مزاج کو مجھ سے کسی نے بھڑکایا
بُرا کہوں جو تجھے میں زبان جل جاوے

رہوں میں کب تلک اے آہ اس کے گھیرے میں
نکل شتاب کہ یہ آسمان جل جاوے

جلا کے دل کو مرے پوچھتے ہو یہ کیا ہے
نہ لوٹے خاک پہ جو خانمان جل جاوے

گہر فروش ہیں گو چشم، مول لیوے کون
یہ جنس دُکاں میں رہے وہ دُکان جل جاوے

ہماری باتوں سے اہلِ یقیں نہیں خوش ہیں
سنے اگرچہ انھیں بدگمان جل جاوے

تبِ فراق کی گرمی نے عشق کو مارا
اگر یہ کھاوے ہما استخوان جل جاوے

۶۴۶

جب سے دل نے یہ داغ پایا ہے
اور ہی کچھ دماغ پایا ہے

دل کی گلیوں میں ڈھونڈتے مرگئے
کن نے[2] اس کا سراغ پایا ہے

دیکھ اس گل کی ہم نے باغ و بہار
اپنے سینے میں باغ پایا ہے

شیشۂ دل کو دے کے آنکھوں سے
یہ دوبارہ ایاغ پایا ہے

عشق کی تیغ جب سے دل پہ لگی
سینہ کو میں اُجاغ پایا ہے

جب سے دل اُٹھ گیا ہے پہلو سے
ہم نے یارو فراغ پایا ہے

داغ تو عشق اس کو مت کہیو
دل نے روشن چراغ پایا ہے

۶۴۷

ہے تجھے فکر کہ کل کس طرح اوقات کٹے
کل کی کل ہوگی خدا خیر کرے رات کٹے

---

۱ ک: جس کو راہ نہیں۔ ۲ ک: کس نے۔

ایسے خوش خلق سے کس طور سے ملئے یارو
جی تلک کیجے اگر اس کی مدارات کٹے

بات مردوں کی کوئی کاٹ نہیں سکتا ہے
قصہ کوتاہ اگر سر کٹے تو بات کٹے

ہر گھڑی شیخ اُلجھتا ہے ترے مستوں سے
ایک تو ایسی ہی کہ جس سے وہ بدذات کٹے

چین ہو دل کو تو کس طور سے آنسو نکلے
بن ترے تو ہی کہہ کس طور یہ برسات کٹے

شادی و رنج زمانے میں بھرے[1] ہیں ناداں
یہ غلط فہمی ہے جو عمر مساوات کٹے

ہاتھ ملتا تھا فقط رشکِ حنا سے تو عشق
دیکھے جو وہ کفِ پا دستِ کرامات کٹے

۶۴۸

پاک بازوں کے دھیان میں کچھ ہے
گو وہ اپنے گمان میں کچھ ہے

(مجھ کو)[2] تیری آنکھوں سے یوں ہوا معلوم
دلِ نامہربان میں کچھ ہے

اپنے گھر کی میں آپ دولت ہوں
مجھ سوا بھی مکان میں کچھ ہے

نہ ہوئے صاف خط نکالے پر
شاید اب تک گمان میں کچھ ہے

شیخ کی بات کیوں کے ہو منظور
دل میں کچھ ہے زبان میں کچھ ہے

دل زباں ایک ہو جو مثلِ جرس
تب تو آہ و فغان میں کچھ ہے

روکھے ہونے سے تو نہ ہو بیزار
عشق اس امتحان میں کچھ ہے

۶۴۹

عشق سا چشم تر کوئی کم ہے
وہ سراپا مثالِ شبنم ہے

فکرِ دل کیا کروں مسیحا کہہ
دم بدم اس کا اور عالم ہے

---

۱ بھریں۔ ۲ یہ الفاظ فاضل ہیں۔

مُختَتَم جانتے ہیں درد کو ہم — مدتوں سے وہ یار و ہمدم ہے
ایک بوسہ پر اتنی راڑ نہ کر — کہنے لاگا یہ جانِ آدم ہے
شیخ صاحب سمجھ کے جاؤ تم — آج کہتے ہیں شوخ برہم ہے
عمر تو گذری گرد پھرتے پر — اب تلک اس غزال میں رم ہے
تو ہی کونین میں مجھے بس ہے — نہ ہوا کوئی اور کیا غم ہے
کس طرح خود سے میں نہ ہوں بیخود — دورِ ساقی میں جامِ پیہم ہے
پیچ شعلے کے طور کھاتا ہے
عشق کے حال سے جو محرم ہے

۶۵۰

ہوں سوختہ دل شعر[2] کوئی تازہ نہیں ہے — یہ[3] مصرعۂ برجستہ مری آہِ حزیں ہے
وہ شکر و شکایت کرے جو آپ بھی کچھ ہو — عارف کی نظر میں نہ چناں ہے نہ چنیں ہے
پیراہنِ گل آ کے صبا نے کیے سب چاک — تو اب تلک اے دخترِ رز پردہ نشیں ہے
قانون و سدیدی کو طبیب اپنے تو لے جا — اس درد کی دارو بھی خدائی میں کہیں ہے
کر تو نگہِ لطف کہ وہ زادِ سفر ہو — شرما نہ عبث دیکھ دمِ باز پسیں ہے
گُل چاندنی پہ اپنی تو مغرور نہ ہونا — بلبل وہ مرا ماہ نہیں ماہ جبیں ہے
کس پاس پھروں عشق لیے شعر کو اپنے
سودا جو بڑا یار تھا سو دور کہیں ہے

۶۵۱

پھونک دے دل جو مزاحم ہو جگر کس کا ہے — گھر ترا میری خوشی پھر تجھے ڈر کس کا ہے
نعش پر نعش نظر آتی ہے مقتولوں کی — پوچھتا کوئی بھی ہے آج گذر[4] کس کا ہے

---

۱ ک: کرتے ہیں۔ ۲ ک: فکر۔ ۳ ک: اک۔ ۴ گزر۔

خاک اُڑاتے ہی کٹی کوچے میں اس کے سب عمر — یہ نہ پوچھا کبھو یہ خاک بسر کس کا ہے
مجھ سے بندے[1] کو جواب شہر بدر کرتے ہو — غور کر دیکھو تو حضرت یہ ضرر کس کا ہے
جن نے[2] دیکھا تجھے یک بار ہوا بیخود و مست
آنکھوں میں تیری بتا عشق اثر کس کا ہے

۶۵۲

جہاں میں کام نہیں مجھ کو کچھ دفینے سے — نکلتی ہے[3] مری سب آرزو مدینے سے
خفا نہ ہو تو مرے یار زخم سینے سے — کہ منفعل ہوں میں آگے ہی اپنے جینے سے
شبانہ روز ترے غم میں یار ہم ہیں خوش — نہ کام ہفتہ سے ہم کو نہ کچھ مہینے سے
ورق ورق پہ مرے دل کے ہے سوادِ عشق — نکاتِ درد تو پڑھ یار اس سفینے سے
جو کام شیشۂ دل سے مرے نکلتا ہے — نہ خُم سے مے کشو نکلے نہ آبگینے سے
گلاب کیوں کے خجالت سے آب آب نہ ہو — دماغ جاں ہے معطر ترے پسینے سے
نہ کر تو آتشِ دوزخ سے کچھ بیاں زاہد — ہمیشہ آگ برستی ہے میرے سینے سے
جو چاہتا ہے کہ ہووے نمودِ صورتِ دوست — برنگِ آئینہ کر صاف دل کو کینے سے
مثالِ بوئے گُل و مُل جہاں سے ہوں آزاد — نہ کام مجھ کو دفائن سے نے[4] خزینے سے
جہاں میں نام سوا عشق کو وجود نہیں
حقیقت اس کی سمجھتے ہیں ہم قرینے سے

۶۵۳

نہ تنہا اشکِ گلگوں ہی مرے زیرِ قدم پہنچے — گرے جو چشمِ اہلِ دل سے تا دشتِ عدم پہنچے
غرورِ حسن واں مانع ہوا یاں ناتوانائی — گلا[5] آپس میں بے جا ہے نہ تم پہنچے نہ ہم پہنچے

۱ف بندہ۔ ۲ف جسنے۔ ۳ف لگے ہیں۔ ۴ف نہ۔ ۵ گلہ۔

۲۹۷

قسم کھا تیغ کی کہتا ہوں میں اے قبلۂ عالم | خمِ ابرو کو تیرے اب کوئی محراب کم پہنچے
عجب بے رحم کا ذرہ ہے نہ منہ اپنے کو دکھلاوے | اگر حسرت سے عاشق کا لبوں پر آکے دم پہنچے

نہ برگ و بار کی خواہش نہ سرسبزی سے ہے مطلب
تمنا ہے کہ جل بجھئے جو عشقؔ آتش بہم پہنچے

۶۵۴

ہم پوچھے تم جو پھرتے ہو تیوری چڑھے ہوئے | نرمی سے یعنے نکلے ہو اب کچھ کڑے ہوئے
دُکّان شیشہ گر کی نہیں ہے یہ محتسب | یہ دل جلوں کے دل ہیں پھپھولے پڑے ہوئے
تھے لڑکپن میں فتنۂ دوراں بلائے جاں | نامِ خدا کچھ اب تو میاں تم بڑے ہوئے
ایسی اندھیری راتوں میں باہر قدم نہ رکھ | خونیں کفن ہیں کوچے میں تیرے گڑے ہوئے

دامن پہ میرے ٹکڑے جگر کے ہیں عشقؔ یوں
گل جس روش سے باغ میں ہوویں جھڑے ہوئے

۶۵۵

گرفتارِ غم ہے جو تجھ سے جدا ہے | وہ آزاد ہے جو ترا مبتلا ہے
مری تشنگی کو دمِ تیغ بس ہے | شہیدِ محبت کو کوثر سے کیا ہے
نہیں غیر کو دست لے جاوے دل کو | اگر دلربا ہے وہی دلربا ہے
جفا سے نہ شاکی ہوں میں پوچھتا ہوں | جہاں میں مری جان رسم وفا ہے
لگا کہنے سننے ہی آئے ہیں[1] ناداں | اگر ہے وفا طرزِ فریاد کیا ہے
عداوت محبت کو سمجھا نہیں[2] ہوں | مرا دوست ہے جو ترا آشنا ہے

بتاں ہم سے گو عشقؔ بیزار ہوں گے
نہیں فکر ہرگز ہمارا خدا ہے

---

۱ ۳ ۱ ۲ آئیں ہیں، ۵ آئیں ہے - ۲ ۵ سمجھتا نہیں۔

۶۵۶

بارِ ہستی سر سے اپنے دھر چلے ہم بہم زندگی سر کر چلے

جوں قلم سر کو کٹا دیوانہ وار صفحۂ ہستی پہ بے مسطر چلے

کل جو ہنستے آئے تھے مانندِ برق آج مثلِ ابر چشمِ تر چلے

لے خبر جلدی سے تو اے چشمِ یار کہتے ہیں بیمار تیرے مر چلے

بیٹھ جا آنسو تو تھمنے دے بھلا تیری ان باتوں سے ہم تو مر چلے

ہنس کے لاگا کہنے جو ہووے سو ہو تم پڑے روتے رہو ہم گھر چلے

جب فسوں سازوں میں تجھ کو ہم گنیں

عشق جو منتر ترا اس پر چلے

۶۵۷

وہ سوارِ سمند ہوتا ہے پھر یہ فتنہ بلند ہوتا ہے

دل ہی کچھ زلف میں نہیں پھنستا بند ہر بند بند ہوتا ہے

دیکھ ان شربتی لبوں کو ترے پانی پانی یہ قند ہوتا ہے

دیکھ تیرے ہلالِ ابرو کو دل کا سودا دو چند ہوتا ہے

آئینہ بن نہیں ہے چین اسے جو کوئی خود پسند ہوتا ہے

اس پہ کیوں کر نذر گذر ہووے جس پہ عاشق سپند ہوتا ہے

عشق کا شعر خوش وہ کرتا ہے

جو کوئی دردمند ہوتا ہے

۶۵۸

چشم اور اشکبار کیا کہئے میں اور یہ انتظار کیا کہئے

---

۱ ک اپنے سرسے۔ ۲ رہ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۳ ش یوں کہنے لگا جو ہو سو ہو۔ ۴ گزر۔ ۵ رے اس کو خوش آئے۔

منفعل ہوں میں تیرے احساں کا — تو اور یہ خاکسار کیا کہئے
مت مکدر رہو مجھ سے آئینہ رو — آئینہ کو غبار کیا کہئے
دیکھ گل رو کو بر میں میرے عشق — کہنے لاگا کہ یار کیا کہئے
ہے تعجب کہ ایک موسم میں
ہو خزاں و بہار کیا کہئے

۶۵۹

غنچے جو اس چمن کے تھے گلچین کیا ہوئے — کہنے وہ لاگا ہنستے ہی ہنستے ہوا ہوئے
تسکینِ دل ہمارے کو بس تھی نگاہ بھی — اتنے پہ میری جان عبث تم خفا ہوئے
جو کچھ کیا جہان میں سو سب ہمیں بھبا — پر یہ غضب ہوا کہ ترے آشنا ہوئے
تھی ترک تازی اپنی بھی مشہور خاص و عام — گرتے ہی بحرِ عشق میں بے دست و پا ہوئے
مت پوچھ انقلابِ جہاں کو تو میری جاں — جو یار اہل دل تھے سو اہلِ جفا ہوئے
غنچے ہزاروں کھولے صبا نے چمن کے بیچ — پر عقدے تیرے دل کے کبھو دل نہ وا ہوئے
قاتل کے دست و بازو کو صد آفریں ہے عشق
گردن پہ میری حق جو تھے سو سب ادا ہوئے

۶۶۰

سلطنت میری جان کیا کیجے — جی نہ ہو تو جہان کیا کیجے
جتنی مقدور تھی کئے سب صرف — نہ ملا وہ ندان کیا کیجے
تم نہیں آتے جی نہیں جاتا — پھر کہو مہربان کیا کیجے
ڈر سے اس کے زباں پہ حرف نہیں — اس پہ ہے بدگمان کیا کیجے

---

۱ الف آئینہ وار۔ ۲ ر ۳ ر ۲ رہ کہنے لگا کہ۔

آہ و نالہ سے ربط کس کو تھا — ٹوٹے جب آسمان کیا کیجے
فخر جنت کو یار تجھ سے ہے — ورنہ خالی مکان کیا کیجے
منکرِ عشق ہو سو کافر ہے — گو[۱] جلا خانمان کیا کیجے
دل میں جو جو مرے گذرتا ہے[۲] — یارو اس کا بیان[۳] کیا کیجے
بے نشانی ہے یار کو منظور
عشق نام و نشان کیا کیجے

۶۶۱

جس کے دل میں ہوسِ لذتِ پابوسی ہے — اس کو سر اپنے سے ہر وجہ سے مایوسی ہے
گرم خوں آہ سے کس طور نہ ہو میرا دل — جائے شیران نے زباں شعلہ کی اب چوسی ہے
بسمۂ عشق یہ ہے خلعتِ گنبد پہ[۴] یار — آسمانی نہ یہ جامہ[۵] ہے نہ طاؤسی ہے
رو رو آنسو سے کیا غرق جہاں سارے کو — میرے دیوانے کی اب عقل ارسطوسی ہے
دل کی بیماری کو مانع نہ ہو کس طور گلاب — اس میں کہتے ہیں پسینے کی ترے بوسی ہے
نشۂ عشق سے ہے سر کو بزرگی بے مغز — ورنہ مندیل تری شیخ یہ کدّو سی ہے
کرکے پامال[۶] مرے دل کو لگا کہنے عشق
خونِ دل سے کفِ پا رنگنے کی اک خوسی ہے

۶۶۲

کس کی بستی ہے کون بستا ہے — کربلا جس کے گھر کا رستا[۷] ہے
فیضِ باراں سے ہے تبسمِ گل — جب میں روتا ہوں شوخ[۸] ہنستا ہے
ساقی اس دور میں رہوں مخمور — جام دے جام دل ترستا ہے

---

۱ ن۲ گر۔ ۲ گزرتا۔ ۳ ن۱ ن۲ ن۳ ن۴ ن۵ اس کا یارو۔ ۴ ن۳ ن۴ ن۵ گلبند پہ۔
۵ ن۵ جامۂ درست ہے۔ ۶ ن۳ ن۴ پائمال۔ ۷ ن۴ رستہ۔ ۸ ن۴ یار۔

۳۰۱

سنگ کعبہ کے قیمتی ہیں کیا — فخر یہ ہے[1] کہ یار بستا ہے
مر چکے دیکھتے ہی تجھ کو ہم — کمر اپنی کو کیوں تو کستا ہے

عشق میں عشق یہ ہوا حاصل
ابرِ مژگاں سے خوں برستا ہے

۶۶۳

دل پہ کیا درد و غم گزرتا ہے — ہائے جس دم صنم گزرتا ہے
کھوج اس کا ملے بھلا کیوں کر — سر پہ رکھ کر قدم گزرتا ہے
بے مروت تری جدائی میں — دل پہ کیا کیا ستم گزرتا ہے
اس کو مکتوب میں لکھوں کیوں کر — جو جو دل پر الم گزرتا ہے

عشق کے دل میں یار مثلِ خیال
تو ہی تو دم بدم گزرتا ہے

۶۶۴

گر عزمِ جنگ ہے تو میاں کیا درنگ ہے — شیشہ مرا ہمیشہ سے مشتاقِ سنگ ہے
آنکھوں میں تیری[2] کس کے تصور کا رنگ ہے — ہر شیشۂ سپہر شکستہ حبابِ نرنگ ہے
معشوق کے حضور ہیں باطل یہ سب طلسم[3] — دیکھا ہے جن نے[4] آئینۂ حسن دنگ ہے
رنگین نہیں شفق سے یہ مرآتِ آسماں — پر تو ہے اس کے تیغ کا جو سرخ رنگ ہے
گل ہی فقط نہیں ہے پریشان دہر میں — غنچہ بھی تنگ دل ہو جہاں سے تبنگ ہے
ہر[5] وقت کیوں پٹکتے ہو تم خاک پر اسے — یہ نامراد دل ہے نہ شیشہ نہ سنگ ہے

---

۱ ک ۵ ہے یہ - ۲ ک میری - ۳ ک حضور میں باطل ہیں - ۴ ک جس نے -

۵ ک ۵ ہر وقت مت پٹک نہ اسے خاک پر صنم -

کیفیت اس کی یارو سمجھنا بہت ہے دور
اور ہی نشہ ہے عشق کو اور ہی ترنگ ہے

۶۶۵

مانند شمع سر سے بھی اپنے گزر چکے
افسوس یہ رہا کہ رہے پر نہ مر چکے

مجنوں و کوہکن کی نہ کہہ[1] سرگذشت کو
ہم بھی کسو کے عشق میں کیا کیا نہ کر چکے

ساقی تجھے نصیب ہو مینا و جامِ مے
پیمانۂ مراد کو ہم اپنے بھر چکے

زر دیدہ بھی نگاہ کبھو اس طرف نہ کی
لختِ جگر بھی کوچے[2] میں اس کے بکھر چکے

جز سرکشی کے سر کو اُٹھایا کبھو نہ عشق
سو بار اس کے پانو پر ہم سر کو دھر چکے

۶۶۶

مہربانی پوچھتے ہو یا جفا[3] دل دار کی
اس سے ہم واقف نہیں حسرت ہی ہے دیدار کی

دیدہ و دل کیجئے پابند[4] تب ہووے بیاں
غالی خالی ہے عبث تعریف اس رفتار کی

لہریں اٹھتی ہیں ہزاروں مثلِ دریا دم بدم
کیا[5] حقیقت ہم کہیں اب عشق کے آزار کی

کشتۂ تیرِ نگہ کا آ تماشا[6] تو بھی دیکھ
نرگستاں ہے لحد ساقی ترے بیمار کی

تیرِ مژگاں کی نشستیں کون جانے دل بغیر
آبلہ سے پوچھئے یارو تواضع خار کی

دل ہوا شانہ صفت وہ اور بل کھانے لگے
کس طرح کھولے گرہ حیراں ہے زلفِ یار کی

غرق ہو گئے ذوق سے ہم عشق کے دریا کے بیچ
کیا خبر تو پوچھتا ہے وار کی اور پار کی

---

۱ لـ۵ نگہ، غلط ہے۔ ۲ لـ۲ کوچہ۔ ۳ لـ۲ خفا۔ ۴ لـ۳ لـ۴ پابنداز، غلط ہے۔
۵ لـ۲ لـ۳ کیا حقیقت ہے عبث تعریف اس رفتار کی۔ ۶ تماشہ۔

۶۶۷

اس رخ و زلف پہ یارو جو نظر رکھتا ہے
وہ زمانے سے جدا شام و سحر رکھتا ہے

دیکھ جو شش کو تری کہتی ہے خلقت مجھ سے
سوزِ دل بھی نہیں بے کار اثر رکھتا ہے

تیری آنکھوں کے مقابل وہی آتا ہے میاں
جو کوئی داغ کے سینہ پہ[1] سپر رکھتا ہے

اس کی تفتیش میں حیراں ہیں سبھی نازک بیں
خلق کہتی ہے کہ وہ شوخ کمر رکھتا ہے

آتشی شیشہ کے مانند جلا دیتا ہے
آتشِ عشق سے جو دل میں شرر رکھتا ہے

۶۶۸

مثلِ نے ہر استخواں[2] میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم ہوتا سوز ہے یا ساز ہے

خانقاہ و مے کدہ، دیر و حرم میں شور ہے
تس پہ[3] وہ مخفی ہے یارو عشق کیسا راز ہے

جور کا ان کے کریں کس طور سے شکوہ کہ ہم
جون سی ایذا کو دیکھیں دلبروں کا ناز ہے

آنکھ پر تو پا لو رکھ یا رکھ زمیں پر اے صنم
جس جگہ منظور ہو یہ چشم پا انداز[4] ہے

کیوں قفس میں عشق کے صبا دتو رکھتا ہے اب
عشق کے ماروں کو[5] ظالم کب پرِ پرواز ہے

۶۶۹

یک بارگی جو اس سے ملاقات ہوگئی
ہوتے دو چار آنکھوں میں سب گھات ہوگئی

اس نیزہ باز چشم کے جب سامنے ہوئے
دل کی جگر کی پل میں مدارات ہوگئی

دل لے گیا وہ ہاتھ سے میں کیا کروں بیاں[6]
قسمت میں جو لکھی تھی سو وہ بات ہوگئی

کہتے ہیں، شک آہ سے تو جاتی ہے تو جا
بے دست و پا ہیں کیوں کے چلیں رات ہوگئی

---

۱ ن۲ ک پر۔ ۲ ن۳ ک ہر استخواں۔ ۳ ن۳ ک د۵ پر۔ ۴ ن۳ ک پا بنداز۔ ۵ د۵ کا۔ ۶ ن۵ بیاں کروں۔

کیا پوچھتا ہے عشق خوشی ناخوشی مری
اس شوخ بے وفا کو مساوات ہوگئی

۶۷۰

اے شمع جگر سوز یہ فانوس جلا دے
یعنی کہ مرا خرقۂ سالوس جلا دے

اس آگ کو میں ڈھونڈتا پھرتا ہوں[1] جہاں میں
جو آرزو و حسرت و افسوس جلا دے

کونین سے حاصل جو تجھے کچھ بھی نہیں ہے
پھر دیر ہے کیا جلد ہو مایوس جلا دے

غیرت کو مری ننگ ہے غیرت سے جہاں کی
وہ ننگ کہ جو ننگ کا ناموس جلا دے

نعرہ جو کروں دیر میں پتھرا[2] کے گریں بُت
شرمندہ برہمن بھی ہو[3] ناقوس جلا دے

خرقہ سے گداؤں کے لگے ہاتھ ترے پشم
اے شاہ جو یہ ناخرہ[4] ملبوس جلا دے

جب عشق کے داغوں سے اسے دیجئے تشبیہہ
رنگینی و زیبائی جو طاؤس جلا دے

۶۷۱

جو ہے اس جہاں میں اسے جستجو ہے
مگر عشق ہی یارو بے آرزو ہے

جو ہے یاں سو تشنہ ہے تیرے لبوں کا
جو شیریں زباں ہے تری گفتگو ہے

جو ہے تیری زلفوں میں الفت کی نکہت
کسو گل میں کا ہے کو وہ رنگ و بو ہے

جہاں سر بسر آئینہ ہے اسی کا
جسے چاہو دیکھو وہی روبرو ہے

تجھے اتحاد اس سے ہو عشق کیوں کر
وہ نازک مزاج اور تو تند خو ہے

۶۷۲

باہر فلک سے ہو جئے اور آہ کیجئے
دل چاہتا ہے اور ہی دل خواہ کیجئے

---

۱ ک تھا۔ ۲ ک تھرّا۔ ۳ ک ہو کہ۔ ۴ ک ۲ خرقہ، غلط ہے۔

یہ خوف ہے کہ آہ مبادا اثر کرے ——— احوالِ دل سے کیا تجھے آگاہ کیجئے
غیروں کے دل میں راہ کو مت ڈھونڈ تو عبث ——— بہتر ہے اپنے دل میں اگر راہ کیجئے
ہے آرزو کہ ہووے تصرف میں دستگاہ ——— تو دسترس سے دست کو کوتاہ کیجئے
آنسو رہے نہ آنکھوں میں دل میں رہی نہ آہ[1]
کس رو سے ہائے عشق کی اب چاہ کیجئے

۶۷۳

عدم کو دے وجود اپنا بنائی[2] شکل انساں کی ——— تکلف برطرف بے صورتی اپنی نمایاں کی
پریشاں حال[3] اپنا کیا کہوں اب مو بمو تجھ سے ——— تری زلفیں نمونہ ہیں مرے حالِ پریشاں کی
امانت چشمِ دل[4] کی بقی گلے باندھے ہے تب زاہد ——— لڑی ہے اشک گلگوں کی نہیں تسبیح مرجاں کی
خدنگِ مژہ کو تیرے کلیجا[5] دل کھلاتا ہے ——— بلے خاطر بڑی ہے میزباں کو اپنے مہماں کی
دیتِ مقتول کی بس ہے خوشی ہی اس کے[6] قاتل کی ——— نہ غم گیں ہو تو اب دل میں ترے پر جان قرباں کی
زبانِ چرب اپنی جب نکالے شمع ہنستی ہے ——— نہیں دیکھی ہے گرمی ان نے[7] تیرے داغِ سوزاں کی
جگر سوز آہِ موزوں کے بنے تھے مصرعۂ رنگیں
بھڑک اُٹھے خبر لے جلد اپنے عشق دیواں کی

۶۷۴

حالت سے مری کوئی خبردار نہیں ہے ——— یہ قہرِ الٰہی ہے کچھ آزار نہیں ہے
کر اتنی جفائیں کہ ہوس کچھ نہ رہے شوخ ——— دل جور و ستم سے ترے[7] بیزار نہیں ہے
نالہ جو کریں ہوئے[8] جگرِ سنگ کا پانی ——— پر درد کا منظور کچھ اظہار نہیں ہے
کیا جھوٹ تو بکتا ہے مرے سامنے زاہد ——— یہ سچ ہے کہ یاں وعدۂ دیدار نہیں ہے

---

۱ ظ راہ۔ ۲ ن کے بنائے۔ ۳ ن کے پریشانی حال اپنا کہوں کیا مو بہ مو تجھ سے۔ ۴ ن ۵ چشم و دل۔
۵ کلیجہ۔ ۶ ن ۵ اس میں۔ ۷ ن ۵ تیرے سے۔ ۸ ن ۵ ہووے۔

کس طور کہوں عشق و محبت کے سخن کو
کوئی[1] درد کا دل محرمِ اسرار نہیں ہے

۶۷۵

تم کہیں اور ہم کہیں کیا کیجئے
دل کی سب دل میں رہیں کیا کیجئے

دل جگر ہو دوں جا چکا آنکھیں جو ہیں
پھوٹ پھوٹ اب یوں بہیں کیا کیجئے

یار چاہے نقدِ جاں کیجے نثار
اتنی بات اوپر نہیں کیا کیجئے

تیر اور تروار جمدھر برچھیاں
لاگ پر دل کی سہیں کیا کیجئے

صبر شیوہ فقر کا ہے کہہ نہ عشق
یہ نہیں اور وہ نہیں کیا کیجئے

۶۷۶

کروں میں شکر اس کا کیا الٰہی
دمِ خنجر نے آخر تک نباہی

نہیں بسمل تڑپتا درد سے یہ
تری کرتا ہے ظالم عذر خواہی

نہ ہوں کیوں سرخ رو میں چشم بددور
وہ ہے نامِ خدا لڑکا سپاہی

ہوا ویرانہ ایسا خانہ آباد
تبا ہی کھینچتی ہے جو تباہی

بلا تیری میاں تروار کھینچے
کفایت ہے یہ تیری کم نگاہی

اُجاڑا ملکِ دل ناحق ہمارا
زہے خوباں تمہاری بادشاہی

جہاں میں عشق بن ہے کون ایسا
حقیقت عشق کی سمجھے کماہی

۶۷۷

دل کے رکھنے کی تو اس دل نے بہت تدبیر کی
کوئی میٹے[2] ہے میاں جو چال ہو تقدیر کی

---

۱ اشیاں۔ ۲ لا مٹتی ہے۔

کان بھی بہرے ہوئے جل بل گیا سینہ غریب　　آہ نے اس سنگدل میں پر نہ کچھ تاثیر کی

عیش و عشرت کے مزے میں جو اسیر اب ہو گیا　　قدر کیا ہے جانتا اس نالۂ شبگیر کی

فی الحقیقت ہے وہ اوصافِ مصور سوچ ٹک　　گو کرے سو رنگ سے تعریف تو تصویر کی

سو طرح سے گو کرے وہ دید کو خوباں کے منع

بات کب مانے ہے عشقؔ اس زاہدِ بے پیر کی

۶۷۸

موجود یہ دل ہے وہ دل آزار کہاں ہے　　حاضر تو بہ گردن ہے وہ تروار کہاں ہے

کس طور کہو مصر کا بازار نہ ہو سرد　　یوسف تو کئی ہیں پہ خریدار کہاں ہے

شاید کہ مرے ہاتھ بھی لگ جاوے کوئی گل　　تبلاؤ مجھے عشق کا گلزار کہاں ہے

واللہ مسیحا سے بجز درد نہ چاہے　　اس طور کا اب دہر میں بیمار کہاں ہے

سب حشر میں پوچھیں گے کہاں دوزخ و جنت　　پر میں یہ کہوں گا کہ مرا یار کہاں ہے

دیتا ہے عبث وصل پہ تو جان کو اپنی　　دیوانے اسے تجھ سے سروکار کہاں ہے

ہے عشقؔ نہیں خوب یہ دعوائے محبت

وہ دیدۂ تر آہِ شرربار کہاں ہے

۶۷۹

یہ دم جو کوئی دم کا مہمان ہے　　توکلّ مرا دیکھ حیران ہے

رہوں کیوں نہ عالم سے انجان میں　　نہ کوئی جان ہے یاں نہ پہچان ہے

مجھے[1] جب تلک دسترس ہے میاں　　یہی ہاتھ اور یہ گریبان ہے

پریشاں دلی میں گرفتار ہوں　　نہ سر کی خبر ہے نہ سامان ہے

---

[1] یہ شعر صرف لـ۵ میں ہے۔

جدھر چاہے اے عشق تو سیر کر
خدا ساتھ تیرے نگہبان ہے

۶۸۰

ہمارا دل بھی پلکوں میں پرو لے — نہیں رہ جائیں گے دل میں پھپھولے
نگاہِ گرم سے اے شعلہ رخسار — پڑے آئینۂ دل میں پھپھولے
صبا کچھ فکر ہے دل کی ہمارے — بہت غنچوں کے دل ہیں تو نے کھولے
دو چار ہوتے ہی اُن نے ماری پتھری — منڈاتے ہی پڑے یاں سر پہ اولے
برنگِ حشر مُردے جی اُٹھیں سب — مسیحا جو مرا پردے میں بولے
حنا کو چھونے مت دے پانو اپنے — مرے خوں میں اگر چاہے ڈبو لے

الٰہی عشق کو آرام دے تو
کہاں تک کھائے دل اس کا جھکولے

۶۸۱

اگر غنچہ دہن ہم سے نہ بولے — مٹیں کس طور سے دل کے پھپھولے
میاں میں جان سے اب دھو چکا ہاتھ — مرے خوں کو تو اب دامن سے دھو لے
ترسنی ہی رہیں پانی کو آنکھیں — نہ پھوٹے ہائے اس دل کے پھپھولے
کھلیں یعقوب کی مانند آنکھیں — اگر اس یوسفِ معنی کی بو لے

تکلف دور کر اے عشق ہم سے
یہ جی حاضر ہے جو درکار ہو لے

۶۸۲

جو جو فتنہ جہاں سے اُٹھتا ہے — چشم کے خانداں سے اُٹھتا ہے
شعلۂ آہ کیوں نہ ہو دل سوز — لے خبر نبض جاں سے اُٹھتا ہے

دل اُٹھاتا ہے بارِ الفت کو
بوجھ یہ آسماں سے اُٹھتا ہے

آگ ہے اور یہ خدا جانے
سوزِ دل میں کہاں سے اُٹھتا ہے

دل فقط یار کچھ نہیں جلتا
دود ہر استخواں سے اُٹھتا ہے

کرنگہ تو کہ ہووے توشۂ راہ
دل شکستہ جہاں سے اُٹھتا ہے

دیدہ و دل عبث ہوئے بدنام
عشق اور ہی مکاں سے اُٹھتا ہے

۶۸۳

کوہکن کیوں خراب ہوتا ہے
کب دلِ سنگ آب ہوتا ہے

عشق بازوں کو ہجر میں ساقی
خونِ دل ہی شراب ہوتا ہے

بے وفائی کے حق میں اے ظالم
تو ہی اب انتخاب ہوتا ہے

کب نصیحت سے ہوئے وہ آباد
دل جو خانہ خراب ہوتا ہے

شعر کے فن میں عشق کی دولت
شعرِ عشق انتخاب ہوتا ہے

۶۸۴

دل جو کچھ کچھ مجھے دکھاتا ہے
کب زباں پر میاں وہ آتا ہے

اشک ہے دل کو روغنِ بادام
یہ چراغ اس سے نور پاتا ہے

یار کر کے جفائیں اے یارو
بے وفائی مجھے سکھاتا ہے

کیوں کے لاؤں زباں پہ حیراں ہوں
جس قدر مجھ کو یار بھاتا ہے

دل کو تجھ سے کبھو چرایا ہیں
تو پھر آنکھیں عبث چراتا ہے

آنسو بے اختیار چلتے ہیں
یار جس وقت گھر کو جاتا ہے

ا ۵ کے۔

دم بدم عشق آہِ سرد نہ کھینچ
کیوں چراغانِ دل بجھاتا ہے

۶۸۵

تیشۂ کوہکن جو چلتا ہے — نقشِ شیریں ہی اس سے ڈھلتا ہے
یہ شقائق نہیں پہاڑوں میں — کوہکن کا لہو اُبلتا ہے
جب سے دیکھا بھبھوت منہ پہ ترے — آئینہ منہ کو خاک مَلتا ہے
شمع کے طور یارو دل میرا — آگ اپنی میں آپ جلتا ہے
دن مصیبت کا ہے جو ٹل جاوے — خون عاشق کا سر سے ٹلتا ہے
بارے خسرو وہ سرگذشتہ اب — کس کی چھاتی پہ مونگ دَلتا ہے

عشق کا سوز کیا بیاں کیجے
یا وہ جلتا ہے یا وہ بلتا ہے

۶۸۶

حالتِ دل زبان تک پہنچی — موجِ خوں آسمان تک پہنچی
اس نصیحت سے فائدہ تجھ کو — کارد آ استخوان تک پہنچی
دل کا احوال کیا کہوں تم سے — نوبت اب آگے جان تک پہنچی
نہ رہی دل میں کچھ ہوس باقی — آہ تب امتحان تک پہنچی

عشق کو ترکِ سر ہوا ہے ضرور
اس کی شمشیر سان تک پہنچی

۶۸۷

دیدۂ اشکبار کے صدقے — یا دلِ بیقرار کے صدقے
بوجھ ہستی کا دل سے دور کیا — اے ترے کاروبار کے صدقے

بن رخ و زلف کچھ نہیں منظور — اپنے لیل و نہار کے صدقے
جس کی آتش جگر کو بخشے سوز — اس دلِ داغ دار کے صدقے

کوچۂ یار میں جو ہو پامال
عشق اس خاکسار کے صدقے

۶۸۸

آئے دنیا[1] میں سو ملول گئے — کر غرض سر پہ خاک[2] و دھول گئے
نہ کھلی گرہ تیری زلفوں کی — بو علی جیسے کتنی[3] بھول گئے
دیکھ کر زلف و رخ ترا کافر — کفر و دیں ایک بار بھول گئے
دیکھ[4] صورت کو تیری مانی کے — کہتے ہیں ہاتھ پانو پھول گئے
اے فلک کیسی میزبانی کی — تیرے مہمان سب ملول گئے
باغباں کا چمن رہے آباد — داغِ دل ہم بھی کر وصول گئے

رات کو پی شراب مجھ سے عشق
دل میں باتیں جو تھیں قبول گئے

۶۸۹

چھٹے ہیں قید سے ہم جستجو کے — پھنسے ہیں ہاتھ میں ساقی سبو کے
گریباں اس کو ناصح فہم مت کر — یہ چاکِ دل نہیں لائق رفو کے
تمنا سے نہ تھا کچھ کام آگے — نہ اب بندے ہوئے ہیں آرزو کے
خودی اور خود پرستی سے ہیں بیزار — ہوئے ہیں جب سے بندے ہا و ہو کے

قسم ہے عشق کی دنیا میں ہم کو
یہی بس ہے کہ بندے ہیں کسو کے

---

۱ ن۳، ن۴ کل کی۔ ۲ ن۵ خاک دھول۔ ۳ ن۵ کتنے۔ ۴ ن۳، ن۴ اے فلک کیسی میزبانی کی۔

۶۹۰

جس کا رہِ عشق میں گذر ہے — ہستی سے وہ اپنی بے خبر ہے
مت اشک سمجھ تو غافل اس کو — یہ دیدۂ عشق کا ثمر ہے
سنتا ہے جلا نہ اس کو ناحق — گو دل ہے مرا ترا بھی گھر ہے
کس طور نہ خواب لاوے غافل — احوال جہاں مجھے سمر ہے
رحمت ہوئی عذر خواہِ مجرم — کیا جانئے کون چشم تر ہے
عشاق بتاں سے پوچھتے ہیں — ق کچھ ان دلوں عشق کی خبر ہے
دیتے ہیں جواب ہو کے غمگیں — وہ خانہ خراب در بدر ہے
ہیں ڈھونڈتے اس کو اہلِ دل سب — پرسش میں تو اس کی ہر بشر ہے

ہے خانہ بخانہ شور اس کا
کیا جانئے آپ وہ کدھر ہے

۶۹۱

ترے لعلِ جاں بخش کی سن کہانی — ہوا آبِ حیواں خجالت سے پانی
جہاں میں یہ اظہر من الشمس ہے اب — تری بدگمانی مری جاں فشانی
قلم کرنے یکسر درخت آرزو کے — تجھے کن نے[1] سکھلائی یہ باغبانی
ہوا مردمِ چشم کو شوخ یرقاں — تری دیکھ دستار یہ زعفرانی
نہ پوچھو خبر دل کی تم دل گیا اب — کئی قطرۂ خون دے کر نشانی
جگر کے جو ٹکڑے پہ شقہ لکھا تھا — ق تو اس پر تو کی اُن نے وہ قدردانی
نظر بھی نہ کی اور بھجوا کے اس کو — لگا کہنے اللہ رے سخت جانی
تو روئے سیہ نامہ اب کیا کروں میں — یہ کہیو جو دیکھا ہے قاصد زبانی

ا رہ کس نے۔

تصور میں جس کے شب و روز حق ہے
اسے عشق بہتر ہے کُل اللسانی

۶۹۲

ترے یاقوت لب کی دیکھ کر یہ گوہر افشانی
خجالت سے چھپا جا کان میں لعلِ بدخشانی

اگر خاتم نگینِ دل کی آوے ہاتھ میں تیرے
بچا کر دستبردِ دیو سے پھر کر سلیمانی

یہ کیا گاتا ہے اے ناصح میں ننگ و نام سے گذرا[1]
سرودِ عشق سمجھا ہوں رقیبوں کی نواخوانی

فلک کا سر پھرا جو ہمسری عاشق کی کرتا ہے
کہاں سرگشتگی اس کی کہاں یہ چرخ گردانی

جہاں میں عشق کیا بے ساختہ گذران[2] کرتا ہے
نہ مخفی کفر کو کرنا نہ اظہار مسلمانی

۶۹۳

ہے تاب کیا زباں کو ترے آگے ہل سکے
رہ جائے دل کی دل میں نہ منہ سے نکل سکے

یہ آب جوئیں کیا ہیں جو ہم چشمِ اشک ہوں
آنسو مرے[3] کے آگے سمندر نہ چل سکے

حیرت زدوں کو کام ہی کیا[4] برگ و بار سے
تصویر کا درخت نہ پھولے نہ پھل سکے

نظروں سے تیری جو گرے مانندِ اشکِ یار
پھر کس کے وہ سنبھالے سے کہ تو سنبھل سکے

ہر شیشہ گر کی بھٹی میں دل کو نہ جھونک دے
ہے آگ اور جس سے کہ شیشہ بہ گل سکے

تو عشق[5] اس غزل کے تئیں کہ بطور[6] درد
جو اس میں[7] قافیہ کے تئیں تو بدل سکے

۶۹۴

لے صبح تا بہ شام فلک چرخ کھا سکے
سرگشتگی ہماری کو لیکن نہ پا سکے

---

۱ گزرا - ۲ گزران - ۳ ک اشکِ رواں - ۴ ک نہیں - ۵ ک اے عشق
۶ ک بطرز - ۷ ک کے -

بنت العنب کے بوسہ سے وہ کامیاب ہو
جو رند ریشِ قاضی کی پہلے مونڈا سکے

پاوے نہ حرف راست نہ معنی کو سنگ دل
مثلِ نگینہ گو کہ جگر بھی کھُدا سکے

کھا تیر تیری چشم کا خاموش وہ رہے
خونِ جگر ہماری طرح جو بہا سکے

عنقا کی گرچہ کہنے میں پرواز ہے بلند[۲]
پر مصرعۂ بلند کو کیا معنی پا سکے

پاسِ ادب ترا جو نہ ہووے[۱] تو پل میں یار
رو رو کے میری چشم جہاں کو ڈبا سکے

اپنی طرح کی تیسری کہہ اور بھی غزل
جس سے کہ عشق درد کی لذت اٹھا سکے

۶۹۵

گلگیر کی طرح جو کوئی آگ کھا سکے
زخمِ جگر کے میرے مقابل وہ آ سکے

دنیا و دیں کی آرزوئیں جو جلا سکے
سینہ سے عاشقوں کے وہی فیض اٹھا سکے

اس بے نشاں کا نام کوئی کیا بیاں کرے
جس گم شدہ[۳] کی گرد کو عنقا نہ پا سکے

رکھے قدم کو اپنے مبارک ہے عشق میں
جو مثلِ شمع سر کو کٹا دل جلا سکے

[۴]دنیا و دیں کی قید سے چھوٹے دوانا[۵] ہو
تب سلسلہ میں عشق کے جا کر وہ پا سکے

دلداری میری یار و اسی دلربا سے ہو
شیشہ کو پہلے توڑ کے جو پھر بنا سکے

طاؤس وار داغ جو کھاوے[۶] برائے نام
سو[۷] دل جلوں کے دل کے مقابل نہ آ سکے

گو سر بہ سنگ مارے حنا دسترس کہاں
جز خونِ دل جو تیرے قدم کو وہ پا سکے

تیری شبیہ عشق اس استاد سے کھنچے
جو رنگ اپنے چہرہ سے پہلے اڑا سکے

---

۱ ک ہوئے۔ ۲ ک ۳ ک ۴ بلند یار۔ ۳ ک ۳ ک ۴ گمشدے۔ ۴ ک ۵ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۵ دوانہ۔ ۶ ک کھائے۔ ۷ ک وہ۔

۶۹۶

جس وقت اس کے ہاتھ سے تیغِ جفا چلے
روئے زمیں پہ خوں کے سوا اور کیا چلے

کوچے میں اس کے تاب ہے جو مجھ سوا چلے
ہمراہ میری خاک کو لے کر ہوا چلے

مجلس میں تیری آئے تھے کچھ اور دُھن لئے
مانندِ شمع دل جلے آنسو بہا چلے

اے طفلِ شوخ اشک گھروندے نہ تھے یہ چشم
جو پل میں توڑ پھوڑ انھیں تم بہا چلے

مرنے کا دل پہ ڈر نہیں جو خوف ہے تو یہ
یہ طفلِ اشک ساتھ کہیں مت چلا چلے

رونے مرے کی سیل کو دریا بھی دیکھ کر
چادر لے منہ پہ موج کی آنکھیں چھپا چلے

کونین میں خدا نے کیا ان کو سرفراز
نخوت کو دور کر جو سر اپنا جھکا چلے

دنیا و دیں کی آرزوئیں تھے لے آئے یاں
سو عشق تجھ کو دیکھ کے سب کچھ بھلا چلے

۶۹۷

دولتِ فقر سے جو تاج و لوا رکھتا ہے
اس کے پرتو کا یہ ہے ظل جو ہما رکھتا ہے

دل تجلی کدۂ حضرتِ حق کیوں کے نہ ہو
اتنی وسعت تو کہاں ارض و سما رکھتا ہے

عاشق اب خانۂ دل تیری ہوا کی دولت
خس و خاشاکِ وساوس سے صفا رکھتا ہے

ملک اور مال کوئی دولتِ عقبیٰ کوئی
دل آفت زدہ بس نامِ خدا رکھتا ہے

خطِ آزادگی گو زلف لکھا دیوے اسے
کس طرح چھوٹے جو کوئی رسم وفا رکھتا ہے

اپنے خورشید پہ مغرور فلک تو تو نہ ہو
رنگ رو خوب ہوا، ناز و ادا رکھتا ہے

عشق کہہ اور غزل تا کہ سخن داں خوش ہوں
شعر میں تو بھی اگر فکرِ رسا رکھتا ہے

---

۱ ک۵ جو۔ ۲ ک۵ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۶۹۸

چشمِ بد دور مرا دل جو وفا رکھتا ہے | یار بھی نام خدا طرزِ جفا رکھتا ہے
آئینہ دل کے مقابل ہو تو اُڑ جاوے قلعی | بات منہ دیکھی نہ کہ کیا وہ صفا رکھتا ہے
زخمِ دل دیکھ مرا یار روا سے ہنستا ہے | داغ پر دل کے جو کوئی اپنے دوا رکھتا ہے
قد موزوں سے ملا اس کو میاں بیت کرو | مصرعۂ آہ بھی کہتے ہیں ادا رکھتا ہے
آہ سرو، آبجو ہے چشم، ہزار اگل داغ | کس روش میں کمی یہ باغ مرا رکھتا ہے
التجا روئے زمیں پر وہ کرے کس کے پاس | تیغِ ابرو کی جو محرابِ دعا رکھتا ہے
کب تلک رشک میں مہندی کے جلیں قسمت بھی کر | دیکھ تو خونِ جگر رنگِ حنا رکھتا ہے

عشق کچھ جلنے کی لذت کو بیاں کرہم سے
شعلۂ آہ کو کیوں دل میں چھپا رکھتا ہے

۶۹۹

دل جو تیرا خیال رکھتا ہے | عشق میں وہ کمال رکھتا ہے
دل تجھے عافیت ہوئی ہے تنگ | تو جو عزمِ وصال رکھتا ہے
تیرے ابرو کا شور ہے جتنا | عید کا کب ہلال رکھتا ہے
روز و شب جو غبار ہے ہے تو | دل پہ کیسا ملال رکھتا ہے
خاکساری میں ہم نہیں ہیں کم | گو وہ جاہ و جلال رکھتا ہے
بوسۂ غنچہ لب پہ مرتا ہے | دل خیالِ محال رکھتا ہے

شورِ مجنوں میاں فسانہ ہے
عشق دیوانہ حال رکھتا ہے

۷۰۰

قید سے دیوانے کے چھٹنے کی کیا تدبیر ہے | چشم کا حلقہ ہے یاں اور زلف کی زنجیر ہے

کاوشِ مژگاں کو مجھ سے اے کماں ابرو نہ پوچھ　　جو سنانِ مژہ ہے سو دل پہ میرے تیر ہے

غیر فریاد و فغاں کب معتبر ہے عشق کو　　آہ ہے جاں سوز یاں یا نالۂ شبگیر ہے

شعر خوانی صرف کا تو میں نہیں ہوں معتقد　　سر پہ آنکھوں پر پڑھو اس میں اگر تاثیر ہے

عشق کا سرمہ دیا ہے جب سے میں نے چشم میں

جون سی صورت نظر آتی ہے سو تصویر ہے

۷۰۱

دو گھونٹ ہیوے شیخ اگر تو شراب کے　　اُٹھ جائیں یک بیک ابھی پردے حجاب کے

لُہو کے آنسوؤں سے رُلاتا ہے دم بدم　　گن پوچھنے ہو گیا دلِ خانہ خراب کے

پرتو جو تیرے چہرے[1] کا دریا میں جا پڑا　　رونے ہی روتے بہ گئے دیدے حباب کے

اس ماہ رو کے مہر پہ مغرور تو نہ ہو　　چکھے نہیں مزے ابھی دل کے کباب کے

خوباں سے عشق چن لیا اپنے حریف کو

دیوانے[2] کیوں نہ ہوویں ترے انتخاب کے

۷۰۲

دلبری تو نے دلربا کیا کی　　آشناؤں سے آشنا کیا کی

نیم بسمل مجھے جو چھوڑ گیا　　ہائے رے ہائے بے وفا کیا کی

بندگی سے جدا کیا تو نے　　اپنے بندے سے اے خدا کیا کی

اپنے مقدور تک کمی تو نہ کی　　ہم نے خدمت تمہاری کیا کیا کی

عشق اتنا جو ہم سے شاکی ہے

تیرے حق میں بتا بھلا کیا کی

---

۱ ھ چہرہ۔　۲ ھ دیوانہ۔

۷۰۳

خیالِ چہرۂ گل رو بہارِ خاطر ہے — سوائے اس کے جو کچھ ہے سو خارِ خاطر ہے
دل اور جاں کی نہ پوچھو کہ دیں و ایماں بھی — جو کچھ بساط ہے میری نثارِ خاطر ہے
نہ پوچھو مذہب و ملت کو آئینہ رو کے — ملا ہوں خاک میں تو بھی غبارِ خاطر ہے
برائے خاطرِ یاراں کہی یہ ایک غزل — وگرنہ ایسی غزل یار عارِ خاطر ہے

مضائقہ نہیں جو دل میں عشق کو رکھو
وہ یار یار ہے شاطر نہ بارِ خاطر ہے

۷۰۴

لختِ دل سوئے دیدہ آتا ہے — تُو کو مت نور دیدہ آتا ہے
دل دھڑکتا ہے آج کچھ بے طور — کوئی خنجر کشیدہ آتا ہے
دیکھ کر مجھ کو شوخ کہتا ہے — دیکھو مت شوخ دیدہ آتا ہے
اس کے کوچے سے یوں ہے پھرتا دل — جیسے آفت رسیدہ آتا ہے

اس قدر پوچھتے نہیں ہیں عشق
کیوں تو اب آبدیدہ آتا ہے

۷۰۵

دل اس طرح کا تو جو بیمار ہے — کسی چشم سے کیا سروکار ہے
رقیباں کے تئیں کیوں نہ اس رشک سے — مری گردن اور اس کی تلوار ہے
قیامت فسردہ گذرتے[۱] ہیں دن — نہ سوزش ہے دل میں نہ آزار ہے
دم واپسیں ہے نہ چھوڑ اب ہمیں — ہمارا اگر یار تو یار ہے
میں رسوا ہوا عشق میں اس قدر — کہ اب ننگ اور نام سے عار ہے

---

۱ گزرتے۔

ہوں[1] گلزارِ دنیا میں جوں نخلِ خشک
مرا عشق میرا خریدار ہے

۷۰۶

جب کے سینہ میں چاہ ہوتی ہے — سانس کے بدلے آہ ہوتی ہے
سانس چبھتی ہے پھانس کی مانند — عشق کی یہ ہی راہ ہوتی ہے
سر پہ مت رکھ کلاہِ شاہی کو — سلطنت بھی تباہ ہوتی ہے
لو خبر کیا وہ قاتل آتا ہے — ہر طرف آہ آہ ہوتی ہے
بن شہادت کے خام ہے دعویٰ — حالتِ دل گواہ ہوتی ہے
دین و دنیا میں کرتی ہے رسوا — دل میں جو حُبِ جاہ ہوتی ہے
عشق کے دل میں آگ لگتی ہے
جب ادھر وہ نگاہ ہوتی ہے

۷۰۷

جب خیالِ وصال آتا ہے — جان و دل پر وبال آتا ہے
ماہ جب دیکھتا ہوں آنکھوں میں — وہی ابرو ہلال آتا ہے
ترک و تجرید کرکے ہو آزاد — مال ہی پر زوال آتا ہے
جان میری تری جدائی میں — دل پہ کیا کیا ملال آتا ہے
گاہ بے گاہ عاشقوں کے گھر — برق کی وہ مثال آتا ہے
تو جو[2] جاتا ہے روبرو اس کے — دل جواب و سوال آتا ہے
آپ سے آپ عشق جاتا ہوں[3]
عشق کا جب خیال آتا ہے

---

۱ ک ہے ۔ ۲ ک جو جو ۔ ۳ ک ۳ ک ہے ۔

۷۰۸

وہ شوخ ستمگار اگر میرے گھر آوے — مشتاقِ قدم بوس ہو لختِ جگر آوے
شمشیر و سپر لے جو وہ قاتل ادھر آوے — نامرد وہ ہے جان کا جس کو خطر آوے
وہ کافرِ بدمست اگر آوے ادھر کو — تقویٰ کی حقیقت تمہیں حضرت نظر آوے
اس نخلِ محبت کو جگر آب دیا ہے — اب دیکھئے کس رنگ کا اس میں ثمر آوے
وہ موج کی شمشیر سے منہ لال ہی کر دے — طوفان کی قدرت ہے جو آنسو سے بر آوے
اس دم کو میں اس دم میں ہوں رکھتا تری خاطر — کہتا ہوں خبر ہے کہ وہ شام و سحر آوے
کعبہ میں کوئی ڈھونڈے کوئی دیر میں تجھ کو — یہ عاشقِ دل سوختہ بتلا کدھر آوے

امید مجھے آہِ جگر سوز سے ہے عشق
ایسا بھی کبھی ہوئے[۱] کہ یہ کارگر آوے

۷۰۹

دل میں دل کس کی چاہ رکھتا ہے — دم کے بدلے جو آہ رکھتا ہے
طوغ و نقّارہ شاہ رکھتا ہے — دل مرا آہ آہ رکھتا ہے
خانسامانِ عشق ہووے نہ دل — آہ سا سربراہ رکھتا ہے
آئینہ رو کو کیا دکھاوے منہ — جو کوئی روسیاہ رکھتا ہے
عشق کے محکمے[۲] میں سچا ہے
آہ سا جو گواہ رکھتا ہے

۷۱۰

دل لے کے پوچھتے ہو کہ دلدار کون ہے — ہم کس طرح کہیں کہ طرحدار کون ہے
ویران دل کو دیکھتے ہیں دم بدم فزوں — مقدور کیا ہے کہئے ستمگار کون ہے

---

۱ ؎ ہووے۔ ۲ ؎ محکمہ۔

ہمسائے[1] آہ و نالہ کو سُن کہتے ہیں کہ آہ — آزار کیا ہے اس کو یہ بیمار کون ہے
کہتا ہے فہم ظاہر و مظہر تو ایک ہے — پھر کہئے اس جہاں میں نمودار کون ہے
بخشے جو دل کو زندگی اور مستمع کو دید[2] — ایسے کلام پاک سے بیزار کون ہے
[3] بے دست و پا تو جاتے ہیں لاکھوں ہی جس کے ساتھ — بارے کہو یہ قافلہ سالار کون ہے

رندی و مستی شوق سے کر عشقؔ ہم سے سُن
جب وہ ہوا غفور گنہگار کون ہے

۷۱۱

تحیر کو ہمارے دیکھ کر آئینہ حیراں ہے — ہماری ہی پریشانی ہے جو زلف اب پریشاں ہے
جہنم سرد ہو جاوے اگر دیکھے مرے دل کو — کہ اس میں عشق کی آتش اور اس میں دودِ عصیاں ہے
مشابہ چشم گریاں کے کرو مت ابر کو ہرگز — کہ اس کے سیل کی جو لہر ہے سو عین طوفاں ہے
تصور کی ترے دولت شبِ یلدا میں شعلہ رو — لڑی ہر ایک آنسو کی بجائے خود چراغاں ہے
ہمیں دل بھر کے رونے دے خوشی کو وصل کی مت کھو — میاں گھر سے نہ جا باہر ذرا سُننا کہ باراں ہے
تلطف گرم جوشی ناز و عشوہ قیمتِ دل ہے — عبث دل پھینک دیوے کوئی ایسا کون ناداں ہے

گذرنے[4] کو شبِ ہجراں کے مت تم عشقؔ سے پوچھو
کہ ہمسایہ بھی اس کے ہاتھ سے ہر روز نالاں ہے

۷۱۲

کسو نے دل کو کسی کے کہیں[5] دکھایا ہے — جہاں کے سر پہ یہ طوفاں جو اشک لایا ہے
دلِ غریب کا دل جانتا ہے کیا کہئے — کہ تیری آنکھوں نے کیا کیا اسے دکھایا ہے
ذرا تو سوچ کبھو دل میں اپنے اے ناداں — کہ کس کو یاد ہے کرتا کسے بھلایا ہے

---

۱ الف ۲ رضا ۵ ۔ ہمسایہ ۔ ۲ ۔ لطف ۔ ۳ ۔ بیدست و پا بھی جاتے ہیں لاکھوں ہی جس کے ساتھ ۔
۴ گزرنے ۔ ۵ ۵ گر ۔

ٹک ایک دیدۂ دل سے جو دیکھے اے زاہد	لباسِ حضرتِ انساں میں کیا چھپایا ہے

سوائے نالہ و فریاد و آہ و واویلا
نہیں کچھ اور خبر لو تو عشق آیا ہے

۱۳ؔ

جب تک کہ یہ آنکھیں ہیں یہی آب رواں ہے	جب تک یہ زباں ہے یہی فریاد و فغاں ہے
دیدار کو کل پر نہ رکھ اے شیخ مزور	کر دُور تعین کو جو کچھ واں ہے سو یاں ہے
دنیا کے طلسمات میں یہ ہستیٔ موہوم	تحقیق اگر دیکھئے تو وہم و گماں ہے
نہ کعبہ میں پھرتا ہے نہ ہے دیر میں بیٹھا	ہم جانتے ہیں قبلۂ حاجات جہاں ہے
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں تجھے یار شب و روز	پاتے نہیں پر تیرے ٹھکانے کو کہاں ہے
بتخانہ و کعبہ میں عبث ہو گے بھٹکتے	جس چیز کو تم ڈھونڈتے ہو دل میں نہاں ہے

کیا عشق کے ہے ظاہر و باطن میں تفاوت
جو دل میں ہے اس کے وہی اب اس کی زباں ہے

۱۴ؔ

ترا عارض برنگِ آئینہ ہے	صفا کر خط کہ زنگِ آئینہ ہے
نہ دے تو دخل دل میں اجنبی کو	خیالِ غیر سنگِ آئینہ ہے
نگہ آئینہ رو کی ہوئے[۱] کیوں کر	مری صورت تو ننگِ آئینہ ہے
یہ دل ہو کس طرح آنکھوں کے سنمکھ	کہ وہ مژگاں خدنگِ آئینہ ہے

اسے حیرت سوا اب کام کیا ہے
جو کوئی عشق دنگِ آئینہ ہے

۱؎ ہووے۔

۷۱۵

جب تلک آہ کو رسائی ہے — تب تلک شورِ دل ربائی ہے
جس قدر صاف ہیں ترے عارض — آئینہ میں کہاں صفائی ہے
خس و خاشاک کیوں نہ ہوں مشتاق — رنگ عاشق کا کہربائی ہے
ملکِ دل میں مرے شہِ خوباں — تجھ سوا کس کی اب دُہائی ہے
مجھ سے خوباں جدا رہیں[1] کیوں کر — بندگی ہیں[2] مری خدائی ہے

یہ غزل عشقؔ تو نے خوب کہی
پر ہمیں اور یاد آئی ہے

۷۱۶

تو نے شمشیر جب اٹھائی ہے — ہم نے گردن وہیں جھکائی ہے
خاکساری مجھے غرور تجھے — ہووے قسمت عجب خدائی ہے
آئینہ رو برو نہ ہو گستاخ — اسے منظور خود نمائی ہے
اس کے پانوں[3] تلک نہ پہنچا سر — آہ یہ کیسی نارسائی ہے

میرزایوں سے بانکپن کرنا
عشقؔ یہ زور آزمائی ہے

۷۱۷

سلامت رہے جب تلک وہ جہاں ہے — بتاؤ مرا یار یارو کہاں ہے
نہ ہو بد گماں جان باتوں سے میری — تصدق ہوں تیرے مری یہ زباں ہے
یہ ہر دم ستانا نہیں خوب ظالم — مرا[4] جان حاضر ہے جو امتحاں ہے

---

[1] ک وہ بت جدا رہے۔ [2] ک سے۔ [3] ک ۵ پاؤں۔ [4] ک ۵ مری جان حاضر ہے آہ جو امتحاں ہے۔

نہ کر آب و دانہ کی تو فکر ہرگز   کہ ہمراہ آنسو کا[1] یہ کارواں ہے
طلب کر خداوند سے نیستی کو
یہ ہستی تری عشق وہم و گماں ہے

۷۱۸

اور باتوں کو عشق کم کیجے   آہ و زاری کو دم بدم کیجے
ہو اگر دید یار کا منظور   صورت اپنی کے تئیں عدم کیجے
لاؤں میں جو زباں پہ حرف دوئی   سر کو مثلِ قلم، قلم کیجے
کون شاکی تری جفا سے[2] ہے   جس قدر ہو سکے ستم کیجے
عشق کی زیست اس میں ہوتی ہے
مہربانی جو ایک دم کیجے

۷۱۹

تجھ سے سوا نہیں ہے تو ڈھونڈتا کدھر ہے   ٹک آنکھ کھول ظالم تو ہی تو جلوہ گر ہے
تھے جو جگر کے ٹکڑے سو حسن نے جلائے   دل کو جو خوں کیا ہے اس چشم کی نظر ہے
تھا وہ جگر بچارہ[3] سو آہ نے جلایا   دل سے جو کچھ رہا ہے سو چشم کی نذر ہے
دل خانۂ خدا ہے ناداں یہ کب روا ہے   انصاف کر ذرا تو کس کا بھلا گذر[4] ہے
تیغِ جفا کو اپنی تو شوق سے لگا اب   یہ داغِ دل نہیں ہے سینہ پہ یہ سپر ہے
روشن ہوا ہے مجھ کو یہ شمع کی زبانی
سر پا لو تلک جلاوے یہ عشق کا اثر ہے

۷۲۰

عشق بازی کی راہ مشکل ہے   آہ مشکل ہے آہ مشکل ہے

---

۱ ﮦ کے۔ ۲ ﻟ ﮐا۔ ۳ ﻟ ۲ ﮦ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۴ گزر۔

صبر دل کو نہ مہر دلبر کو — کیا کروں اے اِلٰہ مشکل ہے
سنگ و شیشہ میں ربط ہے دشوار — کیوں کے ہووے نباہ مشکل ہے
دل جگر چشم بھتے سو سب بہ گئے — کس پر اب چاہوں چاہ مشکل ہے

طالبِ عشق یہ ہوا ہے دل
خواہ آساں ہے خواہ مشکل ہے

۷۲۱

نام میں تو نشان میں تو ہے — دل میں تو ہے زبان میں تو ہے
کُلِ شیئٍ محیطِ دال ہوا — جان میں تو جہان میں تو ہے
دل نہ ہو کس طرح ہدف تیرا — تیر میں تو کمان میں تو ہے
کوئی خالی نہیں ہے تجھ سے بات — قصص و داستان میں تو ہے

عشق سے مجھ کو یہ ہوا ہے یقیں
کہ یقین و گمان میں تو ہے

۷۲۲

آہ سینہ میں کیا کھٹکتا ہے — دم جو یوں دم بدم اٹکتا ہے
عمر ہے گذری[1] پر کبھو نہ کہا — کیوں تو چوکھٹ پہ سر پٹکتا ہے
تو جو کہتا ہے سر کہاں کھویا — دیکھ فتراک میں لٹکتا ہے
خاک ہو تیرے گرد پھرتے ہیں — اس پہ دامن کو تو جھٹکتا ہے

یار چاروں طرف نمایاں ہے
عشق تو اب کدھر بھٹکتا ہے

---

[1] اگزری۔

۷۲۳

گو کہ غنچہ سو زباں ہے | پر زباں دل سے کہاں ہے
عشق کے پنجہ کے آگے | جس کو دیکھا ناتواں ہے
بت برہمن دو سمجھنا | شیخ صاحب یہ گماں ہے
تیرے منہ کو جن نے دیکھا | یار میرے نیم جاں ہے
دور کب ہے چشمِ دل سے | روبرو ہے وہ جہاں ہے
غم نہیں ہے دل کو میرے | یار میرا مہرباں ہے

عشق چپ رہ آہ مت کر
یاں ہمارا آشیاں ہے

۷۲۴

دل جو یوں بے قرار رہتا ہے | کیا تجھے کاروبار رہتا ہے
عشق تیرے سے جس کو داغ لگے | وہ سراپا بہار رہتا ہے
حالتِ دل کو کیا کروں تقریر | روز و شب انتظار رہتا ہے
چینِ ابرو کو دیکھ تیرے دل | زخمیٔ بے شمار رہتا ہے
خاک جل کر ہوئے ہیں پر تو بھی | اس کے دل میں غبار رہتا ہے
تو جو کرتا ہے منع اے ناصح | دیکھ تو اختیار رہتا ہے

عشق گرمی سے شعلہ روؤں کی
دل مرا داغدار رہتا ہے

۷۲۵

کوئی غم کھاتا نہ دیکھا مبتلا کے واسطے | کتنے عاشق مر گئے اپنی وفا کے واسطے
کلمۃ الحق اب کوئی کہتا نہیں خاطر سے آہ | آگے سر دیتے تھے کہتے ہیں خدا کے واسطے

جان جاؤ یار رہو یا خانماں برباد ہو کب وفا کو چھوڑتے ہیں ہم جفا کے واسطے
کس طرح سے دل چھپاؤں دل نہ دوں دلدار کو دل کیا ہے[۱] حق نے پیدا دلربا کے واسطے

اے شہِ برہان دیں یہ عشق بندا ہے ترا
در بدر اس کو نہ کیجو التجا کے واسطے

۷۲۶

کروں کیا بے طرح کا مجھ کو غم ہے نہ دل میں سوز نے آنکھوں میں نم ہے
طلب تیری کوئی جاتی ہے دل سے میاں جب تک کہ میرے دم میں دم ہے
بجز میرے نہ دیجو دل کسو کو الٰہی جس قدر دنیا میں غم ہے
دکھا کے مجھ کو غیروں ساتھ ملنا قیامت ہے قیامت ہے ستم ہے

تفاخر سے بیاں کرتا ہے وہ شوخ
جہاں میں عشق سا رسوا تو کم ہے

۷۲۷

مجھ سے تم پوچھتے ہو، ہو کیسے ہے یہ مشہور جیسے کو تیسے
آہ میری کی نقل کرتے ہو منہ چڑاتے ہو جان من ایسے
جام و مینا سے کام چلتا ہے منہ لگا دے مرا خُمِ مے سے
ہُو ہی دیوانے کو ترے بس ہے کیوں ڈراتے ہو تیں کو جیسے
ہے تعجب کہ یار و یار بغیر دل کو بہلایئے کسو شے سے
خاکساروں سے آشنا ہے دل نہ وہ کاؤس سے نہ وہ کَے سے

تیری گرمی سے عشق جیتا ہے
ہو وے تبرید سے بھلا کیسے

---

[۱] ہے بندا۔ بندہ

۷۲۸

عشق کا پہلے ٹک وہ نام سنے / دیکھیں کس کس کا پھر پیام سنے

پہلے سرگوشی کو ہے ربط ضرور / قل قل شیشہ گوشِ جام سنے

قتلِ قاصد مجھے نہیں درکار / میں لکھوں نامہ وہ پیام سنے

عشق کے بھید کو نہ پاوے گا / گو کے منطق پڑھے کلام سنے

زلف کے تار کے برابر ہیں / پھانسیاں دیکھیں اور دام سنے

ایک سے بھی ہوئی وفاداری / نام کو سیکڑوں غلام سنے

عشق سا جو جگر کہ رکھتا ہو
درد کو میرے وہ تمام سنے

۷۲۹

فلک میں تیر سی جس وقت آہِ آتشیں ڈوبی / نزول اتنی ہوئی رحمت کہ ہر اک سرزمیں ڈوبی

مرے رونے سے کیا تجھ کو نہ کر تو منع اے ظالم / نہ دامن تر ہوا تیرا نہ تیری آستیں ڈوبی

تفکر ہے نہ آنکھوں کا تری خاطر میں کہتا ہوں / رُلایا تو نے جو مجھ کو تو تیری شہ نشیں ڈوبی

جو دیوانوں نے اب کی سال اتنا سر اُٹھایا ہے / نگاہِ تند خوباں کی مگر نشتر کہیں ڈوبی

نصیحت مجھ کو کرتا تھا جو دیکھا اس بھبھولے کو / ندامت کے عرق سے یارو ناصح کی جبیں ڈوبی

نظر کس طور آویں دور سے آنکھیں تری ظالم / مرے آنسو کے طوفاں میں نگاہِ دوربیں ڈوبی

نہ سوچ اب عشق تو دل میں نہ ڈر اس قعر دریا سے
کسی فیاض کی کشتی میاں اب تک نہیں ڈوبی

۷۳۰

ہر وقت نہ دے جور و ستم سے تو نکالے / دنیا میں رہا چاہے تو عاشق کی دعا لے

الف آستیں۔

رونے میں مجھے دیکھ کے غصہ ہوا وہ شوخ
چل دور ہو یہ لختِ جگر اپنے اٹھا لے

ہر خار جو سرسبز نئے سر سے ہوا ہے
دیوانے کے پھوٹے ہیں مگر پانوں[1] کے چھالے

کس طور نہ ہو آہ سے اب مجھ کو سروکار
چبھتے ہیں میاں دل میں مرے مژہ کے بھالے

بدنام عبث عشق کو کرتے ہو مری جاں
حق تم کو سلامت رکھے پر کام نہ ڈالے

۷۳۱

اس کو منظور جو ستانا ہے
ہمیں ناچار غم ہی کھانا ہے

دل میں تو اپنے[2] رکھ اسے ہر طور
آہ سا کوئی بھی یگانا ہے

سیکڑوں دعوے[3] ہو چکے ظالم
جھوٹ کا تیرے کچھ ٹھکانا ہے

میرے شکوہ سے مت خفا ہونا
گلۂ یار دوستانا ہے

شعلۂ آہ سے ترے اے عشق
ایک عالم ابھی جلانا ہے

۷۳۲

ترے آگے سر بازی آسان ہے
پکڑ تیغ، یہہ گو یہ میدان ہے

تغافل نہ کر کہیو قاصد اسے
یہ زخمی کوئی دم کا مہمان ہے

دل و جان کھو دیوے جو[4] بات پر
کوئی اور بھی مجھ سا نادان ہے

ترے ساتھ ظالم میں کب تک پھروں
ترا حسن تیرا نگہبان ہے

تردد سے آزاد ہے عشق وہ
یقیں جان جو صاحب ایقان ہے

---

۱ ک پاؤں۔ ۲ ر، ق رکھ اپنے تو۔ ۳ ل، ۲ وعدے، ق وعدہ۔ ۴ ر، ق اِک۔

۷۳۳

نہ تسکیں ہجر میں اس کو نہ وصل اب اس کو بہلائے
کہو دیوانے ایسے کو کوئی کس طرح سمجھائے

نہ طاقت آہ کرنے کی نہ فرصت سانس لینے کی
بتا تو ہی کرے کیا وہ جو آنسو بھی نہ بھر لائے

نگاہِ گرم سے تیری یہ دل اس طرح رہتا ہے
کہ جیسے آگ دیں باروت کو اور بُرج اُڑ جائے

نہ کہہ تو ہجر کی مجھ سے مرا اب جی نکلتا ہے
مرے دشمن کے دشمن کو خدا وہ دن نہ دکھلائے

ہمیشہ وصل میں حالت مری یہ کچھ گذرتی ہے
خدا جانے جدائی تیری کیا سر پر بلا لائے

اگر قسمت میں یوں ہی ہے تو اتنا تو قضا سے کہہ
کہ یہ آفت زدہ دو چار دن آگے ہی مر جائے

جلا دے عشق جلدی سے کہ ہووے عالم آسودہ
کہاں تک میری آہوں سے بھلا دکھ پائیں ہمسائے

۷۳۴

آہ کہ آپ بان کھاتا ہے
دل مرا مفت جان کھاتا ہے

یار بن سیر کو نجاؤں میں
باغ اور بوستان کھاتا ہے

لعل حسرت سے خون ہوتا ہے
یار جس وقت پان کھاتا ہے

تو نہ ہو تو بہشت ہے کس کام
بے مکیں کے مکان کھاتا ہے

روز اُٹھ عشق تو طپانچۂ غم
منھاں جائے نان کھاتا ہے

۷۳۵

خوبیاں سب ہیں یار میں اپنے
پر نہیں وہ کنار میں اپنے

رہ گئے ہم بناؤ ہی کرتے
دم گذر[1] گئے شمار میں اپنے

پھل کی خواہش کریں ہیں دیوانے
جھڑ گئے گل بہار میں اپنے

---

[1] اگزر۔

داغ تیرے میاں جفاؤں کے   لے چلے ہم مزار میں اپنے
ہم خط و خال کے اسیر نہیں   پھنس گئے ہیں قرار میں اپنے
کس طرح اس کو روک رکھوں میں   دل نہیں اختیار میں اپنے
عشقؔ کی بات کو نہ پوچھو تم
ایک ہے وہ شعار میں اپنے

۷۳۶

دیکھتا ہے جو تجلی نور کی   ہے قصور اس کو تمنا حور کی
چین میں زلفوں کی کیجے سیر اگر   پشم ہے پھر سلطنت فغفور کی
کھلکھلا ہنسنا ترا نام خدا   برق ہے یا ہے تجلی طور کی
اس خرابانی کی دعوت کے لئے   سبحہ ہووے دانۂ انگور کی
دم غنیمت ہے جو گذرے عشقؔ میں
بات تم کہتے ہو حضرت دور کی

۷۳۷

تم آتے آتے ناز سے دلدار رہ گئے   حیرت زدہ ہو سارے گرفتار رہ گئے
آئینہ رو جو بزم میں ناگاہ آگیا   منہ دیکھ دیکھ اپنے طرحدار رہ گئے
اب عاشقوں کی حق بطرف ہے کرو جو غور   دلدار اٹھ گئے وہ دل آزار رہ گئے
معشوق جس کا تھا سو وہ یوسف کو لے گئے   جتنے تھے اور جھوٹے خریدار رہ گئے
تیری نگاہ عین شفا ہے مریض کو   پر چشم یار کتنے بہ بیمار رہ گئے
ساقی جہاں کو مست کیا تیری چشم نے   افسوس ہم ہی دور میں ہشیار رہ گئے[1]
کچھ لے خبر ہماری بھی اے یار عشقؔ جلد
اس آرزو میں مر کے کئی بار رہ گئے

---

[1] ۱ے ۲ے رہ تیغ۔

۷۳۸

آہ بے خود اثر کرے تو کرے — یہ خبر بے خبر کرے تو کرے
حال سن سن مرا تو ہنستا ہے — مرگ پر چشم تر کرے تو کرے
عشق کو سونپ یہ غبارِ چشم — وہی یہ خاک زر کرے تو کرے
عشق کو کھو کے عقل کو ڈھونڈے — یہ کوئی کام خر کرے تو کرے
اور کیا وہ کسو سے ڈرتا ہے
عشق تیرا ہی ڈر کرے تو کرے

۷۳۹

بے تکلف عشق بازی خوب ہے — اس لئے دل کو مرے مرغوب ہے
عاشق اور معشوق میں ہے ربط خاص — وہ اگر یوسف ہے یہ یعقوب ہے
بے تامل اس کو تو وا کر صنم — دل نہیں یہ غنچۂ مکتوب ہے
رونے ہنسنے کے سبب کو کچھ نہ پوچھ — تیرے دیوانوں کا یہ اسلوب ہے
بے ادب یا باادب بندا[1] ہے عشق
یہ بلاکش مست ہے مجذوب ہے

۷۴۰

بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے — جوں تابداں میں شیشۂ رنگیں دھرے ہوئے
احوالِ عشق و عاشق و معشوق کیا کہیں — جو ہجر و وصل دونوں سے ظالم پرے ہوئے
آئی بہار کھیو ٹک اس گلعذار سے — انگور زخم دل کے مرے پھر ہرے ہوئے
نزدیک و دور یار عبارت تجھی سے ہے — محفل میں تو نہ ہو تو پھرے باورے ہوئے

---

[1] بندہ۔

گذرا جو عشق آبلہ پا دشتِ خار میں
فیضِ قدم سے اُس کے بیاباں ہرے ہوئے

۷۴۱

کہتے ہیں یہ بتاں ہیں کیا آشنا کسو کے
بیزار سے نہ ہوویں کیا ہیں خدا کسو کے

دل کو تو اپنے مت دے دلداریوں پران کی
کب آشنا ہوئے ہیں یہ لے دنا کسو کے

آنکھیں لڑاتے پل پل کچھ بے سبب نہیں ہیں
ان باتوں پر کٹیں گے یاں دست و پا کسو کے

میں راہِ عاشقی میں کھویا ہے دین و دل کو
اے دوستو نہ ہونا تم مبتلا کسو کے

شور و فغاں و سودا ہمدرد کس کے ہوویں
وہ عشق آشنا ہیں اب مجھ سوا کسو کے

۷۴۲

عشق کو کیا لعل و گہر چاہیئے
دل میں شرر دیدۂ تر چاہیئے

خانۂ دل جل گیا آدے کہاں
رہنے کو مہمان کے گھر چاہیئے

ساتھ مرے پھرنے سے نفرت نہ کر
صاحبِ حشمت کو نفر چاہیئے

تیرِ مژہ شوخ کے ہیں تند و تیز
سامنے ہونے کو جگر چاہیئے

جس کو تصور ہو رخ و زلف کا
قوتِ جگر شام و سحر چاہیئے

حُسن پر مغرور تو اتنا نہ ہو
حالِ غریبوں پہ نظر چاہیئے

ہستیٔ موہوم پہ نازاں نہ ہو
عشق تجھے عزمِ سفر چاہیئے

۷۴۳

یا دل سے ترے جواب نکلے
یا جی ہی مرا شتاب نکلے

گو حشر ہی اس میں ہووے برپا
شب گذرے وہ آفتاب نکلے

اس چشم کو یاد کر جو روؤں
آنکھوں سے مری شراب نکلے

آنکھوں سے تو لختِ دل ہیں جھڑتے
آنسو ہیں کہاں جو آب نکلے

صدمہ سے فلک کے پھر نہیں خوف
جو دل سے یہ اضطراب نکلے

ہے عین وہ بلکہ عین دریا
جو موج سے پیچ و تاب نکلے

بیتابیٔ عشق پر نہ ہنس تو
جو دیکھے تجھے خراب نکلے

۷۴۴

عشق آنکھوں کو کس کی تکتا ہے
آج جو دم بدم بھکتا ہے

ہائے یارو خدا ہی خیر کرے
زخمِ دل بے طرح ٹپکتا ہے

کسو بیداد گر نے یاد کیا
دلِ مجروح جو دھڑکتا ہے

کس طرح سے نہ ہوں میں گرم سخن
آگ میں دل پڑا دہکتا ہے

لگی ہے دل میں آہ کی دھونی
تب یہ آنکھوں سے خوں ٹپکتا ہے

دردِ دل کیا کروں بیاں ظالم
کچھ سناں کی طرح چبکتا ہے

عشق کو شاعری نہیں منظور
دل میں آتا ہے سو وہ بکتا ہے

۷۴۵

تجارت چین میں کرتی ہے اس کی لونڈی کستوری
نہ سمجھو زلف کو مفلس یہ ہے اب گانٹھ کی پوری

کہاں رونے سے فرصت ہے کہوں کیا دردِ دل تجھ سے
قیامت سخت گذرا[1] ہے مجھی پر صدمۂ دوری

عجب[2] سودا کیا ہم نے جگر کو مفت کھو بیٹھے
یہ داغِ دل جو ہے یارو ملا ہے ہم کو دستوری

---

[1] گزرا۔ [2] غضب۔

کہوں کیا حالِ دل تم سے اسی کو غور کر دیکھو — کہ واں جتنی ہے مختاری یہاں اتنی ہی مجبوری

تبرا زہد و تقویٰ سے کیا کب عشق نے زاہد
نہیں پر چاہتا اس کام کی ہرگز یہ مزدوری

۷۴۶

بے ہوش نہ ہوں دیکھ اسے بوالعجبی ہے — اس چشم کی گردش ہی شرابِ عنبی ہے
عاشق کو قدم بوسی کا مقدور کہاں ہے — معشوق پہ گستاخ نظر بے ادبی ہے
کس طور نہ ہوں جام مری چشم کے پُر کیف — جو آبلۂ دل ہے سو شیشہ حلبی ہے
یہ بندۂ بے قدر جو اس ہند میں اب ہے — بے شک ز غلامانِ امیرِ عربی ہے

محشر میں گناہوں سے نہیں عشق کو کچھ ڈر
اللہ سا خداوند محمدؐ سا نبی ہے

۷۴۷

مت توڑ عشق آہ کا یہ تیر سنگ ہے — بولا کہ سنگ پر مری تاثیر سنگ ہے
اے کوہکن سمجھ نہ اسے بچیر سنگ ہے — خسرو کے دل کو چیر کے بے پیر سنگ ہے
دیوانے کی خبر نہ ملی وہ کدھر گیا — ہر ایک اس کے کوچے کا دلگیر سنگ ہے
حلقے[1] میں اس کے پھنس ہی گئے دل کے پانو ٹوٹ — حق میں ہمارے زلف کی زنجیر سنگ ہے
تقصیر کیا ہے بت کی یہ ہے بت تراش کی — کرتا عبث ہے اس کو یہ تعزیر سنگ ہے
کعبہ میں دیکھتے ہیں تجلیٔ نورِ ذات — آنکھوں میں کور دل کے یہ تعمیر سنگ ہے
کہتے ہیں بت پرست کو صورت درست ہو — سجدہ نہ کر سمجھ کہ یہ تصویر سنگ ہے

اس واسطے میں آہ کو رکھتا ہوں گھونٹ عشق
نازک دلوں پہ نالۂ شبگیر سنگ ہے

---

۱ ر۲ ر۵ حلقہ

۷۴۸

نے درد و غم ہے باقی نے آہ و نے فغاں ہے
اے شورِ عشق سچ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے

مانند ذرہ دیکھو خورشید ہے بغل میں
بیٹھا ہوں گو زمیں پر پر سیرِ آسماں ہے

معشوق و عاشقوں میں ہے ربط خاص باہم
اس پاس جو عیاں ہے اُس پاس وہ عیاں ہے

کونین کو بھلادے طالب جو ہے خدا کا
ہے سدِّ راہ تیرا جیب تک یہ این و آں ہے

دل کو ہمارے ناحق فرقت کی آگ مت دے
خانہ خراب یہ تو تیرا ہی خانماں ہے

کر ذبح جلد اس کو پچھتائے گا وگرنہ
جانِ فسردہ میرا حسرت سے نیم جاں ہے

آہ و فغاں پہ شہرت موقوف کب جرس ہے
ہے شور جگ میں اس کا گو عشق کم زباں ہے

۷۴۹

ان دنوں میں دل پہ میرے یارو عالم اور ہے
اشک ہے اور آہ ہے اور درد ہے اور شور ہے

گرم جوشی اختلاطیں ہیں کہ و مہ سے تمہیں
پھر نہیں ملتے جو ہم سے کچھ تو دل میں چور ہے

عشق کی رنگینیاں عاشق سے پوچھا چاہئے
ان کو کیا جانے گا زاہد وہ تو اندھا کور ہے

زندگی بے دردکی ہے مرگ سے بدتر طبیب
سینۂ بے عشق مردہ دل کی خاطر گور ہے

عقل حیراں ہے کہوں کیا انجذابِ عشق کو
مہ سے تا ماہی کھنچیں ہیں کس طرح کا زور ہے

۷۵۰

کہ چشمِ تر کو جا کے جگر کو خبر کرے
دل چاہتا ہے شام سے رو رو سحر کرے

میں خوش ہوں بے قراری کے اپنی قرار پر
ایسا نہ کیجیو آہ کہیں تو اثر کرے

دیوانے تیرے پھرتے ہیں جس جس مکان میں
مقدور کیا فرشتے کا جو واں گذر[1] کرے

---

[1] گزر۔

پائی نہ راہ دل میں اگرچہ ہوئے خیال   ایسی ہی یہ وہم ہے کوئی کیوں کے سر کرے

سن کر پیامِ عشق کو ہو مہرباں غلط
آوے اگر ادھر کو خدا ہی کا[2] ڈر کرے

۷۵۱

مجنوں کی کہیں اس کو تصویر نظر آئی   جو ہاتھ میں لیلیٰ کے زنجیر نظر آئی

تدبیر کرے اس کی ہے عقل وہ دیوانہ   آئینۂ خنجر میں تقدیر نظر آئی

وہ گھر کو لٹا اپنے ویرانے[3] میں جا بیٹھا   اس شہر کی اب ہم کو[4] تعمیر نظر آئی

بے چین نہ کر دل کو خاموش ہو سونے دے   بس آہ تری ہم کو تاثیر نظر آئی

اے سیم براں کیوں کر عاشق نہ ہوس ہو   اس کوچے[5] کی خاکستر اکسیر نظر آئی

احوال سے مجنوں کے کیا اس کو خبر پہنچی   جو ان دنوں میں لیلیٰ دلگیر نظر آئی

وہ بات مزے کی ہے جو ذوق سے خالی ہو
جب عشق تری ہم کو تقریر نظر آئی

۷۵۲

جسے زلف و رخ سے سروکار ہے   اسے روزِ روشن شبِ تار ہے

تکلف ہے جو جاؤں گل گشت کو   مری چشم میں تو ہی گلزار ہے

غمِ یار نے لطف سے یہ کہا   ترا میں مرا تو خریدار ہے

جو کچھ جی میں آوے تو کہہ شوق سے   تری بات پر کس کو تکرار ہے

انا الحق سے قدر اس کی بڑھتی نہیں   حقیقت میں منصور سردار ہے

خریدار کس[6] رو سے ہووے فقیر   ترے حسن کا گرم بازار ہے

---

۱ یہ مقطع نسخۂ ۳ میں نہیں ہے۔ ۲ نسخۂ ۲ کا ہی۔ ۳ نسخۂ ۳ دیوانے۔ ۴ نسخۂ ۲ جس کو۔ ۵ نسخۂ ۲ کوچہ۔ ۶ کس طرح۔

نہ ہو کیوں کے پامال یہ زار دل نرالی تری سب سے رفتار ہے
مسیحا سے کس منہ سے مانگے دوا تری چشم کا جو وہ بیمار ہے
تردد نہ کر عشق تو بیٹھ رہ
وہی وار ہے اور وہی پار ہے

۷۵۳

عاشق تپِ فراق میں جل بھن کے مر گئے کہتا ہوں کون مر گئے وہ اپنے گھر گئے
ہمت کے پر لگائے پر اس کے نہ گھر گئے جوں جبرئیل اُڑتے ہی اُڑتے یہ پر گئے
یہ ماجرا میں کس سے کہوں فائدہ ہے کیا اقرار آپ ہی کر گئے آپ ہی مُکر گئے
دل اور چشم کہتے ہیں باہم یکا کو دیکھ تم شام جو گئے تو میاں ہم سحر گئے
مت پوچھ میرے جلنے کو تو اے شبِ فراق جوں شمع سر پہ آگ کے شعلے گذر[1] گئے
ان دل جلوں سے مت کہو تم سرگذشتِ شمع وہ بھی شبِ فراق میں کیا کیا نہ کر گئے
آویں نہ کس طرح سے بھلا اس طرف کو عشق
دل کی امانتیں جو ترے پاس دھر گئے

۷۵۴

آئینہ کو منہ دکھاوے دل نہ دیوے رو مجھے عکس پھر اس پر نہ آوے یہ بتا تو تو مجھے
غنچہ و گل دیکھتا ہوں جو جہاں میں گلعذار پردۂ ہر گل سے آجاتی ہے تیری بو مجھے
ہر کسو پر کھینچ کر تروار کو جڑ بیٹھنا یہ نہیں آتی ہے خوش اے یار تیری خو مجھے
دشمنِ قلبی مرا ہے یار جو ہر جائی ہو دوست بھی آتا ہے خوش یکرنگ اور یکسو مجھے
عشق کیفیت سے ہے لبریز پیمانہ مرا
کیوں نہ خوش آوے بھلا کہ تو ہی ہا و ہو مجھے

---

[1] اگزر۔

۷۵۵

اس کے خنجر کو جی دیئے ہی بنے ہم کنار اس کو اب کئے ہی بنے

ننگ اور نام گو کہ ناخوش ہوں عشق کا جام پر پیئے ہی بنے

ناخوش ہوتا ہے یار مرنے سے آہ ہر طرح اب جیئے ہی بنے

مجھ کو ہر وقت تو نہ کہہ ناصح جیب کے چاک کو سئے ہی بنے

مجھے آزاد دیکھ کہتا ہے

عشق کے دل کو دل لئے ہی بنے

۷۵۶

سچ اگر کہیئے تو فضولی ہے راستی کجروی کو سولی ہے

دل کی حالت نہ پوچھ تو[1] مجھ سے سانس سینہ کی راہ بھولی ہے

زلف پر اس کے دیکھ طرّۂ زر لوگ کہتے ہیں سانجھ پھولی ہے

دل ہنڈولے کی طرح کیوں نہ ہلے تان کس کس طرح سے جھولی ہے

[2]جب سے دیکھا ہے وہ بسنتی پوش سرسوں آنکھوں میں میری پھولی ہے

چشم میں دل کے عشق شوق سے رہ

یہ حویلی میاں نزولی ہے

۷۵۷

ہمیں خاک و خوں میں لو[3]ٹا کر چلے سلامت رہو تم دعا کر چلے

[4]کبھو آئے سرگشتہ جو گرد باد ترے کوچے[5] میں خاک اڑا کر چلے

اگر نیست ہیں فی الحقیقت تو کیا بھلا کر چلے یا برا کر چلے

---

۱ ر۲ ر۳ ر۴ ر۵ دیکھ اس کے۔ ۲ یہ شعر صرف ر۵ میں ہے۔ ۳ ر۳ ر۴ ر۵ ر۷ لٹا۔
۴ ر۵ کبھی آئے سرگشتہ چوں گرد باد۔ ۵ ر۵ کوچہ۔

انھیں راہ گلزارِ وحدت میں ہے   تعین جو اپنا مٹا کر چلے
انھیں فائدہ آنے جانے سے ہے
جو دل عشق سے آشنا کر چلے

۷۵۸

غلط ہے مجھے جستجو ہے کسو کی   مری شکل ہی ہو بہو ہے کسو کی
میں اتنے لئے دوست رکھتا ہوں دل کو   کہ اس غنچہ میں یار و بو ہے کسو کی
نہ بدمست ہوں کس طرح پی کے مے کو   لبِ جام پر گفتگو ہے کسو کی
علم کر کے تروار شرما ؤ مت تم   مری جان یہ آرزو ہے کسو کی
کروں بند کس طور آنکھوں کو عورت   مرے سامنے دو بدو ہے کسو کی
توقع یہ ملنے کے دل خوش نہ ہووے   خبر ان دنوں کو بکو ہے کسو کی
ستانے پہ ظالم کے شاکی نہ ہو تو
نہ یہ ظلم ہے عشق خو ہے کسو کی

۷۵۹

بے خبر ہووے تو خبر آوے   آنکھ موندے تو وہ نظر آوے
تیری آنکھوں کے وہ مقابل ہو   جو کوئی دل کو دور دھر آوے
خشک آنکھیں رہیں جو آنسو سے   دل مرا کس طرح نہ بھر آوے
دیر و کعبہ سے دل کو کام نہیں   جس طرف تو کہے اُدھر آوے
گو کہا اُن نے کل میں آؤں گا   ہوئے بالفرض وہ اگر آوے
زندگی یاں تمام ہوتی ہے   شام سے جب تلک سحر آوے
سبقت رحمتی علیٰ غضبی
عشق کو کس طرح سے ڈر آوے

۷۶۰

آزادگی کی بات نہ کہہ دل گھڑی گھڑی ‏ پھانسی ہے زلف جس کے گلے میں پڑی پڑی

دو چار اس سے ہو کے یہ دل بچ سکے غلط ‏ وہ چشم خانہ جنگ ہے جس سے لڑی لڑی

دیوانے کو یہ خوش خبری جا کے جلد دو[2] ‏ لڑکوں نے پتھری جمع کئے ہیں بڑی بڑی

مے خواری تیری تقویٰ کو رکھتی نہیں زباں ‏ کرتا ہے باتیں شیخ عبث تو کڑی کڑی

حیرانی تیرے عاشقوں کی دیکھ اے صنم ‏ دیوانی ہو کے پھرتی ہے حیرت کھڑی کھڑی

سنتے نہیں ہیں کان ترے آہ کیا کروں ‏ تعریف اس کی کرتے ہیں ورنہ چڑھی چڑھی

مستی نہیں شراب کی مانند عشق کی
یہ کیف جس دماغ میں ظالم چڑھی چڑھی

۷۶۱

آہ جب عاشق بیتاب کرے ‏ تا بہ محمل نہ کوئی خواب کرے

عکس سے آئینہ کو پھینک دیا ‏ اس پہ پھر دل کو کوئی آب کرے

اے فلک پل میں تو کھاوے غوطے ‏ دل اگر چشم کو گرداب کرے

نقش پا دیکھ ترا ساجد ہو ‏ عاشق اس طور سے آداب کرے

عشق جوں برق کے دکھلاوے زباں ‏ حسن کے شعلہ کو سیماب کرے

اتنی[3] حسرت میں یارو جلتے ہیں ‏ دل ہمارے کو وہ کباب کرے

سخن عشق کو باندھے وہ اگر
قصد جو گوہر نایاب کرے

۷۶۲

گدا ہے نہ کوئی نہ یاں[4] شاہ ہے ‏ حقیقت میں اللہ ہی اللہ ہے

۱۔ ۲ ۵ اس سے دو چار ہو کے۔ ۲ ۳ ۲ یہ خوش خبری دیوانے کو جا کے جلد دو۔ ۳ یہ شعر دوسری بحر میں جا پڑا ہے۔ ۴ ۲ یہاں

میں مرتا ہوں اور اس کو[1] پروا نہیں　　عبث کہتے ہیں دل بدل راہ ہے
صمد یا صنم کا گذر[2] یاں کہاں　　اس آتش کدہ میں ترے آہ ہے
مجاور جہاں عشق ہو شیخ جی　　کہو کون سی ایسی درگاہ ہے
خبر[3] ہے کہ آتا ہے وہ آج عشق
خدا جانے سچ ہے کہ افواہ ہے

۷۶۳

معشوق کی نگاہ میں جو دلبری ہوئی　　شیشہ میں دل کے عشق کے بے شک پری ہوئی
حق نے نجاتِ عاصیوں کا حکم کر دیا　　جب سے مرے رسول کو پیغمبری ہوئی
شیشہ میں میرے دل کے نہ سمجھو شراب تم　　قندیل ہے زجاج کی آتش بھری ہوئی
آگے تو دل کے قتل پہ بیباک تم نہ تھے　　کچھ ان دنوں (میں[4]) آنکھ تمہاری چڑھی ہوئی
ہے پرزے پرزے آج جگر مثلِ گل ترا　　کس گلعذار سے تجھے دل ہمسری ہوئی
سینہ سے درد و آہ نکالوں میں کس طرح　　یارو کسو کی ہے یہ امانت دھری ہوئی
جب اشک ریز عشق نے صحرا کی سیر کی
بوٹی جڑی جو جل گئی تھی پھر ہری ہوئی

۷۶۴

عشق بازی کھیل ہے کیا اور ہی آزار ہے　　سانس لینا بے اجازت یار جی دشوار ہے
عاشق اور معشوق کی اوقات تو مجھ سے[5] نہ پوچھ　　جس قدر مجبور یہ وہ اس قدر مختار ہے
کیوں ڈراتے ہو عبث شمشیر کو تم کھینچ کھینچ　　جس سے عاشق قتل ہوں وہ اور ہی تروار[6] ہے
ہر گھڑی پامال کرنا دل کو عاشق کے عبث　　کج روی کو چھوڑ دو یہ کون سی رفتار ہے

ا؎ اس کو۔ ۲ گزر۔ ۳ ل؎ سنا ہے کہ وہ آج آنے کو ہیں۔ ۴ ہے۔ ۵ ل؎ مجھ سے تو۔ ۶ ل؎ ل؎ تلوار۔

رحم و بے رحمی جو کچھ منظور ہو سو واہ وا   بن ترے کوئی بھی ظالم دوسرا غم خوار ہے

بے بسی اور بے کسی دلدار سو یہ بانصیب   مرگ تو آتی نہیں اور زندگی دشوار ہے

دن بدن[1] کاہیدہ پاتا ہوں میں یار و عشق کو

کچھ مصیبت ہے پڑی یا کچھ اسے آزار ہے

۷۶۵

روز تو روز رو کٹا شب ہے سو ہے   تھا سو تھا اور ہو سو ہو اب ہے سو ہے

لعل اور یاقوت کا مت نام لے   وہ حیاتِ عاشقاں لب ہے سو ہے

عشق کی گرمی کہاں جاوے طبیب   دل جگر میں تاب اور تب ہے سو ہے

خلق کی بدنامی جو کچھ ہو سو ہو   کون ڈرتا ہے کہیں سب ہے سو ہے

حق و ناحق ڈالتے ہیں یہ نفاق   ہے غلط میں نے کہا کب ہے سو ہے

گو بتوں کے آگے سجدے لاکھ ہوں   فی الحقیقت ایک وہ رب ہے سو ہے

عشق کا تم ذکر بار و مت کرو

اس بلاکش سے ہمیں ڈھب ہے سو ہے

۷۶۶

آنکھ[2] کس سے مرے خدا لگ گئی   بیٹھے بٹھلائے کیا بلا لگ گئی

آج کل آئینہ مصاحب ہے   کسی مظلوم کی دعا لگ گئی

بو کے مانند جو پریشاں ہے   دل کے غنچہ کو کیا ہوا لگ گئی

تجھ کو گرمی نہ پہنچے عشق کی آہ   ارض سے آگ تا سما لگ گئی

عشق تقدیر سے کرے کیا دل

تیر سی یک بیک ادا لگ گئی

---

۱ ف دم بدم۔   ۲ ف آنکھ مری کس سے خدا لگ گئی۔

۷۶۷

پوچھا جو دل نے چشم سے آتش کہاں لگی
فریاد کی جگر نے کہ آ دیکھ یاں لگی

کرتا ہے آہ آہ جو اس اضطراب سے
کیا چوٹ دل میں تیرے مگر نیم جاں لگی

جو چاہتا ہے مجھ کو پریشاں نظر نہ ہو
یہ بات تیری خوب ہمیں بدگماں لگی

شمشیر اس کے قہر کی چلنے لگی جو آہ
دارالاماں میں شور پڑا الاماں لگی

دشوار بات کہنا ہوا اس کے روبرو
مانندِ شمع عشق جو کٹنے زباں لگی

۷۶۸

اس دوستی کو آگ کہیں مہرباں لگے
دل میں جو نام لیجے تو جلنے زباں لگے

اٹکھیلیوں سے پاؤں جو رکھے زمین پر
میں کیا کہ گرد پھرنے ترے آسماں لگے

کس طور سے بجھاوے کوئی ایسی آگ کو
بل مارتے میں سو ہی طرف یاں سے واں لگے

بے غیرتی سے اپنی میں جاتا ہوں اس کے گھر
صورت کو میری دیکھ کے کہتا ہے ہاں لگے

گھبرا کے بھاگے شکل سے کونین کی جو عشق
اس دل جلے کے دل کی لگاوٹ کہاں لگے

۷۶۹

کیا اور بھی مکاں ہے یہ آفت جہاں رہے
میرے ہی دل میں وہ نہ رہے تو کہاں رہے

کرتے ہو اعتراض عبث اشک و آہ پر
دل میں لگی جو آگ کہاں تک نہاں رہے

پامال کرتے ہیں اسے مانندِ نقشِ پا
کوچہ میں تیرے کیوں کے وہ اب ناتواں رہے

پوچھی نہ ایک بات کبھو تو نے یا نصیب
کیا کیا خیال دل میں مرے مہرباں رہے

رو رو کے میرے اشک یہ کہتے ہیں آہ سے
تو جس طرف کو جاتی ہے جا ہم تو یاں رہے

---

۱ تا ۳ ، ۴ تا ۵ پاؤں۔

جب تک کہ یہ زباں لب پہ شور و فغاں لیے ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مقصود دل کو کچھ نہیں دلدار ہے تو یہ

کر داغ دل کو ہنس کے لگا کہنے وہ صنم

اے عشق تیرے پاس ہمارا نشاں رہے

۷۷۰

نہیں کہتے فلک جفا نہ کرے ‌ ‌ ‌ ‌ ہم کہیں تم کہیں خدا نہ کرے

دل جفاؤں سے تیری بے دل ہو ‌ ‌ ‌ ‌ بے وفا ہو اگر وفا نہ کرے

تیر سے کم نہ بوجھ اس کی نگاہ ‌ ‌ ‌ ‌ کس طرح آہ دل میں جا نہ کرے

یہ تمنا مجھے خدا سے ہے ‌ ‌ ‌ ‌ بے وفائی سے آشنا نہ کرے

عشق بازوں میں کب گنیں اس کو ‌ ‌ ‌ ‌ وہم و پندار کو جو لا نہ کرے

خوبرو کب لگا دیں اس کو منہ ‌ ‌ ‌ ‌ جب تلک آپ کو فنا نہ کرے

عشق جور و برو نہ ہو اس کے

کبھی یہ ناز و یہ ادا نہ کرے

۷۷۱

جو سمجھتے تھے زباں اب اٹھ گئے ‌ ‌ ‌ ‌ ایک ہو تو رو ئیے سب اٹھ گئے

مضطرب کیوں کر نہ ہو یہ دردمند ‌ ‌ ‌ ‌ صبر کے پردے تو یارب اٹھ گئے

کیا بلا کھنچی سحر وہ کافر نگاہ ‌ ‌ ‌ ‌ روح کے ہمراہ قالب اٹھ گئے

ایک دم میں کچھ سے کچھ آیا نظر ‌ ‌ ‌ ‌ کہتے ہیں بیٹھے تھے یاں کب اٹھ گئے

کس توقع پر جلوں میں مثلِ شمع ‌ ‌ ‌ ‌ فائدہ جلنے سے کیا جب اٹھ گئے

کیا کہوں رعنائی یارا اس بزم کی ‌ ‌ ‌ ‌ روز کو آئے اگر شب اٹھ گئے

عشق اتنا کر تو اس سے عرض حال

مجھ کو تنہا چھوڑ بے ڈھب اٹھ گئے

۷۷۲

کہنے لگا دل عشق ترا آج کہاں ہے
ہم کیوں کے کہیں قبلۂ حاجات جہاں ہے

کیا تاب ہے جو آگے ترے کوئی کہے بات
جوں شمع تری جلتی ہے جو منہ میں زباں ہے

ہے نام و نشاں کس کا یہ بتلائیے حضرت
اللہ کو تو کہتے ہو بے نام و نشاں ہے

نے کعبہ وِنے دیر میں ہے شیخ و برہمن
تم ڈھونڈتے پھرتے ہو عبث دل میں نہاں ہے

جوں شیشۂ ساعت نہ ہو دل کیوں کے مکدّر
خطرات کا یہ سیل نہیں ریگِ رواں ہے

جس شخص نے دیکھا اسے وہ آپ کو بھولا
معشوق کہے کون اسے آفتِ جاں ہے

اوقات بسر ہونے کی تم طرح نہ پوچھو
جو سانس ہے سینہ میں سوعشق آہ و فغاں ہے

۷۷۳

جل جاؤں نہ کس طرح سے آرام یہی ہے
میں عشق کا بندا[1] ہوں مرا کام یہی ہے

دل دے چکے اب جان کو رکھو گے کہاں تک
اس شوخ ستمگار کا پیغام یہی ہے

کچھ مجھ کو میاں ذلت و عزت سے نہیں کام
بدنام ہوا تجھ سے مرا نام یہی ہے

جوں شمع نہ کر جلنے میں گردن کو ارے خم
اس داغِ محبت کا سرانجام یہی ہے

دن رات مہ و سال گھڑی پل نہیں آرام
ہم جی چکے جو صبح یہی شام یہی ہے

پھر گرد نہ رہ ایک دم اب اس سے تو غافل
اس آہوئے وحشی کے لئے دام یہی ہے

خمخانہ کو دے آگ وہی چشم ہے کافی
یہ عشق کا ہے میکدہ یاں جام یہی ہے

۷۷۴

درد دل کا بیان تجھ سے ہے
زندگی میری جان تجھ سے ہے

---

[1] ال۲ بندہ، درست ہے۔

شادی و رنجِ عاشقاں یکسر — جو کچھ ہے مہرباں تجھ سے ہے
کج روی اپنی سے کبھی نہ پھرا — یہ گلا[1] آسماں تجھ سے ہے
دردِ دل اپنے کو کسو سے کہوں — بات میری نداں تجھ سے ہے
جو کچھ ہو عشق تو سلامت رہ
بے نشاں کا نشان تجھ سے ہے

۷۷۵

جس کے دل میں وہ دم بدم گذرے[2] — جان پر اس کی کیا ستم گذرے
اشتیاق و فراق کیا لکھوں — جان آ جا وگرنہ ہم گذرے
تیری[3] گردش جو دیکھے آنکھوں کی — جام سے اپنے آپ جم گذرے
تم[4] ابھی ساعتوں کو گنتے ہو — عمر کے میری یارو دم گذرے
زندگی[5] ایک دم کی ٹھہری ہے — ہے قیامت جو یہ بھی دم گذرے
عشق کیوں کر کرے خریداری
دل میں جو تیرے بیش و کم گذرے

۷۷۶

گو کہ سو طرح کے ہوں اس میں اب آزار مجھے — دور رہنا بھی نہیں تجھ سے سزاوار مجھے
رشتۂ کفر نے اسلام سے کی ہے نسبت — قیمتی ہوتی نظر آتی ہے زنّار مجھے
ماہ و خورشید کی یہ سیر نہیں ہے بے کار — آنکھیں دکھلاتی ہیں[6] یہ گردش دوّار مجھے
آہ و زاری کو مری دیکھ کے بولا بے رحم — دولہ ہو خوش نہیں آتے ہیں یہ بستار مجھے
کس طرح دل کو بچاؤں میں کشاکش سے کہو — وہی آتا ہے نظر وار مجھے پار مجھے

---

۱ گلہ۔ ۲ گزرے۔ ۳ ئ ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۴ ئ ۵ میں یہ شعر نہیں ہے۔
۵ ۳ ئ ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۶ ئ ۳ ئ ۴ ئ ۵ ہے۔

گل سمجھنا نہ مجھے میں بھی کسو کا دل ہوں　　یہی کہتا ہے ترا طرۂ دستار مجھے

عرض مطلب ہے یہی خدمتِ حق میں میرا
عشق[1] چھوٹ اور نہ ہو کوئی سروکار مجھے

۷۷۷

منفعل کرتی ہے چشم تر مجھے　　رونے بھی دیتی نہیں دل بھر مجھے

تو کریم اور میں اپاہج ہوں گدا　　اے[2] کریم تیرے سوا ہے در مجھے

خوف تجھ سے کیوں کے ہووے اے کریم　　ہے ہمیشہ آپ ہی سے ڈر مجھے

تیری خاطر جو جو ہو سب کچھ قبول　　غیر پر اپنے نہ کر مضطر مجھے

عشق کے میداں میں دل کو قید کر
این و آں کا تو نہ کر ششدر مجھے

۷۷۸

کب تک یہ دل جلے گا اور چشم تر رہیں گے　　یہ سوجھتا ہے آخر رو رو کے مر رہیں گے

یہ[3] اشک بہہ بہے ہو جس وقت گھر سے نکلے　　بے کار کیا رہیں گے کچھ کام کر رہیں گے

خانہ خراب آنکھو ٹک سوچ کر تو دیکھو　　آنسو اگر چلیں گے دل اور جگر رہیں گے

اس رنگ پر تو اپنے نازاں نہ ہو شفا تُو　　خونِ جگر سے ہم بھی دامن کو بھر رہیں گے

درد و الم مصیبت ہمراہ گو ہوئے ہیں　　تھک تھک کے رفتہ رفتہ یہ ہم سفر رہیں گے

مت کھینچ رنج بے جا دم میں یہ دم ہوا ہے　　پنجرے میں تیرے ظالم یہ مشت پر رہیں گے

بہنے دے آنسوؤں کو مت روک عشق ناحق
زیبِ قدم رہیں گے چلنے اگر رہیں گے

---

۱ ﮦ عیش۔ ۲ ﮦ ۳ ﮦ تیرے دروازے سوا ہے در مجھے۔ ۳ ﮦ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۷۷۹

اس کے چہرے کا کہوں کیا رنگ ہے — آئینہ منہ دیکھ اس کا دنگ ہے

خلق سے کس طور واشد اس کو ہو — دل جو یارو دل سے اپنے[1] تنگ ہے

شیخ جی کعبہ اگر پہنچے تو کیا — عشق آگے واں سے کئی فرسنگ ہے

اس کی آنکھوں کی تو کیفیت نہ پوچھ — جن نے دیکھا ہے انھیں چت بھنگ ہے

عشق کی چنگی دلِ انساں میں ہے
آگ سے خالی نہیں جو سنگ ہے

۷۸۰

لذتِ کونین سے دل جس کسی کا سیر ہے — خلق سب روباہ ہے اُن میں وہی اب شیر ہے

عشق نے جس پر تجلی کی ہوا وہ روپ رس — دیکھنے کو شکل ہے پر راکھ کا ہی ڈھیر ہے

پاٹ سے دریا کے لے تا کوہ کے دامن تلک — غور کر دیکھا تو جانے کا ہی اُس کے گھیر ہے

اُونٹنی چڑھ چرخ کی آئی ہے شمشیرِ ہلال — قتل پر عشاق کے پھر اے فلک کیا دیر ہے

اعتباراتِ بلند و پست دینا جوں فلک — جو زبر ہو صبح کو تو شام کو وہ زیر ہے

عشق کے مقتول جتنے ہیں کبھو مرتے نہیں — آبِ حیواں درحقیقت وہ دمِ شمشیر ہے

فی الحقیقت عشق سے ہوئیں نسبتیں یہ جلوہ گر
عاشق و معشوق اک ہیں بات کا ہی پھیر ہے

۷۸۱

کیا لبِ ناقوس پر تنہا نہ تیرا شور ہے — جو برہمن ذکر کرتا ہے یہی مذکور ہے

آج چشمک زن جو تم غیروں سے ہو مانندِ برق — خرمنِ دل کو جلانا آپ کو منظور ہے

کچھ انا الحق پر نہیں موقوف اے[2] دار و رسن — اپنے اپنے وقت میں ہر ایک یاں منصور ہے

---

۱ ن ۵ اپنے دل سے۔ ۲ ن ۵ ہے۔

بات کہتے دل کو میرے لے گیا میں کیا کہوں
آدمی ہے یا چھلاوا یا پری یا حور ہے

مے کے قطرے کیوں نہ چھلکیں دیکھ جامِ چشم سے
دل کا شیشہ تو شرابِ عشق سے معمور ہے

اشکِ خونی بن نہیں جس کو فراغت ایک پل
چشم کیوں کر کہیے اس کو زخم یا ناسور ہے

عشق مستغنی بہر صورت ہے اب کونین سے
عاشق اور معشوق میں طامع جو ہو[1] مزدور ہے

۷۸۲

ہمسایہ کو سونے دے خدا سے کہیں ڈر بھی
فریاد میں دیکھا ہے کبھی اپنے اثر بھی

اے چشم گُل پاس سوا آنکھ سے اپنی
دیکھے ہیں کبھو[2] نخل میں الفت کے ثمر بھی

پہنچا ہے جدائی میں تری حال تو یاں[3] تک
سب دوست بھی کہتے ہیں کہ اس جینے سے مر بھی

تا حشر مری خاک سے نرگس نہ اُگے دل
جو دیکھے وہ خوش چشم[4] مجھے ایک نظر بھی

تعمیر میں نابود کی رہتا ہے شب و روز
آتا ہے ترے دل میں کبھو عزم سفر بھی

منظور کریں رونے کو تب عشق وہ تیرے
آنسو سے ملا آنکھوں میں ہو لختِ جگر بھی

۷۸۳

ان دنوں دیوانے دل کا ہائے اور ہی رنگ ہے
ہم سب اس سے تنگ ہیں وہ ہم سبھوں سے تنگ ہے

نالۂ سنگیں کو اس آفت کے کیا کیجے بیاں
شورِ محشر جس کے آگے شور کے پاسنگ ہے

اس دلِ وحشی نے غیرت اور ہی ایجاد کی
ننگ اور ناموس سے عالم کے اس کو ننگ ہے

وصف میں اس گل کے ہوتی ہے زباں جوں غنچہ بند
عندلیبِ طبع میری گو کہ سیر آہنگ ہے

عشق کی رفتار سب سے ہے جدا اے دوستاں
نے کسو سے صلح ہے اور نے کسو سے جنگ ہے

---

۱ ک ہو جو۔ ۲ ل ۲ کبھی۔ ۳ ک ۳ ہو نمایاں۔ ۴ ل ۳ ک ۴ جو خوش دیکھے وہ چشم۔

۷۸۴

جو چھینتا ہے دین اور ایمان یہی ہے | کافر کہو یا اس کو مسلمان یہی ہے
کہتا ہے مجھے دیکھ کے کیوں کر نہ جلے تو | آتش ہوں حقیقت میں مری شان یہی ہے
بے ساختہ کہتا ہوں اگر ہوش ہے سمجھو | بے جی کوئی جیتا ہے مری جان یہی ہے
جو ہجر میں جیتا ہے یہی شکل ہے ہوتی | آفت زدہ اپنے کو تو پہچان یہی ہے
تنور سے سینے کے یہ نکلا ہے مری جاں | ہنستے ہو جو اس رونے پہ طوفان یہی ہے
پیہم جو چلی آتی ہیں یہ اشک کی فوجیں | کیا درد جگر کا مرے درمان یہی ہے

مچلا کے وہ ہے پوچھتا اوروں سے مجھے دیکھ
کیا عشق مرا بے سر و سامان یہی ہے

۷۸۵

جب خیالِ شراب کرتا ہے | جام کو آفتاب کرتا ہے
جس کو آنکھیں خدا نے بخشی ہیں | تجھ ہی کو انتخاب کرتا ہے
دلِ ناحق جو تو جلاتا ہے | کس کا خانہ خراب کرتا ہے
دلِ دیوانہ دل میں آپ ہی آپ | جورِ تیرے حساب کرتا ہے
شعلہ رو جب شراب پیتا ہے | مرغِ دل کو کباب کرتا ہے
جو کوئی تیرا نام لیتا ہے | جگر اپنے کو آب کرتا ہے

عشق کی بات کچھ نہ پوچھو تم
بات میں لاجواب کرتا ہے

۷۸۶

نہ پوچھو کہ کیوں آئے کیا کر چلے | عبث تہمتِ چند اٹھا کر چلے
ترے کوچے میں آئے مانندِ ابر | ذرا ٹھہرے آنسو بہا کر چلے

ترے جی کی خاطر میاں جان سے
غرض ہاتھ اٹھا کر دعا کر چلے

سمجھتا ہے دل ان سلوکوں کو یار
جو تم ہم سے تیور ملا کر چلے

جہاں میں توجہ سے تم عشق کی
جو تھا حق و باطل جدا کر چلے

۷۸۷

جو[1] تجھ کو کہوں قبلۂ مقصود بجا ہے
اے کعبۂ من تو ہی مرا قبلہ نما ہے

دکھلا کے مجھے اوروں سے ملتے ہو عبث تم
جو[2] تم ہوئے غیروں کے ہمارا[3] بھی خدا ہے

بازیچۂ اطفال ہے یہ رسم جہاں کی
وہ راہ جو ہو راہ کی سو راہ جدا ہے

دل لے کے مرے ہاتھ سے رکھ ہاتھ میں اس کو
پھر پوچھتے ہو مجھ سے مرے ہاتھ میں کیا ہے

جو کعبۂ مقصود کو پہنچے سوئے جانے
ابرو ترے عشاق کو محرابِ دعا ہے

چلتا ہے شب و روز ٹھہرتا نہیں پل بھی
باوصف کہ اشک مرا آبلہ پا ہے

دل مملکتِ عشق میں ٹک سوچ کے جانا
اقلیمِ محبت میں کچھ اور آب و ہوا ہے

۷۸۸

کہوں کیا تم سے میں یار و برا ہے یا بھلا یہ ہے
جسے آفت بلا کہتے ہو سو نامِ خدا یہ ہے

جلا[4] کے سر سے پاؤں تک برنگِ شمع یہ کہتا
لگا دے دل ہمارے ساتھ جو اس کی سزا یہ ہے

جگر سے آہ باہر آ تری صورت بگڑتی ہے
ہمارا مصرعۂ موزوں ترا قدِ رسا یہ ہے

نگاہوں کی تجلی دل پہ مثلِ برق گرتی ہے
چھپی ہوئی جس قدر اغیار سے ہو خوشنما یہ ہے

طریقِ عشق خلوت میں تو افزائش پکڑتا ہے
دکھا کر غیر کو ملنا ترا جور و جفا یہ ہے

---

۱ ک تجھکو جو۔ ۲ ک جب۔ ۳ ک میرا۔ ۴ ر جلا کر۔

عجب زنگی بچہ ہے خال جن نے نام پایا ہے
فرنگِ حسن میں پہنچا قیامت منچلا یہ ہے

ادا و ناز و عشوہ گرم جوشی چھپ گئی یکسر
یہ بے مہری جو پیش آئی وہ بے جا تھی بجا یہ ہے

دہان و دل یہ دو (غنچہ[1]) کھلے دشنام و نعرے سے
تضلاتے (عقدہ[2]) یوں کھولے گلا[3] قسمت سے کیا یہ ہے

سمومِ آہ و سوزِ دل سے گل سیراب ہوتے ہیں
محبت کی قلمرو میں میاں آب و ہوا یہ ہے

۷۸۹

حُسن و خوبی جہان رکھتا ہے
یار پر اور آن رکھتا ہے

مر گئے ہم تب اُن نے یہ پوچھا
جان پر نیم جان رکھتا ہے

ان جفاؤں پہ دل محبت کا
اب تلک بھی گمان رکھتا ہے

شورِ بلبل نہ سمجھو تم بے چیز
گل کو دیکھا تو کان رکھتا ہے

ذکر تیرے سے جو نہیں واقف
نام کو وہ زبان رکھتا ہے

کیوں کے مخطور ہو کے[4] میرا دل
عشق سا پاسبان رکھتا ہے

عشق کی اور کچھ بساط نہیں
نذر کو تیری جان رکھتا ہے

۷۹۰

رات[5] ہی مجھ پر نہ ہمدم بیقراری میں کٹی
زندگی جتنی کٹی سو آہ و زاری میں کٹی

داغ ہیں سینہ کے میرے جوں ستارہ سوختہ
عمر میری ساری یہ اختر شماری میں کٹی

اس کی آسائش کی کیفیت بیاں میں کیا کروں
عمر ہی جس دل جلے کی پاسداری میں کٹی

بت پرستی میں کٹے دن عشق کے افسوس ہے
اور حضرت جی تمہاری دینداری میں کٹی

---

[1] غنچے۔ [2] عقدے۔ [3] ک۵ گلہ' درست ہے۔ [4] ر ۲ ک۵ ہووے۔
[5] ک رات ہی اپنی نہ ہمدم آہ وزاری میں کٹی ؛ زندگی جتنی کٹی اپنی سو خواری میں کٹی

مایۂ نخوت عبادت تو نہ ہوئی یارب کریم　　خوف کیا ہے گو کسو کی بدشعاری میں کٹی

دردمندی ثمرۂ دیوانگی ہے یہ نہ کہہ　　ہائے خواری میں کٹی اور ہائے خواری میں کٹی

فی الحقیقت وارداتِ عشق کو سمجھے وہ شخص
جس کی عمرِ بے بدل ہو یار و یاری میں کٹی

۷۹۱

دم ہم تلک نہ پہنچا ہم دم تلک نہ پہنچے　　یوں مفت مر گئے ہم ہمدم تلک نہ پہنچے

قسمت میں یہ لکھا تھا یہ داغ جائیں لے کر　　ہم تم تلک نہ پہنچے تم ہم تلک نہ پہنچے

سینے میں ہم نے اپنے اس کو چھپائے رکھا　　تا داغِ دل ہمارا مرہم تلک نہ پہنچے

جل ہی گئے یکایک باروت کی طرح سے　　راحت نہ پوچھ ہم سے ہم غم تلک نہ پہنچے

ایذائیں دوستوں کی معقول جو نہ دیکھیں　　مرنے سے آگے مر گئے ماتم تلک نہ پہنچے

ہستی کو اس جہاں میں وقفہ ملا نہ اتنا　　گل کی نہ پوچھ مجھ سے شبنم تلک نہ پہنچے

تحسیں سے عشق گذرے[1] نفریں بھی ہو غنیمت
کس رو سے مدح چاہے جو ذم تلک نہ پہنچے

۷۹۲

کہیں تجھ سے کیا ہم کہ کیا جانتے تھے　　خداوند میرے خدا جانتے تھے

سلام و دعا آگے لکھتے تھے ہم بھی　　تجھے آپ سے جب جدا جانتے تھے

نہ تھیں خوبیاں جب تلک تیری ظاہر　　تجھے آپ سے آشنا جانتے تھے

تجھے چھیڑتے تھے جو بے فکر ہو کر　　ادا کو تری خوں بہا جانتے تھے

جفاؤں سے شاکی جو ہوتے نہ تھے ہم　　مری جان تیری ادا جانتے تھے

تلطف تمہارا ادھر یار جب تھا　　جو بے جا بھی ہوتا بجا جانتے تھے

---

۱ گذرے

لگاوٹ جو تھی ہم سے دل سے نہ تھی وہ — میاں ہم بھی یہ مدعا جانتے تھے
ذرا سی جفاؤں سے بھینپنے لگا اب — دل آگے تجھے منچلا جانتے تھے
ترے عشق سے لاگ تھی دل کو جب تک
دم اپنے کو ہمدم ہوا جانتے تھے

۷۹۳

زندگی کی بہار تجھ سے ہے — جو کچھ ہے مجھ کو بار تجھ سے ہے
ہاتھ سے اس کے ایک دم نہ چلے — یہ گلا تیغِ بار تجھ سے ہے
کسو سے عشق کو نہیں مطلب — ایک ہو یا ہزار تجھ سے ہے
دردِ دل کا نہ پوچھ مجھ سے سبب — اے تغافل شعار تجھ سے ہے
مجھ کو بدنام تو نہ کر ظالم — جبر یا اختیار تجھ سے ہے
ہاتھ میرے ہیں مفت میں بدنام — جیب یہ تار تار تجھ سے ہے
اور کی بات تو خدا جانے
عشق کا کاروبار تجھ سے ہے

۷۹۴

بے مہر تو تھا بھول گیا اب تو غضب بھی — الفت سے گماں رکھے ہے نادان تو اب بھی
نیکوں سے بدی خوب نہیں دیکھئے دل میں — تم ہم سے پھرے تم سے پھرا یار جی اب بھی
بجلی[2] کی آہ ہے میاں اور اشک کا باراں — دن کو تو کرم کر چلے رہ جایئے شب بھی
بدخلق و بد اطوار ہمیں تم نے بنایا — بس کر چکے کرنا تھا جو کچھ ہم کو ادب بھی
پیغام جفاکار کو اتنا ہی تو کہنا
ناخوش جو ہوئے عشق سے کچھ اس کا سبب بھی

ا لا، گلہ۔ ۲ لا، لا، ۵ بجلی ہے میاں آہ کی اور اشک کا باراں، درست ہے۔

۷۹۵

نہ پھنسا زلفِ یار میں کوئی
بلکہ چھوٹا ہزار میں کوئی

ترے کوچے کی دھوم سُن سُن کر
ہے تڑپتا مزار میں کوئی

ٹک سمجھ کر قدم کو رکھیو تو
چھپ رہا ہے غبار میں کوئی

جلوہ گر جس طرف ہوا وہ شوخ
نہ رہا اختیار میں کوئی

قحطِ دیوانگی ہے اب کی سال
نہیں خبطی بہار میں کوئی

جان و دل تک تو اپنے حاضر ہوں
جام اگر دے خمار میں کوئی

جان آنکھوں میں آ کے ٹھہرا ہے
کہیو ہے انتظار میں کوئی

دل کو لے یارو ساتھ مت آؤ
عشق کے کاروبار میں کوئی

۷۹۶

مقابل عشق کی آتش کے آوے جس کا جی چاہے
اور اس کی آنکھ سے آنکھیں ملاوے جس کا جی چاہے

لگی بجھتی نہیں سو بار اس کو آزمایا ہے!
اگر باور نہیں آوے بجھاوے جس کا جی چاہے

جب آنکھیں اس کی نم ہوتی ہیں تب طوفان اٹھتا ہے
پھر اس آفت زدہ کو اب رُلاوے جس کا جی چاہے

بساطِ عشق بازی پر دلِ جاں باز بیٹھا ہے
تکلف برطرف بازی لگاوے جس کا جی چاہے

نہیں پاتا کوئی تدبیر دل پھرنے کی خوباں سے
یہ ہے تقدیر کا لکھا مٹاوے جس کا جی چاہے

فرشتے الاماں کرتے ہیں جس کی آہ کو سُن کر
پھر ایسے سوختہ دل کو ستاوے جس کا جی چاہے

ادا و ناز و عشوہ سے پکارے عشق کہتا ہے
ہمارے قتل پر بیڑا اٹھاوے جس کا جی چاہے

الف ۵ میں یہ شعر نہیں ہے۔

۷۹۷

گو تم جو آئے منہ کو چھپائے چھپے چھپے
خورشید چھپ سکے ہے. جو آئے چھپے چھپے

بوئے کبابِ دل تو جہاں گیر ہو گئی
کس کس جتن سے داغ تھے کھائے چھپے چھپے

تصویر دیکھ میری شگفتہ ہو یہ کہا
یہ وہ ہے جن نے جورا اُٹھائے چھپے چھپے

دل کر چکا وہ پنجۂ مژگاں کی پیش کش
گو اس سے کوئی آنکھیں ملائے چھپے چھپے

وُسعت کو ملکِ دل کی فلاطوں نہ سہل جان
خُمِّ فلک نہیں کہ سمائے چھپے چھپے

برہم نہ ہونے پائے کوئی نقل باندھ کر
مضمونِ دل کو میرے سنائے چھپے چھپے

اس آرزو میں عشق کی گذری تمام عمر
خلوت میں اپنے مجھ کو بلائے چھپے چھپے

۷۹۸

گو جان و دل کو اپنے برباد کر دیا ہے
پر دلبری میں تجھ کو استاد کر دیا ہے

کہتا ہے دیکھ مجھ کو احسان مان میرا
ویران گھر کو تیرے آباد کر دیا ہے

تر وار کھینچتے ہو تم دمبدم لگاؤ
ہم نے بھی دل کو اپنے فولاد کر دیا ہے

کیوں کر ملول ہوئے افکارِ دنیوی سے
جس کو تمہارے غم نے ناشاد کر دیا ہے

تقصیر اس کی کیا ہے جو کچھ کیا سو پایا
مہر و وفا نے میرے جلّاد کر دیا ہے

کھینچی ہے جب سے تو نے تصویر اس پری کی
صورت کشی میں تجھ کو بہزاد کر دیا ہے

زلفوں کا عشق تجھ کو بیڑا فقط پنہا کر
لے دام اور قفس سے آزاد کر دیا ہے

۷۹۹

کعبہ میں پھیر دیر ملا تھا مکاں مجھے
لایا ہے عشق کھینچ کہاں سے کہاں مجھے

ا ؎ کوئی آنکھ، ۲؎ آنکھ کوئی۔

عالم کے نیک و بد سے کسو کو نہیں ہے کام
دیتی نہیں ہے چین یہ میری زباں مجھے

ہوں پائمال گردشِ ایام اس قدر
جوں نقش پا ہیں چھوڑ چلے ہمرہاں مجھے

کیا زندگی جو یار جدا ہوئے یار سے
واں تجھ کو طعن کرتے ہیں اور یاں ریاں مجھے

آگے تو قدردانی یہ مشفق مری نہ تھی
ہنس ہنس کے اب جو کہتے ہو تم مہرباں مجھے

رنجِ فراق و سوزشِ دل اور خیالِ رشک
جز وصل چین کیوں کے ہو اے دوستاں مجھے

یہ آرزو ہے میری کہ اے عشق پیشِ مرگ
اپنا نشاں تو دیجیو اے بے نشاں مجھے

۸۰۰

ڈبڈبائیں آنکھیں آنسو تھم رہے
کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

درد تیرے عشق کا ہمراہ ہو
جب تلک دم میں ہمارے دم رہے

کس طرح سیدھی نظر دل کی پڑے
ابروئے خم دار میں جو خم رہے

تاب و طاقت ہے جو رکھیں تجھ کو ہم
دم چلے گا ساتھ ہم ہمدم رہے

تو اگر رہتا نہیں جاتا ہے جا
دل میں تیری جائے تیرا غم رہے

جان تک تم پر فدا ہم کر چکے
تو بھی ہم پر یار تم برہم رہے

ہے ہمیں تیری خوشی مقصود دل
گو کہ ہم غمگیں ہوں تو خرم رہے

اس کی جا فریاد کیجے کس کے پاس
تم مری آنکھوں میں مجھ سے رم رہے

دل کو میرے صاف کر آتش سے عشق
کب تلک یہ فکرِ بیش و کم رہے

۸۰۱

بیزار ہوئے جو خانماں سے
کیا کام ہے ان کو این و آں سے

پھرتے نہیں اس سے مرد ہرگز
جو بات نکل گئی زباں سے

آنکھوں میں خمار جیب ٹکڑے — پوچھو تو بہ آتے ہیں کہاں سے
کعبہ کو چلے ہو شیخ جی تم — کیا سچ ہے کہ دل پھرا بتاں سے
دل ٹھہرے نہ کیوں کے ابروؤں میں — شیشہ کو ہے ربط تا بداں سے
تم پھولو پھلو چمن میں خوش ہو — گو لے چلے داغ ہم جہاں سے

اے عشق یہ ہے قصورِ ہمت
دل پھیر نہ مانگ دل ستاں سے

۸۰۲

خبر آنے کی سن سن دل کو تو آرام ہوتا ہے — یہ جب تک آوے ہی آوے ہمارا کام ہوتا ہے
دل آفت طلب جلدی سے چل بیٹھا ہے کس دھن میں — سنا ہے اس کے کوچے میں کہ قتلِ عام ہوتا ہے
چھکنا مسکرانا بھاگنا آنکھیں چرا جانا — ترے اس طرح کے ملنے سے یہ بدنام ہوتا ہے
گرہ سے زلف کی یارو نہیں چھٹتا کوئی ہرگز — اگر کھل جاوے جو حلقہ بھی دل کو دام ہوتا ہے
جہاں تاریک آنکھوں میں نہ ہو کیوں خط کے آنے سے — ترا آغاز ہوتا ہے مرا انجام ہوتا ہے
میں جاتا ہوں میں جاتا ہوں مری کیا چڑ نکالی ہے — جو پھر پھر ہر گھڑی ہر دم یہی پیغام ہوتا ہے

تردد دور کر اے عشق گھبراتا ہے اتنا کیوں
جو کچھ مقصود ہے تیرا وہ صبح و شام ہوتا ہے

۸۰۳

دکھاتی ہے کیوں رنگ ہستی مجھے — خوش آتی ہے کب خود پرستی مجھے
نہ لوں خاکِ پا کو تری جی کے مول — ملے ہے یہ اکسیر سستی مجھے
زبردستیاں تیری مرغوب ہیں — یہ آتی ہے خوش زبردستی مجھے
ہوا سے تری خاک میں مل گیا — ہے یکساں بلندی و پستی مجھے

کہوں عشق کیا حلقۂ جام کی
پھنساتی ہے پھر پھر کے مستی مجھے

۸۰۴

جب دیکھتے ہیں خوں سے بھرا جام کو اپنے
روتے ہیں تب آغاز اور انجام کو اپنے

پاتے ہیں جہاں کھوج مرے پانو کا اس جا
آنکھوں سے بچھاتے ہیں بتاں دام کو اپنے

دل قید ہوا زلف میں اب تک جو نہ آیا
چل پھر کے کبھی آتے ہیں گھر شام کو اپنے

بے راحتی راحت ہے محبت میں وگرنہ
کرتا ہے طلب ہر کوئی آرام کو اپنے

فرصت ہی نہیں جو کوئی اب دیکھے تماشا[1]
اس گذری[2] میں آئے ہیں میاں کام کو اپنے

اس کوچے میں مت جائیو تم شیخ جی ورنہ
روئے پھروگے دین اور اسلام کو اپنے

یاقوت وہ ہیں اور جہاں عشق عیاں ہو
ہر سنگ پہ کھدواتے ہیں کب نام کو اپنے

۸۰۵

اصلا گلا[3] نہیں ہے مجھے اپنے یار سے
جو کچھ شکایتیں ہیں دلِ بیقرار سے

آنکھوں کی تیری دیکھ دورنگی کے رنگ کو
شکوہ تمام ہو گیا لیل و نہار سے

گوہر کے طرز غرق ہوں دریائے اشک میں
کیا کام رہ گیا ہے مجھے وار پار سے

مجبور ہو گیا ہوں جو کچھ ہونی ہو سو ہو
دل جا چکا ہے دیکھ اسے اختیار سے

ہرگز نہیں ہے بجھ کو مرے ساتھ ارتباط
گل کو جہاں میں دیکھ تو ہے ربط خار سے

ساقی تو جام چشم کو گردش میں جلد لا
ورنہ یہ نکلی پڑتی ہیں آنکھیں خمار سے

اپنے تھے جتنے کام خزاں نے کئے تمام
کہیو سلام عشق ہمارا بہار سے

۸۰۶

اگر ہو دل سے تم بیزار ہم سے
عبث ملتے ہو پھر پھر یار ہم سے

---

۱ تماشہ۔ ۲ گزری۔ ۳ ر ۵ گلہ۔

کہا آنکھوں سے اس کے لعلِ لب نے | شفا پاویں گے یہ بیمار ہم سے
جگر میں آہ لے آنکھوں میں آنسو | زیادہ ہے کوئی نادار ہم سے
اسیروں سے عبث ہے خانہ جنگی | نہیں ہے خوب یہ رفتار ہم سے

ہوا ہے دردِ دل سے خلق انساں
نہ جاوے گا یہ عشقؔ آزار ہم سے

۸۰۷

کیا پیدا جہاں میں نام ہم سے | پھر اب باقی رہا کیا کام ہم سے
کفایت ہے ہمیں آنکھوں کی گردش | چھپاتے ہو عبث تم جام ہم سے
نہیں معقول یکرنگی میں یہ بات | سحر اوروں سے ملنا شام ہم سے
قصورِ دوستی تم سے نہیں ہے | پھرے ہیں ان دنوں ایام ہم سے
نہ پھولیں غنچۂ تصویر کے طور | جہاں میں اور ہیں ناکام ہم سے
تری آنکھوں نے کیا اس کو دکھایا | ہوا روپوش جو آرام ہم سے

سکھایا ہے یہ کس کافر نے اے عشقؔ
ملاقات اور سے پیغام ہم سے

۸۰۸

عبث ٹکراتے ہو تم جان ہم سے | سبھوں کے پائے خاک اور شان ہم سے
زمیں ہو ماپتے اوروں کے آگے | عبث رکھتے ہو اتنی آن ہم سے
خدا یوں چاہے تو شکوہ کریں کیا | سبھوں کے جان اور انجان ہم سے
نہ کچھ پوچھو نہ کچھ ہم سے سنو تم | گئے ہیں ان دنوں اوسان ہم سے

جو کچھ ہووے سو ہو اس بات پر عشقؔ
ملے وہ تودۂ طوفان ہم سے

٨٠٩

مصور کس کی یہ گردن ہے یہ شمشیر کس کی ہے — یہ کافر نام کیا رکھتا ہے یہ تصویر کس کی ہے

جبیں پہ چیں ہنسی آنکھوں میں اور تلوار کاندھے پر — قضا کس کی برابر ہو گئی ہے یہ تدبیر کس کی ہے

کسی کے گھر میں رہتے ہو کسی سے بھاگے پھرتے ہو — تصورِ چشم و دل ثابت پہ یہ تقصیر کس کی ہے

اثر محسوس ہوتا ہے موثر کو نہیں پاتے — کھنچا جاتا ہے دل بے وجہ یہ زنجیر کس کی ہے

نہ جینا دل کو بھاتا ہے نہ مرنا ہی خوش آتا ہے
عجب حالت بنی ہے عشقؔ یہ تاثیر کس کی ہے

٨١٠

دوستی سے تری گلا[1] ہے مجھے — ورنہ میری بلا سے کیا ہے مجھے

مفت ہی جان و دل کو کھو بیٹھا — خلق جو کچھ کہے بجا ہے مجھے

کب سروکار اس کو مجھ سے ہے — میرے درپے مری وفا ہے مجھے

خلق کی دشمنی سے خوف نہیں — زخمہ روئی تری بلا ہے مجھے

عشقؔ مت پوچھ سرگذشت مری
یار بے ڈھب میاں ملا ہے مجھے

٨١١

پڑے ہیں پاؤں میں چھالے ابھی اور دور جانا ہے — پرِ ہمت الٰہی دے مجھے منظور جانا ہے

پکار اٹھا کبھی بیتاب ہو کر نام کو تیرے — سنا ہے جن نے اس کو بے تامل شور جانا ہے

نہیں شکوہ ترے عاشق کو ان جور و جفاؤں کا — جو ان باتوں کو اُن نے اے بتِ مغرور جانا ہے

جہاں میں معترض جو ہیں گرفتارِ مصیبت ہیں — خفیفت کو تمہاری حضرتِ منصور جانا ہے

---

[1] گلہ۔

اگر دولت نہیں ہے عشق جان و دل تو حاضر ہے
غلط فہمی یہ ہے تیری جو بے مقدور جاتا ہے

۸۱۲

کس طرف مالوف ہووے دل مرا تدبیر سے
بن نہیں آتی مخالف ہو اگر تقدیر سے

خوش نہیں آتی اُنھیں آزادگی اے ناصحو
خو گرفتہ ہیں جو اس کی زلف کی زنجیر سے

کان دھر کر کب سنا بے خواب تو کس دم ہوا
کیوں عبث چڑتا ہے میرے نالۂ شبگیر سے

اس مرقع میں جو صورت ہے پریشاں حال ہے
لگ گیا کیا دل مصور کا کسی تصویر سے

صید زخمی چھوڑ جانا اس کو کیا کہئے کہ آہ
رم کوئی کرتا ہے اپنے تو ہی کہہ نخچیر سے

دل دہی کرتے ہیں جب پاتے ہیں غمگیں دوست کو
خوف کی باتیں میاں کہتے ہیں کم دلگیر سے

شورِ عشق اب لیلیٰ و مجنوں پہ کچھ موقوف ہے
کون منکر ہے جہاں میں عشق کی تاثیر سے

۸۱۳

تجھ بن جو سیرِ باغ کی ہووے ہوس مجھے
جوں رشتۂ مرض ہو یہ تارِ نفس مجھے

چکی میں اپنی روز ہی پیسا کیا فلک
مثلِ حنا بھی پھر نہ ہوا دسترس مجھے

خفا مثلِ غنچہ غم نے سکھایا کہ یاں تلک
آتش نے گل کی فہم کیا خار و خس مجھے

انصاف باغباں ترے گھر ختم ہو چکا
بلبل کو سیرِ باغ ملے ہو قفس مجھے

محمل کی گرد مجنوں کو سرمہ سے کم نہیں
کیوں دوکھتا ہے شور تو کر کر جرس مجھے

ہو ہی چکا فراق میں رشتہ حیات کا
کرنے تھے سال گرہ برس کے برس مجھے

کچھ اولا آرزو کی تمنا کروں غلط
اے عشق فنِ عشق میں دیجو توجس مجھے

۸۱۴

جس وقت مری آہ فلک میں سما گئی
بجلی نے پیچ کھائی اور آنکھیں چرا گئی

فریادِ دل کی کان میں دل کے صدا گئی | یا یونہی آئی سچ کہو کیا دل میں آگئی
یہ جو صبا دیا ہوئی ہے بے سبب نہیں | شاید ہماری خاک سے گرمی اُڑا گئی
آوازِ شورِ حشر تھی یا تھے دم مسیح | تیری صدا تو گور کے سوتے جگا گئی
ابر و ہوا کو دیکھ دلِ مے پرست سے | اے شیخ جی قسم ہے تمہاری ہوا گئی

بیمارِ عشق کی نہ کرے کیوں کے وہ دوا
بشرے کو دیکھ چشم مرض دل کا پا گئی

۸۱۵

آج ادھر سے وہ اگر جائیں گے | ہم سے بلاکش کئی مر جائیں گے
جور و جفا مہر و وفا جو کہ ہو | ہم ترے کہلا کے کدھر جائیں گے
روؤ ہنسو جیو مرو خوش رہو | تا یہ کجا یار جی گھر جائیں گے
تب میں کہا روکے ستم خوب ہے | کہنے لگا جائیں گے پھر جائیں گے

عشق کے بازار میں ہوں سر بکف
اور تری باتوں سے ڈر جائیں گے

۸۱۶

کن لنے پی ایاغ میں گل کے | جو خلل ہے دماغ میں گل کے
ایسی الفت کو یارو آگ لگے | داغ ہو دل سراغ میں گل کے
کھلکھلا باغ میں ہنسا تھا کون | نور ہے جو چراغ میں گل کے
میرے جلنے کو جا کے باغ میں دیکھ | ہے یہ مضمونِ داغ میں گل کے

عشق کا کیا گذر ہوا یاں بھی
غنچے مرجھائے باغ میں گل کے

---

۱ لہ یا آئی یوں ہی۔ ۲ لہ کچھ۔ ۳ گزر۔

۸۱۷

آنکھوں کو تری دیکھیں گے میخانہ کہیں گے
ہونٹوں سے اگر پوچھو گے پیمانہ کہیں گے[1]

موقوف فقط ہم پہ نہیں یار اسے سُن
جو تجھ سے ملے گا اسے دیوانہ کہیں گے

وابستہ تری ذات سے بستی ہے جہاں کی
جب تو نہ ہوا خلق میں ویرانہ کہیں گے

مرنے سے ترے ڈر کے کہیں راز کو اپنے
اس بات پہ مرتا ہے تو مرجانا نہ کہیں گے

بدنامیٔ روزانہ ہے شب باشیٔ بے جا
کہنی تھی جو کچھ کہہ چکے سمجھا نہ کہیں گے

ہم چپ ہوئے سنو سے ترے اور سنو گے
قصہ کی طرح حال غریبانہ کہیں گے

یہ بات جو ہے آج درم نقد عزیزاں
اس عشق کو سننے ہو کل افسانہ کہیں گے

۸۱۸

ہنسی اس کی نہ مہربانی ہے
یہ بلا اور ناگہانی ہے

چشمِ نرگس میں یہ نہیں شبنم
وہ خجالت سے پانی پانی ہے

الاماں کہتے ہیں فرشتے سُن
آہ یا تیرِ آسمانی ہے

دل میں کس طور اس کو دخل ملے
شکوۂ دوستاں زبانی ہے

عشق پیری کو تو نہ کر رسوا
نے وہ مطرب ہے اور جوانی ہے

۸۱۹

دل کس سے لگتا ہے کہ ہم پاس نہیں ہے
غنچہ میں فقط تیرے تو یہ باس نہیں ہے

تا زندگی دیکھو، نہ بجھے مجھ سے نہ ہووے
ہر چند کہ یہ شغل مجھے راس نہیں ہے

گلشن میں زمانے کے صبا ہو کے پھرا ہیں
گل کوئی نہ پھولا کہ تری باس نہیں ہے

---

[1] لبِ ہونٹوں کو ہے۔

دم مارنا بیجا ہے حقیقت میں تو چپ رہ — سنتا ہے کوئی صاحبِ انفاس نہیں ہے
ہے دل میں طلب زندگی میں دیکھیے مجھ کو — جب دیکھ چکے موت کا وسواس نہیں ہے
نازک ہے نفس سے یہ میاں رشتۂ الفت — دل ہے وہ نہیں جس کو نرا پاس نہیں ہے

لَا تَقْنَطُوْا کہتا ہے کہ مغفور سبھی ہیں
گو عشقؔ گنہگار ہوں پر یاس نہیں ہے

۸۲۰

وہ آوے مرے پاس محفل میں بیٹھے — یہ منصوبے ہیں باندھتے دل میں بیٹھے
جو کوئی راہ میں لٹ گیا ہو وہ سمجھے — مصیبت کو سنتے ہیں منزل میں بیٹھے
خدا مجھ کو یہ دن دکھاوے کبھو تو — چلیں ساتھ کعبہ کو محمل میں بیٹھے
نہ جوں آئینہ آنکھیں جھپکیں یہ میری — اگر یار آنکھوں کے آتل میں بیٹھے

اگر عشقؔ دل میں چھپے خوب کہیئے
بھلا کیا جو تیر آہ کا سل میں بیٹھے

۸۲۱

دل کا خیال اپنی زباں پر نہ لایئے — جو لایئے تو پھر اسے کر ہی دکھایئے
تم زندگی میں ہم سے جُدا ہی جُدا پھرے — اب تو میاں مزار تلک بارے آیئے
مدت کے بعد ہوئے ملاقات اگر کبھی — دل کی کسو کے پوچھئے اپنی سنایئے
اس وقت چھوڑنا تو نہ تھا شرطِ دوستی — یوں بھی گذر ہی جائے گی جاتے ہو جایئے
کہتے ہیں خیر خواہی سے لِلّٰہ بہ سخن — دل مظہرِ خدا ہے اسے مت دُکھایئے
آفت رسیدہ کوئی جو کوچے میں آ گرے — ہاتھوں سے بلکہ پانؤں[1] سے سر تو اُٹھایئے
اخفائے راز دوستی میں سخت ہے لعید — جو بات دل میں ہوئے اسے کہہ سُنایئے

---

[1] پاؤں۔

انصاف دلربائوں میں ٹھہرا ہے کیا یہی — دل جس سے اس کا لیجئے اس کو کھلائیے
آتش فراق کی ہوئی ہے دل میں موج زن — بن تیرے کب تلک اسے رو رو بجھائیے
ہنسنا ہنسانا دل کو تو مرغوب ہے نہیں — بہتر یہ ہے کہ روئیے یا اب رلائیے

آجاوے زندگی میں اگر یار تو ہی کہہ
اے عشق جیتے جی اسے کیا منہ دکھائیے

۸۲۲

زلف و رخ شام و سحر دل کے اگر ہاتھ میں ہے — کعبہ کا قبلہ من حلقۂ در ہاتھ میں ہے
ایسے خونخوار سے کس طور ملے کوئی کہو — جب اسے دیکھئے شمشیر و سپر ہاتھ میں ہے
لخت دل کھونے سے کیا فائدہ مجھ کو لیکن — دل کہاں ہاتھ میں کب دیدۂ تر ہاتھ میں ہے
صفحۂ ہستی پہ خوش ذوق سے پھر مثل قلم — خطِ تقدیر سے جو زیر و زبر ہاتھ میں ہے
ہاتھ جلتا ہے ہلاؤں نہ اسے کیوں کر میں — لخت دل یہ نہیں دلدار شرر ہاتھ میں ہے
چشمِ عشاق سے ہم چشم کوئی چشم نہ ہو — اس کی بخشش کو سرا مشت گہر ہاتھ میں ہے

شجرِ عشق ثمراب کی یہی لایا ہے
آبلہ پاؤں میں اور لخت جگر ہاتھ میں ہے

۸۲۳

نہیں دیکھی جہاں میں کیا کہیں تصویر عاشق کی — سوائے زلفِ خم در خم نہیں زنجیر عاشق کی
سخن یہ عاقلوں کا ہے جو اس کو ہر کوئی سمجھے — سمجھنا سخت مشکل ہے میاں تقریر عاشق کی
سوائے شربتِ دیدار عاشق بہہ نہیں ہوتا — بجز اس کے نہیں ہونے کی کچھ تدبیر عاشق کی
ازل سے ظلم ہی ہوتا رہا ہے ان غریبوں پر — نہیں اب تک ہوئی ثابت کہیں تقصیر عاشق کی

فغان و زاری و حسرت بکا و دردِ دل بیشک
قضائے عشق لکھی تھی یہی تقدیر عاشق کی

ا ۔ الٹا ہے ۔

۸۲۴

برہمن بت سے ہو بیزار کہیں دیکھا ہے
تیری زلفوں کا مگر تار کہیں دیکھا ہے

یاد پڑتا ہے مجھے شکل کو تیری دیکھے
دل میں یا آنکھوں میں اے یار کہیں دیکھا ہے

وصل ہے زندگی اور موت جدائی تیری
اس طرح کا کوئی بیمار کہیں دیکھا ہے

چشم بد دور یہ غیرت ہے کہ عاشق کے لئے
اپنی صورت سے ہو بیزار، کہیں دیکھا ہے

دوست دشمن جو نکل جاوے کہو کیا کیجے
دل شکن کو کہیں دلدار کہیں دیکھا ہے

بے طرح ہو وے طرح دینے میں اس کے ہر طرح
اس طرح کا بھی طرحدار کہیں دیکھا ہے

ہم تمہیں دے کے قسم کہتے ہیں تم سچ ہی کہو
عشق بن عشق کا اسرار کہیں دیکھا ہے

۸۲۵

جس گھڑی تو اُٹھ کے جاتا ہے ہمارے پاس سے
جی نکلتا ہے وہیں بیتاب ہو کر یاس سے

جس کے دل میں چبھ گئے ہوں سوئی جانے ان کی قدر
کاوشِ مژگاں نہیں کم ریزۂ الماس سے

آہ و نالہ کی کہاں طاقت جو دل خالی کرے
رو نہیں سکتے ہیں ظالم ہم ترے وسواس سے

عیب ملنے سے ہمارے تم کو کچھ لگتا نہیں
گرم جوشی کہربا رکھتا ہے دیکھو گھاس سے

زندگی شعلہ سی دے تو دل کو میرے مثل شمع
خوش دماغی عشق کو ہے عشق تیری باس سے

۸۲۶

دنیا و دیں کو اور خریدار لے چلے
ہم نقدِ دل کو دے کے فقط یار لے چلے

تحقیق کیجے دوزخ و جنت کو سو غلط
جا دیں گے ہم اُدھر کو جدھر یار لے چلے

جاتا نہیں میں آپ سے جاتے ہیں لے مجھے
زلفوں میں باندھ باندھ ستمگار لے چلے

الٹے کریں۔

آگے خدا ہی جانے کہ کیا رو بکار ہے[1] | مرنے تلک تو اس کا سرو کار لے چلے

کہہ دیجو اتنی بات محلہ میں عشق کے
پھُسلا کے دل کو ہائے طرحدار لے چلے

۸۲۷

چشم نے دل سے کہا آمل کے باہم روئیے | عمر تو ہنستے کٹی آخر ہے کوئی دم روئیے
دوستوں کو دیجئے تکلیف کچھ حاصل نہیں | ماتم اپنا کیجئے اور آپ ہی ہمدم روئیے
غم ہمارا باعثِ شادی ہے اس گل کو اگر | کھلکھلانا دیکھئے اور مثلِ شبنم روئیے
حق تعالیٰ نے کہا یبکوا کثیراً خوب ہے | اس ہنسی سے ہو کے تائبِ غم میں محرم روئیے

رونی صورت پر فلک کے تو نہ ہو مغرور برق
عشق میں معقول ہے جوں ابر کم کم روئیے

۸۲۸

دنیا و دیں کی لذتیں گو دیوے یا نہ دے | پر آپ چھٹ کسی کی محبت خدا نہ دے
مانندِ جادہ دہر نے پامال گو کیا | پر دل سے اپنے تو مجھے ظالم بھُلا نہ دے
دل کو جلا مکرتے ہو عالم کے روبرو | ایسا نہ ہو کہ پھاڑ وہ سینہ دکھا نہ دے
پھر کاروبارِ عشق کہو کس روش چلے | مجھ کو وفا نہ دیوے تجھے جو جفا نہ دے

خونِ جگر سے عشق کو گلزار کر دیا
کس طور بارے کہئے تمہیں وہ دعا نہ دے

۸۲۹

مجھ سے مت پوچھ حال[2] باقی ہے | بدر سے اب ہلال باقی ہے

ا ٢ ۳ ئے ہو۔ ٢ ک کچھ نہ پوچھو۔

دل کو لے مانگتا ہے وہ جی کو[1] | یہ جواب و سوال باقی ہے
سارے عالم سے گو ہوئے بیزار | زندگی کا ملال باقی ہے
گل کے مانند کاٹ ہنس ہنس دن | جب تلک یہ خیال باقی ہے
فصلِ آئندہ دن پھریں کس کے | ابھی تو ایک سال باقی ہے
ہجر نے حشر کر دیا برپا | ابھی روزِ وصال باقی ہے
کھینچ تروار یہ لگا کہنے | اب تلک یہ نڈھال باقی ہے
معرفت دور دور ہے تم سے | جب تلک قیل و قال باقی ہے

عشق کو دیکھ نزع میں بولا
ابھی یہ پائمال باقی ہے

۸۳۰

جو کچھ کہ گذری ہے مجھ پہ[2] ظالم سو اس کی تجھ کو خبر نہیں ہے
شکایت اس کی کروں سو بے جا مرے ہی دل میں اثر نہیں ہے

کدھر کو بھٹکوں کدھر کو جاؤں نہ ڈھونڈوں اس کو میں دل میں اپنے
نہ دیر و کعبہ کا ہے تعین وہ یار میرا کدھر نہیں ہے

نہ پوچھ مجھ سے بیاں کروں کیا نگاہ اس کی ہے برقِ خاطف
مقابل آنکھوں کے ہووے اس کی کسو کا ایسا جگر نہیں ہے

لبوں کے پرتو سے دل جلا ہے برنگِ لالہ ہوا ہے آتش
بجھاویں کس طور اس کو آنسو یہ دل ہے اخگر شرر نہیں ہے

غلط سمجھ ہے یہ تیری ظالم کہ کوہکن سے نہیں جہاں میں
بلا اٹھاوے جو سر پہ اپنے کوئی بھی ایسا بشر نہیں ہے

۱ک لے کے دل مانگتا۔ ۲ ک پہ۔

۳۷۱

کچھ آنکھیں جانے کا غم نہیں ہے لہو جگر میں بھی کم نہیں ہے
میں روؤں کس طور[1] ہائے یارو مجھی پر اس کو نظر نہیں ہے

اگر چہ چاہے تو سر کو (اپنے[2]) قسم ہے پاؤں کی تیرے مجھ کو
برنگِ شمع کٹاؤں سر کو کچھ اس میں مجھ کو ضرر نہیں ہے

عبث تو کہتا ہے عید کل ہے خوشی ہو کس طور[3] اس کی مجھ کو
نہیں سُنا ہے یہ تو نے ظالم کہ شامِ غم کو[4] سحر نہیں ہے

نگہ کا گڑنا پلک کا چبھنا نہ پوچھ ہم سے ذرا ہو منصف
نزاکت اس کی چھپی نہیں ہے یہ دل ہے ظالم سپر نہیں ہے

[5]جفا اُٹھانے کی بات اور ہے اور اپنے گرنے کی گھات اور ہے
ہمارے چلنے کا ساتھ اور ہے گذر[6] ہی تیرا اُدھر نہیں ہے

یقینِ دل ہے اسی پہ ٹھہرا محیط ان نے ہمیں کیا ہے
بتاؤ حضرت خدا تمہارا کدھر کدھر ہے کدھر نہیں ہے

یہ عشق میرا مجھے ہے کافی سوائے اُس کے نہ کچھ طلب ہے
فلک کی دولت میں کیا کروں گا بلا سے میری اگر نہیں ہے

۸۳۱

نہ ہوا تنے برہم نہیں بولتے
نہیں بولتے ہم نہیں بولتے

حقیقت میں جس سے خفا ہو گئے ہم
نکل جاوے گو دم نہیں بولتے

یہ بڑ بولیاں کام آتی نہیں
جو ہوتے ہیں محرم نہیں بولتے

عبث گھورتے ہو ہماری طرف
اگر تم ہو رستم نہیں بولتے

---

۱ ، ۳ لہٰ کسطرح ۔ ۲ میرے ۔ ۳ لہ طرح ۔ ۴ لہ کی ۔ ۵ لہ ۵ میں یہ شعر نہیں ہے ۔
۶ گزر ۔

تجھے دیکھ غنچے چٹکتے ہیں کیوں[1] — یہ دل کھول شبنم، نہیں بولتے
جو کچھ پوچھتے ہیں تو ہوتے ہو چپ — کہاتے ہو ہمدم نہیں بولتے
کہا عشق نے آج یہ شیخ سے[2]
نہ اکڑو نہ ہو خم نہیں بولتے

۸۳۲

نہ جیب عاشق کو بھاتا ہے نہ یہ دامن خوش آتا ہے — ترے کوچے کے خاکستر کا پیراہن خوش آتا ہے
خریدا[3] انکساری ہی میاں بازارِ الفت میں — نہ یہ تو تو ہی بکتا ہے نہ یہ میں ہی خوش آتا ہے
یہ دیوانے ترے بجھ بن چمن میں خوش نہیں ہوتے — نہ پاویں بُو اگر تیری انھیں گلشن خوش آتا ہے
گداؤں کی حقارت ہے جو شاہی سے کریں نسبت — چمن سے ان کو نفرت ہے جنھیں گلخن خوش آتا ہے
چھڑاتا ہے عبث تو عشق کو صحرا نوردی سے
کسی کو شہر بھاتا ہے کسی کو بن خوش آتا ہے

۸۳۳

ادھر سے ہاتھ چلا اور اُدھر سے لات چلی — نیاز و ناز کے جھگڑے میں مفت رات چلی
نہ پوچھ دخترِ رز کی حکایتوں کو تو — وہ جس کے منہ کو لگی اس کو کر کے مات چلی
زبان بند ہوئی کان عقل کے کھل گئے — جہاں جہاں تری مجلس میں یار بات چلی
نشانی تیری نہ ہوئی نقدِ دل نہ آیا ہاتھ — زمیں سے عرش تلک گو کہ یہ برات چلی
بغل میں مستوں کے ڈر محتسب سے دخترِ رز — پہن کے شیشہ کا برقع وہ[4] نیک ذات چلی
نہ مرگ پر مجھے حاتم کے حیف آتا ہے — جہاں سے طرزِ سخاوت کی یہ صفات چلی
جگر کے ٹکڑے نہ ہوں کس طرح بتاؤ تم — برنگِ تیغ زباں کر کے التفات چلی

۱؎ اب، ل۲؎ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ۲ ر۳؎ ل۴؎ شیخ جی سے۔ ۳ ل۲؎ ل۳؎ ل۴؎ ر۵؎ ل۶؎ "خرید" غلط ہے۔
۴ ل۲؎ ل۶؎ "شیشہ کے برقع وہ"، ل۳؎ ل۴؎ "شیشہ کے برقع کو وہ"۔

تمہارے فیضِ قدم سے ہے یا رسول اللہ ✻ کفِ دعا پہ[1] سوار ہو کے جو نجات چلی
قسم خدا کی ہے مشکل کشا کا نام لئے ✻ مقابلہ کو جو آئی کھتی مشکلات چلی
بیان کیا کرے کوئی اب کی جوشِ فصلِ بہار ✻ گلوں کی مجھ سے نہ پوچھو وہ پات پات چلی

وہ کون شربتی لب ہیں جہاں میں عشق بتا
کہ پانی پانی ہو جس کے لئے نبات چلی

۸۳۴

زلف و رخ کی بہار دیکھ چلے ✻ ہم یہ لیل و نہار دیکھ چلے
دزد چپٹ کوئی بھی نہ آیا کام ✻ ایک سے تا ہزار دیکھ چلے
منتظر زادِ رہ کے ہیں یہ غریب ✻ ٹک ادھر کو تو یار دیکھ چلے
مر گئے دن ہی گنتے گنتے ہم ✻ تیرے قول و قرار دیکھ چلے
نہ ملا آہ اپنے دل کا کھوج ✻ زلف کا تار تار دیکھ چلے
جس کو دیکھا سو بے وفا پایا ✻ گل سے تا یار و خار دیکھ چلے

نا امیدی میں سو امیدیں ہیں
عشق کا کار و بار دیکھ چلے

۸۳۵

کون[2] کہتا ہے تیغِ غم نہ چلے ✻ جو کچھ اب ہونی ہو قدم نہ چلے
رو رو آنسو مرے یہ کہتے ہیں ✻ جوں عرق اس کے منہ پہ ہم نہ چلے
ٹک تو اپنی زباں سنبھال سخن ✻ روبرو اس کے بیش و کم نہ چلے
صحنِ گلشن میں ہائے پی کے شراب ✻ ہاتھ میں ہاتھ لے بہم نہ چلے

ا[1]۔ ۳ د، ۴ پر۔ ۲ د، ۶ کوئی۔

آہ سینہ سے اشک آنکھوں سے کوئی دن تھا کہ صبح دم نہ چلے
درد سے دل بھرا ہی آتا ہے کیوں کے[1] یہ اشک دم بدم نہ چلے
تیری آنکھوں کی دیکھ گردش کو
کیا عجب ہے کہ جامِ جم نہ چلے

۸۳۶

وہ آفتاب رہے گو سحر[2] رہے نہ رہے چراغِ خانہ رہے اس میں گھر رہے نہ رہے
سوائے مہر و محبت جہاں ہے دُکھ سے بھرا سَرِ حبیب رہے دردِ سر رہے نہ رہے
ہماری زندگی مانندِ شمع آگ سی ہے یہ سوزِ عشق رہے شور و شر رہے نہ رہے
یہ ملک و مالِ جہاں اعتبار ہے دلدار عنانِ[3] دل رہے گو سیم و زر رہے نہ رہے
جو بے خبر ہو خبر سے خبر اسی کو ملے تری خبر رہے یہ بے خبر رہے نہ رہے
جہاں ہے[4] جس سے منور برنگِ شمس و قمر وہ نورِ دیدہ رہے چشمِ تر رہے نہ رہے
تسلی عشق کی باتوں سے تیری ہوتی ہے
ترا پیام رہے نامہ بر رہے نہ رہے

۸۳۷

یہ نفس کا جو تار باقی ہے یار جی کا دیار باقی ہے
دید[5] تیرا اگر میسر ہو زندگی کی بہار باقی ہے
جل گئے مثلِ لالہ دیکھ بہار پر دلِ داغدار باقی ہے
کوہکن ہے کہاں کہاں شیریں عاشقی کا شعار باقی ہے
بے سرو کار ہو سویاں آوے
عشق کی یہ پکار باقی ہے

۱ل کیسے۔ ۲ر نظر۔ ۳ ل ۲ ر ۵ ل ۶ عنائے۔ ۴ ر ہو۔ ۵ ل وصل۔

۸۳۸

ہم نے ایسے سے آشنائی کی | بندگی جس کی میں خدائی کی
کبھو تو مہربان وہ ہوتا | زندگی تو نے بے وفائی کی
کرتے ہیں خلق میں بھلے سے بُرا | ہم نہ سمجھے جو یہ بھلائی کی
نہیں تقصیرِ آئینہ کی یہاں | خو پڑی اس کو خود نمائی کی

گر گئے دیکھتے ہی مثلِ اشک
عشقؔ قسمت نے یہ رسائی کی

۸۳۹

اس مصیبت میں تیری جان رہی | جان تھی سہل یار آن رہی
دیکھئے اس کے آگے جو کچھ ہو | نوبت اب[1] جان پر ہے آن رہی
کام پر ہے تجدّدِ امثال | کس کی دو آن ایک شان رہی
رشتۂ عمر کھولنے میں کٹا | تیرے دل میں گرہ ندان رہی
عشق مرتا نہیں بہر صورت | عشق بازوں کی داستان رہی
کیوں کے نکلے میاں تری صورت | دل کو اپنا سمجھ مکان رہی

جو کہا تو نے کر دکھایا عشقؔ
بات پر اپنی یہ زبان رہی

۸۴۰

دیکھنا ہی ترا تماشا ہے | کیا تماشا ہے کیا تماشا ہے
کہتے ہیں گھر چلا تماشا دیکھ | جو تجھے مدعا تماشا ہے
داغ پر داغ کا چراغاں ہے | چلا آ جلد آ تماشا ہے

---

[1] ال ٦ اس۔

بھاگتا کیوں ہے رقصِ بسمل دیکھ　　بیٹھ جا بیٹھ جا تماشا ہے
دلِ دیوانہ سے کوئی پوچھے　　اس کی ہر ہر ادا تماشا ہے
آپ کو دیکھ آپ ناز کرے　　یہ تماشا نیا تماشا ہے

مجلسِ عشق میں سمجھ کے چلو
شیخ صاحب بُرا تماشا ہے

۸۴۱

جان جاوے بلا سے جان رہے　　مرتے جیتے اسی کا دھیان رہے
کیا بلا ہے یہ ملک و مالِ جہاں　　بات وہ کیجے جس میں آن رہے
جبہ سائی سے ہے یہی مقصود　　تیرے در پر مرا نشان رہے
دردِ دل بے طرح ستاتا ہے　　کس طرح چپ بھلا زبان رہے
کیوں کے اس سے مجھے صفائی ہو　　دل ہی میرا جو بدگمان رہے
جو جہاں میں ہوئے جلائے وطن　　تیرے کوچے[1] میں آن دان رہے

یہ خدا سے طلب میں کرتا ہوں
عشق بازی میں عشقؔ شان رہے

۸۴۲

امتحاں کو جو وہ صنم نکلے　　مجھ سوا اور کوئی کم نکلے
تیرے کوچے[2] سے اور تھے جو گئے　　ہم نکلتے ہیں گو کہ دم نکلے
یہ کوئی بات ہے بھلا ناصح　　دیکھے بن اس کے دل سے غم نکلے
ہے نکلتا کہیں اصیل کا بل　　اس کے ابرو سے کیوں کے خم نکلے
کیوں نہ خانہ خراب چشم کا ہو　　دل جگر آب ہو بہم نکلے

---

۱ ، ۲ لڑکے کوچہ۔

کیا تعجب ہے نکلے جو دل سے — جام سے اب جو نامِ جم نکلے
رام شہری غزال ہوتے ہیں — جنگلی ہوں اگر تو رم نکلے
خط کے آتے ہی سب ہوئے آزاد — ایک بندوں میں تیرے ہم نکلے

تیرے کوچے[1] سے ہائے صد افسوس
تا بہ کے عشقؔ چشمِ نم نکلے

۸۴۳

دیکھ کے تیرے حُسن کو کہتے ہیں سب چراغ ہے — دانت پہ جب مسی لگے گوہرِ شب چراغ ہے
شیشہ کا قمقمہ نہیں دل ہے جلے بلے کا یہ — دیکھ اسے سنبھال رکھ یار عجب چراغ ہے
شعلہ رخوں کا دل جلا گرمیٔ حسن سے ترے — کہتے ہیں جل کے رشک سے ہم میں یہ اب چراغ ہے
مردمِ سینہ داغ ہے اہل دلوں کو باغ ہے — گو کہ نہ ہووے روشنی اس کا لقب چراغ ہے

ہووے غزل جو دوسری مطلع و مقطع ہوویں دو
فہم تری کو کہتے ہیں عشقؔ یہ سب چراغ ہے

۸۴۴

پیچھے ہی پیچھے تیرے جان گئی — نہ رہی رکھ رہے، ندان گئی
طلبِ بوسہ اب تو کر بیٹھے — دل کو کھٹے مانگتے کہ آن گئی
دل خرابی میں ہے پڑا جب سے — چشم کا فریبہ[2] تیری جان گئی
بات پر کٹتی ہے زباں جوں شمع — یاں زباں کی میاں زبان گئی

عشقؔ رسوائی پر نہ ہنس میری
شانداروں کی یاں ہے شان گئی

---

[1] کوچہ۔ [2] ۳،۲ میں ہے۔

۸۴۵

کیوں نہ ہو بیزار دل اس طور سے
رو برو میرے ہنسے تو اور سے

تلخ و شیریں کا نہیں یاں امتیاز
بات کیجے لطف سے یا جور سے

آج کل کی بات کو مجھ سے نہ پوچھ
مر گئے ہم وعدۂ فی الفور سے

سرسری باتیں تو خوش آتی نہیں
کیجئے پرداخت پر ٹک غور سے

عشق میخانہ ترا آباد ہو
اب ہمیں بھی جام دے اس دور سے

۸۴۶

مت پوچھ اس کی کیفیتیں التفات کی
مرہی گیا نگاہ میں جس سے کہ بات کی

منصوبے دل کے دل ہی میں رکھے نہ بات کی
بازی جہاں کی اس طرح سے ہم نے مات کی

تھی زندگی ملاپ سو موقوف کر دیا
پھر[1] طرح اور کہئے ہماری حیات کی

روزِ وصال آنکھوں میں تاریک ہو گیا
آنے ہی آتے ہم نے میاں دن سے رات کی

جی دیکھتے ہی نذر کیا اور کیا کہوں
کیا خوب دل نے سمجھی تھی اپنے نجات کی

اے چرخ کج روی نہ کر ابلق سوار سے
تو کا وے کھاتا یاں رہا اور ان نے لات کی

بے فکر اس جہاں میں رہے عشق یا رسول
کونین میں پناہ ہے اب تیری ذات کی

۸۴۷

کیوں کر نہ ملے انھیں خدائی
کرتے ہیں برے سے[2] جو بھلائی

مشفق یہ ہوئے جہاں میں پیدا
رسوا نہ ہو کیوں کے آشنائی

ا لہ اب - ۲ ک بروں سے -

۳۷۹ (continued)

ٹک شیخ جی واں تلک تو چلئے[1] دیکھیں گے تمہاری پارسائی
سر جاوے تو جاوے اس سخن پر کب کرتے ہیں مرد بے وفائی
شعلہ نہ کرے وہ شمع سے آہ کرتی ہے جو کچھ تری جدائی
جس شے کو کیا تلاش پایا پر بوئے وفا کہیں نہ پائی

کر قتل تو عشق کو مری جاں
منظور اگر ہے خود نمائی

۸۴۸

مشتاق مدتوں سے جو تھے روزِ عید کے لینے مزے اڑاویں گے ہم تیری دید کے
جتنے حساب داں تھے وہ خط کھینچ رہ گئے جانتے ہیں زخم کب گنے تیرے شہید کے
لینا انھوں کو مول بہر طور ہے ضرور جو آرزو میں بکتے ہیں تیری خرید کے
مُلّا تو بحثِ واجب و ممکن میں غرق رہ عاشق ہیں ہم خدا کے قدیم و جدید کے

لختِ جگر تو اشک کا قاصد گیا ہے لے
ہیں عشق آرزو میں ہم اس کی رسید کے

۸۴۹

جب دھواں دل سے یار اُٹھتا ہے آسماں تک غبار اُٹھتا ہے
جو گرا تیرے کوچے[2] میں آکر پھیر وہ خاکسار اُٹھتا ہے
جا کے اختر فلک پہ بنتا ہے دل سے جو جو شرار اُٹھتا ہے
رو برو سچ کے دب ہی جاتا ہے گو کہ طوفاں ہزار اُٹھتا ہے
روتے روتے کبھو جو سوتا ہے نام تیرا پکار اُٹھتا ہے

---

[1] اے شیخ چلو تو اس گلی میں۔ [2] ن۲ ن۵ کوچہ۔

تیری آنکھوں کے جو ہوا سنمکھ زخمیٔ بے شمار اُٹھتا ہے
شمع کے طور دل سے شعلۂ عشق
یار جی بار بار اُٹھتا ہے

۸۵۰

گنتے ہیں اتفاق جسے سو نفاق ہے ہے[1] طاق جفت یہاں کا اور جفت طاق ہے
جوں ماہ فیض مہر سے لے ہمسری کریں جس کو رفیقِ خوب ملے اتفاق ہے
احوالِ خلق یہ ہے بھلا خلق کیا کرے کہ دیکھ تو بھی دل میں اگر اشتیاق ہے
گو اتفاق یہ کریں یہ سر بسر نفاق صورت ملاپ کی ہی مرے دل پہ[2] شاق ہے
آرام گاہ دہر کو سمجھے کوئی غلط
اے عشق امتحاں کو یہ نیلی رواق ہے

۸۵۱

بے قدر مثلِ ذرہ ہوں وہ آفتاب ہے اس کے حجاب سے مرا خانہ خراب ہے
افسوس اور امید کو مت دے تو دل میں راہ آیندہ سب خیال ہے گذرا[3] سو خواب ہے
شیشہ کو دل کے خالی کوئی کس طرح کرے جامِ نشاط دیکھو تو مثلِ حباب ہے
ہے اشک و آہ دل میں مرے جس قدر بھرا اُتنا ہی اس کے چہرہ[4] پہ اب آب و تاب ہے
اتنی بھی کم زبانی نہیں خوب نکتہ سنج گردن ہلانا بات کا میری جواب ہے
دل لیجے جس کا شوق سے دلداری کیجیے پھر اس سے منہ چھپایئے یہ بے حساب ہے
باتیں تو تیری عشق قیامت برشتہ ہیں
سچ کہیو دل ہے سینہ میں یا وہ کباب ہے

---

۱ یہ مصرع ناموزوں ہے۔ ۲ ﮐ میں۔ ۳ گزرا۔ ۴ ﮐ ۵ چہرے۔

۸۵۲

جرأت پہ دلِ زار کے بس ہے یہ گواہی
سنمکھ ہو سپاہی کے جو ہو کوئی سپاہی

تاریکیٔ طالع کو اگر اپنے لکھوں میں
ظلمات کی ظلمت کی بھی اُڑ جاوے سیاہی

ہے پُتلی ان آنکھوں کی طلسماتِ سکندر
جو پھرتی ہے پردۂ مژگاں سے مناہی

جمعیتِ خاطر تری زلفوں سے ہے یاں تک
لینی ہے تباہی مجھی سے آ کے تباہی

بیزاری و نفرت کا سبب مجھ سے عبث ہے
بندہ ہوں تری جان کسوں خواہی نہ خواہی

احوال مرا صبر و شکیبائی سے گذرا[1]
تجھ سے نہ کہوں کس سے کہوں حال الٰہی

کر قتل لگا کہنے دیت ہے یہی تیری
شاباش تجھے عشق میاں خوب نباہی

۸۵۳

کتنے ہی تیرے حُسن کی دیتے ہیں گواہی
بکتے ہیں ترے عشق میں کئی واہی تباہی

تعریف میں زلفوں کی تری صرف ہوں یاں تک
جو بال برابر نہ ملے ڈھونڈے سیاہی

نامرد ہوں شکوہ کروں دولت کا فلک سے
ملنے کو ترے جانتے ہیں فضلِ الٰہی

نامرد کی قدرت نہیں مردوں کا نہ ڈر ہے[2]
پھر ٹھیرنا دنیا میں عبث عشق مناہی

کر آرزو اس چیز کی جو ہووے مناسب
ہر ایک گدا کو ملے کب دولتِ شاہی

۸۵۴

مناسب طبیعت کے جو پایئے
اسے کام پھر کیوں نہ فرمایئے

خفا کر کے پہلے اُٹھایا مجھے[3]
لگا کہنے پھر آیئے آیئے

---

[1] اگزرا۔ [2] یہ شعر غالباً مقطع ہے۔ [3] ﻟ۶ میں یہ شعر نہیں ہے۔

خرابات زہد و ریا سے ہے پاک
برا کہئے کا ہے کو اُٹھ جائیے

بھلا یا برا دل میں رکھئے عبث
جو کچھ ہو زباں پر اسے لائیے

ہٹیلا ہے لڑکوں سے زیادہ یہ دل
اسے کس طرح کہئے بہلائیے

نہیں زلف دل، ہے وہ کالی بلا
تجھے کس طرح اُس سے اُلجھائیے

نصیحت سے عالم کی رکتا ہے عشق
کہو کس طرح اس کو سمجھائیے

۸۵۵

عاشق سوائے تیرے کسی پاس کیا رہے
وہ جس طرف کو پاوے ترے پاس جا رہے

گو دوستی کی شاخ کرے گُل گلِ نشاط
لیکن اخیر کو ثمرِ یاس لا رہے

ہونٹوں سے تیرے خونِ جگر لعل ہی رہا
ہیرا بھی دیکھے دانت تو الماس کھا رہے

مقصود صرف دید ہے عاشق کو یار کا
میں آس پاس ہوں نہ رہے آس یا رہے

گو مثل دل بغل میں بھی معشوق عشق ہو
لیکن شبِ فراق سے وسواس آ رہے

۸۵۶

جب صدا اس کی کان پڑتی ہے
جان میں میری جان پڑتی ہے

ہنسی اس کی کو کچھ نہ پوچھو تم
برق سی دل پہ آن پڑتی ہے

قدر اس کی وہی سمجھتا ہے
جس پہ اے مہربان پڑتی ہے

کچھ بگڑتا ہے دیدہ و دل کا
جان پر آ ندان پڑتی ہے

کسو ہی طرح سے نہیں کھلتی
جب گرہ دل میں آن پڑتی ہے

خاکساری سے خاک ہوتے ہیں
جب نظر اس کی شان پڑتی ہے

بے خودی میں شہودِ ہستی عشق
گاہ بے گاہ دھیان پڑتی ہے

۸۵۷

زندگی دو دم کی باقی ہے شتابی آیئے ‏ ہٹ نہ کیجے اس قدر جام اور گلابی لایئے
کاظمین الغیظ واقع ہے نظر تو کیجیے ‏ خوب غصہ کھایئے لیکن حسابی کھایئے
احتمال البتہ کیجے جو عمل لائق نہ ہو ‏ کام وہ معقول ہے جس میں خرابی پایئے
نیک و بد سے مختلط ہو کر بہم مل بیٹھنا ‏ دل کو کب آتی ہے خوش یہ بے حجابی جایئے
مینہ میں آئے لال جوڑا پہن جو بنت العنب ‏ جلد ساقی شیشہ کا بنگلا[1] حبابی چھایئے
جان لے بے شبہ یہ رونق مکاں کی ہے مکیں ‏ ماہرو ہو وے جدا تو ماہتابی ڈھایئے
دیر ملنے میں نہ کیجے سنئے ہم سے قولِ عشق
زندگی دو دم کی باقی ہے شتابی آیئے

۸۵۸

ہنس ہنس کاٹو جو دم ہے ‏ اللہ ہے تو کیا غم ہے
قابل یا ناقابل ہو ‏ تجھ بن کوئی ہمدم ہے
دل کی باتیں کہیے کیوں کر ‏ غم سے کوئی محرم ہے
تجھ بن اچھی کیوں کر ہو ‏ حالت میری برہم ہے
سیدھا ہو کس رو سے دل ‏ تیغِ ابرو میں خم ہے
چشمِ گل کا آنسو ہے ‏ بلبل کیا یہ شبنم ہے
کیوں کر ہو بہ زخم عشق
تو ہی اس کا مرہم ہے

۸۵۹

جوں شمع حال میرا روشن ہے کب نہاں ہے ‏ دل ہے برنگ اخگر شعلہ جو ہے زباں ہے

۱۔ بنگلہ۔

دل کو جہاں میں ڈھونڈا اصلا کہیں نہ پایا
تجھ پاس جو نہیں ہے پھر اور وہ کہاں ہے

دلدار بوجھا اس کو دل کی خبر جو پوچھی
آنکھیں بدل کے وُوہیں کہنے لگا کہ یاں ہے

وہ گلعذار میرا مخفی ہے میرے دل میں
آثار چاہتے ہو آنکھوں میں وہ عیاں ہے

بھاگوں میں کس طرف کو پنجرے سے تیرے تبلا
پاؤں تلے زمیں ہے اور سر پہ[1] آسماں ہے

انساں[2] کو آپ حق نے بنیان رب کہا ہے
اے عشق بے نشاں کا یہ نام اور نشاں ہے

مطلق کے ہیں تعین جتنے نمود یہ ہیں
جوں موم کے کھلونے کہنے کو این و آں ہے

۸۶۰

ایسے کافر کو کوئی خوا ہی نخوا ہی رکھے
ہم تو رکھ سکتے نہیں تجھ کو خدا ہی رکھے

قابلِ خانۂ معشوق یہ دل ہووے جب
خطرۂ غیر سے جو اس کو صفا ہی رکھے

بات تقویٰ کی نہ کہہ شیخ تو ہر دم مجھ سے
وہ اگر ہاتھ لگے تیرے چھپا ہی رکھے

دل جگر صرف ہوئے اشک کی طغیانی میں
آبرو کو مری اب تو ہی الٰہی رکھے

یار جو یار سے مل جاوے غنیمت جانو[3]
یہ فلک فکر میں پھرتا ہے جدا ہی رکھے

نیک و بد سے نہیں کچھ کام کسی عاشق کو
یار ملتا رہے گو جور و جفا ہی رکھے

تاج اور تخت جسے چاہے اسے دیوے وہ
عشق اپناوے مجھے اور گدا ہی رکھے

۸۶۱

رنگیں ہزار طرح سے تقریر ہو سکے
پر آگے راستی کے نہ تزویر ہو سکے

سو چرخ کھاوے گرچہ یہ معمارِ روزگار
لیکن دلِ شکستہ نہ تعمیر ہو سکے

---

۱ سرپہ۔ ۲ یہ شعر غالباً مقطع ہے۔ ۳ ر۶ سے، غلط ہے۔

وحشت زدہ جو سایہ سے کرتا ہے اپنے رم — اس کو تمہاری زلف ہی زنجیر ہو سکے
دل کو لحاظ ہے کہیں بے خواب وہ نہ ہو — پھر کس طرح سے نالۂ شبگیر ہو سکے

اس امر کو تو چھوڑ قضا و قدر پہ عشقؔ
جس کی کسو ہی طرح نہ تدبیر ہو سکے

۸۶۲

قاصد اتنا کہیو اس دلدار سے — مر چلے ہم ہجر کے آزار سے
رات اس بیمار کی کٹتی ہے خوب — گفتگو ہے جس کو زلفِ یار سے
راستی بے وقت کی اچھی نہیں — یاس کی کہتے نہیں بیمار سے
تیرے کوچے[1] کے جو رسوا ہیں اٹھیں — عار و ننگ آتا ہے ننگ و عار سے

طاقِ ابرو جن نے دیکھے ان کے عشقؔ
سر کو پٹکے کب در و دیوار سے

۸۶۳

کہہ دیا عاشق ہوں یہ ہم نے تجھے — ہاں پکارا یار اس دم نے تجھے
چشم سے اپنی گرایا مثلِ اشک — دید و دانستہ ہمدم نے تجھے
بیش و کم کہتا نہیں ہے واقعی — کھو دیا اس بیش اس کم نے تجھے
بدگماں اوروں سے ہوتا ہے عبث — غم دیا ہے کن نے بے غم نے تجھے
چشم کی تقصیر اس میں کچھ نہیں — مار ڈالا زلفِ پُر خم نے تجھے
عمر ساری غم کو تو کھاتا رہا — کھا لیا آخر کو اس غم نے تجھے

عشقؔ شکوہ غیر کا ہرگز نہ کر
ہے ڈبایا دیدۂ نم نے تجھے

---

[1] کوچہ۔

۸۶۴

فائدہ رونے میں اے دل نہ تجھے ہے نہ مجھے
غیر نقصان کے حاصل نہ تجھے ہے نہ مجھے

آپ آ جہر سے یا مجھ کو ہی خلوت میں بلا
دونوں باتوں میں تو مشکل نہ تجھے ہے نہ مجھے

ہم تجھے کہتے ہیں مے پی اُسے غفار سمجھ
خبر اب کل کی تو اے دل نہ تجھے ہے نہ مجھے

مجھ کو مقدور نہیں اور تجھے قصد نہیں
در و دیوار تو حائل نہ تجھے ہے نہ مجھے

قتل کر جلد مجھے ہجر کو اپنے مت سونپ
حاصل اس مرنے سے قاتل نہ تجھے ہے نہ مجھے

پرورش ذرّہ کی خورشید سے کچھ دور نہیں
اس میں نقصان تو کامل نہ تجھے ہے نہ مجھے

عشق دیتا ہے گواہی کہ وہ ہستی ہے نمود
دہشت اس امر میں سائل نہ تجھے ہے نہ مجھے

۸۶۵

میثاق میں ارواح کو جو جلوہ گری تھی
عاشق کے لئے پر نہ تھے بے بال و پری تھی

تیری نگہِ شوخ نے کیوں آگ لگا دی
خالی تو یہ شیشہ نہ تھا اس میں تو پری تھی

اس دفترِ فانی کی گری قدر نظر سے
جس فرد کو دنیا کے میں دیکھا نظری تھی

جز سادگی و عجز کے کچھ کام نہ آیا
بازار میں وحدت کے ہنر بے ہنری تھی

لُو دل کو لگی ہے وہ جلا کیوں نہ پکارے
کیا آہ ترے ساتھ نسیمِ سحری تھی

جز داغ کے تم برگ و برِ تازہ نہ ڈھونڈو
گلزارِ محبّت میں ثمر بے ثمری تھی

منجملہ نوادر تھے جو لایا تھا اسے عشق
تو قدر نہ سمجھا یمنی یہ جگری تھی

۸۶۶

یہ رنگ آنکھوں کے رونے کا تو کہیو[1] لاؤ بالی سے
کہاں تک میں انھیں بہلاؤں تصویرِ خیالی سے

---

[1] اے کہو اُس۔

نمود اب آئینہ دل میں جو بے صورت کی صورت ہو[1] — مثالیں کیا بیاں کیجے جہانِ بے مثالی سے

شبِ ہجراں میں زخمی خواب میں میں آپ کو دیکھا — سحر مجروح پایا دل کو ابروئے ہلالی سے

خیالاتِ دو عالم کو جو دل سے صاف کر ڈالا — نشا[2] بے کیف پیتا ہوں میں اس مینائے خالی سے

جہاں کے اغنیا مسند نشین شیرِ قالیں ہیں — کوئی دانا نہیں ڈرتا ہے ناداں شیرِ قالی سے

نگاہِ شوخ کی کیفیتوں کو آہ مت پوچھو — کلیجا[3] چھن گیا میرا شرابِ پرتگالی سے

ہمیشہ سایۂ دولت میں مجھ کو عشق رکھتا ہے
وہ کافر ہو جو گوشہ چاہے ایسے ظلِ عالی سے

۸۶۷

فکر کونین مرے دل سے بھلائے رکھے — بارِ ناحق کو بھلا کون اٹھائے رکھے

صدمۂ ہجر سے گو شیشۂ دل ٹوٹا ہے — وہ اگر چاہے اسے پھیر بنائے رکھے

نفسِ گرم شرربار کی کیا فکر کرے — داغ کو تیرے اگر دل میں چھپائے رکھے

آرزو تجھ سے خداوند طلب کرتا ہوں — ایک دن پاس مجھے اپنے بلائے رکھے

یار خودبیں سے مجھے عشق توقع یہ ہے
روبرو آئینہ کے طور ملائے رکھے

۸۶۸

خالی خالی جہاں میں جو رہیے — لطف کیا ہے کسو کے ہو رہیے

وصلِ خوباں اگرچہ ہو منظور — جان سے پہلے ہاتھ دھو رہیے

زندگی موت ہو گئی تجھ بن — فائدہ کیا جہاں میں گو رہیے

پار دریا کے جو نہ ہو سکیے — کشتیٔ چشم کو ڈبو رہیے

---

۱ ک ٗ نمود آئینۂ دل میں۔ ۲ د ٗ ھ نشہ، درست ہے۔ ۳ کلیجہ۔

جس سے کچھ بس چلے نہ اپنا عشقؔ
ہاتھ اس شے سے دھو کے رو رہیے

۸۶۹

تیری تو جانے بلا مجھ سے چمن چھوٹتا ہے
وہ سمجھتا ہے اسے جس سے وطن چھوٹتا ہے

جھوٹ ہے جن نے کہا ذکر ترا ورد نہیں
تا لبِ مرگ نہ چھوٹے یہ سخن چھوٹتا ہے

صبحِ امید ہے خوش شامِ غریبی ناخوش
قفس جسم سے جاں قبلۂ من چھوٹتا ہے

دور میں اگلے سُنا ہے کہ حیا اس کو تھی
اب تو بے مہری پہ یہ چرخِ کہن چھوٹتا ہے

نمکین ہند میں ہوئی عشقؔ فصاحت جاکر
شعر دلی کو گیا اس سے دکن چھوٹتا ہے

۸۷۰

نہ کہو یار دور جاتا ہے
جان و دل کا سرور جاتا ہے

خاکساری سے گو ہوئے ہم خاک
کوئی اس کا غرور جاتا ہے

بے تکلف ہو ہم سے منہ نہ چھپا
دیدہ و دل کا نور جاتا ہے

دل دھڑکتا ہے یارو وہ کافر
بے طرح گھور گھور جاتا ہے

کیا کہوں اب خدا ہی خیر کرے
عشقؔ اس کے حضور جاتا ہے

۸۷۱

دل کے کہیں آزار نہیں کہنے[1] کے
مرجائیں گے پر یار نہیں کہنے کے

جو دل پہ شبِ ہجر میں گذرے گذرے
مت ہو جیے بیزار نہیں کہنے کے

بیزار رسومات سے ہے کفرِ حقیقی
اس رشتہ کو زنّار نہیں کہنے کے

---

[1] گذرے گذرے۔

کر قتل مجھے بات یہی میری سُن
پھر تجھ سے ستمگار نہیں کہنے کے

ہم تم نہیں جو کہتے پھریں عالم میں
آپس کی یہ تکرار نہیں کہنے کے

منظور ہے مر جایئے اچھا اچھا
چپکے رہے ناچار نہیں کہنے کے

جل جائے ابھی شمع کی مانند زباں[1] بھی
پہ[2] عشق کے اسرار نہیں کہنے کے

۸۷۲

آج پھر منہ بھلائے آتا ہے
دیکھیئے کیسے گل کھلاتا ہے

چشم و دل میں مرے سوا تیرے
کون آتا ہے کون جاتا ہے

دل جو بینا تھا لے چکا کب[3] کا
اب[4] کوئی آنکھیں وہ ملاتا ہے

روبرو میرے جو کوئی آوے
تیری صورت ہی بن کے آتا ہے

دل تصور میں تیری آنکھوں کے
کوئی تازی بلا ہی لاتا ہے

درد دینے میں میرے دل کے کہہ
یار کیسا مزا تو پاتا ہے

عشق دیوانگی سوا مجھ[5] کو
کس سے رشتہ ہے کس سے ناتا ہے

۸۷۳

نکل اُن کے ہاتھوں کدھر جایئے
زمیں آسماں ہے جدھر جایئے

نہ ہے صبر دل کو نہ ہے رحم تجھ کو
قضا کاش آوے کہ مر جایئے

نہ بدنام کیجے مجھے بے سبب
شتابی سے اُٹھ اپنے گھر جایئے

نگیں کی طرح گھر پکڑ بیٹھیے
نہیں خوب جو در بدر جایئے

---

۱ لے زباں، درست ہے۔ ۲ ک پر۔ ۳ ک آگے۔ ۴ ک اب کبھی وہ آنکھ ملاتا ہے۔ ۵ ک تجھ کو۔

اگر عشق بازی کی رکھتے ہو دُھن
تو ہر بات پر یاں نہ ڈر جائیے

۸۷۴

یار جب لے ایاغ نکلا ہے ۔۔۔ گُلِ خورشید داغ نکلا ہے
دل شگفتہ نہ ہو مثالِ گُل ۔۔۔ یار جو باغ باغ نکلا ہے
دیکھ بے اعتنائی خوباں کی ۔۔۔ شیخ جی کا دماغ نکلا ہے
اشک کی فوج جو ہوئی ہے رواں ۔۔۔ کہیں دل کا سراغ نکلا ہے
جستجو ہے کسو کی اُس کو عشق
ہاتھ میں لے چراغ نکلا ہے

۸۷۵

صورتِ یار بھی قیامت ہے ۔۔۔ اُس کی تکرار بھی قیامت ہے
کم قیامت سے تہلکے کیا ہیں ۔۔۔ دل کا آزار بھی قیامت ہے
حشر کرتا ہے بات میں برپا ۔۔۔ اُس کی گفتار بھی قیامت ہے
وصل میں گُل بھی خار ہیں یعنی ۔۔۔ بدھی اور ہار بھی قیامت ہے
منکرِ حشر مل کے کہتے ہیں
عشق کا یار بھی قیامت ہے

۸۷۶

عاشقی میں ہزار آفت ہے ۔۔۔ ہر طرف رو بکار آفت ہے
ہست پر نیستی کا دعویٰ ہے ۔۔۔ گل کے گل پر بہار آفت ہے
زلف و رخ کی نہ پوچھ تو مجھ سے ۔۔۔ لیل آفت نہار آفت ہے
شوق سے خاک میں تو لوٹا کر ۔۔۔ دل میں مت رکھ غبار آفت ہے

تپشِ دل سے راہ کٹتی ہے — عاشقی میں قرار آفت ہے
کہتے ہیں اُس کو سب اَشَدُّ الموت — دل پہ یہ انتظار آفت ہے
غافلِ عشق کو جگا دے عشقؔ
آفت آفت پکار آفت ہے

۸۷۷ +

موجود بہر وجود اب ہے — یہ جلوہ گری جہاں میں تب ہے
بتلاؤں تجھے کہاں کہاں میں — اتنا ہی یقین کر کہ سب ہے
مشہود اگرچہ ہے جہاں میں — پر دید کا اُس کے یار ڈھب ہے
جو تجھ سے تجھی کو مانگتا ہے — مشتاق وہ غیر کا تو کب ہے
مالوف نہ ہو تو پیش ویس کا — ہے دم یہ غنیمت اب جواب ہے
کس طور سے اُس کو میں اٹھاؤں — رنجیدگی تیری بے سبب ہے
کہتے ہیں کہ عشقؔ دل بدل ہے
جو تجھ کو نہیں ہے یہ عجب ہے

۸۷۸

درحقیقت خونِ ناحق یار جی گردن پہ ہے — گو کہ تم دھو دھا کے بیٹھے منہ سے، پر دامن پہ ہے
یا محمد رتبۂ عالی پہ تیرے دال ہے — سربسر جو سایہ تیرا دوست اور دشمن پہ ہے
دستِ وحشت سے گریباں تو رفو چکر ہوا — دانت ابھی ناصح ترے بخیے کا پیراہن پہ ہے
آہ سے اور اشک سے سرسبز ہے یہ باغباں — حق ہماری تربیت کا رونقِ گلشن پہ ہے
میں نگاہِ مہر کا مقتول ہوں اے عشقؔ سُن
ہیں غلط گو جو کہیں یہ خوں مرا آہن پہ ہے

+ غزل نمبر ۸۷۷ اور نمبر ۸۷۸ لے میں نہیں ہے۔

۸۷۹

دل یہ کہتا ہے مجھ سے کیسی کی — جیسی کی تو نے ہم نے ویسی کی
پرورش کے حقوق سب کھوئے — تجھ سے مل دل نے ہم سے ایسی کی
جب ہوئے لعل لب مرے دمساز — دل نے فریاد یا روئے سی کی
آہ اس کا بیان کیا کیجے — خوب کی ہم سے تم نے جیسی کی

مجھ کو رسوا کیا جہاں میں عشق
دخترِ رز کی ایسی تیسی کی

۸۸۰

میرے سینہ[1] سے نہ کیجو محو داغِ دوستی — حشر تک روشن رہے یارب چراغِ دوستی
عشق زاہد کو پلایا کب ایاغِ دوستی — اُن نے جو پیدا کیا ہے یہ دماغِ دوستی
پانو[2] سے چلتے نہیں جو نقشِ پا ہووے نمود — ہاتھ آوے کس طرح پھر کہہ سراغِ دوستی
مے مصفی جام سے مے سے مصفی جام مے — فرقِ بینائی کرے کیوں کر ایاغِ دوستی
لالہ و نسرین و سنبل گرچہ کہنے کو ہیں گل — اور ہی پر گل کھلاتا ہے یہ باغِ دوستی
یہ گلِ صوری تنفر کے سبب عاشق کو ہیں — بوئے معنی چھٹ نہ ہووے خوش دماغِ دوستی
قدر کو سینہ شکستوں کی سمجھتا ہے وہ کب — اب تلک توڑا نہیں اُن نے جناغِ دوستی
پیچ میں اس کے رہوں جوں تار و پودِ عنکبوت — سر سے پاؤں تک اُلجھا ہے فراغِ دوستی

گو صبا قاصد بنے یا اشکِ گلگوں نامہ بر
عشق بن پر کون پہنچاوے بلاغِ دوستی

۸۸۱

غلط ہے اُدھر یا اِدھر جائیں گے — جدھر تم چلو گے اُدھر جائیں گے

ا۔ ۳۔۲ سینے ۲۔ ک۵ پاؤں۔

نہ سمجھو کہ باتوں میں ڈر جائیں گے | جو نوع دگر ہوئی تو مر جائیں گے
جفائیں تری یا د رہ جائیں گی | وگر نہ یہ دن تو گذر[1] جائیں گے
یہی خوبیاں ہوں گی ظاہر اگر | کوئی دن کو دل سے اُتر جائیں گے
جہاں کے چلن سے یہ ظاہر ہوا | کوئی شام کوئی سحر جائیں گے
مری خاطر اتنی تو منظور ہے | کبھو جو کسو کے وہ گھر جائیں گے
پھر اُن سے اگر پوچھئے تھے کہاں | قسم کھائیں گے اور مکر جائیں گے

بگڑتے ہیں خوباں بہت تجھ سے عشق
لگا ہنس کے کہنے سنور جائیں گے

۸۸۲

تم دیکھو سب طرف کو ادھر بھی کبھی کبھی | اعمال پر ہمارے نظر بھی کبھی کبھی
مانندِ آفتاب کے پھرتے ہو در بدر | لازم ہے اس طرف[2] تو[3] گذر بھی کبھی کبھی
کیوں[4] ان دنوں میں ہو گئی[5] تو آہ بے اثر | آگے تو دیکھتے تھے اثر بھی کبھی کبھی
لختِ جگر نہ ہوں تو نہیں اشک معتبر | اے چشمِ اشکبار ثمر بھی کبھی کبھی
جھڑتے ہیں پھلجھڑی کی طرح اشکِ گرم پر | آنکھوں کے ساتھ ہوئیں شرر بھی کبھی کبھی
محروم تو نگاہ سے تیری نہ میں رہوں | الفت سے گذرے[6] نوع دگر بھی کبھی کبھی

اعمال عشق اپنے سے اتنا نڈر نہ ہو
اے روسیاہ کیا کہوں ڈر بھی کبھی کبھی

۸۸۳

گرچہ آنکھوں میں تری ہیں سب سے کم ہر طرح سے | امتحاں کر پہلے ہیں موجود ہم ہر طرح سے

---

۱ گزر۔ ۲ کے کو۔ ۳ گزر۔ ۴ کے کچھ۔ ۵ کے ہی ہو گئی ہے۔ ۶ گزرے۔

جلتے بلتے ہی کٹی جوں تار و پودِ شمع آہ
زندگی روشن ہوئی اے چشمِ نم ہر طرح سے

جور ہو یا ظلم ہو یا مہر ہو یا ہو وفا
بے درم بندے ترے ہیں ہم صنم ہر طرح سے

نسبتیں باہم تباین کی نظر آتی ہیں یاں
جب مجھے دیکھا نہیں رہنے کا غم ہر طرح سے

کون سی باتوں کو اُس کی میں بیاں تجھ سے کروں
جی کڑا ھا تا ہے مرا وہ دمبدم ہر طرح سے

اس برس کی فصلِ گُل میں ہے تمنا یا نصیب
مثلِ گُل اور بوئے گُل ہو ویں بہم ہر طرح سے

جامِ دل لبریز ہے سے عشق کے آوے جو ہاتھ
چرخ کھاوے اُس کے آگے جامِ جم ہر طرح سے

۸۸۴

مجھے کیا کام ہے زمانے سے
اُسے لاؤ کسی بہانے سے

راحت و رنج مجھ سے مت پوچھو
جان پایا ہے جی لگانے سے

نام ہے عاشقوں کا بعدِ مرگ
شمع روشن ہو سر کٹانے سے

کیوں نہ یاقوت کا جگر ہو خوں
تیرے دلدار پان کھانے سے

روح قالب میں ایک دم نہ رہے
تو اگر خوش ہو جان جانے سے

مت بڑھو اس قدر دھرے ہی رہو
کوئی بڑھتا نہیں ٹھکانے سے

اُس کو مردودِ عشق کہتے ہیں
منہ جو پھیرے اس آستانے سے

مت جفائیں کرو خدا سے ڈرو
کیوں اُلجھتے ہو دل نہ ماننے سے

وصل کیوں کر نصیب ہو مجھ کو
عشق جاتا ہوں اس کے آنے سے

۸۸۵

مت سمجھو کہ چپکے ہم جی کو رو رہیں گے
کتنے گھروں کو پہلے پیارے ڈبو رہیں گے

کہتا ہے مفت گھر میں رہتے نہیں کسو کے
منظور ہے جو یوں ہی تو جی کو رو رہیں گے

سب آرزوئیں دل کی حاصل ہیں تیرے دم سے ‏ تیرے اگر نہ ہوں گے تو کس کے ہو رہیں گے
ناصح نہ کر نصیحت بے فائدہ تو مجھ کو ‏ جو اور کچھ نہ ہوگا تو جی تو کھو رہیں گے

دل عشق زندگی سے بیزار ہو رہا ہے
کوچے میں اُس کے آخر کچھ کھا کے سو رہیں گے

۸۸۶

اگر الفاظ و معنیٰ میں سخن گو خوشنما نکلے ‏ قبولِ دل نہ ہووے جو نہ انداز و ادا نکلے
مرقع کو[1] جہاں کے اس لئے میں سیر کرتا ہوں ‏ کہ شاید کوئی تصویروں میں صورت آشنا نکلے
تمنا آرزو وابستگی سب دل سے رکھتے ہیں ‏ کوئی تدبیر کر ایسی کہ یہ زنجیرِ پا نکلے
گل و گلزار و بلبل باغباں منہ دیکھ رہ جاویں ‏ اگر سیرِ چمن کو یار و میرا یار آ نکلے

خموشی روبرو نازک دلوں کے عشق بہتر ہے
سخن کس پہلو بیٹھے اور تیرے منہ سے کیا نکلے

۸۸۷

اس کو یقین جانو جب چشم تر کریں گے ‏ لختِ جگر ہمارے کارِ اثر کریں گے
کوچے میں اس کے یارو جس دن گذر کریں گے ‏ عالم کو دیکھ لوگے زیر و زبر کریں گے
یاراں کو اتنی خاطر تکلیف تو نہ دینا ‏ چھڑکاؤ تیرے گھر میں یہ چشم تر کریں گے
کہتے ہیں چشمِ دل سے اُس بے وفا کے ہاتھوں ‏ تم نالہ سر کروگے ہم گریہ سر کریں گے
فریاد اور فغاں میں تاثیر کچھ نہ پائی ‏ روتے ہی روتے آخر ہم بھی سفر کریں گے
مقصود تو ہی ہوگا ہر شے سے عاشقوں کو ‏ ظاہر میں ہر طرف کو گو وہ نظر کریں گے

احوالِ عشق سن کر آنکھیں نہ تر کرے گا
گو یار رحم کھا کر اُس کو خبر کریں گے

---

[1] الٹے کی۔

۸۸۸ +

پا گئے اُس کی چاہ آنکھوں سے ہو گئی واہ واہ آنکھوں سے

کس سے ہیں داد خواہ آنکھوں سے آہ آنکھوں سے آہ آنکھوں سے

دلِ بے چارہ جل گیا تو بھی نہ گرے اشک آہ آنکھوں سے

کوئی خانہ خراب ایسے ہیں جو ہوئے گھر تباہ آنکھوں سے

دل کا شکوا[1] کرے سو احمق ہے ہم تو ہیں داد خواہ آنکھوں سے

اُس کی صورت ہے دل سے یوں مربوط جیسے نورِ نگاہ آنکھوں سے

ہے تعدّی یہ خوش نگاہوں کی کرتے ہیں دل میں راہ آنکھوں سے

اس طرف دیکھیے دکھاؤں میں ہیں مرے دو گواہ آنکھوں سے

کس کو آتا ہے خوش کہ وہ دیکھے بن ترے سال و ماہ آنکھوں سے

پر مشیت سے کچھ نہیں چارا[2] دور ہووے وہ ماہ آنکھوں سے

خانہ جنگی ہے یاں تو پل پل عشقؔ
کیوں کے ہووے نباہ آنکھوں سے

۸۸۹

کام نکلا ہے زور آنکھوں سے ہم نے پکڑا ہے چور آنکھوں سے

پیرہن مثلِ لالہ سرخ نہیں یہ تو ہے شور بور آنکھوں سے

نمک آباد ہو گیا ہے دل اشک گرتے ہیں شور آنکھوں سے

دیکھیں کس طور حُسنِ خوباں کو شیخ صاحب ہیں کور آنکھوں سے

اس توقع پر عشقؔ مرنا ہے
دیکھے جو آ کے گور آنکھوں سے

+ غزل نمبر ۸۸۸ اور نمبر ۸۸۹ رشؔ میں نہیں ہے۔ ۱ شکوہ ۔ ۲ چارہ ۔

۸۹۰

روز و شب اس طرح سے ہم روتے — یہ دُرِ بے بہا عبث کھوتے
تجھ سے جو آشنا نہ ہم ہوتے[1] — کاہے کو ہنستے کاہے کو روتے
تو جو کہتا ہے[2] دل کو مفت نہ کھو — ایسے ہوتے تو ایسے کیوں ہوتے
خوابِ آرام ہووے تم کو نصیب — دل نہ لگتا تو ہم بھی اب سوتے
شست و شو پیرہن کی کرتے کیوں — دل کے داغوں کو اپنے ہم دھوتے

عقلؔ ہوتی اگر، یہ تخمِ اشک
جیب و دامن میں عشق ہم بوتے

۸۹۱

کیا پوچھتے ہو ہم سے کس بن نہیں گذرتی — تم خوب جانتے ہو جس بن نہیں گذرتی
کہنے کی باتیں سو ہیں تحقیق سے جو دیکھو — انسان کی جہاں میں جس بن نہیں گذرتی

عیش و نشاطِ دنیا بن عشق کیا بلا ہے
اللہ جانتا ہے اس بن نہیں گذرتی

۸۹۲

کوچے میں ترے یار، تنگ ہے ظلم کی طغیانی — کفار بھی کہتے ہیں یہ رنگ و مسلمانی
کس طور بھلا صحبت نا آپس میں موافق ہو — ہم زانوئے آئینہ ہیں ہوں مری حیرانی
تحقیق یہ دل کی ہے ٹک تم بھی اسے سمجھو — اللہ تو باقی ہے اور جتنے ہیں سب فانی
دنیا کی تمنائیں رکھنا ہے عبث دل میں — بالفرض وہ حاصل ہوں آخر ہے پشیمانی
کب تک کروں ہاں ہاں (ہیں) بر دل ہے تنگ آیا — مشہور مثل یہ ہے یک ناہ، صد آسانی

---

[1] ۵ میں یہ شعر نہیں ہے۔ [2] ۷ تم جو کہتے ہو۔

ہر وقت نظر تیری اس سمت جو پڑتی ہے منظور ہے کچھ شاید یہ رمز تو پہچانی

ہرگز نہ کبھو چھوڑے خوباں کی محبت کو
جو عشق سے کہتی ہے، ہے عقل یہ دیوانی

۸۹۳

ہم چشم نہ ہووے ابر ہم سے ہے آگ برستی چشمِ نم سے
رونے سے بجھی نہ آگ دل کی جوں سنگ رفیق ہے عدم سے
محراب سے نہ سر پھوڑے اپنا جس سر کو ہو ربط اس قدم سے
سوگند کا اعتبار اُٹھا کھائے ترے ہر گھڑی قسم سے
گردش تری چشم کی ہے کافی کیا کام ہے دل کو جامِ جم سے
یہ ہم سے نہ ہو گا یار میرے فریاد کریں ترے ستم سے
دل چشم و جگر حواس سارے وابستہ یہ سب ہیں تیرے دم سے
جوں مردمِ چشم ہوں بہ معنی صورت میں اگرچہ کم ہوں کم سے

جل جائے فلک تو کیا عجب ہے
اُٹھتے ہیں بھبھو کے عشق غم سے

۸۹۴

چھوڑو جو ملنا غیر سے تو ہم سے ہاں رہے جب تم نے دخل اس کو دیا ہم کہاں رہے
لوحِ مزار بادہ[1] سرِ تاجدار ہو مانندِ گل عزیز رہے ہم جہاں رہے
بہبود اپنی چاہو تو ہم سے ملا کرو نوعِ دگر ہے ورنہ یہ خاطر نشاں رہے
کس راہ سے کہاں سے یہ آیا خیالِ یار گو گرد دل کے مثلِ نفس پاسباں رہے
نالے نے مجھ سے ہاتھ اُٹھایا نہ مثلِ نَے کٹوائے بند بند تو شور و فغاں رہے

---

[1] الٹ ہوکر۔

انداز گفتگو کو نہ سمجھا مرے وہ شوخ — مانندِ سایہ پیچھے پھرے ہم زباں رہے

[1] بے عکس آئینہ نہیں ممکن نظر پڑے — تم سامنے نہ ہو تو میاں ہم کہاں رہے

دشتِ عدم کی سیر تو کی اتنی ہم نے عشق
تھک تھک کے آگے پیچھے یقیں و گماں رہے

۸۹۵

خونِ دل کرتی ہے ضایع چشمِ تر کس کے لئے — جو [2] کچھ ہے اپنے لئے اے بے خبر کس کے لئے

جب خودی جاتی رہی نفع و ضرر یکساں [3] ہے — پھر تردد کس لئے اور دردِ سر کس کے لئے

دل تو پہلے رو نمائی میں خوشی ہو ہو دیا — شکر کر خاموش رہ یہ شور و شر کس کے لئے

چشم و ابرو اُس کی تیرے دونوں مہماں ہیں عزیز — پیش کش دل کس کی ہے اور ہے جگر کس کے لئے

دعویٰ ہم چشمی مجھ سے یار رکھتے ہیں عبث — مجھ سوا بارے کہو لختِ جگر کس کے لئے

بے نیازی دیکھ اُس کی خودکشی پر دُھن بندھی — جمع کیجے زور و زاری سیم و زر کس کے لئے

اس زمانے میں ہنرمندی سراسر عیب ہے — کوئی جو پیدا کرے بارے ہنر کس کے لئے

جب تلک ہے زندگی خوف و رجا ہمراہ ہے — جان سے جب ہاتھ دھوئے پھر ڈر کس کے لئے

سرکشی دشمن طلب ہے خاکساری ہے عزیز — عقل ہے تو در [4] گذر یہ کرّ و فر کس کے لئے

مہر و الفت کی طلب ہے یا جفا و جور کی — صید کرنا ہے مجھے اے حفت بر کس کے لئے

عشق اُس شہباز کا نام و نشاں کچھ مجھ سے کہہ
جمع کر رکھے ہیں تو نے مشتِ پر کس کے لئے

۸۹۶

بلبل و گل کی طرح دلدار ہنستے بولتے — عمر گذری میری تیری یار ہنستے بولتے

---

۱ کے بے عکس آئینہ میں نظر آئے کیا ظہور۔ ۲ ک ہے جو کچھ۔ ۳ ک ہوا۔ ۴ گزر۔

عیش و عشرت ہے اگر منظور دو پیالے تو پی — جام و مینا سے نہ ہو بیزار ہنستے بولتے

برق سے کچھ کم نہیں اس کی ہنسی ٹک چل کے دیکھ — جان دیتا ہے تو دے بیمار ہنستے بولتے

بہ ترشّح روئے تری کرتی ہے دل عالم کا تنگ — تجھ کو بھی دیکھیں کبھی عیّار ہنستے بولتے

ہنس کے بولے تو اگر سو جانِ مردہ زندہ ہوں — دور کر اس کا بھی پھر آزار ہنستے بولتے

ہنس کے تو بولے اگر تصویر سے گویا ہو وہ — میری حیرت کو بھی کھو غمخوار ہنستے بولتے

صورتِ زخمِ نگیں ہنس ہنس کے کہتے ہیں کہ عشق
نام (کا)[1] ہے اُس کے یاں تکرار ہنستے بولتے

۸۹۷

گو آپ کو خاکسار بھولے — پر تجھ کو نہ میرے یار بھولے

تیری گلی ہوتی[2] ہے فراموش — گو راہ ہمیں[3] ہزار بھولے

بندوں کے عوض گرہ دے دل میں — آپس کے جو تھے قرار بھولے

جوں خار کھٹکتے ہیں جگر میں — گو غنچہ و گل ہزار بھولے

کچھ حاصلِ دوستی نہ پوچھو[4] — یہ بس ہے کہ ننگ و عار بھولے

تھے جانتے تم کو، آشنا ہو — اب سمجھے کہ اصل کار بھولے

بھولے کوئی کیوں کے[5] عشق تجھ کو
گو صورتِ روزگار بھولے

۸۹۸

نورِ نظر سے چشم کو کیوں کر چھپائیے — اُس سے جو دل اُٹھائیے کس سے لگائیے

مخفی نہیں ہے تم پہ[6] جو کچھ میرے دل میں ہے — پھر اپنے دل کا بھید ہمیں بھی بتائیے

---

۱ کی۔ ۲ ک کوچہ تراکب ہوا۔ ۳ ک رستے ہیں گو۔ ۴ ک پوچھ۔ ۵ ک عشق ایسے۔ ۶ ک سے۔

آنکھوں میں نور، دل میں خیال اور تن میں جاں[1] انصاف کیجے ایسے کو کیوں کر بھلائیے
روزِ فراق عمر کی گنتی میں ہے کہاں جب تک تجھے نہ دیکھئے تو مر نہ جائیے
کیا فائدہ جو اُس سے ملاقات ہی نہ ہو بالفرض مثلِ خضر اگر عمر پائیے
ہنستے ہیں میرے زخم نصیحت کے بخیہ پر بے فائدہ ہے جو اکھیں پھر پھر سلائیے
یا ہاتھ اُٹھاؤں جان سے یا اُس سے عشق میں
اُس سے تو کیوں کے اُٹھ سکے جی سے اُٹھائیے

۸۹۹

تری خلوت سرا وہ ہے کہ ذنگل جس سے بہتر ہے بنام ایزد یہ وہ گھر ہے کہ جنگل جس سے بہتر ہے
فریب اور مکر کو خوباں کے کیا تجھ سے بیاں کیجے اُنھوں کی راستی وہ ہے کہ چھلبل جس سے بہتر ہے
کہاں تک ہیمۂ تر کو بھلا بیچے گا تو زاہد تری حلوا فروشی وہ ہے دلدل جس سے بہتر ہے
زباں اغیار کی دل پر چھری شہد و شکر کی ہے لگا تا ہوں اُسے میں منہ ہلاہل جس سے بہتر ہے
چمر توحیدی عالم کے تئیں مشرک بناتے ہیں وہ بینائی یہ رکھتے ہیں کہ احول جس سے بہتر ہے
پڑے جو ہاتھ میں میوہ فروشوں کے نہیں اچھا یہ وہ سیبِ زنخ ہے یا رو حنظل جس سے بہتر ہے
مسقف آئینہ خانے میں اُلٹا عکس پڑتا ہے
یہ رتبہ ہے جہاں کا عشق اسفل جس سے بہتر ہے

۹۰۰

قتل جو منظور ہے کیا دیر ہے زندگی سے دل مرا بھی سیر ہے
دل کا سودا زلف سے کیوں کر بنے سر بسر سرکار میں اندھیر ہے
پر فرشتوں کے جو یاں جلنے لگے کیا کسو دل سوختہ کا ڈھیر ہے

---

[1] آنکھوں کا نور دل کی تسلی، صفائے جاں۔

۹۰۰

اس قلمرو میں کوئی سرکش نہیں — جو زبر ہے تیرے آگے زیر ہے
یہ سمندر اُس کے دامن کا ہے پاٹ — پھر خدا جانے کہ کتنا گھیر ہے
کچھ زبردستی نہیں چوری نہیں — دل کو لینا ایک ہیک ہتھ پھیر ہے
عشق کے میدان میں آتا ہے وہ
درحقیقت جو جہاں میں شیر ہے

۹۰۱

آنسو بھی چلتے چلتے ان آنکھوں سے تھم چلے — تم آتے ہو تو آؤ[1] نہیں یار ہم چلے
مت پوچھ ہمارے جانے کو کوچے سے اپنے تو — اک آن بیٹھ رو لئے پھر ایک دم چلے
یہ بدنصیبی اپنی کہ اس سیرِ باغ میں — تو ساتھ میرے اب نہ چلے اور غم چلے
معلوم ہو جہان کو تب خاکیوں کی دُھن — پیچھے کو آسماں چلے آگے قدم چلے
اے عشق عشق اور ہے اور عشق بازی اور
اس راہِ عاشقی میں کوئی اور کم چلے

۹۰۲

سو سو طمانچے کھاوے پر اُس سے دوستی ہے — بے چارہ دل نہیں ہے کاغذ کا پوستی ہے
دانتوں کو دیکھ تیرے ہیرا ہوا ہے پتھر — سیپی بھی ان کے آگے دانت اب نکوستی ہے
یہ عمر میری مجھ سے ناخوش ہوئی ہے اتنی
دن رات پانی پی پی اے عشق کوستی ہے

۹۰۳

نہیں ہے تیری فرقت سے جگر کا دل اگر[2] پانی — کہاں سے رات دن لاتی ہے بھر بھر[3] چشم تر پانی

ا؎ آنا ہو تم کو آؤ بھی اب ورنہ ہم چلے۔ ۲؎ اگر دل کا جگر۔ ۳؎ پھر یہ۔

۹۰۳

نہیں آنسو یہ دو دریا مری آنکھوں سے بہتے ہیں[1] — کہاں جاؤں کدھر بیٹھوں اِدھر پانی اُدھر پانی

کلیجا آئینہ کا[2] دیکھ تجھ کو آب ہوتا ہے — تعجب کیا ہے جو ہووے[3] ہمارا بھی جگر پانی

یہ لختِ دل ہمارے اشک کے ہمراہ[4] بہتے ہیں — کیا ہے بے تکلف ہم نے اپنا نامہ بر پانی

نہ رووے چشم اتنا خیریت اپنی جو چاہے تو — سخن ہے واقعی کرتا ہے زخمی کو ضرر پانی

شعور و حُسن ہیں دونوں خدا داد اُس پری رو کے — دگرنہ سخت ہی دشوار ہے رمزِ نظر پانی

شرارے دل کے ہیں میرے نہیں قطرے یہ آنسو کے
کئے ہیں عشق نے کس کس جتن سے یہ شرر پانی

۹۰۴

دل کھول مہربانی سے وہ بدگماں ملے — ایسے نصیب آہ ہمیں ہیں کہاں ملے

یاں واں یہ دیر و کعبہ پہ موقوف کچھ نہیں — مردے[5] کو جان[6] پیاسے کو پانی جہاں ملے

رو رو کے مانگتا تھا اُسی کو خدا سے میں — سو بدلے اُس کے آہ یہ شور و فغاں ملے

سرمہ کروں میں دیدۂ پُر اشتیاق کا — اُس نقشِ پا کا مجھ کو اگرچہ نشاں ملے

عاشق پہ تیرے تنگ نہ ہووے فضائے عشق
بالفرض تنگِ دل ہو زمیں آسماں ملے

۹۰۵

ساقی مت کہہ کہ جام آخر ہے — مے پرستوں کا کام آخر ہے

رو رو[7] آنکھیں یہ دل سے کہتی ہیں — ہم سے[8] بھی تم کو کام آخر ہے

شانہ گستاخ مت ہو زلفوں سے — پیشِ پا دیکھ دام آخر ہے

سیر جو آن ہو غنیمت جان — دمبدم ازدحام آخر ہے

---

۱ ک، دفورِ موجِ غم نے اب تو وہ دریا بہایا ہے۔ ۲ ک، کلیجہ آئینے کا۔ ۳ ک، جو ہو جائے۔ ۴ ن، جو اپنی۔
۵ ل، مردہ۔ ۶ ل، بان، غلط ہے۔ ۷ ک، آنکھیں رو رو کے۔ ۸ ک، اب ہمارا بھی کام آخر ہے۔

آرزو کے بیاں سے فائدہ کیا　　جب تک آؤ غلام آخر ہے
قاصد اُس بے وفا سے یہ کہیو　　یہ ہمارا پیام آخر ہے
زخمیٔ عشق کوئی جیتا ہے　　دیکھیو صبح، شام آخر ہے
عشق رسوائی[1] اتنی خوب نہیں
ننگ آخر ہے نام آخر ہے

۹۰۶

عشق کی نذر تو جوانی کی　　ہم نے بھی بارے زندگانی کی
یعنی میں بھی غریقِ رحمت ہوں　　چشم رو رو کے پانی پانی کی
دیکھ زخمِ جگر کو قتل کیا　　مرحبا خوب مہربانی کی
چھوڑ آزادگی کو قید ہوا　　بادشاہت سے پاسبانی کی
اُس سے آنکھیں ملا کے کچھ نہ کہا　　آپ سے آپ بدگمانی کی
دیکھ مستی تری فلک نے بھی　　کفنی اپنی آسمانی کی
حرفِ مطلب کبھو نہ اُن نے سنا
عشق ہر چند قصّہ خوانی ہے

۹۰۷

جب آیا ناز سے گلشن میں بن کے　　لئے ہے لتّے خوبانِ چمن کے
نہیں یہ قول کے چھلّے کے باندھے　　گرفتار اپنے ہیں سلاجے بچن کے
مرے آنسو ہیں یا موتی کے دانے　　تمہارے ہاتھ کے سُمرن کے من کے
تفاوت اس میں ذرّا بھی نہ پایا　　نہ ہوں قربان ہم اپنے سخن کے
لگے ایسے چمن کو آگ گلچیں　　جو کام آوے نہ بلبل کے کفن کے

---

[1] اک اتنی رسوائی۔

بھلا کیوں کر نہ ٹکراویں وہ ہم سے — جو ہیں مغرور اپنے بانکپن کے
نہیں ہیں جو گرفتارِ محبّت
وہی ہیں عشق قیدی ما و من کے

۹۰۸

کیسی ہے دل میں آتش آنکھوں میں آب کیا ہے — بے چیز[1] تو نہیں ہے یہ آب و تاب کیا ہے
تازندگی[2] تو مجھ سے محجوب ہی رہے تم — مہماں ہوں کوئی دم کا اتنا حجاب کیا ہے
اطوار[3] دیکھ تیرے کچھ کچھ تو ہوں سمجھتا — تجھ کو قسم ہے سچ کہہ یہ اضطراب کیا ہے
پھرتا ہے خوار و خستہ بے ننگ و عار در در — خانہ خراب کیا ہے خانہ خراب کیا ہے
پیری کی صبح چمکی چھپ گئی[4] شبِ جوانی
اے عشق جاگ اب تو اتنی[5] بھی خواب کیا ہے

۹۰۹

شمعِ نیرنگی پہ گرچہ پردۂ فانوس ہے — پر بہ پر پروانہ جو جلنا ہے سو طاؤس ہے
چشم میں خوں، دل میں آتش، کفِ کفِ افسوس ہے — کیا کہوں کیسی بلا سے آہ دل مانوس ہے
پردہ داری ماہ رو معیوب ہے خورشید کو — کرمکِ شب تاب کے جلوہ کے تئیں فانوس ہے
میکدہ[6] میں عشق کے رسوائی ہی منظور ہے — ننگ کس گنتی میں ہے محسوب کب ناموس ہے
بتکدے میں جا کے رہ اے صرصرِ شور و فغاں — ہے دلِ نالاں بغل میں تیرے یا ناقوس ہے
ایک دن پوچھا کسی آگاہ سے غافل نے یہ — کیا تفکر ہے جو غمگیں اور تو مایوس ہے
عارضِ تن کوئی بیماری مگر مہلک ہوئی — جس کی تدبیرات میں جو روز و شب مجبوس ہے
ہیں فلاطونِ زمانہ ماہرِ قانونِ نبض — حاوی اُن کے آگے ہے یا طبِ جالینوس ہے

---

[1] کے تو بے خبر۔ [2] کے تا زندگی تو میرے محجوب ہی رہے تم۔ [3] کے اطوار تیرے لے دل میں بھی ہوں کچھ سمجھتا۔ [4] کے کم ہے۔ [5] کے اتنا، درست ہے۔ [6] ن ۵ میکدے۔

۹۰۹

دولتِ دنیا اگر منظور ہو تو کم نہیں
جونسی شے چاہیئے گھر میں ترے محسوس ہے

کچھ جواہر کی کمی ہے یا خزاین کی کمی
رشکِ شاہاں خاص وخاص الخاص یہ ملبوس ہے

چاہتا ہے نازنینوں کو تو وہ موجود ہیں
جس طرف کو آنکھ اُٹھاوے جلوۂ طاؤس ہے

گر پری پر میل رکھتا ہے تو وہ اظہار کر
بندگی میں میری حاضر شاہ یکتا لوس ہے

مطربوں کی قسم اگر چاہے تو ہیں اس فن کے لوگ
کوئی قرم ساق یاں ہے کوئی یاں دیوس ہے

ہے شراب و مزہ حاضر ٹک انھوں کو منہ لگا
جامِ جمشیدی پیا جب جشنِ کیکاؤس ہے

لے مئے گلگوں کے پیالے تر دماغی کر حصول
پھر نشے میں دیکھ تو دل کس طرف مانوس ہے

تب کہا بھر آہ اُن نے یہ نفس جو تن میں ہے
طبلِ رحلت کا کہوں یا مرگ کا جاسوس ہے

زندگی جب اتنی ہی ٹھہری بھلا کیا کیا کہوں
جو جو تو کہتا گیا اُس سب سے یہ معکوس ہے

روم کے اور چین کے معشوق تجھ کو ہوں نصیب
حق تعالیٰ بلکہ دے جو جو جسے مانوس ہے

جب اجل سر پر کھڑی ہو تب کہاں دل کی خوشی
تو نہ سمجھا اس قدر افسوس ہے افسوس ہے

میکدے میں عشق کے رکھ کر گرو تو مے کو پی
یا قبا کو پھینک دے یہ خرقۂ سالوس ہے

۹۱۰

نے صورت امید ہے نہ شکلِ یاس ہے
کچھ خود بخود ہی آج مرا دل اُداس ہے

مثلِ نسیم خوش نہ ہوں گلشن کی سیر میں
جو جو کلی شگفتہ ہوئی تیری باس ہے

جوں نورِ چشم چشم سے میری جدا نہ ہو
خدمت میں تیری مجھ کو یہی التماس ہے

وحشت زدہ غزال مرا رام ہو نہ ہو
پرکار کی مثال یہ دل آس پاس ہے

احوالِ عشق و عاشقی کچھ مجھ سے تو نہ پوچھ
کچھ ان دنوں میں دل ہی مرا بے حواس ہے

---

۱ ل۶ رشک شاہاں تیرا خاص الخاص یہ ملبوس ہے۔ ۲ ل۶ اظہار کر۔ ۳ قرمساق۔
۴ د۲ ن۳ ن۴ ر۵ ل۶ کروں۔ ۵ ک لے۔

جوں شمع سوزِ دل ہی مرا مجھ کو راس ہے
جب تک ہے آگ جب تلک ہے زندگی مری

کذب و غلط کو دخل نہ ہو اُس کی فہم میں
اپنے سخن کا عشق جسے کچھ بھی پاس ہے

۹۱۱

چھپ گیا مہر ہے شفق باقی
اب بھی آ جا کہ ہے رمق باقی

جسم تو منفعل ہو گھل ہی گیا
ہے نشاں اُس کے سے عرق باقی

عمر گذری[1] کہ جی ہوا یہ ہوا
پر رہا جسم میں قلق باقی

تختۂ مشق کو دکاں ہے تو
تن کا جب تک کہ ہے ورق باقی

سر بھی قاتل کو گو کہ ہم نے دیا[2]
رہا گردن پہ تو بھی حق باقی

نیست ہے یہ جہان و اہلِ جہاں
سبھی فانی ہیں اور حق باقی

نسخۂ[3] زندگی تمام ہوا
رہ گیا عشق کا سبق باقی

۹۱۲

آہ خورشید چھپا اُس سے شفق باقی ہے
پیش ازیں کچھ نہ ہوا اب تو رمق باقی ہے

شمع کے طور خدا و ند کسو کو نہ جلا
گل چمن سے جو گیا اُس سے عرق باقی ہے

رکھوں اُمید انھوں سے تو ندامت ہو کسے
یہ تو سب فانی نظر آتے ہیں حق باقی ہے

کوہکن وامق و مجنوں نہ رہے گو، نہ رہو
دل کے اقلیم میں اب تک وہ نسق باقی ہے

حالِ عاشق کو ترے سب سے جُدا پاتے ہیں
جان کا جائے نشیں اس میں قلق باقی ہے

وصل اور فصل کے مضموں سے نہ ہووے گا جدا
نسخۂ ہستی میں جو ایک ورق باقی ہے

---

[1] گزری۔ [2] کہ گو دیا ہم نے۔ [3] دفتر۔

صفحۂ زیست پہ تقدیر نے کھینچا خطِ مرگ
نکتۂ عشق کا افسوس سبق باقی ہے

۹۱۳

شادی و غم جان پر یکسان ہے — غنچۂ دل سینہ میں پیکان ہے
کس طرح سے پایئے اُس کا سراغ — پوچھتے ہیں جس سے سو انجان ہے
لہر میں اُس کے تو عالم بہ گیا — اشک ہے یا تودۂ طوفان ہے
روبرو ہووے تو جانے اُس کی قدر — آئینہ سا سنگِ دل حیران ہے
ڈھونڈتا پھرتا ہے اُس کو کس طرف — دل میں تیرے ہے اگر پہچان ہے
ان دلوں میں سر ہوئے ہیں کچھ بلند — قتل کا میرے مگر ارمان ہے
کہنے لاگا تو تو کس گنتی میں ہے — ایک عالم بندۂ فرمان ہے
تب کہا اُس سے نہ ارجیں اتنی لو — ہم بھی سمجھے "نان کا جو جان ہے

عشق کی تعریف تو مجھ سے نہ پوچھ
قبلۂ حاجات ہی ایمان ہے

۹۱۴

عشق کو کیا عیش و عشرت چاہیئے — نالہ و فریاد و رقت چاہیئے
مملکت لینا تو کچھ مشکل نہیں — چھوڑنے کو اُس کے ہمت چاہیئے
راگ سننے میں فقط ہے کیا مزا — دل میں بھی اپنے حلاوت چاہیئے
خاکساری خاکیوں سے ہے ضرور — اہلِ دنیا سے تو نفرت چاہیئے
دردِ دل سے سانس لے سکتے نہیں — بات کے کہنے کو فرصت چاہیئے
عقل سے ہے سربسر یہ تو بعید — بے مروت سے مروت چاہیئے
صرف ہے کس کام کا روزہ نماز — حق پرستی کو محبت چاہیئے

دشمنی کو دشمنی سے ربط ہے — دوستی کو بھی تو بابت چاہیئے
گو زباں شیریں تمہاری سب سے ہے — اس طرف کو بھی اشارت چاہیئے
زندگی میں مانگتا تو چڑ رہا — اب اجل سے اتنی مہلت چاہیئے
مرتے مرتے چھوڑ دیجے وضع کو — ایسی باتوں سے ندامت چاہیئے
جس طرح ہووے بنا ہو اپنی بات — بلکہ اوروں کو وصیت چاہیئے

آہ و نالہ عشق کا موزوں ہوا
شعر کہنے کو مہارت چاہیئے

۹۱۵

آنکھیں چراویں کیوں نہ ہم دیر اور حرم سے — اپنے کو آپ پایا ہم اٹھ گئے جو ہم سے
غم لے کے جی کو میرے اُس کے مکاں میں بیٹھا — کایا پلٹ ہوا ہے یہ جان تیرے غم سے
دو دن کی زندگی میں تو سیرِ عشق کر لے — جاویں گے پھر عدم کو آئے جو ہیں عدم سے
جڑ بیخ زندگی کی مدت سے کاٹ ڈالی — گویا ہوے ہیں جوں نے دمساز تیرے دم سے
اس کفر و کافری سے اللہ ہی چھڑاوے — رہتے ہیں گو حرم میں مشغول ہیں صنم سے
سچ بھی قسم جو کھاوے کہتے ہیں اُس کو جھوٹا — میری قسم کو مانو کھاؤ قسم، قسم سے

جلنے پہ دل کے اُن نے آنسو نہ ایک ڈالا
کیا کیا توقعیں تھیں اے عشق چشم نم سے

۹۱۶

زلف و رخ پر ترے جو دل لے[1] نظر باندھی ہے — چشم بد دور عجب شام و سحر باندھی ہے
تیغِ ابرو کی اشارت سے ڈراتے ہو عبث — داغ کی ہم نے بھی سینہ پہ سپر باندھی ہے
سرخرو کون ہوا اور کس کو خجالت ہو نصیب — کہتے ہیں اُن نے کمر توڑِ دگر باندھی ہے

---

[1] ایک دل نے جو۔

شعلۂ شمع سوا سوجھے نہ پروانے کو
سحر سے اُن نے نظر اُس کی کمر باندھی ہے

تجھ کو دکھلاؤں نہ جب تک مجھے وہ چین نہ دے
دلِ آفت زدہ نے مجھ پہ یہ کمر باندھی ہے

رستم وزال کے قصے کو بیاں مجھ سے نہ کر
جب کمر باندھی ہے بےخوف وخطر باندھی ہے

اُن نے خورشید کے چہرہ پہ سپر رکھی ہے
شعلۂ حُسن سے عالم کی نظر باندھی ہے

آخرالامر گرفتارِ محبت ہو گئے
حسن اور عشق کی گانٹھ اُن نے اگر باندھی ہے

حق نے آساں ہی کیا فضل وکرم سے اپنے
عشق نے جون سی مشکل پہ کمر باندھی ہے

۹۱۷

وصل کی رات مجھ کو یاد آئی
وہ ملاقات مجھ کو یاد آئی

یاد میں جس کی دین و دل کھویا
پھر وہ ہیہات مجھ کو یاد آئی

رات کی رات کہتے کہتے رہ جا
پھر وہ برسات مجھ کو یاد آئی

ایک ہیں ایک عاشق و معشوق
سچی یہ بات مجھ کو یاد آئی

تیرے تیور اُداس جو دیکھے
وہ مدارات مجھ کو یاد آئی

بات پر بات ہے نکلتی[1] یار
اس پہ یہ[2] بات مجھ کو یاد آئی

صاف اس رمز کو کہے کیا عشق
جھڑکی اور لات مجھ کو یاد آئی

۹۱۸

جب سے کہ عشق عشق کی ہستی نظر پڑی
ویرانگی جہان کی بستی نظر پڑی

معراج میں حدف ہو تنزل میں پائمال
آفاق کی بلندی و پستی نظر پڑی

---

[1] نکلی آتی ہے۔ [2] چھیڑ سے۔

کوچے کی تیرے خاک بکے جان و دل کے مول — کیوں کر نہ لیوے کوئی جو سستی نظر پڑی
مشہور ہے کہ کالی گھٹا دیکھنے کی ہے — زلفِ صنم کہیں کبھی برستی نظر پڑی
جاہ و جلال و شوکتِ الفت اگرچہ ہے — سر اپنا پا تو اُس کے پہ گھستی نظر پڑی
وہ چشمِ خوں فشاں کہ تھی آئینۂ جہاں — دیدار کو وہ روتی ترستی نظر پڑی

بدمست ہو چلے اُس لبِ میگوں کو چوم عشق
یہ اختری کی بادہ پرستی نظر پڑی

۹۱۹

مثلِ خورشید نور اپنا ہے — ہر مکاں میں ظہور اپنا ہے
بات کو تو خودی کی غیر سے پوچھ — بے خودی میں حضور اپنا ہے
ذات و آثار میں ہے فرق تمام — پہلا زینہ ہی طور اپنا ہے
ذاتِ حق تک کہاں پہنچتا ہے — فہم گو دور دور اپنا ہے

کفر اتنا ہی تجھ میں باقی ہے
عشق جتنا شعور اپنا ہے

۹۲۰

جن نے یہ بھیکھ بنایا ہے — آپ ہی اس میں چھپ کے آیا ہے
اپنی تصویر آپ کھینچی ہے — آپ کو آپ میں چھپایا ہے
عدمِ صرف کو دیا ہے وجود — خوابِ معدوم سے جگایا ہے
جو دوئی ہوتی تو نہ چھپتی بات — جن نے پایا ہے اُن نے پایا ہے
اُس کے معنی کو عشق غور تو کر — بے نشانی نشاں بنایا ہے

---

۱ یہ شعر غالباً مقطع ہے۔

ضد سے ضد روشنی پکڑتی ہے — ہے وہ خورشید خلق سایا ہے

تجھ میں سب کچھ ہے تو ہے سب کچھ میں — تو نے کیوں آپ کو بھلایا ہے

اختلافِ شیون ظاہر ہے — ذاتِ وصفی نے غل مچایا ہے

آنکھ کو اپنی کھول آپ کو دیکھ
جن نے ڈھونڈا ہے اُن نے پایا ہے

۹۲۱

دل میں دیکھا تو یار پیدا ہے — آئینہ میں بہار پیدا ہے

دل کی حالت خدا سمجھتا ہے — چشم میں[1] انتظار پیدا ہے

کچھ تو ہوتا ہے کچھ نہیں ہوتا — جبر اور اختیار پیدا ہے

چھپ سکے ہے کوئی چھپائے سے — راستی کا شعار پیدا ہے

مے خوری ہم سے کیوں چھپاتے ہو — آنکھوں میں[2] تو خمار پیدا ہے

دونوں کے دل کی اب خدا جانے — گل و بلبل ہزار پیدا ہے

دل کے ناسور کی نہ پوچھ تو عشق
دیدۂ اشکبار پیدا ہے

۹۲۲

نشۂ عشق کے سرشار ہیں کیسے، ایسے — دیکھے ہوں گے نہ کبھو مستئ مے سے، ایسے

لعلِ جاں بخش کا بوسہ ہے دیت عاشق کی — اس کے بدلے ہمیں دکھلاتے ہو پیسے، ایسے

تم سوا تم سے کسو چیز کا طالب ہی نہیں — جان اور بوجھ کے بہلاتے ہو شئے سے، ایسے

داغِ طاؤس نہیں جو پھریں بکتے گھر گھر — گل ہیں سینہ کے مرے دیکھ تو کیسے، ایسے

جان و دل دینے میں کچھ ہم نے مگر کی ہے کمی — قصے جو کہتے ہو تم حاتم طے سے، ایسے

۱، ۲ ک آنکھ سے۔

۹۲۲

ہاو ہو اُس کے مگر کان میں پہنچی ہی نہیں
کس کو دیکھاتے ہو مجنون کو جی سے، ایسے

جان کو بات پر اپنی جو فدا کر ڈالیں
غور کر عشق نہیں ملنے کے ایسے، ایسے

۹۲۳

کہوں میں کیا تجھے دلخواہ دل کی دل میں رہی
نہ نکلی آہ بھی ناگاہ دل کی دل میں رہی

ہمیشہ خوف رہا بد دماغی کا تیری
میں جانوں یا مرا اللہ دل کی دل میں رہی

حضور تیرے پہنچتا تو حال کچھ کہتا
نہ پائی اتنی کبھی میں راہ دل کی دل میں رہی

نہ ایک دن بھی محبت سے پاس آ بیٹھے
یہ آرزو ہوئی جانکاہ دل کی دل میں رہی

چھپی ہی دل میں رہی مثلِ سنگ آتشِ عشق
نہ شعلہ زن ہوئی یہ چاہ دل کی دل میں رہی

۹۲۴

بے فائدہ کرتے ہو یہ مذکور کسو کے
محکوم کہیں ہوتے ہیں مغرور کسو کے

دیکھ آنکھ سے یعقوب و زلیخا کی تو حالت
بے نور کسو کے ہوئے پر نور کسو کے

آلودہ زہر آب تھے وہ تیر پلک کے
اچھے نہیں ہونے کے یہ ناسور کسو کے

شاپور کی تدبیر تو کچھ کام نہ آئی
نزدیک کسو کے ہوئے اور دور کسو کے

اُستاد زمانے کے تھے ہم کوہکنی میں
سو عشق کی دولت ہوئے مزدور کسو کے

۹۲۵

کیوں بسمل اتنا تجھ کو وہ قاتل عزیز ہے
دل کی مرے نہ پوچھ وہ ہر دل عزیز ہے

کسبِ معاش و بے ہنری سخت ہے خراب
دنیا میں خوب دیکھا تو کامل عزیز ہے

یاقوت کے وہ تختِ مرصع کو کیا کرے
دہلیز و در کی نیرے جیسے سل عزیز ہے

عاشق کی چشم میں وہ نہیں مردمک سے کم
چشم زمانہ مجھ کو ترا تل عزیز ہے

گو زخم داغ دیکھنے میں بدنما تو ہیں
پر اُن کے سوز و درد کا حاصل عزیز ہے

تیرے ہی دل میں قدر اگرچہ نہ ہو نہ ہو
جس دل سے چاہے پوچھ لے مائل عزیز ہے

عاشق کی بات عشق زمانے سے ہے جدا
جانِ عزیز[1] اپنی سے قاتل عزیز ہے

۹۲۶

یا قتل کیجے یا ہمیں آزاد کیجئے
کچھ بھی ہمارے حق میں تو ارشاد کیجئے

حاکم کہاں سے لائیے انصاف جو کرے
کس پاس تیرے ہاتھ سے فریاد کیجئے

انصاف سے بعید ہے روپوشی ہم سے آہ
رو رو کے کب تلک کہو دل شاد کیجئے

تسکینِ دل ہمارے کو کافی نگاہ ہے
فریاد کو ہماری نہ برباد کیجئے

تا اور کوئی تیری طرف منہ نہ کر سکے
جی تجھ کو اپنا دیجئے جلاد کیجئے

چینِ جبیں تبسمِ لب تیوری چڑھی
جس طرح ہو سکے اسے بہزاد کیجئے

دونوں جہاں سے عشق اُٹھاتا ہے اپنے ہاتھ
اس فنِ عشق میں اُسے اُستاد کیجئے

۹۲۷

چمن میں جس گھڑی وہ سُرخ پوش آتا ہے
گل آگے کہتا ہوا پوش پوش آتا ہے

فلک حباب سا بہتا ہے موجِ ساغر میں
کبھو جو جوشِ محبت میں جوش آتا ہے

دلِ خراب میں مجھ میں مشورت کچھ تھی
جو اضطراب سے بولا خموش[2] آتا ہے

شکستِ شیشۂ دل کی نظر میں آتی ہے
نشہ میں آج جو وہ بادہ نوش آتا ہے

---

[1] اپنی عزیز جان ۔ [2] 'پوش' غلط ہے ۔

خودی کی مستی میں لایعقلی ہے مجھ پہ رواں
نشہ میں بے خودی کے عشق ہوش آتا ہے

۹۲۸

کذب تو ننگ و عار اپنا ہے　　راست بازی شعار اپنا ہے
دور و نزدیک مثلِ آئینہ　　یار تو ہمکنار اپنا ہے
دینے لینے میں دل کے اے ناصح　　تو ہی کہ اختیار اپنا ہے
اپنی مٹی خراب ہوئی ایسی　　جہاں دیکھو غبار اپنا ہے
خارِ دامن عبث تو چُنتا ہے　　جیب بھی تار تار اپنا ہے
اس کو کوچہ میں میرے رہنے دو　　بیکس اور خاکسار اپنا ہے
ہے ازل سے ابد تک ایک پلک
عشق یہ انتظار اپنا ہے

۹۲۹

بلا سے مدعی ہیں مدعا تو اپنا ہے　　جہاں میں کوئی نہیں گو خدا تو اپنا ہے
نہیں ہے پیچ سے خالی اگرچہ عقدۂ زلف　　گرہ کشائی کو فکرِ رسا تو اپنا ہے
نہ منہ دکھاوے مجھے آئینہ بلا سے مری　　مثال دل کی بغل میں صفا تو اپنا ہے
اگرچہ دوست نہیں دلبری و دلداری　　جفا و جور و ستم آشنا تو اپنا ہے
حقیقت اس کی سمجھ نیک و بد یہ نسبت ہے　　بھلا نہیں تو بلا سے بُرا تو اپنا ہے
نصیب میں نہیں گو اپنے سیرِ باغ و بہار　　برنگِ لالہ یہ اب دل جلا تو اپنا ہے
نہیں ہیں عشق کی اتنی شکایتیں بھی خوب
اگرچہ کچھ ہی نہیں وہ گدا تو اپنا ہے

۹۳۰

نہ کہیں آنے کے نہ جانے کے — جو گرفتار ہیں ٹھکانے کے

کعبہ و دیر سے فراغت دے — تیرے قربان آستانے کے

جاں کنی بعدِ روسیاہی ہو — کام ہیں یہ نگیں زمانے کے

آج کل کب تلک کٹے سب عمر — کچھ ٹھکانے بھی ہیں بہانے کے

بر سرِ راہ ہیں مثالِ اشک — منتظر ہیں ترے بلانے کے

دلِ بلبل کباب کیوں کے نہ ہو — جل گئے تنکے آشیانے کے

پھر دوبارہ یہ زندگی بخشی — شکر کیا کیجے تیرے آنے کے

بھر گیا دل سے سینۂ صندوق — ہم بھی مالک ہوئے خزانے کے

بعدِ خط منہ چھپاتے ہو ناحق — اور ہی دن تھے منہ چھپانے کے

دل خراشی ہوئی اُسے منظور — فکر کیا کیجے شاخسانے کے

عا[1]فیت تنگ عشق آئی ہے
داستاں سُن نہ اس فسانے کے

۹۳۱

کیا شکایت کروں زمانے سے — بیکسی آئی دل کے جانے سے

دل میں اور زلف میں جو گذرے[2] ہے — مو بمو سن زبانِ شانے سے

دل دہی بھی کبھی کبھی تو ہو — مر گئے تیرے جان کھانے سے

سر اُٹھاوے[3] اگرچہ تیغ جہا[4]ں — سر نہ اُٹھے اس آستانے سے

گھر گئے مثلِ نقطۂ پرکار
چھٹ گئے عشق آنے جانے سے

---

۱ ل عافیت عشق تنگ آئی ہے۔ ۲ گزرے۔ ۳ ک اُٹھائے۔ ۴ ل جفا۔

۹۳۲

تقدیر سے خلاف تھی تدبیر پھر گئی — یہ سچ ہو یا یہ جھوٹ ہو تقدیر پھر گئی
روشن جہان چشم میں تاریک ہو گیا — جس وقت تیری آنکھوں میں تصویر پھر گئی
دیوانگی کو دیکھ کے ہنسنے لگا وہ شوخ — کچھ ان دنوں میں آہ کی تاثیر پھر گئی
طوفانِ آبدار تھی یا برقِ مرگ تھی — عالم کے سر پہ جو تری شمشیر پھر گئی
عالم میں ہے رواجِ دغابازی یاں تلک — تقریر کی نہ پوچھئے تحریر پھر گئی
دیکھا تھا جیں پہ ابرو تجھے رات خواب میں — اس خواب کی تو قتل پہ تعبیر پھر گئی

برپا کرے گا شورِ قیامت مثالِ عشق
دیوانے کے جو پانو سے زنجیر پھر گئی

۹۳۳

گو کہ کہنے کو جان اپنا ہے — پر ملے وہ گمان اپنا ہے
جس کو فردوس لوگ کہتے ہیں — یہ محمدؐ مکان اپنا ہے
ہاتھ سے اس کے کس طرح چھوٹیں — دردِ دل پاسبان اپنا ہے
جس کو کہتے ہیں خلق دشمنِ جاں — شکر وہ مہربان اپنا ہے
قصۂ قیس و کوہکن جو سنا — وہ تو ادنیٰ بیان اپنا ہے
جز خدا کے جو سمجھوں اس کو غلط — جان اپنا جہان اپنا ہے

شور و دیوانگی و بدمستی
عشق یہ تو نشان اپنا ہے

۹۳۴

تصور سے ترے دل شاد رکھے — خدا اس گھر کے تئیں آباد رکھے
جفا جو سے مری وہ تربیت ہو — جو کوئی ظلم کی بنیاد رکھے

فسانہ اس لئے کہتا ہوں ہر شب اسی تقریب سے وہ یاد رکھّے
گرفتاری محبت کی بجا ہے یہ دنیا سے مجھے آزاد رکھّے

مدرّس ہو وہی دیوانگی میں
جو کوئی عشق سا اُستاد رکھّے

۹۳۵

ہیں ملیشِ دستِ گرچہ[1] گرفتار اور بھی قربان تیرے ایک تو تروار[2] اور بھی
دل سرد، چشم خشک، زباں بے فغان وآہ ہم سے بھی ہوں گے مفلس ونادار اور بھی
جس درد کے علاج میں مرتے ہیں یہ طبیب ہے عشق کے سوا کوئی آزار اور بھی
ہر چند دل جفاؤں سے تیری بہ تنگ ہے کہتا ہوں دل سے دل نہ ہو بیزار اور بھی
دل دینا چکیے پیچھے نہ کرنا پھر اُس کو[3] ذکر کب اس بلا سے زیادہ ہے دشوار اور بھی
اپنا ہوا ہے آپ ہی تو سدِّ راہ دیکھ آگے ترے نہیں کوئی دیوار اور بھی

بیمار تیری چشم کے گو سیکڑوں ہی ہیں
دیکھا ہے کوئی عشق سا بیمار اور بھی

۹۳۶

تا[4] زندگی ہم اپنے دنوں کو تو رو چکے جو دل یہی ہے مر کے بھی بھر نیند سو چکے
رنجہ قدم نہ کیجو مکلّف نہیں ہے وہ اس جاں بلب کے دم جو رہے تھے سو ہو چکے
تدبیر اس کی کیا کہوں ہے مشت بعد جنگ یہ طفل اشک رو رو کے گھر تو ڈبو چکے
جو کچھ بھلا بُرا تھا سو یکساں ہو گیا یعنی یہ چشم نامۂ اعمال دھو چکے

---

[1] اگرچہ۔ [2] تلوار۔ [3] اُس کا، بہتر ہے۔

[4] تا زندگی تو حالِ تباہی پہ رو چکے ٭ ہے دل یہی تو مر کے بھی سُکھ نیند سو چکے

پھل دیکھنے ہوں اُس کے تو جا دیکھ خاک پر[1]
ہم تخم عشق مزرعۂ دل میں تو بو چکے

۹۳۷

تیغ فرقت نے ہم کو مارا ہے
ملئے تو زندگی دوبارا ہے

فدویت کو مری نہ پوچھو تم
کچھ چھپا ہے یہ آشکارا ہے

بن ترے یہ جہان ہے تاریک
تو تو آنکھوں کا میری تارا ہے

خوب حق نے اُسے بنایا ہے
تس پہ وہ شوخ پھر خودآرا ہے

کیوں نہ ساجد ہوں تیغ کے آگے
بوجھ سر کا مرے اُتارا ہے

ہے گوارا مجھے جفا و ستم
ملنا غیروں سے ناگوارا ہے

الاماں سُن فرشتے کہتے ہیں
عشق جب درد سے پکارا ہے

۹۳۸

زندگانی گئی اجل آئی
بے کلی ہی میں مجھ کو کل آئی

بو صبا کی نہیں ہے کچھ بے چیز
زلف سے آپ کو وہ مل آئی

جو مقدّر ہے سو نہیں ٹلتی
آج آئی نہ آئی کل آئی

درد سر اُس کو زندگی تھی مری
جب ہوا قتل اُس کو کل آئی

عشق گو آرزو مناسب ہے
بات میں بات یہ نکل آئی

۹۳۹

آہ دل غم سے مجھے[2] آزاد کیوں کر کیجئے
عشق میں معیوب ہے فریاد کیوں کر کیجئے

۱ک میں۔ ۲ک مجھے۔

نام آتے ہی زباں پر اشک سے دل جل بجھا
تاب و طاقت ہی نہیں ہے یاد کیوں کر کیجئے

وصل میں بیتاب ہو اور ہجر میں روتا رہے
ایسے دیوانے کو کہئے شاد کیوں کر کیجئے

ظلم نے تیرے[1] کیا ہے ملکِ دل کو بے چراغ
کشورِ ویران[2] کو آباد کیوں کر کیجئے

ناتوانی نے خجالت دی ہوئی جو رد باد
ہائے خاطر خوش تری صیاد کیوں کر کیجئے

تو تیائے جان و دل ہے خاک تیرے پاؤں کی
آنکھوں میں رکھئے اُسے برباد کیوں کر کیجئے

چھوڑ کر وہ عشقِ مولا عاشقِ لیلیٰ ہوا
عشق اُس نافہم کو اُستاد کیوں کر کیجئے

۹۴۰

جب سمتِ باغ ہو کر تو بانکپن سے نکلے
بلبل چمن سے نکلے گل پیرہن سے نکلے

ہے کیا عجب میاں سن مثلِ زبانِ گویا
تیرا ہی نام جپتا ہر مو بدن سے نکلے

اس کو عجب نہ جانو آوے جو خاک پر وہ
مانندِ اشکِ گلگوں عاشق کفن سے نکلے

ان سب خرابیوں کو تو آج دیکھتا ہے
ہم جانتے تھے پہلے جس دن وطن سے نکلے

غنچہ بھی پھول بیٹھے گل پہنچے آرزو کو
تعریف جو چمن کی تیرے دہن سے نکلے

من جرّبَ المُجرّبَ حلّت بہ النّدامہ
تجھ بن عجب نہیں ہے جو جان، تن سے نکلے

گرمی کو تیرے دل کی اے عشق جب میں مانوں
مثلِ شرار آتش شعلہ سخن سے نکلے

۹۴۱

جو گذرے ہے مرے دل پر اسے آگاہ کیا کیجے
مرے نالہ کو وہ مانع ہوا ہے آہ کیا کیجے

نہ دل کو صبر آتا ہے نہ دلبر رحم کھاتا ہے
مصیبت بے طرح کی ہے مرے اللہ کیا کیجے

۱؎ تیرے لئے ۔ ۲؎ کے ویراں کو پھر ۔

جدائی میں نہ ملنے میں نہ خلوت میں نہ جلوت میں — کسو صورت نہیں آرام اے دل خواہ کیا کیجے

نہ دل کو دل سمجھتا ہے نہ جی کو جی سمجھتا ہے — پھر اُس مستغنی اور مغرور سے دل چاہ کیا کیجے

کہا جب میں نے رو رو حالِ دل کو تب کہا ہنس کر — غرض کے مارے ٹھہرے بندۂ درگاہ کیا کیجے

نہیں تسبیح کے دانے جو ہم اس کو پرو لیویں — قیامت سخت مشکل ہے دلوں میں راہ کیا کیجے

تکلف برطرف دنیا کی لذت خوش نہیں آتی
مزہ دیتا ہے مجھ کو عشق ہی جاں کاہ کیا کیجے

۹۴۲

یہ سراپا بہار کس کا ہے — چشم بد دور یار کس کا ہے

تم[1] ہو اور ہم ہیں اور خنجر ہے — پھر کہو انتظار کس کا ہے

تم جو بدنام مجھ کو کرتے ہو — جیب یہ تار تار کس کا ہے

ایک[2] عالم خراب ہے اس کا — پوچھئے اس سے یار کس کا ہے

آج مخبر فلک جہاں سے ہے — دیکھو تو یہ غبار کس کا ہے

خاک کوچے کی اُس کے گو چھانی — نہ کہا خاکسار کس کا ہے

عشق اس سے بڑا برستا ہے
پوچھو تو یہ مزار کس کا ہے

۹۴۳

گیا کیا جو ہم اپنی ہستی سے گذرے — یہی شکر ہے خود پرستی سے گذرے

اگر خوبرو ہی نہیں شہر میں اب — تو جنگل ہی بہتر ہے بستی سے گذرے

برہمن اگر دیکھے دلدار تجھ کو — تعجب نہیں بُت پرستی سے گذرے

---

۱ ک تم ہو اور میں ہوں تیز خنجر ہے۔ ۲ ل۳ ک۴ میں یہ شعر نہیں ہے۔

اضافی حقیقی کا کر فرق زاہد — دگر نہ تری حق پرستی سے گذرے
گلے میں ترے ہار ہو دلربا پھر — کشائش نہ ہو تنگدستی سے گذرے
لگے ہر کسو سے جو منہ مثلِ مے دل — بکے سستے گو ایسی سستی سے گذرے
نہ ہو فرق جب باطل و حق کا اے دل[1] — تو واللہ ہم ایسی مستی سے گذرے

تری دستگیری سے اے عشق ہم بھی
بلندی پہ جا بیٹھے پستی سے گذرے

۹۴۴

تو ہے اور جوشِ جلوہ فرمائی — میں ہوں اور بیکسی و رسوائی
دیکھنا ہی ترا نہ ہو جو نصیب[2] — خاک میں جائے ایسی بینائی
کیا جدائی تری ہے موت سے کم — ہم جو کل سنتے تھے سو آج آئی
دیکھنے سے نہ ہاتھ اٹھائیں گے — گو کہ ملنے کی ہے[3] قسم کھائی
شمع رو بِن[4] ترے کٹے کیوں کر — شبِ تاریک اور تنہائی
مضطرب[5] حال جو نہ ہوں کیا ہوں — میں کہاں ہوں کہاں شکیبائی
نہ ہوئی پیشِ رفت کوئی بھی — ہم نے جو بات دل میں ٹھہرائی
شیخ کو کیوں خلل دماغ نہ ہو — پیش آئی ہے اُس کی دانائی

کہہ غزل در غزل اسے تو عشق
یہ زمیں ہے اگر تجھے بھائی

۹۴۵

اُڑ گئی سر سے عقل و دانائی — اُن نے جب شکل اپنی دکھلائی

۱ے حق و باطل کا یا رو۔ ۲ے تیرا دیدار ہی نصیب نہ ہو۔ ۳ے ہم۔ ۴ے بے۔ ۵ے مضطرب حال کیوں نہ ہو میرا۔

کوہکن سے اسے کوئی پوچھے — شیریں یہ تیری کارفرمائی
نام آفت کا ہم نہ جانتے تھے — چاہ میں تیری یہ بلا آئی
روٹھے ہونے کے بعد ہنس دینا — یہ ادا تیری دل کو خوش آئی
تجھ سوا اور سے ملیں گے نہیں — تم نے سو بار تھی قسم کھائی
کیا ہوئے میری جان وہ وعدے — تم جو پھرتے ہو بن کے ہرجائی
کیا کہیں یار اپنی عقل کو ہم — تیری باتوں پہ یہ دغا کھائی
بو علی کو سبق پڑھاتا تھا — میں کہاں اور کہاں یہ رسوائی
روز وعدے[1] خلاف کرتے ہو — یہ مسلمانی باہے ترسائی

عشق تو عاشقوں میں سچا ہے
کس طرح ملئے ہے وہ سودائی

۹۴۶

ڈھونڈ کر اُس کو میں نکالا ہے — نور کا جس کے یہ اُجالا ہے
چشم گودی میں اپنی اشک کو رکھ — ہم نے خونِ جگر سے پالا ہے
نہ رہیں[2] کیوں کے چشم تر میری — غم کے قالب میں دل کو ڈھالا ہے
قد موزوں پہ جن نے باندھا دل[3] — اُس کا عالم میں بول بالا ہے
کس طرح سے جگر نہ ہو روشن[4] — اُنھی[5] داغوں پہ تیل ڈھالا ہے
آہ تو سرکشی نہ کیجو ہاں — زخمِ دل تو ہنوز آلا ہے

ہار سے میرے اپنے منہ کو نہ مل
یہ سروجی کا عشق مالا ہے

---

۱ لا۔ ۲ لا۔ وعدہ۔ ۲ لا۔ رہے۔ ۳ لا۔ جس نے دل باندھا۔ ۴ لا۔ روشن ہو۔ ۵ لا۔ انھیں۔

۹۴۷

کوئی سر چیریں گے اور کوئی جگر چیریں گے
ہم سراپا اسی ہستی کا شجر چیریں گے

کوہکن تیری طرح سے نہ حجر چیریں گے
ہم اگر چیریں گے اپنا ہی جگر چیریں گے

تیری آنکھوں کا اگر رنگ یہی ہے ہم سے
اس گریبان کو تو شام و سحر چیریں گے

ہوئے مسئول پیمبر سے ہمارے جب وہ
کہا آشفتہ ہو البتہ قمر چیریں گے

تیرے دل کی خوشی ہم اس میں اگر پاویں گے
سینے[۱] کے تختے کو اے لوذِ نظر چیریں گے

باغباں گل کے گریبان پہ تو ہاتھ نہ رکھ
اس کے بدلے یہ ترا دستِ ہنر چیریں گے

کجروی ہم سے نہ کیجو تو فلک کہتے ہیں
تیری چھاتی ہی پہ رکھ تیری سپر چیریں گے

منڈچڑی تو نہیں جو چیر دکھاویں سر کو
دل جگر چیریں گے دلدار اگر چیریں گے

عشق حکاک کا دلدار ہوا ہے آخر
دل کے ٹکڑے کریں گے دیدۂ تر چیریں گے

۹۴۸

وہم اور فہم سے تو برتر ہے
دلِ بیدل میں پر ترا گھر ہے

ہجر میں مثلِ شیشۂ ساعت
تہ و بالا ہے دل مکدر ہے

دھیان اور گیان کی تری دولت
مثلِ خورشید دل منور ہے

کب اطاعت سے تیری باہر ہیں
جو خدا کا دیا ہے سر پر ہے

اس کے احوال پر ہے رحم ضرور
نام تیرا غریب پرور ہے

جب حقیقت میں اٹھ گئے ہم تب
ہجر اور وصل سب برابر ہے

منحرف ہونا اس سے خوب نہیں
ہم میں اور تم میں جو مقرر ہے

ہر کوئی نیک و بد سمجھتا ہے
نہ ملو ہم سے خوب بہتر ہے

---

۱ لوٹ سینہ۔

تم بھی تو چل کے اس کو ٹک دیکھو[1]
ان دنوں حالِ عشق ابتر ہے

۹۴۹

مجھ کو مشکل ہے تجھ کو آساں ہے
دردِ میرے[2] کا تو ہی درماں ہے

رات کی رات مجھ کو پاس بٹھا
کل تو کہتے ہیں عید قرباں ہے

میزباں کو درشتی خوب نہیں
دم مرا کوئی دم کا مہماں ہے

میری تقصیر اس میں کچھ بھی ہے
جن نے دیکھا ہے تجھ کو حیراں ہے

شمع ہے یا چراغ یا اختر
بدر ہے یا یہ مہرِ تاباں ہے

وہ سمجھتا ہے شعر کا انداز
تو یقیں جان جو زباں داں ہے

دیکھ[3] آنسو کو میرے کہتا ہے
عشق رونا ہے یا یہ[4] ہنسنا ہے

۹۵۰

آج وہ شوخ تو شرابی ہے
محتسب کی غرض خرابی ہے

داغِ دل کو جو میں حساب کروں
بے حسابی ہی بے حسابی ہے

ایک دم دیکھ لینے دے ہم کو
قتل کی اتنی کیا شتابی ہے

یار بیٹھا ہے ماہتابی پر
ہاتھ میں جامِ آفتابی[5] ہے

اس کے رخسار پر پسینا[6] دیکھ
خلق کہتی ہے یہ گل آبی ہے

سنبل و گل خجل ہوئے یکسر
چہرا اس شوخ کا گلابی ہے

---

۱ ک دیکھ لو اس کو۔ ۲ ک کا میرے۔ ۳ ک شور اور درد سے نہیں خالی۔ ۴ ک کہ۔

۵ ک ماہتابی۔ ۶ ک ۵ پسینہ' درست ہے۔

شور اور درد سے نہیں خالی
عشق کا شعر انتخابی ہے

۹۵۱

تیر پہلو میں میرے آ بیٹھے
جس گھڑی مجھ سے وہ جدا بیٹھے

شعلہ رو جب چمن میں آ بیٹھے
گل و گلزار داغ کھا بیٹھے

اب نصیحت کو تیری کیوں کے سنیں
آگے ہی ہم تو دل لگا بیٹھے

یار کو ہم بلائیں اب کیوں کر
خانماں اپنے کو جلا بیٹھے

خانہ جنگی ہو یا صفِ جنگ اب
اب تو آنکھوں کو ہم لڑا بیٹھے

میری آنکھوں ہی اس کی مسند ہے
نہیں ہے خوب جا بجا بیٹھے

کفن و گور کے نہیں محتاج
خاک کو اپنی ہم اڑا بیٹھے

جستجو تیری دل سے جاتی ہے
عشق کے پاس گو خدا بیٹھے

۹۵۲

خدائی میں جو پیدا دل ہوا ہے
سو تیرے ہاتھ سے بسمل ہوا ہے

خضر نے کس طرح سے عمر کاٹی
ہمیں لینا تو دم مشکل ہوا ہے

کسو کو ہم بھی لے مرتے پر افسوس
ہمارے دل کا قاتل دل ہوا ہے

عبث اس بات کا ہے فکر تم کو
کوئی مقتول بھی قاتل ہوا ہے

دل آتش یا وہ شیشہ آتشی ہے
مجھے یہ عشق سے حاصل ہوا ہے

۹۵۳

جس طرح ہو یار تو دکھلا اسے
مجھ کو لے جا واں تلک یا لا اسے

زلف کا سایہ مگر دل پر پڑا — یک بیک جو ہو گیا سودا اسے
خوار و رسوا پھرتے ہو کیوں شیخ آج — کل تو فرماتے تھے تم کیا کیا اسے
ہم جو کہتے تھے کہ تم مت دیکھیو — جلتے بلتے پھرتے ہو، دیکھا اسے
آج کا دن کاٹیے کس طور سے — کل تو کہتے ہیں[1] نہیں پردا اسے
حضرتِ انساں کے ظاہر پر نہ جا — مدتوں کے بعد میں پایا اسے

کس طرح دکھلائیں دل کو عشق ہم
پہلے ہی جو کر دیا رسوا اسے

۹۵۴

بولئے تو زبان جل جاوے — چپکے رہئے تو جان جل جاوے
ایک عالم کو کر دیا رسوا — چشم کا خاندان جل جاوے
آہ کو گھونٹ رکھتا ہوں — ورنہ یہ آسمان جل جاوے
مے جو ساقی نہ دیوے پینے کو — مصطبہ اور دُکان جل جاوے

عشق کی بات سُننی خوب نہیں
جو دھرے اس پہ کان جل جاوے

۹۵۵

مت خبر پوچھ اپنے مفتوں کی — بات پہنچی نہیں سبا قوں کی
سرو کے عضو شاخ شاخ ہوئے — سن کے تعریف قدِ موزوں کی
خاک[2] سے کیا نمود ہووے خاک — چوں میں یہ قدر نیں ہے بے چوں کی
اس کے گرنے سے کوہکن اٹھا — کیا فراست کہوں میں گلگوں کی

---

۱ رہ رہے تھے۔ ۲ نسخہ کیا نمود ہووے خاک سے لے خاک

خوابِ غفلت میں تم تو رہتے ہو کس طرح آہ پہنچے محزوں کی
اس کی آنکھیں فقط ہی جادو ہیں ان کو حاجت نہیں ہے افسوں کی
عاقلوں کو غرور نے مارا
عشق سنتے ہیں کب وہ مجنوں کی

۹۵۶

آئینہ کو کن نے دکھلایا اسے جو غرورِ حسن یہ آیا اسے
دیر و کعبہ سے ہوئے مایوس جب دل میں آخر ڈھونڈ کر پایا اسے
دیکھنا اس کو تو مشکل سخت ہے جن نے دیکھا قتل فرمایا اسے
خانہ ویراں ہو گیا یہ سینہ جان اپنے گھر میں جو کوئی لایا اسے
اب خبر تو پوچھتا ہے اس کی حیف غم نے تیرے کیا کہوں کھایا اسے
کس طرح ہم سے ملے دل کھول کر دوستوں نے مل کے بہکایا اسے
اپنے دعوے سے نہ آیا عشق باز
سو طرح سے ہم نے سمجھایا اسے

۹۵۷

لعل کا تیرے لب پہ پیالا[1] ہے اسی حسرت سے داغ لالا[2] ہے
آنسو اپنے گئے ہیں پی پی ہم گرتے گرتے انھیں سنبھالا ہے
جن نے رسوا کیا ہے عالم کو اس کو ہم نے بغل میں پالا ہے
بات قاصد کی کیوں کے مانوں میں یار تو اپنا دیکھا بھالا ہے
حلقۂ زلف کو نہ پوچھو تم چاند کے گرد جب سے ہالا ہے
ہار کی اس کے کیا کروں تعریف وہ سر وحی کا جیسے مالا ہے

---

۱ پیالہ - ۲ لالہ -

شور و شرِ عشق کا تو مجھ سے نہ پوچھ
کم نہیں دل بدن دو بالا ہے

۹۵۸

جہاں تک چاہے تو مجھ کو رُلا لے — اب اس طوفان کا بدلا[1] خدا لے
اسی[2] معشوق سے آنکھیں لڑا دیں — جو پہلے قتل کا بیڑا اٹھا لے
جواب اس کا بھلا کیا دیویں اس کو — اگر وہ بندگی کا خط نکالے
نشہ[3] میں جس گھڑی وہ شوخ ہووے — بتعریب مجھے کوئی بلا لے
کہ جا[4] خالی کروں یہ شیشۂ دل — بھریں تا آرزو کے یہ پیالے
غرض واں تک جو پہنچا اتفاقی — گیا تھا دل میں اپنے مدعا لے
جو دیکھا سر بسر خوش وقت پایا — مجوزِ دل ہوا جو ہو سنا لے
مودب ہو کہا خدمت میں اس کی — سلام و بندگی بعد از دعا لے
عبث منظر کیوں ہے قتلِ عشاق — یہ جان و دل فدا ہے دلربا لے
تغافل سے نہ کر تو اس کو بسمل — وفا اور مہر کا بھی ٹک مزا لے
لگا ہنس ہنس کے کہنے عشق یہ بات — بطورِ جامِ مے آنکھوں سے آ لے
نشہ[5] سے زندگی کے جو ہوا مست — خیالاتِ جہاں سب دیکھے بھالے
ہوا اس فکر میں غلطاں و پیچاں — کہ سر پر آسماں کو وہ اٹھا لے
جفا میری سے تو شاکی نہ ہو اب — جفا سے مطلبِ مہر و وفا لے
مجھے مقصود ان باتوں سے یہ ہے — جو عاشق نام کو اپنے نکالے
نہیں مشہور ہوتا عاشقی میں — نہ کھینچے جب تلک رنج اور کسالے

---

۱ بدلہ۔ ۲ لڑائیں گے اسی معشوق سے آنکھ۔ ۳ نشے۔ ۴ تا۔ ۵ نشے۔

جو اس کے نام میں ہے نام میرا　　یہ دولت جس کی قسمت میں ہو آلے
پھر اس پر ناز فرمائش ہے کرنا　　خودی کو تو خدائی سے منگالے
شہنشاہی ملے ہے حسن کی بھر
کئی دن تو بھی چل نوبت بجالے

۹۵۹

دم بدم عاشقوں پہ حملا[1] ہے　　ملک خوباں میں شہر شملا[2] ہے
ہوں فقیروں میں تیرے میں بے قید　　آگے ڈاڑھی نہ پیچھے شملا ہے
جور ماضی وفا ہے مستقبل　　کچھ کہو واں جواب لم لا ہے
اسے لبریز مے سے کر ساقی　　یہ سر بے نوا کا چملا ہے
بندگی اور نیاز ہے منظور　　عشق اور عاشقی میں ہم لا ہے
لب میگوں پہ تیرے خط کی نمود　　جس طرح برگ گل پہ کملا ہے
زہر بن اس کو کچھ نہیں تدبیر　　گھر میں میرے تو جا کہ سملا ہے
تجھ میں اور مجھ میں دل ہوا ہے گم　　کیوں مکرتا ہے تو صنم لا ہے
دیر و کعبہ سے ہے زمیں آزاد
عشق وہ جائے کس کا عملا ہے

۹۶۰

اس سے جا کر کہے یہ اب کوئی　　تیری خاطر ہے جاں بلب کوئی
دل دیا میں نے ان کا بگڑا کیا　　کہتے ہیں جو برا یہ سب کوئی
مجھ سے کہتے ہو کچھ اور اس سے کچھ　　تم بھی ہو شیخ جی عجب کوئی

---

[1] حملہ۔ [2] شملہ۔

دل[1] میں سو سو طرح[2] بدلتے ہیں — کرے ملنے کا کیوں کے ڈھب کوئی

عاشق آزاد ہے پہ کرتے ہیں — کوئی تحقیر اور ادب کوئی

پوچھتے کیا ہو مجھ سے تم ہی کہو — جانور ہے حسب نسب کوئی

مجھ سے ہرگز نہ پوچھ اس کی بات

کیا کہوں عشق ہے غضب کوئی

۹۶۱

غلط ہے جو جہاں کو چشم گوہر بار[3] لے ڈوبی — وہ یار اب کشتی لے ڈوبا یہ کشتی بار لے ڈوبی

نظر بلی مژہ چپو ہوئی تھی پتلی کشتی ہاں — پڑے جو سیل میں آنسو کے سب کو یار لے ڈوبی

ہمیشہ فکر رہتا تھا کوئی ایسا بھی دن ہوگا — سو میرے سینے[4] میں برچھی تری خونخوار لے ڈوبی

قناعت گر نہ ہو طامع[5] جو کہتے تھے سو اب دیکھا — تری سب خوبیوں کو یہ تری رفتار لے ڈوبی

بہائے جوئے خوں عدو آفریں ہے آب کو اس کے — کئی سر بے گناہوں کے تری تروار لے ڈوبی

میں اپنے غرق ہونے پر نہ روؤں چشم کے ہاتھوں — غضب ہے یہ کہ سینے[6] کا گل و گلزار لے ڈوبی

نہ اتنا منہ لگا بنت العنب کو عشق کہتا تھا

وہ آخر آبرو عزّت تری میخوار لے ڈوبی

۹۶۲

پردۂ دل میں چھپا آہنگ شور انگیز ہے — جو نشیدِ استخواں ہے شعبۂ تبریز ہے

فی الحقیقت اشک کا شیشہ ہے قندیلِ فلک — اور خونِ دل سے میرے اس پہ رنگ آمیز ہے

دل جگر کا کوئی سوتا کھل گیا جو جامِ چشم — خوں سے مثلِ لالہ جو وہ رات دن لبریز ہے

سیکڑوں زخمی ہوئے ہیں اس خدنگِ مژہ سے — زلف اس صیاد کی عالم کو دست آویز ہے

---

۱ ر۲ دل - ۲ ره سو طرح سے - ۳ ر۶ زار، ناموزوں ہے - ۴ ر۲ ره ر۶ سینہ - ۵ ر۱ طالع، غلط ہے - ۶ ر۲ ره سینہ -

مجھ سے تم ہرگز نہ پوچھو نام کو اس شوخ کے | دل شکن پیماں گسل خونخوار ہے خوں ریز ہے
اور کی اللہ جانے اس قدر سمجھا ہوں میں | قتل کرنے کو مرے شمشیر اس کی تیز ہے
آگ کے شعلے[1] مسلسل ہی نکلتے اس سے دیکھ | بوند بھر پانی نہیں یہ چشم یا گلریز ہے
خوں گرفتہ روبرو آئے خجالت ہوئی ضرور | خونِ ناحق سے وگرنہ مجھ کو بھی پرہیز ہے
کاوے دے دے شہسواروں نے نکھایا ہے اسے | کجروی جو ٹک کرے کوڑا ہے یا مہمیز ہے
زندگی ثابت ہے پر مرنے سے زیادہ ہے مہیب | تیرے بن مجھ کو جہاں میں روز رستاخیز ہے

بلبلہ بازی کبھی اطفال کی دیکھی ہے عشق
دل ہوا محزوں مژہ نے چشم گردوں ریز ہے

۹۶۳

جھوٹ کہتا ہے جو کہتا ہے نہیں آتا ہے | چھپ کے ان آنکھوں سے وہ پردہ نشیں[2] آتا ہے
آرزو کیوں کے کروں ملنے کی اس کے یارو | بعد عمرے وہ تصور میں کہیں آتا ہے
دیکھیے اس سے ملاقات کی کیا صورت ہو | جان جاتا ہے دم باز پسیں آتا ہے
تاب و طاقت نہیں کس طور سے دیکھیں اس کو | جب وہ آتا ہے ادھر چیں بجبیں آتا ہے
حق تعالےٰ کرے آسان یہ مشکل میری | آنے کو سنتے ہیں پر کس کو یقیں آتا ہے
رسم دلداری کو تم ہم سے نہ پوچھو اس کے | دل کو لینا ہی فقط اس کے تئیں آتا ہے

دل کی بیچینی سے مجھ کو یہی معلوم ہوا
عشق جانا ہے کدھر وہ تو نہیں آتا ہے

۹۶۴

تجھ بن قدحِ شراب ہووے | آنکھوں میں نہ میری آب ہووے
پر تو پڑے تیرے منہ کا ساقی | پھر جام نہ آفتاب ہووے

---

۱ ۲ ۳ ۴ شعلہ۔ ۲ ۵ تصور میں کہیں، ناموزوں ہے۔

گردش تری چشم کی جو دیکھے　　البتہ کہ وہ خراب ہووے
جو تجھ کو نہ یاد وے عاشقِ زار　　جنت بھی اسے عذاب ہووے
شانہ سے جو ہوویں صاف زلفیں　　پھر دل کو نہ پیچ و تاب ہووے
دل بھر کے کبھی جو رو ویں آنکھیں　　یہ چرخِ کہن حباب ہووے
جب بام پر اپنے آوے خورشید　　آنکھوں میں نہ آب و تاب ہووے
اللہ سے چاہتا ہوں اپنے　　بخشش مری بے حساب ہووے
گو ٹوٹے فلک زمیں ہو ٹکڑے
کب عشق کو انقلاب ہووے

۹۶۵

مر گئے ہم روتے روتے یار تیری چاہ سے　　اس قدر مغرور مت ہو ڈر ہماری آہ سے
غیر سے کیا کام مجھ کو جو کہوں کچھ خوب و زشت　　شکر و شکوہ جو کچھ ہے مجھ کو سو ہے دل خواہ سے
توپ اور بندوق سے تو یہ مہم فیصل نہ ہو　　فتح بابِ عاشقاں ہے نالۂ جانکاہ سے
ماسوا سے کام کیا ہے عاشقِ بیتاب کو　　کاروبارِ عشق ہے اللہ سے اللہ سے
مجھ میں اس میں ربط ہے اس طور کا تو دیکھ لے　　جس طرح نسبت ہے باہم آفتاب و ماہ سے
دانۂ تسبیح ٹھہرایا ہے خلق اللہ کو　　شیخ صاحب پھیرتے ہیں ہر کسو کو راہ سے
کس طرح تیری نصیحت مانوں میں اے ہم نشیں
عشق مجھ کو مل گیا اللہ کی درگاہ سے

۹۶۶

کیوں کر ملیں گے تجھ سے جبتک عدم نہ ہوں گے　　اُس وقت تم ہی تم ہو جس وقت ہم نہ ہوں گے
موجود ہے وہ دل میں جوں آئینہ میں صورت　　میرے یہ آہ و نالے تا حشر کم نہ ہوں گے
دل پر ہوئی ہے ثابت جب سے معیت اس کی　　دم تجھ سے گو جدا ہوں پر اس سے دم نہ ہوں گے

کب معتبر ہیں دل کو یہ جھوٹی باتیں — تا روزِ حشر پیارے ہم تم بہم نہ ہوں گے
دن رات میں پرستش کرتا ہوں جن کی دل سے — وہ واسطے خدا کے میرے صنم نہ ہوں گے
تعریف جب لکھوں گا خونِ جگر سے اپنے — یہ رونگٹے بدن کے میرے قلم نہ ہوں گے
بازار عاشقی کا کیا سرد ہوگا یارب — فردوس میں ہیں کہتے جو درد و غم نہ ہوں گے
جن آنکھوں نے یہ آنکھیں دیکھی ہیں دل یقیں کر — مسرور ہیں ابد تک وہ چشم نم نہ ہوں گے

خوگر ہوئے ازل سے مہر و وفا کے اس کے
ہم پر کرم ہی ہوں گے عشق اب ستم نہ ہوں گے

۹۶۷

جدائی کی وہ شب کس طور سے ہیہات گذرے[1] گی — نہ ہوگے پاس میرے اور میری رات گذرے گی
شمارِ زندگی اور موت وہ دونوں سے باہر ہے — بہر صورت کسی صورت مری اوقات گذرے گی
پڑھو تم فاتحہ دل اور جگر کا دور مت بیٹھے — اگر تم آؤ گے ساقی تو یہ برسات گذرے گی
برنگِ نقشِ دیبا مہرِ خاموشی ہے ہونٹوں پر — جدائی میں تری میری زباں پر بات گذرے گی
جئیں گے تو مریں گے اور مریں گے تو جئیں گے پھر — ہماری اس طرح سے قبلۂ حاجات گذرے گی
یہ ہے بنت العنب نام اپنے کو چھوڑے سے چھٹتی ہے — گلوگیر اب رہے گی تجھ سے یہ بدذات گذرے گی

جدائی دردِ[2] غم فریادِ[3] نالہ آہِ بیتابی
جیئے گا عشق کیوں کر جس پہ یہ آفات گذرے گی

۹۶۸

ترے آگے ہوئی ہے سہل میری جان حیرانی — اگر دیکھے مری حیرت تو ہو حیران حیرانی
خفا ہو کر لگا کہنے میں اس حیرت سے حیراں ہوں — برنگِ صورتِ تصویر ہے ہر آن حیرانی

---

۱ گذرے۔ ۲ نے دردو غم۔ ۳ نے فریادو نالہ۔

صفا دل کو کیا جوں آئینہ تب ہاتھ وہ آئی — غرض مشکل سے ملتی ہے نہیں آسان حیرانی

خریداروں میں تیرے میں ہوں تو ہے ڈھونڈتی کس کو — اگر ہے روشناسی دیکھ اور پہچان حیرانی

تمہاری چشم کے آگے گری قدر اس کی آنکھوں سے — نہ ہووے کس طرح سے بے سروسامان حیرانی

شعور و عقل و دانائی سب آ خدمت میں حاضر ہو — ہوئی ہے جب سے گھر میں مرے مہمان حیرانی

خلائق اس کے ہاتھوں سے غرض نالان و حیراں تھی
تحیر عشق کا دیکھا ہوئی قربان حیرانی

۹۶۹

نہ ہووے دیکھ اس کو کس طرح حیران حیرانی — تکلف برطرف یہ اشک ہے طوفان، طوفانی

چلا جو اشک برہم ہو جگر رو رو لگا کہنے — نہ جا گھر سے کروں گا جی ترے قربان، قربانی

خوشی منظور رکھ اس کی اگر سر جاوے جانے دے — سمجھ کر دیکھ کہتے ہیں نہ کر نادان، نادانی

نہ مداحِ سلاطیں[1] ہوں، شہنشاہِ گدایاں ہوں — عجب کیا ہے کہے مجھ کو اگر خاقان، خاقانی

خدا نے فرق رکھا عقل کا انسان و حیواں میں — نہیں آدم[2] نہ ہو دیں گے اگر انسان، انسانی

مرا لختِ جگر جو داغ پر سینہ کے آ بیٹھا — لگا جلنے[3] ہوئی اس رشک سے بریان، بریانی

جو کچھ تھا ماحضر سینہ میں آگے تیر کے رکھا
نہیں لیتا ہے اس پر عشق یہ مہمان، مہمانی

۹۷۰

جانا ہے جہاں فکر مجھے واں کی پڑی ہے — کس طور[4] یہاں بیٹھوں اجل سر پہ کھڑی ہے

حسرت کو مری دیکھ کے حسرت لگی جلنے — حیرت بھی مجھے دیکھ کے[5] حیران کھڑی ہے

ہو عاشق و معشوق سمجھتا ہے اسے کون — کر قصہ کو کوتاہ کہانی یہ بڑی ہے

---

۱ ن۶ سلطاں، ناموزوں ہے۔ ۲ ن۶ نہ ہو۔ ۳ ن۲، ن۳، ن۴، ن۶ کہنے۔ ۴ نے کس طرح۔ ۵ ن۱ کر۔

بارش نے مرے آنسو کی برسات کیا مات — کھلتی نظر آتی نہیں آنسو کی جھڑی ہے
ان نازنیں ہاتھوں سے نہ نکلے گی مری جاں — برچھی کی انی ٹیڑھی ہو سینہ میں اڑی ہے
بجلی پڑی گویا یہ ہوا حال جو اس کا — جس آنکھ سے خوش چشم مری آنکھ لڑی ہے
پھرتا ہے جو تو ساتھ مرے سایہ کے مانند — سودا ہوا یا موت تری سر پہ چڑھی ہے
ہاتھوں کے تئیں اپنے جو ہاروں سے لپیٹا[1] — گلدستہ ہے یا طرغ یا پھولوں کی چھڑی ہے
اس طور سے چبھتی ہے تری نوک مژہ کی — میرے دلِ بیدل میں گویا پھانس گڑی ہے

دلدار محبت سے جو عشق آیا ترے پاس
کر سجدۂ شکرانہ کہ کیا خوب گھڑی ہے

۹۷۱

مئے گلگوں کبابِ برّہ لا ساقی شتابی سے — ہوا نوروز نکلا آفتاب اب برجِ آبی سے
یہ ہے اعجاز ساقی کا جو کر کے آگ کو پانی — نکالا آتشِ یاقوتِ سیّال اس گلابی سے
سبھوں نے مست کو معذور رکھا کیا کہوں ساقی — جفاؤں سے تری آنکھوں کی یا اپنی خرابی سے
مثالِ خوشۂ انگور یہ دل برد خوردہ ہے — یہ ساقی زندگی پاتا ہے جامِ آفتابی سے

تری آنکھوں کے سنمکھ عشق دیوانا[2] ہی ہوتا ہے
جہاں میں مختر نہیں ورنہ سب ساقی شرابی سے

۹۷۲

خوف مت کر دل وسیلہ یہ ترا آزار ہے — تو مریض اور وہ مسیحا مرگ یاں ناچار ہے
دردِ دل رنج و مصیبت آہ و زاری و فغاں — مہربانی سے تری ہر ایک مجھ سے یار ہے
دیکھ آنکھیں اس کی عالم کو شفا ہووے نصیب — چشم کا تیری پری رو جو کوئی بیمار ہے
حسن میں اور عشق میں ہے گرم یاں بیع و شرا[3] — دل ہے میرا اے خدا یا مصر کا بازار ہے

---

[1] یہ شعر صرف ر۲ ل۶ میں ہے۔ [2] دیوانہ۔ [3] بیع و شری۔

ایک ہستی دیکھتا ہوں واجب و ممکن میں میں
بحث مجھ سے کس کو ہے کس سے مجھے تکرار ہے

جان و دل اور دین و ایمان نذر ہم سب کر چکے
جو قبول اس پر نہیں کرتا ہے وہ مختار ہے

اتحاد اور اتفاق آپس میں رکھنا ہے ضرور
حُسن اگرچہ شاہ ہے پر عشق بھی عیّار ہے

۹۷۳

نظر تیری سے اے دلدار میرے
گئے یکبارگی آزار میرے

جدائی میں تری غم کھاؤں کب تک
بھلا انصاف کر غم خوار میرے

لگے سینہ میں میرے تیر اس طور
کھدا ہے نام تیرا یار میرے

قیامت تک نہیں ہونے کے برہم
ترے انکار اور اقرار میرے

تری دشنام ہیں قندِ مکرر
نہ ہوں شیریں عجب تکرار میرے

جدا کس طور سے ہو یار عیّار
سمجھ اس بات کو عیار میرے

ترے داغوں کی دولت سینۂ عشق
بہارستاں ہے اے گلزار میرے

۹۷۴

عشق کی عشق چاہ بہتر ہے
جس قدر ہووے آہ بہتر ہے

حق و باطل میں فرق کر اے دل
ان بتوں سے اللہ بہتر ہے

ہاتھ میں دل ہے جوں نگیں تیرے
کر سفید و سیاہ بہتر ہے

سارے خوباں میں یار تو بے شک
جیسے بندوں میں شاہ بہتر ہے

دل شکستوں سے منہ کو تو مت پھیر
اس طرف بھی نگاہ بہتر ہے

ہے کہاں ان میں یہ ادا و ناز
گو کہ یہ مہر و ماہ بہتر ہے

کجروی سے کوئی بھی پہنچا ہے
چل نہ چل سیدھی راہ بہتر ہے

داد مانگے سو داد کو پہنچے — یہی اب جاں پناہ بہتر ہے

کہہ غزل در غزل تو اس کو عشقؔ
شور میں شورِ آہ بہتر ہے

۹۷۵

دل مرا ہو تباہ بہتر ہے — اس پہ پھر کیجے واہ بہتر ہے
دعوئ عاشقی میں اے ناداں — اشک ہووے گواہ بہتر ہے
ہے بصیرت بصر کی وہ دارو — یار کی خاک راہ بہتر ہے
دین و ایماں کی بات مجھ سے پوچھ — عشق ہو قبلہ گاہ بہتر ہے
خاکساری فقیر کو ہے خوب — کج کلاہوں کو جاہ بہتر ہے
میکدہ سے جو غور کر دیکھا — مسجد و خانقاہ بہتر ہے

ہے گداؤں کو شاہ سے نسبت
عشقؔ کو کج کلاہ بہتر ہے

۹۷۶

جہاں میں درد و محبت کی راہ اچھی ہے — جو اچھے ہیں یہی کہتے ہیں چاہ اچھی ہے
بری بھلی کو سمجھتا ہے تو نہیں اب تک — سفید کیوں کے بری ہے سیاہ اچھی ہے
نگاہ مہر کی یا ہو غضب کی[1] اے یارو — کسو[2] طرح سے وہ ہووے نگاہ اچھی ہے
لگا وہ ہنس کے مجھے کہنے آہ آہ نہ کر — ہمیشہ خوب نہیں گاہ گاہ اچھی ہے
جو کوئی آ کرے فریاد داد کو پاوے — زکوٰۃ حسن کی دے بادشاہ، اچھی ہے
فقیر کو نہیں اچھا کہ ہو تکبر بھی — کہا ہے کن نے تجھے حبِ جاہ اچھی ہے

---

۱ ک ہو یا غضب کا تیور ہو۔ ۲ ک کسی۔

وصال ہووے اگرچہ ہو عشق روزِ وصال
فراق و ہجر کی حالت نپٹ ہی اچھی ہے

۹۷۷ +

ہائے رے ہائے کیا کیا تو نے — ہم کو ایسا بھلا دیا تو نے
دم آخر تلک نہ کھایا رحم — کیا وفا کی ہے بے وفا تو نے
نہ تلطف سے ایک بات کہی — مفت ہی دل کو لے لیا تو نے
ہوش کیوں کر رہے بحال بخود — جام پر جام ہے پیا تو نے
عیش و عشرت کو ایک پل میں عشق
یک بیک ہے بھلا دیا تو نے

۹۷۸

کیا کہوں تجھ سے کیا کیا تو نے — جو کیا سو بھلا کیا تو نے
سب سے بیگانہ کر کے اے ظالم — درد سے آشنا کیا تو نے
اے فلک تیرے ہاتھ کیا آیا — جو مجھے پھر جدا کیا تو نے
حسرت و اشتیاق و رنج و فراق — بات ہی میں ادا کیا تو نے
کوئی ایسا بھی یار کرتا ہے
عشق کو کیوں خفا کیا تو نے

۹۷۹

کھو دیا مفت ہی جگر تو نے — کیا کیا ہائے چشمِ تر تو نے
جل چکا دل جب اشک تو پہنچا — دو دن آگے نہ لی خبر تو نے

+ غزلیں نمبر ۹۷۷ تا نمبر ۹۸۰ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ میں ردیف 'ن' میں درج ہیں۔

۹۴۰

آگے تو یوں نہ تھا ہوا اب کیا	کیا کیا اے اثر تو نے

رحم کھانا تو تیری وضع نہ تھی	کچھ خدا کا کیا ہے ڈر تو نے

شکر اس کا بیاں کروں کیوں کر

کھو دیا عشق دردِ سر تو نے

۹۸۰

ہائے رے ہائے کیا کیا میں نے	کیسے کافر کو دل دیا میں نے

دلِ بے رحم تیرے ہاتھوں سے	دمِ خوش بھی کبھو لیا میں نے

لبِ شیریں سے تیرے یا وہ گو	زہر کا گھونٹ ہے پیا میں نے

رشتۂ عمر صرفِ جیب ہوا	کبھو پھاڑا کبھو سیا میں نے

داغِ دل کو لگا کے شعلۂ آہ

عشق روشن کیا دیا میں نے

سوز و گداز

ہائے حسرت کو مری غیر خدا جانے کون ۔۔۔ غمِ جاں سوز کو جو عشق کے پہچانے کون
میں کس آگے کہوں اور اس کو بھلا مانے کون ۔۔۔ پردۂ دل میں اس آتش کے تئیں چھپانے کون
رگِ گردن کو نہ تیغِ بلا تانے کون ۔۔۔ موت کو شمع صفت سر پہ بھلا ٹھانے کون

غیر پروانہ جگر نیست کہ گردت گردد
طاقتِ ہیچ بشر نیست کہ گردت گردد

مت اٹھا چشمِ مروت کو تو ہم سے اے یار ۔۔۔ کیوں کھٹکتے ہیں تری آنکھوں میں ہم مثلِ خار
بارے خوباں میں تجھے کن نے بنایا دلدار ۔۔۔ فنِ معشوقی میں کن نے کیا تجھ کو عیّار
سچ بنائے تو نکیلوں میں ہوا تو نکدار ۔۔۔ پیش ازیں گنتے تھے خوباں میں مگر تجھ کو یار

نالۂ بلبلم افروخت گلِ روئے ترا
شعلۂ بے سر و پا کرد صنم خوئے ترا

نظرِ (تربیت)[1] عشق سے تم شہرۂ آفاق ہوئے ۔۔۔ دردِ بیتاب سمجھ دلبری میں طاق ہوئے
دلِ مسموم کو احباب کے تریاق ہوئے ۔۔۔ چشمِ بد دور جو کر ورزشیں تم چاق ہوئے
چھوڑ کر اہلِ وفا خندوں کے مشتاق ہوئے ۔۔۔ بلکہ اب نامِ خدا آپ ہی عشاق ہوئے

باعثِ زیب تو شد دردِ دلِ دیوانہ
چوں نباشی بمن اے شوخ چنیں بیگانہ

---

۱ یہ لفظ فاضل ہے ، لہٰذا "نظرِ عشق سے تم شہرۂ آفاق ہوئے" درست ہے ۔

نرگسی چشم کا بیمار کوئی آگے تھا | لبِ میگوں سے بھی سرشار کوئی آگے تھا
زلف کا تیری گرفتار کوئی آگے تھا | بلبلِ گلشنِ رخسار کوئی آگے تھا
حُسن کا آئینہ بردار کوئی آگے تھا | خوبی تیری کا خریدار کوئی آگے تھا

از ازل سوختۂ شمع رخت من گشتم
آتشی دیدم ویک شعلہ ہمہ تن گشتم

کتنے اوباش جو جاں اپنی فدا کرتے ہیں | کان سو طرح کی باتوں سے ترے بھرتے ہیں
حق وناحق بھی ہر اک شخص سے جا اڑتے ہیں | کھانے پینے کے لئے صرف یہ دھن دھرتے ہیں
ہم جو حرمت کے خریدار ہیں یوں مرتے ہیں | واجبی کہتے ہوئے آگے ترے ڈرتے ہیں

گر ہمین است رضائے تو حکایت چہ کنم
ور چنین است وفائے تو شکایت چہ کنم

حیف صد حیف نہ سمجھا کبھو آزار مرا | اسی آزار سے یہ دل ہوا بیمار مرا
فرش سے عرش تلک فاش ہو اسرار مرا | نہ کہے اس پہ کبھو تو کہ گرفتار مرا
مفت مرتا ہے تغافل میں خریدار مرا | کسو ہی طرح نہ رکھے جو سروکار مرا

بعد از بن ہست توقع کہ بکویت آیم
غیرتم این نہ پسندد کہ بسویت آیم

تابہ کے درد سے اب نالہ و فریاد کروں | کب تلک جور و جفا کو ترے میں یاد کروں
کس طرح اس دلِ ناشاد کو میں شاد کروں | شکوہ و جور[1] کی بنیاد کو برباد کروں
جی میں آتا ہے کہ یہ طرز تو ایجاد کروں | دلِ دیوانہ کو تب غم سے میں آزاد کروں

یعنی بر در گہ تو آیم و سر بردارم
کہ ازین زندگی اے دوست بجان بیزارم

---

[1] ا ۔ ۲ شکوۂ جور۔

بے وفائی سے تری بسکہ پریشان ہے دل — اس وفا اپنی سے بھی سخت پشیمان ہے دل

ظلم اور جور و جفا سے ترے نالان ہے دل — ابر ہے برق ہے تنّور ہے طوفان ہے دل

داغ ہے زخم ہے گلزار ہے پیکان ہے دل — ساز ہے سوز ہے پُر درد ہے درمان ہے دل

غرض از دست دلم گشت دل آزاریٔ دل

داغ جان سوز برآورد سپر داریٔ دل

قید سے اُس کی میں آزاد ہوا یا قسمت — یوں جدا مجھ سے پریزاد ہوا یا قسمت

چاہتا سب مرا برباد ہوا یا قسمت — دل جو اس درد سے ناشاد ہوا یا قسمت

عشق بازوں پہ[1] جو بیداد ہوا یا قسمت — جو مسیحا تھا سو جلاد ہوا یا قسمت

طاقتی نیست کہ کس جنگ بہ تقدیر کُند

پس سیہ بختیٔ خود عشق چہ تقریر کُند

شمع رو تو نے جو ہم ساتھ، لگائی تھی لگن — دل جلانے کے لئے پہلے کئے خوب جتن

اب جو فانوسِ حیا میں چھپے ہو جانِ من — دل نے آتش کدۂ عشق کیا اپنا وطن

مثل پروانہ[2] کے کیوں نہ جلے جان و تن — تو لگے جان کو اور دیکھنا اس پر ہے کٹھن

بر سرِ مہر بیا عارضِ رخشان بنما

شمع من تاب ندارد دلِ پروانۂ ما

دل کے[3] جلنے کو دل آزار سے پوچھو جا کر — دوستی میری کو تم یار سے پوچھو جا کر

مرے غم کھانے کو غم خوار سے پوچھو جا کر — دل دہی میری کو دلدار سے پوچھو جا کر

راستی میری کو مکّار سے پوچھو جا کر — رسم بیگانگی اغیار سے پوچھو جا کر

یعنی دل بُردن و آزردنِ دل باعث چیست

ایں ہمہ ظلم و تعدی پے آزردنِ کیست

---

۱ ت ک پر۔ ۲ ت ک پروانے۔ ۳ ت ک دل کو، غلط ہے۔

میں وہی ہوں کہ نہ تھا مجھ سا کوئی دولت خواہ	خیر خواہوں میں مجھے گنتے تھے تم بے اشباہ
ٹک مکدر جو کبھی پاتے محبت کی نگاہ	کہتے ایما و اشارات سے نہیں اپنا گناہ
اب جو مرتے ہیں ترے ہجر میں کرتے ہیں آہ	جانتا بھی نہیں یہ کون ہے سبحان اللہ

راضیم از ستم و جور تو با مردن خویش
ہیچ کافر نہ کند این ہمہ با دشمن خویش

گلشنِ دہر میں کیا تو ہی ہے سروِ آزاد	اس ہوا خواہی کو میری نہ کر اتنا برباد
ظالم اس اگلی محبت کو بھلا کر تو یاد	کوئی درد ایسا نہ تھا جس کی نہ پاتے تھے داد
کن نے تعلیم کیا تجھ کو شرارت بنیاد	جور کے فن میں جو اس طرح تو ٹھہرا استاد

پیش ازین ناز تو آزردنِ دل کار نداشت
غمزۂ خوئے تو این ہمہ آزار نداشت

اب جو اے یار کہیں ہم سے جو مل جاتے ہو	کھینچ تروار ہمیں شوخی سے دھمکاتے ہو
آنکھیں دکھلاتے ہو اور سیف کو چمکاتے ہو	آپ ہی آپ صنم مفت میں بل کھاتے ہو
بات کہتا ہوں تو غصہ[1] ہو کے جھنجھلاتے ہو	بلکہ عاشق سمجھ اب جی ہی میں شرماتے ہو

نیست معلوم چہ تقصیر شد از من بجناب
کہ باین بندگیت عشق چنین گشت خراب

خوش رہو ہم کو تو یہ سوزِ عنا ہی بس ہے	بے مروت وہ تری بانکی ادا ہی بس ہے
مہربانی کے عوض جور و جفا ہی بس ہے	قسم ہے تیری مجھے تیری بلا ہی بس ہے
اور تسلی کو مری میری وفا ہی بس ہے	بلکہ ناچار ہو کہتا ہوں خدا ہی بس ہے

می دہم من دلِ خود را بچنین طور فریب
تا کہ این چاک نساز د بگریبانِ شکیب

---

[1] ۱، ۲، ۳، غصے۔

پاکبازوں سے تو ملنا تجھے ہے عار و ننگ　　آبرو اس میں ہے البتہ جو کرتے ہو ڈھنگ
خوب سمجھے ہو میاں چرس کا پینا اور بھنگ　　چوپڑ اب کھیلتے ہو بیٹھ کے خندوں میں بہ شنگ
چشم بد دور ازازل میں تو ٹھہرے ہو نہنگ　　ہم سے کٹتے ہو عبث کرتے ہو ناحق تم جنگ
دیدن روئے تو الحال سرم نیست ہوس
بادل جمع برو، کار ندارم بتو بس

تضمین غزل حافظ شیراز قدس سرہٗ

جسم سے روح منزہ تھی، یہ ہستی تھی عدم　　تب سے قالب میں مرے عشق نے ہے پھونکا دم
کوچۂ زلف میں میں آپ سے رکھا نہ قدم　　بارہا گفتہ ام و بار دگر می گویم
کہ من دل شدہ این رہ نہ بخود می پویم
کس طرح مانوں نصیحت میں تمہاری اور پند　　یہ زباں اور طرف سے کھلے اور ہووے بند
میں نہ اب آپ سے کہتا ہوں سخن پست و بلند　　در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم
پھیر دو دل کو جو تقدیر میں ہے تم کو دست　　اتنا اکڑو نہیں رندوں سے ذرا یاں ہو پست
شیخ صاحب یہ سنو کہتے ہیں معذور ہے مست　　من اگر خارم و در گل چمن آرائی ہست
کہ ازاں دست کہ او پرورَدم می رویم
روز اول سے کہا پیر مغاں نے مجھے مست　　شیشہ اور جام بھی پہنچا ہے مجھے دست بدست
کیفیت اُس کی نہ سمجھے جو نہ ہو بادہ پرست　　گرچہ با دلق ملمع مئے رنگین عیب است
مکنم عیب کزین رنگ ریا می شویم
پہنچی ہے گوش میں دل کے مرے رحمت کی نوید　　مجھے رونے میں خوشی ہوتی ہے دیکھو جاوید
قطرۂ اشک کو دامن میں ہوں رکھتا بہ اُمید　　دوستان عیب من بیدل بے دین مکنید

گوہرے دارم و صاحب نظرے می جویم

شیخ کیوں مست ہوا ہے نہیں پانے کا تو دست — تہمتِ دخترِ رز سے کوئی ڈرتے ہیں مست
ایسی باتوں سے نہیں آنے کی کچھ ان کو شکست — خندہ و گریۂ عشاق ز جائے دگر است

می سرایم بشب و وقتِ سحر می مویم

بندۂ پیرِ مغاں ہوں جو کچھ ہونی ہے سو ہو — خاک اُس کوئے مبارک کی مرے سر پہ ہو
عشق میخانہ کا جانا مرا چھٹتا ہے گو — واعظم گفت کہ حافظ رہ میخانہ مپو

ہاں مکن عیب کہ من مشک ختن می بویم

تضمین غزل حافظ شیراز قدس سرہ

عَلَمِ ہستیٔ موہوم نہ ہو کیوں کر پست — ہے ستم یہ کہ نہ ہو شیشۂ تقویٰ کو شکست
اس ادا سے جو نظر آوے وہ معشوقِ الست — زلف آشفتہ و خو کردہ و خنداں لب و مست

پیرہن چاک و غزل خواں و صراحی در دست

خانۂ ہوش بر انداز فریبِ دل و جاں — نشۂ حسن سے سرشار بلائے ایماں
شعلہ رخسار و گل اندام و سہی سرو رواں — نرگس عربدہ جوی و لبش افسوس کناں

نیم شب مست ببالین من آمد بہ نشست

آیا جب ناز سے وہ دشمنِ صبر و تسکیں — پرتوِ حسن سے گل ہوگئی شمعِ بالیں
عشق کے درد سے دیکھا جو مجھے تاب نہیں — سر فرا گوش من آورد و بآوازِ حزیں

گفت کاے عاشقِ شوریدۂ من خوابت ہست

حلقۂ زلف میں دل ہو گیا میرا اب بند — چشم نے مست کیا مجھ کو نشہ کی سوگند
عبث اے ناصحِ غافل تو نہ دے مجھ کو پند — عاشقے را کہ چنیں بادۂ شبگیر دہند

کافرِ عشق بود گر نہ شود بادہ پرست

حق نے یہ تجھ کو دیا زہد و ریا و تزویر   اور ہمیں عشق و جنوں گریہ و آہِ شبگیر
اس میں ٹک دیکھ تو ہے کچھ بھی ہماری تقصیر   بروائے زاہد و بر دردکشاں خوردہ مگیر
کہ جز این تحفہ ندادند بما روز الست

تاب و طاقت نہ تھی تقدیر سے جو کرتے رم   منہ نہیں موڑتے اب تیغِ قضا ہے اور ہم
تو بھی آ منصفی پر اور نہ ہو اتنا برہم   آنچہ او ریخت بہ پیمانہ ہمان نوشیدم
اگر از خمر بہشت است و راز بادۂ مست

عشق تنہا نہیں اُس نرگسِ مخمور سے خوار   شیخ نے توڑ کے تسبیح کو پہنا زنّار
گردشِ چشم سے ہے اُس کی خلائق سرشار   خندۂ جامِ مے و زلف گرہ گیر نگار
اے بسا توبہ کہ چون توبۂ حافظ بشکست

تضمین غزل حافظ شیراز قدس سرہ العزیز

مانع نہ ہو تو اے شیخ گمراہ   جاؤں نہ کیوں کہ ہے وہ مری راہ
جوں شمع سر کا کٹتا ہے دل خواہ   گر تیغ بارد در کوئے آن ماہ
گردن نہادیم اَلحُکمُ لِلّٰہ

جب تک رہے گا دم میں مرے دم   رندی سے زاہد کرتا ہوں میں رم
باتیں ورع کی مجھ کو سنا کم   آئین تقویٰ من نیز دانم
لیکن چہ چارہ با بخت گمراہ

کس سے کرے اب آگاہ توبہ   وحدت میں کب ہے دل خواہ توبہ
کرتا ہے ناداں گمراہ توبہ   من رند و عاشق آنگاہ توبہ
یا جامِ بادہ یا قصہ کوتاہ

تجھ سا جہاں میں ہے کوئی جلاد   ہاتھوں سے تیرے فریاد فریاد

تو ہے ستم میں اے شوخ اُستاد — عکسی زجہت برما نہ اُفتاد
آئینہ رو یا آہ از دلت آہ

داڑھی کو اپنی اے شیخ کر لپیٹ — رندوں کے پاس آ لے جام ہو مست
طامات وتزویر تو بھول یک بست — دلق ملمع زنّار راہ است
صوفی نداند این رسم واین راہ

باندھی ہے ہم نے یاں تک تو ہمت — کچھ ہو ہماری گو اس میں نوبت
جاوے بلا سے دنیا و دولت — رخ برنتابم از راہِ خدمت
سر برنداریم از خاکِ درگاہ

کہتے تھے اس کو سمجھا کے محرم — آنسو کو اپنے کر تو ذرا کم
مانی نہ اس نے اے عشق ہمدم — حافظ نمیشد رسوائے عالم
گر گوش کردی پندِ نکوخواہ

تضمین غزل حافظ شیراز قدس سرہ العزیز

نشۂ عشق کی دولت یہی بھرتا ہوں دم — ہے مساوات مجھے اپنا وجود اور عدم
نہ بہشتوں کی تمنا نہ جہنم کا غم — فاش می گویم واز گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہان آزادم

عشق نے لا کے عدم سے مجھے بخشا جو وجود — اُسے معبود سمجھ میں نے کیا وہیں سجود
آگے میں کیا کہوں جو کچھ کہ ہوا اُس سے نمود — من ملک بودم و فردوس برین جایم بود
آدم آورد درین دیر خراب آبادم

پس سن لے زاہد خود بیں نہ رکھ اب مجھ سے نفاق — صرف آنا ہی جہاں کا ہے مرے دل پر شاق

پشم ہے آگے مرے سلطنتِ شام و عراق　　طائرِ گلشنِ قدسم چہ دہم شرحِ فراق
کہ درین دامگہِ حادثہ چون افتادم

عشوہ و نازِ بتاں اور یہ زلفوں کی لہر　　نشۂ زندگی و حبِّ جہاں خوبیٔ شہر
سیرِ گلزار و ہوا داریٔ گل رونق دہر　　سایہ طوبیٰ و دل جوئیٔ حور و لبِ نہر
بہ ہوائے سرِ کوے تو برفت از یادم

کچھ نئی طرزِ جہاں سے بنی تھی میری ساخت　　تس پہ آ عشق نے یہ مملکتِ دل کیا تاخت
دلِ محزوں جو رہا اُن کے کی اندوہ سے ساخت　　کوکبِ بخت مرا ہیچ منجّم نشناخت
یارب از مادرِ گیتی بچہ طالع زادم

درس خواں عشق کے دفتر کا ہوں میں زار و نزار　　تنگ ہے عقل سے کہتا ہوں اسے سب سے پکار
ایک ہی حرف سبق کر نہ بے زاہد تکرار　　نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامتِ یار
چہ توان کرد دگر یاد نداد اُستادم

عشق سے حال صنم اُس کا ہوا سخت زبوں　　اور دل اُس کے پہ بے طرح لگی تیغِ جنوں
بات کو میری اگر مانے تو میں تجھ سے کہوں　　پاک کن چہرۂ حافظ بسرِ زلف ز خوں
ورنہ این سیل دما دم ببرد بنیادم

تضمین مثلث

اس دمِ بازپسیں میں تو نہ کر مجھ سے رم　　آں قدر باش کہ من از سرِ جان برخیزم
چون بغم خانہ ام اے بندہ نواز آمدۂ

کٹی جس طرح کل کی رات سو میں کیا کہوں ہمدم　　خدا آسان کند امشب چہ مشکلہا است در پیشم
یکے بے رحمیٔ قاتل دگر این سخت جانی ہا

عاشق پہ احتساب کو اپنے نکر رواں
اے محتسب تو دانئ شرع و اساس آں
قانونِ عشق را بگذار آن چنان کہ ہست

جو کچھ شے ہے جہاں میں اُس کو ہے حد
چہ چیز است آنکہ پایانے ندارد
شبِ ما ہجر ما افسانۂ ما

جہاں سے کس طرح ہووے یہ رسم نوحہ نیست
ز پارۂ دلِ من ہیچ گوشہ خالی نیست
کدام سنگ دل این شیشہ بر زمین زدہ است

نہ بلبل کی طرح نالاں نہ ہنستا ہوں برنگِ گل
ز احوالم چہ می پرسی مرا عمریست چون کاکل
سیہ بختم پریشان روزگارم خانہ بر دوشم

حشر میں بھی نہ ہوں گا میں بیدار
رفتم از خویش وقتِ رخصتِ یار
اُو چنان رفت و من چنین رفتم

سچ مان مری بات کو اے کافر کیش
آتش بزنم بر دلِ سودا زدۂ خویش
گر یک نفس از یاد تو غافل شدہ باشد

جینے کی تمنا ہی مرے دل سے اُٹھا دی
گر لذتِ زخم جگر اینست فصیحی
صد حیف کہ بر ہر سر مویم جگرے نیست

مطلعہا در مثل وغیرہ

کن نے چاہا تھا کہ آفت آوے یہ یکبارگی
ہے مثل مشہور اے دل بندگی بے چارگی
رہ نہ پردے میں دل یہ بے کل ہے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

زلفوں میں مت اُلجھ دل ہے تار تار سودا
کس طور سے بنے گا یک سر ہزار سودا

اگر سر جائے جانے دے محبت پر نظر کر دل
نہ شکوہ کو زباں پر لا حسابِ دوستاں در دل

ترے آگے سر بازی آسان ہے
پکڑ تیغ یہ گو یہہ میدان ہے

بتاں سے اب تو کہتا ہے کہ ہووے گا سو ہووے گا
اگر دل لگ گیا ظالم تو دھر سر ہاتھ رووے گا

مل اشک و آہ دونوں دیتے ہیں یہ گواہی
پہنچا ہے شور تیرا از ماہ تا بماہی

نہ ہووے دل کہ کسو سے تو آشنا ہووے
ذرا تو چین دے ظالم ترا بُرا ہووے

ہوا ہے دل مرا نازک مزاج ایسے پہ اب شیدا
کروں تقریر جو صندل سے دردِ سر کرے پیدا

تم جو آئے ہو ادھر یار کدھر بھولے ہو
کچھ کہو ہم تو نہ مانیں گے، مگر بھولے ہو

دل حلقہ بگوش ہو گیا ہر چند سنبھالا
ہے حلقۂ تسخیر ترے کان کا بالا

دل تو کس گنتی میں ہے، تقدیر کامل پھیر دے
تیرا ہی دل پھیر دے یا میرا ہی دل پھیر دے

کہتے ہیں تقدیر کی باتوں کو کامل پھیر دے
یارب ایسے کو ملا جو دونوں کا دل پھیر دے

کہنے لگا کہ تیغ سے تو منہ نہ موڑیو
میں نے کہا کہ تو بھی سکتا نہ چھوڑیو

بے وفائی کو مری عین وفا جانا کر
جو بُرا تجھ سے کروں اُس سے بھلا مانا کر

رُباعیات در توحید

کہتا ہوں[۱] جو کچھ جہان تو اس کو الحق
اللہ سوا نہیں جہاں میں الحق
اجسام و مثال و روح و اعیان و شیون
ان سب میں ہے جلوہ گر وہ ذاتِ مطلق

دیگر

کر دور مرے دل سے غبارِ کثرت
تا آوے نہ فہم میں دوئی کی نسبت
تجھ سے میں تجھی کو مانگتا ہوں صاحب
رکھیو مری آنکھوں میں ہمیشہ وحدت

۱۔ ر۲ کہتا ہوں تجھ سے جان تو اس کو اصدق۔

دیگر

مطلق سے مقید پر ہے عاشق کی نگاہ
واجب سے ہی ممکن کو میں سمجھا باللہ
تنزیہہ سے میں عالمِ تشبیہہ میں آہ[1]
گویا ہوں زباں سے لاَاِلٰہَ اِلاَّ اللہ

دیگر

اس رمزِ حقیقت سے جو ہووے آگاہ
اس بات پر اب عشق کی بیشک ہو گواہ
ممکن نہیں ہے غیر بجز واجب کے
ہے عابد و معبود وہ اللہ اللہ

دیگر

ہے کفر اگرچہ حق کو میں غیر کہوں
پر کعبہ کو کس طرح سے کہہ دیر کہوں
لاریب دلیلِ اَینما کنتم سے
لازم ہے کہ ہم کعبہ و ہم دیر کہوں

دیگر

ساری کہوں یا اُس کو میں ہم سیر کہوں
اب بت کہوں یا اُس کے تئیں دیر کہوں
دلبر[2] میں دل یا دلبر دل میں ہے
عشق اُس کو بتا کس طرح سے غیر کہوں

دیگر

اثبات سے تحقیق کے جو ہے آگاہ
کرتا ہے وہ[3] نفی ماسوا کو باللہ
اے مومن و کافر یہ ہے بے فائدہ بحث
ہے دیر و حرم بیچ وہی عشق اللہ

دیگر

وہ دل کہ جسے سمجھے تھے مسجودِ نگاہ
کہتی تھی خلایق اُسی[4] کو بیت اللہ
اے عشق بیک چشم زدن ہو کے خراب
مشہور یہ بت خانہ ہو، اللہ اللہ

دیگر

دنیا کے تئیں چھوڑ کہ ہے مثلِ سراب
اور دیں پہ رقم نیستی کا کھینچ شتاب

---

۱ ن۲ آہ۔ ۲ دلبر میں دل ہے اور دلبر دل میں۔ ۳ ن۲ وہی۔ ۴ ن۳ اسکو، ناموزوں ہے۔

چونسٹھ پینسٹھ سے گزر[1] چھیاسٹھ کو دیکھ — ہمت جو بلند ہو تو ہو فتح الباب

دیگر

اے دیدۂ بے دید ہے دو قسم کی یاں دید — بے فایدہ ہے دید نہ ہو دید کی جو عید
ادراک مرکب ہوا ادراک کا ادراک — ادراک بسیط ہو جو نہ ہو دید کی فہمید

دیگر

گنتی میں وہ ہے ایک ہزار و سو کیا — ہے طاق سبھی، یہ سات پانچ اور نو کیا
اس نکتہ میں ہے حسابِ فردِ عالم — دیکھا تو کیا دگر نہ دیکھا تو کیا

دیگر

بے شک معشوق رہنما ہوتا ہے — عاشق کا وہی بلکہ خدا ہوتا ہے
جو عشق نہیں ہے عین حق بارے، کہہ — کیوں دیکھ کے تو اُس کو فنا ہوتا ہے

دیگر

وحدت کا سخن پہنچے اگر گوش تلک — تحقیق سمجھ اُس پہ نہ لا ہرگز شک
کر اُس کا مراقبہ تو یاں تک عاشق — تا دل سے نکل کے پہنچے وہ آنکھوں تک

دیگر

معدوم حقیقی ہے نہیں اُس کو وجود — سمجھا ہے جسے تو بود، سو ہے نابود
ما و من و تو اَنَا ھُوَ شانیں ہیں — نقصان سمجھ نہ ہو تو کل ہے مقصود

دیگر

جب تو نے سُنی بات کہ اللہ معک — پھر دیدہ و دل میں رکھ، نہ لا اصلا شک
توحید ہے منظورِ عیانی سب کو — آنکھوں سے تو دیکھ اور زباں سے مت بک

---

[1] گزار۔

دیگر

ہستی نے وجود اگر نہ پایا ہوتا
دنیا کا یہ رنج کیوں اٹھایا ہوتا
سب عمر کٹی گناہ کرتے کرتے
اے کاش جہاں میں میں نہ آیا ہوتا

دیگر

اثباتِ وجود اپنے پہ لا کوئی گواہ
تب قدرت و فعل اپنے پہ تو کیجو نگاہ
اس ہستیٔ موہوم پہ نازاں جو ہو
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

دیگر

محزوں ہے کبھو حال کبھو ہے مسرور
ہے عجز کسو وقت کسو وقت غرور
ہوں بستۂ واردات سچ تو یہ ہے
مختار صنم ہے اس کو سمجھا مجبور

دیگر

معشوق تو ہے ایک پہ ہیں شیشے کئی
ہر شیشہ[1] میں صورت ہے نمود اس کی نئی
ہے لعل میں وہ لعل اور ہے زرد میں زرد
مت عشق یک اس کے آگے کرجا تو کئی

دیگر

دوزخ میں ہمیں یا تو بہشتوں میں رکھ
یا آدمیوں میں یا فرشتوں میں رکھ
ہم تم سے جدا نہیں نہ تو ہم سے جدا
پھر نام کو یا خویوں میں یا زشتوں میں لکھ

دیگر

جو کھینچ چکے ہیں گرم و سردِ دنیا
کہتے ہیں جہاں میں ان کو مردِ دنیا
ہم مرد گنیں دفترِ دل سے جو شخص
لے پھاڑ کے پھینک دیوے فردِ دنیا

دیگر

ہے خوب بتوں سے بے وفائی کیجے
پتھروں سے کہاں تک آشنائی کیجے

---

۱ ر ۳ ر ۴ شیشے۔

سمجھاتے ہیں ہم دل کو اگر سمجھے عشق　　دل دیجے خدا کو اور خدائی کیجے

دیگر

بگڑی ہے بہت کیوں کے صفائی کیجے　　بنتی نہیں جو اُس سے جدائی کیجے
اُٹھ جاوے اگر غیریت اللہ اللہ　　لاریب یہی ہے پھر خدائی کیجے

دیگر

معشوق یقیں ہے خود نما ہوتا ہے　　عاشق کے مزاج سے جدا ہوتا ہے
یہ بندۂ عشق اب پکارے کیوں کر　　سب کہتے ہیں اُس کو کہ خدا ہوتا ہے

دیگر

محبوب بہت بلند اور تو ہے پست　　امروز کہاں عشق کہاں روز الست
بیعت کر جو ہووے دستگیری تیری　　تحقیق یہ سودا ہے میاں دست بدست

دیگر

دریا جو بھرے دم تو کہیں اُس کو بخار　　جب دم متراکم ہوئے تب ابر شمار
قطرہ ہو کے جب ٹپکے تو مینہہ کہتے ہیں　　پھر سیل ہو دریا ہوا وہ آخر کار

دیگر

کیا تجھ سے کہوں نہیں تو اس سے آگاہ　　کہتی ہے تمام خلق گاہ و بے گاہ
کھلے ہیں جنھوں کے کان سنتے ہیں اسے　　ہم بندۂ[1] ہیں اُس کے وہ ہمارا اللہ

دیگر

اے عشق شہی و پاسبانی کب تک　　تحصیل حصولِ زندگانی کب تک
شعلہ میں تو اُنظر کے جلا اپنا آپ　　اَرِنی و جوابِ لَن تَرانی کب تک

---

[1] بندے۔

دیگر

سینہ کے لطائف جو کھلیں صاحب دل | تب جسم مثالی بھی ہوویں حاصل
اس بات پہ تمثیل تو سُن مجھ سے عیاں | دو شمع جلیں تو ہوئیں[1] پیدا دو ظل

دیگر

کہتا ہوں سخن سنے جو ہووے شنوا | دیکھے بھی اگر چشم ہو اُس کی بینا
ہے ایک حقیقت میں یہ کثرت ہی نمود | جا دیکھ لے تو ہزار بیں کا شیشا

دیگر

بے فائدہ اس امر میں ہے قال و مقال | ہوویں جو وجود دو تو ہے سخت محال
انجام نہ ہو ایک کا جب تک بالفرض | آغاز نہ ہو دوسرے کا صاحبِ حال

رُباعی در نعت حضرت رسالت صلعم

مضمون یہ عشق دل میں میرے آیا | اس رمزِ رسالت کو نظر سے پایا
تھا ظلِ خدا جسم محمدؐ بے شک | ہوتا ہے کہیں سائے کا یارو سایا

دیگر

سمجھے گا جو اس رمز کو ہو گا شیدا | بے مثل کیا خدا نے رتبا[2] اُس کا
پرچھاویں[3] کو تشبیہہ تو کچھ شخص سے تھی | اس واسطے تھا نہ ظلِ احمد پیدا

رباعیات در منقبت حضرت شاہ ولایت علیہ الصلوٰۃ والسلام

یا شاہِ نجف سرور و سرتاجِ ولی | اے انفسنا انفسکم ذاتِ نبی
بندا[4] ہے ترے بندوں میں کمتر یہ عشق | رکھ اس پہ کرم اپنے کو مخفی و جلی

---

۱ ہوویں۔ ۲ رتبہ۔ ۳ پرچھائیں۔ ۴ بندہ۔

دیگر

دل چاہے اگر نجات کر یادِ علی
ہیں شافع روزِ حشر اولادِ علی
اللہ نے مشکل میں محمد سے کہا
اے دوست فراموش نہ کر نادِ علی

دیگر

دے ظاہر و باطن میں مجھے عز و شرف
اطراف سے چھٹ جاؤں رہوں تیری طرف
پھر تجھ[1] سے سوا کس سے کہوں اپنا حال
یا شاہِ نجف شاہِ نجف شاہِ نجف

دیگر

رتبہ کو ترے کیوں کے کرے کوئی نگاہ
دل تجھ کو سمجھتا ہے مری جائے پناہ
کعبہ میں ہوا عدم سے تیرا جو وجود
سب دیکھ کے بولے تجھے، اللہ اللہ

دیگر

دیتا ہے خبر مجھ کو یہی جل و علا
مضمون[2] حدیث سے یہی ہے پیدا
ہے مظہرِ کل بابِ مدینہ بے شک
اعلا ہے علی اور علی ہے اعلا

دیگر

مقصود[3] مرا سمجھے جو ہووے آگاہ
بے شک ہے علی ولی مرا جائے پناہ
پیدا ہو جہاں میں کوئی ثانی اس کا
لا حول و لا قوۃ الا باللہ

دیگر

کوئی غرقِ نماز و روزہ یا مکر و فسوں
کوئی چلہ کشی سے ناتوان و محزوں
ہیں اور خیال برزخِ شاہِ نجف
کل حزب بما لدیھم فرحون

دیگر

کہتا ہوں میں وہ بات کہ ہے سب کو کھلی
منظور رہے دل پہ یہ مخفی و جلی
محشر میں محمد سے شفاعت چاہے
رکھتا ہو جہاں میں جو کوئی حُبِّ علی

ا ر۲ تیرے۔ ۲ ر۲ کھتا۔ ۳ ر۳ ر۴ مقصدوہ۔

در ساختن وجہ نقل مرقد مبارک امام عزہم

نھا نورِ امام سے (یہ) جہاں مالا مال
فیضانِ وجودِ اُس کے سے ہر دل نہا نہال
خورشید ہوا جو برجِ خاکی میں غروب
زیارت کو محبوں نے بنائی تمثال

دیگر

جو چاہے کہ پہنچے شہِ مرداں سے مدد
اُس راہ تو چل جس میں نہ ہو دام و دد[1]
سو مذہبِ عشق ہے تو کر دیکھ حساب
ہے حُبِّ علی سننے سے اب ایک عدد

دیگر

شیطاں کو بہ ذوقِ لعن شاداں پایا
اور شیخ کو دوزخ سے حراساں[2] پایا
تھے دونوں کو دعوائے محبت اے عشق
ان دونوں میں تو نے کس میں نقصاں پایا

دیگر

مشتاق تقرب کا ہے عاشق بے خویش
بیزار ہے دوری سے ہمیشہ درویش
ہے معنیٔ لعن یار و دور از رحمت
عاشق نہیں وہ جس کا یہ ہو ملت و کیش

دیگر

جو عشق کو تو ہاتھ سے اب کھو دیگا
آخر کو ندامت سے صنم رو دیگا
بگڑا نہیں کچھ اب بھی اگر سمجھے تو
کل تو نہیں معلوم کہ کیا ہو دیگا

دیگر

دنیا کے لیئے یہ ترک تازی کیجے
ہر طرح سے عشق حیلہ سازی کیجے
ٹک دل میں سمجھ کر[3] اپنے انصاف تو کر
کس زیست پہ اتنی بٹہ بازی[4] کیجے

دیگر

دنیا میں تو ہم نے دلربائی دیکھی
پریاں تو کچھ اور ہی خدائی دیکھی

---

[1] اس راہ میں چل جس میں نہ ہو دام نہ دد۔ [2] ہراساں درست ہے۔ [3] سمجھ کے۔ [4] بٹہ بازی۔

دل لے کے یہ کہتے ہو کہ کیا جانوں میں　　ان آنکھوں میں ہم نے یہ صفائی دیکھی

دیگر

ہر آن تھی الفت سے مرے دل پہ نگاہ　　ہر وقت جتلاتے تھے مجھے اپنی چاہ
مربوط جواب عشق میں پایا ہے مجھے　　آنکھوں کو چرانے لگے سبحان اللہ

دیگر

سودا ہوا جن نے نو خطاں کو دیکھا　　دیوانہ ہوا جن نے جہاں کو دیکھا
جُز دل کے نہ دیکھ عشق ہرگز ہرگز　　کیا فائدہ اس میں این و آں کو دیکھا

دیگر

کہتا ہے کوئی کہ گلستاں کو دیکھا　　کہتا ہے کوئی کہ این و آں کو دیکھا
فرمایا مجھے عشق نے اس بات کو سُن　　جب آپ کو دیکھا تو جہاں کو دیکھا

دیگر

کہتا ہے کوئی پکے کو کچا کچا　　کیوں کر کہے اب بُرے کو اچھا اچھا
جو راستی کہئے تو غضب ہوتے ہیں　　کس طور کہے جھوٹے کو سچا سچا

دیگر

منظور یہ ہے نفس تجھے حرمت ہو　　کچھ دم بڑھے کچھ شان ہو کچھ شوکت ہو
یہ رسم جہاں کی بھیڑیا چال سی ہے　　کیا کیشم ہے اس بات پہ غرہ مت ہو

دیگر

سالوسی[1] سے معتقد بنائے تو کیا　　مکاری سے مرشد جو کہائے تو کیا
جو عشق نہیں ہے تجھ کو حق کا، مردم　　آئے تو کیا وگر نہ آئے تو کیا

دیگر

مضموں ہے غلط یار جواب بکتے ہیں　　لگتے ہیں وہی گل جو لگ سکتے ہیں

۱۔ سالوس۔

کس طور ملیں اُس سے اگر عید بھی ہو | وہ مصرعۂ موزوں ہے اور ہم سکتے ہیں

دیگر

ہم ساری مصیبتوں کو سہہ سکتے ہیں | پر حرفِ تمنا کو نہ کہہ سکتے ہیں
اک آن میں دکھلاوے خفیفت اے عشق | پر کیا کریں اُس بن نہیں رہ سکتے ہیں

دیگر

پاس اس کے اگر یار کوئی ہوتا ہے | باتیں نزی کر یاد بہت روتا ہے
ہو جاوے قریب ہے وہ بیچارہ تمام | تو اب تلک اے عشق پڑا سوتا ہے

دیگر

دل جان کو رو رو کے عبث کھوتا ہے | احوال پہ تیرے تو جہان روتا ہے
دل ہنس کے لگا کہنے کہ سُن مجھ سے عشق | ایسا ہی محبت میں میاں ہوتا ہے

دیگر

بیدار کوئی اور کوتی سوتا ہے | ہنستا ہے کوئی اور کوئی روتا ہے
اے مرگ شتاب آ کہ میں محجوب نہ ہوں | معشوق مرا مجھ سے جُدا ہوتا ہے

دیگر

رو رو کے جو کہتا ہوں کہ ظالم پاس آ | ہنس ہنس کے وہ کہتا ہے کہ ایسی اچھا
دل طالبِ زندگی صنم طالبِ مرگ | جی ناک میں آیا ہے کروں یا رو کیا

دیگر

ٹک جامہ کے بندوں کو اگر دیجئے کھول | ہو جاوے صفا یہ چولی ہووے بے جھول
دامن کو جھٹک کہنے لگا غصہ ہو | چل دور ہو سامنے سے ہم سے مت بول

ا ٢ و ٦ دکھلاویں۔ ٢ ٢ شتابی۔ ٣ ٣ ٤ جامے۔ ٤ ٣ ٤ ٦ غصے ہو۔

دیگر

کیا دل میں مرے غلط یہ ظالم آیا
جو عشق کا مذکور ہیں تجھ سے لایا
ہنس ہنس کے لگا کہنے مثل ہے یہ سنی
جیسا کیا ہم نے یارو ویسا پایا

دیگر

کیا تجھ سے کہیں کہ یار کیسا پایا
ہم مر گئے آنکھوں میں نہ آنسو لایا
تقدیر سے چلتا ہے کسی کا کیا عشق
جو جو کیا ہم نے سو ہی آگے آیا

دیگر

معشوق بہت دیکھے ہیں ہم نے کم سن
ہر بات پہ کرتے نہیں اتنا غِن غِن
ہم دن کہیں بالفرض تو تم رات کہو
ہم رات کہیں اُس کو تو تم کہتے ہو دن

دیگر

روتے ہی کٹی عشق جوانی اپنی
ہوئی بلکہ تمام، زندگانی اپنی
القصہ کہے گا اس کے آگے کوئی
دنیا میں چلے چھوڑ کہانی اپنی

دیگر

دکھلا کے ہمیں کرتے ہو اوروں پہ نگاہ
مجبور ہو سینہ[1] سے نہ نکلے پھر آہ
بے غیرتی[2] بے عزتی ہمراہ لئے
آتے ہیں ترے کوچے میں خواہ و ناخواہ

دیگر

ہوتی ہے نگاہِ ظلم گاہ و بے گاہ
دل لطف سمجھ اسی کو کرتا ہے آہ
شکوہ کریں کیا اس کا ہم افسوس افسوس
یہ چاہ تمہاری اور ہماری یہ چاہ[3]

دیگر

نے حرف زباں پہ ہے ہماری نے صوت
ایام بہار ہوویں بلبل کو موت
معشوق سوا عشق شگفتہ ہووے[4]
العادت لا یُعَدُّ الّا فی الموت

---

[1] ر۳، ر۴ سینے۔ [2] ر۳ ر۴ ... [3] شکوہ کریں کیا اس کا ہم افسوس افسوس ÷ یہ چاہ تمہاری اور ہماری یہ چاہ
[3] یہ رباعی صرف ا، ۲، ر۶ میں ہے۔ [4] ر۶ ہوئے۔

دیگر

مدت ہوئی گو دل کی مدارات نہیں
جس طرح سے تھی تیری ملاقات نہیں
جو گذری میاں گذری یہ ہے سخت غضب
جس بات پر ہم مرتے تھے سو بات نہیں

دیگر

دل بوسہ طلب ہوا ہے تجھ سے اے ماہ
کہنے لگا مت ہوجیے اتنا گمراہ
پڑتی ہے کہیں چاند پہ گو ڈالو خاک
یہ راہ تمہاری اور ہماری یہ راہ

دیگر

سوتے نہیں جو کوئی جگا وے ہم کو
روٹھے نہیں جو کوئی منا وے ہم کو
ملنا تو نہ ملنا ہے، نہ ملنا ملنا
پاوے وہی تم کو جو نہ پاوے ہم کو

دیگر

تا چند حدیثِ این و آں کی میں پھروں
کب تک غمِ دی و دردِ فردا میں مروں
از بہرِ خدا جلدی سے کچھ عشق بتا
حیران ہوں کیا کروں کہ پھر کچھ نہ کروں

دیگر

اے عشق شب و روز جو حیراں ہے تو
کس چیز کے واسطے پریشاں ہے تو
یہ فکر ہے بے جا اسے تو دل میں نہ رکھ
دنیا میں کئی روز کا مہماں ہے تو

دیگر

اجارۂ نشاط و کامرانی کب تک
مدہوشِ شرابِ ارغوانی کب تک
فرسودہ کرے گی تجھ کو پیری آخر
ٹک دل میں سمجھ یہ نوجوانی کب تک

دیگر

ٹک سوچ کے دل میں دیکھ کیا[1] کہتے ہیں
بد کہتے ہیں یا تجھ کو بھلا کہتے ہیں

ا۔[2] کہہ۔

ان دونوں کو جانے دے یہ نکتا[1] سن لے　　اچھے ہی کو عالم میں بُرا کہتے ہیں

دیگر

معکوس جہاں کی رسم میں پاتا ہوں　　خوش حالی و خوش وقتی میں غم کھاتا ہوں
جاتے ہیں اگر پوچھو کہاں جاتے ہو　　کہتے ہیں جواب اُس کے میں ہاں آتا ہوں

دیگر

اب تجھ سے کہوں جو کچھ کہ گذرا[2] تجھ بن　　سب تجھ سے کہوں جو کچھ کہ گذرا تجھ بن
پہلے کہہ[3] لے کہ میں سنوں گا دل سے　　تب تجھ سے کہوں جو کچھ کہ گذرا تجھ بن

دیگر

اب کہئے جو کچھ کہ ہووے منظور نہیں　　سب کہئے جو کچھ کہ ہووے منظور نہیں
سہر دیتے[4] ہیں تقصیر اگر ہم سے ہو　　تب کہئے جو کچھ کہ ہووے منظور نہیں

دیگر

جوں آگ رہا جان یہ جلتا اپنا　　جوں چشمہ رہا دیدہ اُبلتا اپنا
مل منہ پہ عناصر کے یہ ماٹی تن کی　　ہو جاتے ہوا جو دم نکلتا اپنا

دیگر

سب گھر کی مرے بلا جو تھی عشق ٹلی　　کونین میں حامی ہیں اپنے[5] اور ولی
مقصود و مراد مجھ کو سب حاصل ہیں　　رکھتا ہوں زباں پہ ورد میں نادِ علی

دیگر

جو چیز کہ دلربا تجھے آوے نظر، حد وبے حد　　اس شے سے قدم اپنے کو تو باہر دھر تا ہووے نہ سد
یعنے نہیں دلربائی اُس[6] میں اُس کی، تحقیق یہ ہے　　پر ڈھونڈھ اُسی میں دلربا کا تو اثر مَن جَدَّ وَجَدَ

ا[1] ۲ نکتہ، درست ہے۔ ۲ گزرا۔ ۳ ر۲ کہئے۔ ۴ ر۲ سر دینے کی تقصیر اگر ہم سے ہوئے۔
۵ ر۲ ر۶ نبی۔ ۶ ر۲ اُس میں دلربائی۔

قطعہ در توحید

ہر ایک شے کا جدا حکم ہے شریعت میں
اُنہی کی نسبتوں کا ہے بیاں طریقت میں

برنگ دانۂ انگور و آبِ پاک بلند
وگرنہ ایک حقیقت ہے فی الحقیقت میں

قطعہ در توحید تضمین مصرعۂ فارسی

صفت و ذاتِ خدا از روئے مفہوم کے ہیں
نور اور جِرم سے ہے جیسے وجودِ خورشید

صُوَرِ علمیۂ حق ہے حقیقت اپنی
متحد ہونے میں دونوں کے نہیں گفت وشنید

سنتے اور کہتے تھے اُس وقت بے گوش وزباں
بلکہ بے چشم حقیقت میں تھی دید و وا دید

جب تنزل ہوا ارواح کو اُس عالم سے
تنِ خاکی بمیاں آمد و دیوار کشید

قطعہ در التجا بجناب خواجہ بہاء الحق والدین قدس سرہ

جستجو کر چکا یمین و یسار
ثانی اُس کا جہاں میں اور نہیں

اپنے بندوں کی پرورش میں عشق
خواجۂ خواجگان بہاء الدین

قطعہ سالگرہ صاحبزادہ محمد حسین عرف فقیر صاحب

یارب ہے جہاں کو جب تلک جلوہ گری
یہ سالگرہ ہووے مبارک جاوید

دیتا ہے فلک مہر سے جوں سال بسال
ہر غُرۂ فروردیں میں عقد خورشید

اب تجھ کو مبارک ہو یہ شادی فقیر
اس دور و تسلسل سے یہ نوروز کی عید

ہر سال اُسے عزّ و شرف ہووے نصیب
امید جو رکھتے ہیں ملے اُن کو امید

قطعہ

نہیں وہ ذکر کہ حضرت جی صبح و شام کیا — نہ مے پرستوں کی صحبت جو بھر کے جام پیا
سبب نہ پوچھئے اس آہ و نالہ کا شاید — کسو نے آگے کسو کے کسو کا نام لیا

دیگر

دل گم ہوا سینہ سے[1] تو وسواس بھلا کیا — یعنی ملے گا ڈھونڈے سے کچھ یاس نہیں ہے
ہنس کر یہ لگا کہنے نہ لے مریو کسو کو — دل اپنے کو جا ڈھونڈھ لے ہم پاس نہیں ہے

قطعہ در مثل

جاں کنی پر مری نظر کیجے — مہربانی بڑی نہیں ہے یہ ہم
کہنے لاگا کہ مفت جانِ عزیز — کوئی کھوتا نہیں کہیں[2] بے لم
تب کہا میں مثل یہ سچی تھی — نیکی برباد اور گنہ لازم

قطعہ در مثل

آزردہ غریب دل بچارا — کر خانہ خراب ہو کے ناچار
آزادگیٔ جہاں کو چھوڑا — زلفوں میں تری ہوا گرفتار
اس پر بھی نہ خلق اس سے گذری[3] — اس ڈول سے طعنہ زن ہوئی یار
کہنے لگی دیکھتے ہو یارو — دیوانہ بکار خویش ہشیار

---

۱ ر ۳ سینے سے۔ ۲ ر ۲ کہیں کھوتا نہیں کوئی۔ ۳ گزری۔

قطعہ در تاریخ حوض عمارت کلاں لبِ دریا

ہاتف مجھ سے بولا عاشق ہجری سن سے گر تو سر بر
رمز اس سن کی ہم سے سُن لے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر

قطعہ در توحید

ایک ناداں نے ایک جاناں سے یہ کہا تم سے ہے یہ میرا سوال
خلق کو حق سے نسبتیں ہیں کیا کہیے تا اُٹھے دل سے میرے[1] ملال
ہنس کے اُن نے کہا کہوں کیا میں پوچھے تصویر رنگ کا احوال
لہریں جو پائے آب جو ہوویں کوزہ مٹی کا ہم سے پوچھے حال
پوچھے مصری مٹھائی کیسی ہے پوچھیں انگارے آگ کی تمثال
طاق دیوار سے کرے جو سوال گرہ رشتہ کا دل میں باندھے خیال
حرف پوچھے سیاہی کیسی ہے آگے میں کیا کہوں زباں کو سنبھال
ایک ہے عشق ظاہر و مظہر دور کر دل سے تو خیالِ محال
حق نے بولا درون انفسکم اَفلا تبصرون ہے اس پر دال

تم تمام شد کار من نظام شد این نسخہ دیوان عشق من تصنف مرزا عشق عرف شاہ گھسیٹا صاحب عظیم آبادی بتاریخ بست ۲۹ نہم شہر رجب المرجب سنہ مطابق ہفتدہم ۱۷ ماہ بھادو سنہ ۱۲۱۷ یک ہزار دو صد ہفت دہ فصلی بروز جمعہ بوقت چاشت اختتام یافتہ۔

---

[1] ل٘ میرے دل سے۔

نوٹ :- ضمیمہ ان اشعار پر مشتمل ہے جو مختلف تذکروں اور کتابوں میں بطور نمونۂ کلام عشق درج ہیں۔

(۱) تذکرۂ میر حسن

آہِ جاں سوز کو بسم اللہ[۱] دیوان کیا — عشق نے دیکھتے ہو[۲] پہلے ہی طوفان کیا

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم — تھے تیری طرف جدھر گئے ہم

تا جان نہ ہو[۳] عدول حکمی — تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

تھا کعبہ و دیر سے کسے کام — مقصود تھا وہ[۴] جدھر گئے ہم

جو عشق نہ سمجھے کفر و دیں کو — طرفین سے بے خبر گئے ہم

تصرف چشم کا گر[۵] میں دکھاؤں — تو اک پل میں ابھی[۶] طوفاں اٹھاؤں

یہ ہر دم[۷] بلبلہ سا پھوٹتا ہے — کہاں تک شیشۂ دل کو بناؤں

خانماں کر چکا ہوں میں برباد — اِس پہ وہ میرے[۸] گھر نہیں آتا

خاک جو[۹] شہر میں لگی اُڑنے — عشق کیا چشم تر نہیں آتا

نے دود دِل[۱۰] ہے باقی نے آہ و نہ فغاں ہے — اے سوزِ[۱۱] عشق سچ کہہ تو اِن دنوں کہاں ہے

رونقِ[۱۲] بوستان کیا کیجے — تو نہ ہو تو یہ جان کیا کیجے

---

۱ کلیات سرِ دفتر۔ ۲ کلیات ہیں۔ ۳ کلیات نہ ہوئی۔ ۴ کلیات تو۔ ۵ کلیات جو۔ ۶ کلیات ابھی پل میں۔

۷ کلیات دم میں۔ ۸ کلیات میرے وہ۔ ۹ کلیات تو۔ ۱۰ کلیات درد و غم۔ ۱۱ کلیات شور۔

۱۲ کلیات سلطنت میری جان کیا کیجے ؛ تو نہ ہو تو یہ جان کیا کیجے

ڈر سے اُس کے زباں پہ حرف نہیں — تس[1] پہ ہے بدگمان کیا کیجے
بے نشانی ہے یار کو منظور — عشق نام و نشان کیا کیجے

حرم میں نام سنا دیر میں نشاں دیکھا — سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا
اُسی کا آئینہ ہژدہ ہزار عالم ہے — دوانے[2] کیا کہوں تجھ سے کہاں کہاں دیکھا
نہ[3] عزمِ وادیٔ ایمن نہ طور کا ہے قصد — جو کچھ کہ دیکھنا تھا دل میں سب عیاں دیکھا

دل سا جگر جو رکھے سو اُس سے دو بدو ہو — منہ دیکھو آئینے[4] کا جو اُس کے رو بہ رو ہو

کیا کیا جفائیں ظالم میں نے[5] تری سہی ہیں — تس پر[6] شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کہ[7] بعدِ قتل مجھ کو کس طرح چین آئے — جو حسرتیں تھیں دل کی[8] سو جوں کی توں رہی ہیں

اوروں[9] کا جگر یار جو تیروں سے سیئے ہے — یہ عاشقِ جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام — دوسری پھر[10] اُسے نہ آئی شام

+ رباعی

کعبے میں بہت خاک اُڑائی ہم نے — بت خانے میں صورت بھی نہ پائی ہم نے
آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور — دیکھا تو یوہیں عمر گنوائی ہم نے

پہلے پی زاہد کسی عاشق کے دل سے مِل کے مُل — فی الحقیقت تب نظر آئیں یہ مشتِ گل کے گُل

---

۱ کلیات اس۔ ۲ کلیات پھر اس کو۔ ۳ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۴ کلیات آئینہ۔ ۵ کلیات ہم نے۔
۶ کلیات لیکن۔ ۷ کلیات کس طرح چین آوے کہ بعدِ قتل مجھ کو۔ ۸ کلیات میں۔ ۹ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔
۱۰ کلیات پھر اسے دوسری۔ + یہ رباعی کلیات میں نہیں ہے۔

(۲) طبقات الشعر (شوق)

جن[1] نے گل رو تجھے یہ دشنہ خونخوار دیا ان نے سینہ کو مرے داغ سبزوار دیا
خندہ[2] گام.................. ....گھربار دیا

روبرو تیرے جو[3] نظر کر گیا جان سے اپنی وہ گذر کر گیا
جس کی طرف سے تری آنکھیں پھریں اشک کے مانند سفر کر گیا
کون[4] بیٹھا ترے کوچے میں آ اُٹھ نہ سکا یا رو وہ مر کر گیا
جس کی نظر عشق کے اوپر پڑی چشم کے تئیں اپنی وہ تر کر گیا

جو چھینتا ہے دین اور ایمان یہی ہے کافر کہو یا اس کو مسلمان یہی ہے

(۳) یادگار دوستاں (شورش)

عرش تا فرش سیر کر دیکھا جلوہ گر تو ہوا جدھر دیکھا
تیر کے نام پر تڑپتا ہے اس طرح کا کہیں جگر دیکھا
سحر میں سامری کے کیا قدرت تیری نظروں[5] میں جو اثر دیکھا

اپنی آنکھوں سے پوچھ اے خوش چشم مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا
اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم خاک میں آپ کو ملا دیکھا

دل ہوا جل کے تو تپا تو بھی تری آنکھوں سے آشنا نہ ہوا

---

۱ و ۲ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔ ۳ کلیات چہرہ پہ جو تیرے۔ ۴ کلیات جو کوئی۔ ۵ کلیات تیری آنکھوں

ترا یہ وعدۂ فردا تو دل کو روز فردا ہے کہاں فرصت ہے اے ناداں بھروسا ہے کسی دم کا

منہ کو دکھا اپنے وہ خورشید رو شام غریباں کو سحر[1] کر گیا

حرم میں نام سُنا دیر میں نشاں دیکھا سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا
نہ عزم وادیٔ ایمن نہ طور کا ہے قصد جو کچھ کہ دیکھنا تھا دل میں میں میاں دیکھا

کیا[2] کہوں تم سے کہ میں آپ کو کیا کیا سمجھا اتنا سمجھا کہ جو کچھ سمجھا سو بے جا سمجھا
درد کو دل کے جو تو سمجھے تو ہو اس کی دوا گو مسیحا نے بھی اس[3] درد کو سمجھا سمجھا
دل نے کیا کام کیا عشق بقولِ فرحت ملک الموت کو جو اپنا مسیحا سمجھا

دل کس طرح[4] اس خنجر مژگاں کی سپر ہو مقدور جہاں ہو نہ قضا کا نہ قدر کا

ہنسی بے اختیار[5] آتی ہے سب باتیں ہیں کہنے کی ہماری نعش پر اے سنگدل تو چشم تر ہو گا

آگے ہی جان و دل کیا ہے نذر[6] جو کچھ اب چاہتے ہو لو، دینا

نہ[7] پوچھا حیف تو نے مر گئے ہم پسِ دیوار کوئی نیم جاں تھا

ترے وصل میں لطف کیا کیا نہ دیکھا نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
تری[8] چین ابرو مرا غنچۂ دل دو[9] عقدے ہیں یہ جن کو کھلتا[10] نہ دیکھا
میں رو رو کے آنکھوں[11] سے کی عشق بازی[12] پر[13] ہنس ہنس کے تو نے تماشا نہ دیکھا

---

۱ کلیات سحرکر۔ ۲ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۳ کلیات مسیحا بھی جو اس۔ ۴ کلیات کس طور دل۔
۵ کلیات رہ رہ کے۔ ۶ کلیات نثار۔ ۷ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۸ کلیات ترا۔ ۹ کلیات وہ۔
۱۰ کلیات کھلا۔ ۱۱ کلیات آنسو۔ ۱۲ کلیات شیشہ بازی۔ ۱۳ کلیات یہ۔

کریمی تری جب سے سمجھا ہوں دل میں ۔۔۔ کبھی[1] فکر امروز فردا نہ دیکھا
خدا کی خدائی ہے قائم پر[2] تجھ سا ۔۔۔ نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا

شگوفہ[3] باغ میں ہنستا تھا اس کے خام دعوے پر ۔۔۔ تری آنکھوں کے آگے سبزیہ بادام کیا ہوگا

اور[4] کو مت دکھائیو صورت ۔۔۔ ایک میں بس جہان سے گذرا

کوئی[5] باقی نہ رہا سنگ ترے کوچہ کا ۔۔۔ جس سے سینہ کو دیوانہ نے نہ کوٹا کوٹا

دل کھول ملے وہ یار ہم سے ۔۔۔ ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

دل[6] حلقہ بگوش ہو گیا ہر چند سنبھالا ۔۔۔ ہے حلقہ تسخیر ترے کان کا بالا

نہ[7] کم آیا حق سے نہ بیش آیا ۔۔۔ جن نے جو کچھ کیا سو پیش آیا

اپنی آنکھوں سے ہم نے دیکھا ہے ۔۔۔ کوئی بیمار چشم کا نہ جیا
شست[8] و شو گرچہ آنسوان نے کئے ۔۔۔ تس پہ یہ داغ دل دھوا نہ گیا

سمجھا غنی وہ حق ہی کو اور ماسوا فقیر ۔۔۔ کیوں اغنیا سے عشق کرے التجا عبث

دل[9] تو مت کر فغاں بطور جرس ۔۔۔ ہے خموشی میں معنئ فریاد

---

۱ کلیات کبھو۔ ۲ کلیات پہ ۔ ۳ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۴ و ۵ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔
۶ یہ شعر خفیف اختلاف کے ساتھ ابوالحسن نے محترم کا بتایا ہے۔ یہ کلیات میں نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ ابوالحسن کا انتخاب درست ہو ۔

دل حلقہ بگوش ہو گیا ہر چند سنبھالا ٭ کیا طوق محبت ہے ترے کان کا بالا (مسرت افزا)

۷ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۸ و ۹ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔

کی ہے کون و مکاں کی ہم نے سیر　　جُز خدا کے کہاں ہے یار و غیر
ہے دوئی باطل[1] اور حق موجود　　دید میں ایک ہیں یہ کعبہ و دیر
خلق کی دوستی خوش آتی نہیں[2]　　دل کو بھاتا ہے یار ترا بیر

بلبلیں دیتی ہیں لوری اور جھولاتی ہے نسیم　　طفل غنچوں کو پنگھوڑوں میں سلاتی ہے بہار

باتیں بنا نہ اتنی زاہد تو بیٹھ جا کر　　پایا ہے اب[3] صنم کو ہم نے خدا خدا کر
ناصح تو سعی اپنی ضائع نہ کر بتاں سے　　دل تو جدا نہ ہوگا ہاں سر کو لے جدا کر

افسردہ سمجھ نہ عاشقوں کو　　ان کے دم سرد سے حذر کر

ہے نظر میں اگرچہ[4] خستہ وریش　　پادشاہ دو کون ہے درویش
سب یگانے ہوئے ہیں بیگانے　　جاہ میں تیری یہ ہوا درپیش

خوبرویوں کو خوب دیکھا میں　　کوئی نہیں[5] عشق قابل اخلاص

ناصح اب بکنے کا بجھ سے میں نہیں پاتا دماغ　　ہے[6] نصیحت تیری ظالم داغ بر[7] بالائے داغ

اثر کرتی نہیں اس سنگدل میں　　اس آہ نارسا کے ہوں تصدق

جاتے ہوئے دم کو بھلا روکے کوئی کب تک　　آنا ہے تو آ جا کہ نفس باقی ہے اب تک

غنچہ میں گو ہزار ہوئے[8] رنگ اور نمک　　منہ دیکھو اس کا ایسا دہاں تنگ اور نمک

---

۱ کلیات دوئی باطل ہے۔ ۲ کلیات سے کام نہیں۔ ۳ کلیات اُس۔ ۴ کلیات گرچہ ظاہر میں ہے۔
۵ کلیات ہے۔ ۶ کلیات یہ۔ ۷ کلیات ہے۔ ۸ کلیات ہوا۔

رہی یہ آرزو آخر کے دم تک — نہ پہنچا سر مرا تیرے قدم تک
نشانا اور کوئی منظور ہے آج — جو تیر اس کا نہیں آتا ہے ہم تک

ترے ہاتھوں سے چشم تر گئے ہم — غرض روتے ہی روتے مر گئے ہم

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم — تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں نہ ہوئی عدول حکمی — تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں — لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کس طور چین آوے کہہ بعد قتل مجھ کو — جو حسرتیں تھیں دل میں سو جوں کے توں رہی ہیں

باہر ہے تقریر سے یہ گفتگو — ہم جو کچھ ہیں آپ کو ہم جانتے ہیں
تیغ ابرو کو جب وہ تانتے ہیں — دھڑ سے ہم سر کو دور جانتے ہیں
تاجدارِ غرور ہیں جتنے — اس کے کوچہ میں خاک چھانتے ہیں

خوش ہوں میں تجھ سے صنم وعدۂ فردا نہیں دور — پر قیامت ہے جو وہ دن ہو فراموش کہیں

یہ حسن یہ ادا یہ نگاہیں یہ گرمیاں — نام خدا کہاں ہیں کسی طرحدار میں

رد و قبول کی طرفین کچھ رہی نہیں — واں جو نہیں نہیں ہے تو یاں بھی نہیں نہیں
عاشق کی گور زاہد تاریک کیوں کے ہووے — جوں آفتاب تاباں ہے داغ دل کفن میں
رسوائی جو جو ہم نے ہشیاری میں اٹھائی — دیکھی نہ ہوگی مجنوں تو نے دیوانہ پن میں

---

۱ کلیات ہی منظور۔ ۲ کلیات دور۔ ۳ کلیات کوچے۔ ۴ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔
۵ کلیات قبر۔ ۶ کلیات کس طرح۔ ۷ کلیات اٹھائی۔

جان ہی کو جہان سمجھتے ہیں　　یہ سمجھ ہم ندان سمجھتے ہیں
یہ تبسم نہیں ہے کچھ لے چیز　　ہم بھی اے مہربان سمجھتے ہیں

آفتِ جاں ہیں یا بھبھوکے ہیں　　چشم بد دور یہ[1] کسو کے ہیں
جاں نثاروں میں اپنے بوجھ ہمیں　　اور یہ یار گفتگو کے ہیں

جواب صاف تو آگے یہی عاشقوں کو تھا　　نمود خط پہ اب ارشاد دیکھئے کیا ہو

دیر و کعبہ میں ہیں برہمن و شیخ　　عشق کے ماروں کو نہ ٹھور نہ ٹھانو

ایسا[2] جگر جو رکھے سو اس سے دو بدو ہو　　منہ دیکھو آئینہ کا جو اس کے دوبدو[3] ہو

مطلب آزادگی ہے گر تجھے　　زلف بتاں میں تو گرفتار ہو

نکہت[4] نہ ہووے تری جو باد نسیم میں　　غنچوں کا دل چمن میں کبھی[5] اس سے وا نہ ہو

مجھ کو نظروں[6] سے یوں ہوا معلوم　　دلِ نامہربان میں کچھ ہے

بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے　　جوں تا بداں میں شیشۂ رنگیں بھرے[7] ہوئے

فیض باراں سے ہے تبسم گل　　جب میں روتا ہوں یار[8] ہنستا ہے

کروں میں شکر اس کا کیا الٰہی　　دم خنجر نے آخر تک نباہی

---

۱ کلیات وہ۔ ۲ کلیات دل سا۔ ۳ کلیات روبرو۔ ۴ کلیات جو بوئے زلف تیری نہ ہووے نسیم میں۔
۵ کلیات کبھو۔ ۶ کلیات (مجھ کو) تیری آنکھوں سے۔ ۷ کلیات دھرے۔ ۸ کلیات شوخ۔

خراب ہوں[1] اس قدر اے خانہ آباد | تباہی کھینچتی ہے یاں[2] تباہی
بلا تیری میاں تروار کھینچے | کفایت ہے تری یہ[3] کم نگاہی

موجود ہے یہ دل[4] وہ دل آزار کہاں ہے | گردن تو یہاں حاضر ہے[5] تروار کہاں ہے
سب حشر میں پوچھیں گے کہاں دوزخ و جنت | میں یہی[6] کہوں گا کہ مرا یار کہاں ہے

بن رخ و زلف کچھ نہیں منظور | اپنے لیل و نہار کے صدقے

دیکھ[7] نقش و نگار گل رو کا | مانی کے ہاتھ پانو پھول گئے
اے فلک کیسی میزبانی کی | تیرے مہمان سب ملول گئے

سنتا ہے جلا نہ اس کو ناحق | گو دل ہی مرا ترا بھی گھر ہے

بجلی[8] کی طرح دل سے جو نالا کڑک اٹھے | امید ہے یہ اس سے کہ سینا بھڑک اٹھے

ترے لعل جاں بخش کی سن کہانی | ہوا آب حیواں خجالت سے پانی

ترے یاقوت لب کی دیکھ کر یہ گوہر افشانی | خجالت سے چھپا جا کان میں لعلِ بدخشانی

کیا طاقت ہے زباں کی[9] کہ ترے آگے ہل سکے | رہ جائے دل کی دل ہیں نہ منہ سے نکل سکے
حیرت زدوں کو نسبت ہے کیا[10] برگ و بار سے | تصویر کا درخت نہ پھولے نہ پھل سکے

---

۱ کلیات ہوا ویرانہ ایسا۔ ۲ کلیات جو۔ ۳ کلیات یہ تیری۔ ۴ کلیات موجود یہ دل ہے۔ ۵ کلیات حاضر تو یہ گردن ہے وہ۔
۶ کلیات پر میں یہ۔ ۷ کلیات ؎ دیکھ صورت کو تیری مانی کے ؏ کہتے ہیں ہاتھ پانو پھول گئے۔
۸ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۹ کلیات ہے تاب کیا زباں کو۔ ۱۰ کلیات کام ہی کیا۔

لے صبح تا[1] شام فلک چرخ کھا سکے — سرگشتگی ہماری کو لیکن نہ پا سکے
طاؤس وار داغ جو کھاوے برائے نام — سو دل جلوں کے دل کے مقابل نہ آ سکے

مجلس میں تیری آئے تھے کچھ اور ہی دھن لئے — مانندِ شمع دل جلے آنسو بہا چلے

دلبری تو نے دلربا کیا کی — آشناؤں سے آشنا کیا کی

مضایقہ نہیں جو دل میں عشق کو رکھو — وہ[2] یار شاطر ہے یاراں نہ بار خاطر ہے

لخت دل سوے دیدہ آتا ہے — ٹک تو مت نور دیدہ آتا ہے

رقیباں کے تئیں کیوں نہ اس رشک سے — مری گردن اور اس کی تروار ہے
دم واپسیں ہے نہ چھوڑ اب ہمیں — ہمارا اگر یار تو یار ہے

جس[3] کے سینہ میں چاہ ہوتی ہے — سانس کے بدلے آہ ہوتی ہے

دل تجلی کدۂ حضرت حق ٹھہرے نہ کیوں[4] — اتنی وسعت تو کہاں ارض و سما رکھتا ہے

دل تجھے عافیت ہوئی ہے تنگ — تو جو عزم وصال رکھتا ہے

(۴) گلشنِ سخن (مبتلا)

عرش تا فرش سیر کر دیکھا — جلوہ گر تو ہوا جدھر دیکھا
تیر کے نام پر تڑپتا ہے — اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

---

۱ کلیات تابہ ۔ ۲ کلیات وہ یار یار ہے شاطر نہ بار خاطر ہے ۔ ۳ کلیات جب ۔ ۴ کلیات کیوں کے نہ ہو۔

شگوفہ باغ میں ہنستا تھا اس کے خام دعوے پر   تری آنکھوں کے آگے سبز یہ بادام کیا ہوگا

دل ہوا جل کے تو تپا تو بھی   تیری آنکھوں سے آشنا نہ ہوا

ترا چین و ابرو مرا غنچۂ دل   وہ عقدہ ہیں جن کو کہ کھلتا نہ دیکھا
میں رو رو کے آنکھوں سے کی عشق بازی   یہ ہنس ہنس کے تو نے تماشا نہ دیکھا

اپنی آنکھوں سے ہم نے دیکھا ہے   کوئی بیمار چشم کا نہ جیا

حرم میں نام سنا دیر میں نشاں دیکھا   سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا

دل کس طرح اس خنجرِ مژگاں کا سپر ہو   عقدہ ور جہاں ہو نہ قضا کا نہ قدر کا

اور کو مت دکھایئے صورت   ایک میں بس جہان سے گذرا

سب عمر مجھے آہ و فغاں کرتے ہی گذری   پر نے کی طرح ایک بھی دمساز نہ پایا

یاد آجاتی ہے جب ساقی کے آجانے کی طرح   آنکھیں بھر آتی ہیں خوں دل سے پیمانے کی طرح

باتیں بنا نہ اتنی زاہد تو بیٹھ جا کر   پایا ہے اب صنم کو ہم نے خدا خدا کر

افسردہ سمجھ نہ عاشقوں کو   ان کے دمِ سرد سے حذر کر

ترے ہاتھوں سے چشم تر گئے ہم   غرض روتے ہی روتے مر گئے ہم

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام   پھر اسے دوسری نہ آئی شام

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم — تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں نہ ہووے عدول حکمی — تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

دردِ دل اشک[1] آنکھوں میں لا کہتے ہیں — ہنس کے کہتا ہے کہ چپ رہ[2] اسے کیا کہتے ہیں

خوش ہوں میں تجھ سے صنم وعدۂ فردا نہیں دور — پر نہ یاد مت ہو جو وہ دن ہو فراموش کہیں

عاشق کی گور زاہد تاریک کیوں کے ہووے — جوں آفتاب تاباں ہے داغِ دل کفن میں
رسوائی جو جو ہم نے ہشیاری میں اٹھائیں — دیکھی نہ ہوگی مجنوں تو نے دوانہ پن میں

جان ہی کو جہاں سمجھتے ہیں — یہ سمجھ ہم مکان سمجھتے ہیں
یہ تبسم نہیں ہے کچھ بے چیز — ہم بھی مہربان سمجھتے ہیں

ایسا جگر جو رکھے سو اس سے دوبدو ہو — منہ دیکھیو آئینہ کا جو اس کے روبرو ہو
حسرت کو دل میں مت رکھ شمشیر آزمالے — ہم مر گئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو

بیٹھا ہے یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے — جوں تا بداں میں شیشۂ رنگیں دھرے ہوئے

فیض باراں سے ہے تبسمِ گل — جب میں روتا ہوں یار ہنستا ہے

دیکھ نقش و نگار گل رو کا — مانی کے ہاتھ پانو پھول گئے

ترے یاقوت لب کی دیکھ کر یہ گوہر افشانی — خجالت سے چھپا جا کان میں لعلِ بدخشانی

جس کے سینہ میں چاہ ہوتی ہے — سانس کے بدلے آہ ہوتی ہے

---

۱ کلیات درد سے لخت جگر۔ ۲ کلیات تمرّد۔

طاقت ہے کیا زباں کو ترے آگے ہل سکے[1] | رہ جاوے دل کی دل میں نہ منہ سے نکل سکے
حیرت زدوں کو کام ہے کیا برگ و بار سے | تصویر کا درخت نہ پھولے نہ پھل سکے

(۵) تذکرۂ مسرّت افزا (ابوالحسن)

آہ جاں سوز کو سر دفترِ دیواں کیا | عشق نے دیکھتے ہو[2] پہلے ہی طوفاں کیا

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم | تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں نہ ہو عدو دل حکمی | تو نے کہا مر تو مر گئے ہم
جز عشق نہ عشق سمجھے کفر دیں کو | طرفین سے بے خبر گئے ہم

خانماں کر چکا ہوں میں برباد | تس پہ وہ گھر مرے نہیں آتا
خاک جو شہر میں لگی اُڑنے | عشق کیا چشم تر نہیں آتا

نہ دود دل ہے باقی نہ آہ و نہ فغاں ہے | اے شورِ عشق سچ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے

ڈرسیں اس کے زباں پہ حرف نہیں | تس پہ ہے بدگمان کیا کیجے
بے نشانی ہے یار کو منظور | عشق نام و نشان کیا کیجے

دل سا جگر جو رکھے سو اس کے دوبدو ہو | منہ دیکھیو آئینہ کا گر اس کے روبرو ہو

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں | تس پر شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کہہ بعد قتل مجھ کو کس طرح چین آدے | جو حسرتیں تھی دل میں سو جیوں کی تیوں رہیں ہیں

---

۱ کلیات ہے تاب کیا۔ ۲ کلیات ہیں۔

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام — دوسری پھر اُسے نہ آئی شام

رباعی

کعبہ میں بہت خاک اُڑائی ہم نے — بت خانہ میں صورت میں نہ پائی ہم نے
آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور — دیکھا تو یوں ہی عمر گنوائی ہم نے

پہلے پی زاہد کسی عاشق کے دل سے مل کے مل — فی الحقیقت تب نظر آویں یہ رنگیں کل کے کل[1]

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سئے ہے — یہ عاشقِ جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

نیاز و ناز کے جھگڑے میں ساری رات ٹلی — ادھر سے ہاتھ چلا اور ادھر سے لات چلی[2]

(۶) گلزار ابراہیم (خلیل)

دیدہ و دل[3] جو کر کے وا دیکھا — حرم و دیر میں خدا دیکھا
اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم — آپ کو خاک میں ملا دیکھا

سب عمر مجھے آہ و فغاں کرتے ہی گذری — پر نَے کی طرح اک بھی دمساز نہ پایا

تری چین ابرو مرا غنچۂ دل — وہ عقدے ہیں یہ جن کو کھلتا نہ دیکھا

خاک جو شہر میں لگی اُڑنے — عشق کیا چشم تر نہیں آتا

جتنے گلرو تھے یہ دشنۂ خونخوار دیا — اُن نے سینہ کو مرے داغ سبزوار دیا

---

۱ کلیات یہ مشت گل کے گل۔ ۲ کلیات ے اِدھر سے ہاتھ چلا اور اُدھر سے لات چلی
نیاز و ناز کے جھگڑے میں مفت رات چلی
۳ کلیات دیدۂ دل۔

گرچہ مر جاؤں گا اس درد سے میں زار و نزار　　وہ سلامت رہے جن نے مجھے آزار دیا

مہربانی کرو تو عیب نہیں　　کام تو اب پیام سے گذرا

---

[1] کیا بہار آئی چمن میں پھول پھل آنے لگا　　داغ سینہ کو مرے جو عشق سلگانے لگا

جس وقت صنم آنکھوں میں تو میرے در آیا　　منظور تھا [2] آنکھوں سے مجھ کو نظر آیا

یہ بے خودئ عشق تو بے چیز نہیں ہے　　کچھ اس کو خبر پہنچی ہے جو بے خبر آیا

---

[3] بیٹھ ہی گیا وہ اُٹھ نہ سکا مثل نقش پا　　کوچے میں تیرے جس کو فلک نے بٹھا دیا

---

[4] نشے میں اسی بات کا ہوں دوانا　　تری دستگیری مرا لڑکھڑانا

---

[5] نہ اُٹھے آہ ضعف سے یا رو　　ورنہ دل سے زباں تک آنا تھا

بجلی پڑے خدا کرے آئینہ ساز پر　　منہ دیکھا اپنا ہم سے وہ بیزار ہو گیا

یہ آرزو نہیں ہے کہ ہووے پلنگ و خواب　　بس ہے جہاں میں یار کے کوچے کا سنگ خواب

---

[6] مت نام کو کھا اپنے کہ یہ بدشدنی ہے　　سنتا ہے مسیحا یہ ہے بیمار محبت

آنکھیں پتھرا گئیں [7] ہیں آئینہ وار　　کیا کہوں انتظار کی صورت

یاد آجاتی ہے جب ساقی کے آجانے کی طرح　　آنکھیں بھر آتی ہیں خونِ دل سے پیمانے کی طرح

---

۱ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۲ کلیات جو چشم سے منظور تھا۔ ۳ کلیات مرٹ۔

۴ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۵ کلیات ضعف سے آہ واں سے اُٹھ نہ سکی۔ ۶ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۷ کلیات پتھرائیں۔

دم ہی باقی ہے مری آنکھوں میں مانند حباب — مجھ سے پھر کرتے ہو تم وعدۂ دیدار ہنوز

کوئی یار کی طرف کوئی گلزار کی طرف[1] — اور میں ہوں دیکھتا در و دیوار کی طرف
کہتا ہے سوچ سوچ کہ حیراں ہوں کیا کروں[2] — باقی نہیں رہے کوئی آزار کی طرف

یہ جامۂ خاکستری انساں کا جو دیکھا — معلوم ہوا دل کو کہ ہے یہ سفری رنگ

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام — پھر اُسے دوسری نہ آئی شام

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم — تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تب سمجھے کہ کیا ہے کفر و اسلام — ان دونوں سے جب گذر گئے ہم

تڑپتے تڑپتے ہوا جوں ہی بے خود[3] — وہیں آ پکارا خبردار میں ہوں

کیا کیا جفائیں ہم نے ظالم تری سہیں ہیں — لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

آہ پھر تجھ کو اے بے رحم خبر کرتے ہیں — یعنی آ جا دم آخر ہے سفر کرتے ہیں

جس طرف عشق باز آتے ہیں — پھر ادھر سے نہ باز آتے ہیں
آہ کو سن کہے ہے وہ بے رحم[4] — ایسے کئی نے نواز آتے ہیں

رد اور قبول کے طرفیں کچھ نہیں ہیں — واں جو نہیں نہیں ہے تو یاں کبھی نہیں نہیں
بس چشم تر کو دیکھتے ہی ہو گئے خفا — دل کی مصیبتیں تو ابھی کچھ کہیں نہیں

درد دل اشک بہا بات بنا کہتے ہیں — ہنس کے کہتا ہے کہ چپ رہ اسے کیا کہتے ہیں

---

١ و ٢ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔ ٣ کلیات بیدار۔ ٤ کلیات سُن مری آہ کو لگا کہنے۔

دیئے جب عشق نے یہ داغ نمایاں مجھ کو جل گیا دیکھتے ہی سرو چراغاں مجھ کو

عشق کو قبلہ گاہ مت پوچھو آہ مت پوچھو آہ مت پوچھو

ناشاد جو گئے ہیں انھیں شاد کیجیو یعنی کہ بعد مرگ ہمیں یاد کیجیو

[1] ہے بے طرح کا یار یہ آزار دیکھیو مت ہوجیو کہیں تو گرفتار دیکھیو
[2] ہنستے تو ہو جلا کے میاں دل کو عشق کے نکلے جو کوئی آہ شرر بار دیکھیو

[3] مر گئے تری جفاؤں سے قاتل تڑپھ تڑپھ [4] میں کیا کہ اور کتنے ہی ہیں بسمل تڑپھ تڑپھ
[5] بندا میں عشق دل کا نہ ہوں کیوں کر اب بھلا پہنچا دیا ہے اُن نے یہ منزل تڑپھ تڑپھ

[6] دل غم سے خوں ہو بہ گیا اور آنسو تھم چلے آتا ہے جان آ بھی کوئی دم میں ہم چلے
[7] مت پوچھ ہم سے وصل کو مانند شمع آہ جلتے تمام شب رہے اور صبحدم چلے

دل لے کے پوچھتے ہو کہ دلدار کون ہے میں کس طرح کہوں کہ طرحدار کون ہے

(۷) تذکرۂ ہندی (مصحفی)

[8] روز و شب تجھ سے گو ملا کیجے چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجے
[9] جتنے جور و ستم ہوں تو کر دیکھ یہ نہ ہوگا کبھی گلا کیجے
[10] دل نے مجھ کو بہت ستایا ہے کسی کافر سے آشنا کیجے

---

۱ و ۲ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔ ۳ کلیات مرہی گئے۔ ۴ کلیات کتنے ہی۔

۵ کلیات میں کس روش سے تم کہو مضمون دل نہ ہوں۔ ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔

ترے[1] عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا ۔۔۔ نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
وہ آیا نظر بار ہا پر کسی[2] نے ۔۔۔ یہ حیرت[3] ہے اس کا سراپا نہ دیکھا
تری چینِ ابرو مرا غنچۂ دل ۔۔۔ یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتا نہ دیکھا
خدا کی خدائی ہے قائم پہ تجھ سا ۔۔۔ نہ دیکھا نہ دیکھا، نہ دیکھا نہ دیکھا
میں رو رو کے اشکوں سے کی شیشہ بازی ۔۔۔ یہ ہنس ہنس کے تونے تماشا نہ دیکھا
خدا جانے کیا منہ بھرائی دے اس کو ۔۔۔ لبِ زخمِ دل جو کبھی وا نہ دیکھا
سبھی دعوئے عشق رکھتے ہیں یارو[4] ۔۔۔ پہ کوئی[5] عشق سا ہم نے رسوا نہ دیکھا

سو رات بحرِ غم میں نلک تو ڈبو سکا ۔۔۔ پر ایک دن وصال کا تجھ سے نہ ہو سکا
کس رو سے طعنہ زن ہے خراباتیوں کو شیخ ۔۔۔ خرقہ کو اپنے وہ تو ریا سے نہ دھو سکا

دم بدم دل کو مرنہیں آتا ۔۔۔ اس پہ بھی[6] اُس سے بر نہیں آتا
خانماں کر چکا ہوں میں برباد ۔۔۔ اس پہ میرے وہ گھر نہیں آتا
تو جو اتنا ہمیں ستاتا ہے ۔۔۔ کیا خدا کا بھی ڈر نہیں آتا
خاک جو شہر میں لگی اُڑنے ۔۔۔ عشق کیا چشمِ تر نہیں آتا

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم ۔۔۔ تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں نہ ہو عدول حکمی ۔۔۔ تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

ہم نے تو خاک بھی دیکھا نہ اثر رونے میں ۔۔۔ عمر کیوں کھوتے ہو اے دیدۂ تر رونے میں
رات کب آئے تم اور کب گئے معلوم نہیں ۔۔۔ جان اتنی نہ رہی ہم کو خبر رونے میں

---

۱ کلیات ترے وصل میں لطف کیا کیا نہ دیکھا۔ ۲ کلیات کسو۔ ۳ کلیات حسرت۔ ۴ کلیات لیکن۔
۵ کلیات کوئی۔ ۶ کلیات اس لئے۔

جب تلک اشک تھمیں بیٹھ اگر آیا ہے | تیری صورت نہیں آتی ہے نظر رونے میں
تجھ کو اے دیدۂ تر شغل ہے رونا لیکن | ڈوبا جاتا ہے یہاں دل کا نگر رونے میں
جب تلک اشک تھے آنکھوں سے ہمارے نکلے | اب نکلتے ہیں پڑے لخت جگر رونے میں
عالم عشق میں مجنوں بھی بڑا گاڑھا تھا | یار مجنوں سے بھی ہم گاڑھے ہیں پر رونے میں[1]

کوئی بت کہتے ہیں اور کوئی خدا کہتے ہیں | ہم سے جو پوچھو تو دونوں سے جدا کہتے ہیں
دل کے دینے کے برابر کوئی تقصیر نہیں[2] | جو مجھے کہتے ہیں سو یارو[3] بجا کہتے ہیں

بات کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں | عشق[4] رخصت دے تو شور حشر اب برپا کروں

جوں آفتاب تاباں گو نام کو بنا ہوں | یہ پرتوا ہے تیرا[5] ٹک دیکھ میں کہاں ہوں
گو نام اور نشاں ہے ظاہر میں یارو میرا[6] | جو دیکھو فی الحقیقت ہوں وہم یا گماں ہوں
باتیں نہ سن تو میری جل جائے گا[7] دوانے | میں برق آسماں ہوں یا عشق کی زباں ہوں

دل غم سے خوں ہو بہہ گیا اور آنسو تھم چلے | آتا ہے جان آبھی کوئی دم میں ہم چلے

جاتے ہوئے دم کو کوئی روکے بھلا کب تک | آنا ہے تو آجا کہ نفس باقی ہے اب تک
پہنچی ہے میاں ضعف سے یہ عشق کی حالت | جو سانس یکایک نہیں آسکتی ہے لب تک

دل سا جگر جو رکھے سو اس سے دو بدو ہو | منہ دیکھیو آئینہ کا جو اس کے روبرو ہو
حسرت کو دل میں مت رکھ شمشیر آزمالے | ہم مر گئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو

---

۱ یہ غزل کلیات میں نہیں ہے۔ ۲ کلیات تقصیر بھی ہے۔ ۳ کلیات یاروسو۔ ۴ کلیات کہنے کو عشق یاں۔
۵ کلیات میرا۔ ۶ کلیات ظاہر میں میرا یارو گو نام اور نشاں ہے۔ ۷ کلیات آتش لگے گی دل کو۔

حالت کو دیکھ میری کہتے ہیں گبر و مومن ہو مشکل اس کی آساں یارب یہ ایک سو ہو

مری آنکھوں میں بستا اک جہاں تھا ڈو بایا آہ اشکوں نے جو یاں تھا
خیالِ غیر واں آنے نہ پایا نفس کوچہ میں دل کے پاسباں تھا
نہ ہو مغرور اتنا بلبلو تم ہمارا بھی کبھی یاں آشیاں تھا
مگر نعرہ کیا تھا عشق تو نے زباں پر برق کی جوالہ یاں تھا

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کہہ بعد قتل مجھ کو کس طرح چین آوے جو حسرتیں تھیں دل میں سو جوں کی توں رہیں ہیں

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سیئے ہے یہ عاشقِ جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

نے دردِ دل ہے باقی نے آہ نے فغاں ہے اے سوزِ عشق سچ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے

دیکھنے[2] بن اُس کے اک دم چین سے رہتا نہیں اس دلِ کافر کے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم

لے[3] آسمان اپنا اور یہ زمین دونو عاشق تو چھوڑ بیٹھے دنیا و دین دونو

رباعی +

کعبہ میں بہت خاک اُڑائی ہم نے بت خانہ میں صورت بھی نہ پائی ہم نے
آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور دیکھا تو یونہیں عمر گنوائی ہم نے

دیگر

دنیا کے لئے نہ[4] ترک تازی کیجے ہر طرح سے عشق حیلہ سازی کیجے

---

۱ یہ غزل کلیات میں نہیں ملتی ہے۔ ۲ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۳ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔

+ یہ رباعی کلیات میں نہیں ہے۔ ۴ کلیات یہ۔

ٹک دل میں سمجھ کے اپنے انصاف تو کر — کس زیست پہ اتنی بٹہ بازی کیجے

دیگر

مت پوچھ کہ تجھ بغیر کیوں کر گذری — دل ہی جانے ہے آہ جوں کر گذری
فریاد و فغان و آہ کرتے ہی رہے — اپنی تو تمام عمر یوں کر گذری

(۸) گلشن ہند (لطف)

کہنے کو اِدھر اُدھر گئے ہم — تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں نہ ہوئی عدول حکمی — تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

بات کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں — عشق رخصت دے تو شور حشر اب بپا کروں

نے درد دل ہے باقی نے آہ و نے فغاں ہے — اے سوز عشق سچ کہہ توان دلوں کہاں ہے

دیکھنے بن اس کے یک دم چین یہ رہتا نہیں — اس دلِ کافر کے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم

جوں آفتاب تاباں گو نام کو یہاں ہوں — یہ پرتو ہے تیرا ٹک دیکھ میں کہاں ہوں
گو نام اور نشاں ہے ظاہر میں میرا یارو — جو دیکھو فی الحقیقت ہوں وہم یا گماں ہوں
باتیں نہ سُن تو میری جل جائے گا دِ ماغ — میں برق آسماں ہوں یا عشق کی زباں ہوں

عرش تا فرش سیر کر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
چشم تحقیق سے جہاں ڈھونڈھا — کافر ہوں تجھ سوا اگر دیکھا
تیر کے نام پر تڑپتا ہوں — اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

ا کلیات گبر۔

آبلہ آبلہ ہوئے سب عضو — نخلِ الفت میں یہ ثمر دیکھا
سحر ہیں ساحری کے کیا قدرت — تیری نظروں میں جو اثر[1] دیکھا
اپنے ہم چشم سے لگا کہنے — نالہ و آہ گھر بہ گھر دیکھا
ٹک اک انصاف سے اگر دیکھو — عشق سا کوئی چشم تر دیکھا

دیدۂ دل جو کرکے وا دیکھا — حرم و دیر میں خدا دیکھا
ہنس کے کہنے لگا ملامت کر — عشق میں تو نے کیا مزا دیکھا
اس کی لذت کو دل سمجھتا ہے — اُس کو[2] میں کیا کہوں کہ کیا دیکھا
دشت مجھ کو قسم ہے مجنوں کی — عشق سا کوئی[3] برہنہ پا دیکھا

از عدم تا وجود آ دیکھا — جان[4] دیکھا سو بے وفا دیکھا
اپنی آنکھوں سے دیکھ اے خوش چشم — مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا
تجھ سے[5] کوئی آشنا نہ ہویا ہو — پر تجھے سب سے آشنا دیکھا
اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم — خاک میں آپ کو ملا دیکھا
ظالم[6] اپنی جفائیں کہہ تو کبھو — لب مرا شکوہ میں بہا دیکھا
کبھو غم سے جدا نہ دیکھا[7] میں — عشق کو جا کے بارہا دیکھا

میں کافر ہوں اگر منظور ہوئے[8] لطف مریم کا — کہ یہ داغِ جگر ہے یادگار اُس یارِ ہمدم کا
ترا یہ وعدۂ فردا تو دل کو روزِ فردا ہے — کہاں فرصت ہے اے ناداں بھروسا ہے کہاں[9] دم کا

---

۱ کلیات وشور وشر۔ ۲ کلیات سے۔ ۳ کلیات بھی۔ ۴ کلیات جس کو۔
۵ کلیات آشنا تجھ سے ہو نہ ہو کوئی۔ ۶ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۷ کلیات پایا۔
۸ کلیات وہ کافر ہو جسے منظور ہو وے۔ ۹ کلیات کسی۔

رلانے[1] میں مرے کچھ تجھ کو ہے گا فائدہ کہ تو — مگر اتنا کہ گھر اپنا ڈبویا اور مردم کا
کفایت ہے بروزِ حشر مجھ کو شفقتِ حیدر — کہ جس کے نام سے زہرا[2] ہوا پانی جہنم کا

+ رباعی

چاکِ دل تا بہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا — لختِ دل زینتِ داماں نہ ہوا تھا سو ہوا
بے وفائی تری دل دیکھ کے اے وعدہ خلاف — عشق بازی میں پشیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

(۹) مجموعۂ نغز (قاسم)

کبھو سر کو پٹکتے ہیں کبھو ہم داد کرتے[3] ہیں — کوئی سنتا نہیں اتنا کہ کیا فریاد کرتے ہیں

ہوئے[4] صحرا نشیں تشریف لاوے جس کا جی چاہے — در و دربار نہیں رکھتے ہیں آوے جس کا جی چاہے

جب[5] تلک اشک تھمیں بیٹھ اگر آیا ہے — تری صورت نہیں آتی ہے نظر رونے میں
عالمِ[6] عشق میں مجنوں بھی بڑا گاڑھا تھا — یار مجنوں سے بھی ہم گاڑھے ہیں پر روتے ہیں

بات کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں — عشق رخصت دے تو شورِ حشر اب برپا کروں

دل سا جگر جو رکھے سو اُس سے دو بدو ہو — مونہہ دیکھو آئینہ کا جو اس کے روبرو ہو
حسرۃ[7] نہ رکھ یہ دل میں تروار مار پیارے — ہم مر گئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو

اوروں[8] کا جگر بار جو تیروں سے چھنے[9] ہے — یہ عاشقِ جاں سوختہ کس دن کے لئے ہے

---

۱ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۲ کلیات نام لینے سے بجھے شعلہ۔ + یہ دو شعر کلیات میں نہیں ہیں۔
۳ کلیات کبھو کر آہ مرتے۔ ۴ و ۵ و ۶ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔
۷ کلیات حسرت کو دل میں مت رکھ شمشیر آزمالے۔ ۸ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ ۹ مسرت افزا سئے۔

مٹے درد دل ہے باقی نے آہ نے فغاں ہے — اے شور عشق سچ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے

کیا[1] فقیری میں عشق.......... ہے — جسکو.......................... ہے

دید[2]...... عشق...... نظارا ہے — کشتیٔ چشم پر او تارا ہے

(۱۰) تذکرۂ عشقی

آہ جاں سوز کو بسم اللہ دیوان کیا — عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

جس وقت صنم آنکھوں میں تو یرے در آیا — منظور تھا آنکھوں سے سو مجھ کو نظر آیا
یہ بے خودیٔ عشق تو بے چیز نہیں ہے — کچھ اس کو خبر پہنچی ہے جو بے خبر آیا

باتیں بنا نہ اتنی زاہد تو بیٹھ جاکر — پایا ہے اب صنم کو ہم نے خدا خدا کر

ہے بے طرح کا یار یہ آزار دیکھیو — مت ہو جیو کہیں تو گرفتار دیکھیو

آہ پھر تجکو اے بے رحم خبر کرتے ہیں — یعنی آجا دمِ آخر ہے سفر کرتے ہیں

دل سا جگر جو رکھے سو اس سے دو بدو ہو — منہ دیکھو آئینہ کا جو اُس کے روبرو ہو
حسرت کو دل میں مت رکھ شمشیر آزما لے — ہم مرگئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو

کروں میں شکر اس کا کیا الٰہی — دمِ خنجر نے آخر تک نباہی

جس کے سینہ میں چاہ ہوتی ہے — سانس کے بدلے آہ ہوتی ہے

---

۱ و ۲ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔

چھپ گیا مہر ہے شفق باقی — اب بھی آجا کہ ہے رمق باقی

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سِئے ہے — یہ عاشقِ جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

(۱۱) عیار الشعرا (ذکا)

کبھی سر کو پٹکتے ہیں کبھو ہم داد کرتے ہیں — کوئی سنتا نہیں اتنا کہ کیا فریاد کرتے ہیں

ہوئے صحرا نشیں تشریف لائے جس کا جی چاہے — در و درباں نہیں رکھتے ہیں آئے جس کا جی چاہے

جب تلک اشک تھمیں بیٹھ اگر آیا ہے — تیری صورت نہیں آتی ہے نظر رونے میں

بات کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں — عشق رخصت دے تو شورِ حشر اب برپا کروں

دل سا جگر جو رکھے سو اس سے دو بدو ہو — منہ دیکھو آئینہ کا جو اس کے روبرو ہو
حسرت نہ رکھ یہ دل میں تلوار مار پیارے — ہم مر گئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو

نے درد و دل ہے باقی نے آہ نے فغاں ہے — اے شورِ عشق سچ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سِئے ہے — یہ عاشقِ جاں سوختہ کس دن کے لئے ہے

دید ہے، عشق ہے، نظارا ہے — کشتیِ چشم پر اُتارا ہے

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں — لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کیا[۱] فقیری میں عشق بیٹھا ہے — جس کو پایا اسے گھسیٹا ہے

---

۱ یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔

(۱۲) گلشنِ بے خار (شیفتہ)

تیر کے نام پر تڑپتا ہے　　اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم　　خاک میں آپ کو ملا دیکھا

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا　　نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
وہ آیا نظر بارہا پر کسی نے　　یہ حیرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا
تری چین ابرو مرا غنچۂ دل　　یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتا نہ دیکھا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد　　تو بھی وہ مرے گھر نہیں آتا

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں　　لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

(۱۳) خوش معرکہ زیبا (ناصر)

تیر کے نام پر تڑپتا ہے　　اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

اُس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم　　خاک میں آپ کو ملا دیکھا

وہ آیا نظر بارہا پر کسی نے　　یہ حیرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد　　تو بھی وہ میرے گھر نہیں آتا

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں　　لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

(۱۴) طبقات الشعرا (کریم اور فیلن)

تیر کے نام پر تڑپتا ہے — اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم — خاک میں آپ کو ملا دیکھا

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا — نہ دیکھا سو دیکھا، جو دیکھا نہ دیکھا
وہ آیا نظر بارہا پر کسی نے — یہ حیرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا
تری چین ابرو مرا غنچۂ دل — یہ عقدہ ہے وہ جن کو کھلتا نہ دیکھا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد — تو بھی وہ میرے گھر نہیں آتا

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں — لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

(۱۵) گلستانِ بے خزاں (باطن)

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا — نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
تری چین ابرو مرا غنچۂ دل — یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتا نہ دیکھا

(۱۶) سخنِ شعرا (نسّاخ)

تیر کے نام پر تڑپتا ہے — اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

دیدۂ دل جو کر کے وا دیکھا — حرم و دیر میں خدا دیکھا
اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم — خاک میں آپ کو ملا دیکھا

دشت تجھ کو قسم ہے مجنوں کی — عشق سا بھی برہنہ پا دیکھا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد — تو بھی وہ میرے گھر نہیں آتا

مہربانی کرو تو عیب نہیں — کام تو اب پیام سے گذرا

ہم نے تو خاک بھی دیکھا نہ اثر رونے میں — عمر کیوں کھوتے ہوئے دیدۂ تر رونے میں

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں — لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

(۱۷) تاریخ شعرائے بہار (بلخی)

بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے — جوں تابداں میں شیشۂ رنگیں دھرے ہوئے

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سئے ہے — یہ عاشقِ جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

عرش تا فرش سیر کر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

تجھ سے کوئی آشنا نہ ہوا ہو — پر مجھے سب سے آشنا دیکھا

[2] بے وفائی تری دل دیکھ کے اے وعدہ خلاف — عشق بازی میں پشیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

تا جاں نہ ہوئی عدول حکمی — تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

آگے میاں نصیب ہے سرسبز ہو نہ ہو — دل کی زمیں میں تخمِ محبت تو بو دیا

---

۱ و ۲ یہ اشعار کلیات میں نہیں ہیں۔

چین ہی اس دل بیتاب کا منظور نہ تھا ورنہ آنا ترا مجھ پاس تو کچھ دور نہ تھا

جب تلک اشک تھمیں بیٹھ اگر آیا ہے تیری صورت نہیں آتی ہے نظر رونے میں

کہہ بعد قتل مجکو کس طرح چین آوے جو حسرتیں تھیں دل میں سو جوں کی توں وہیں ہیں

روز و شب تجھ سے گو ملا کیجے چین پھر بھی نہ ہو تو کیا کیجے

مہربانی کرو تو عیب نہیں کام تو اب پیام سے گذرا

بجلی پڑے خدا کرے آئینہ ساز پر منہ دیکھا اپنا ہم سے وہ بیزار ہو گیا

جس طرف عشق باز آتے ہیں پھر ادھر سے نہ باز آتے ہیں

آنکھیں پتھرا گئیں ہیں آئینہ وار کیا لکھوں انتظار کی صورت

زلف نے جس کے تئیں دکھائی شام پھر اسے دوسری نہ آئی شام

داغ دل کا تو کبھی[1] ہم سے مٹایا نہ گیا یہ دیا وہ ہے[2] جو دن کو بھی بجھایا نہ گیا

(۱۸) جواہر سخن (مبین)

اس کی لذت کو دل سمجھتا ہے اُس کو میں کیا کہوں کہ کیا دیکھا
دشت! تجھ کو قسم ہے مجنوں کی ”عشق“ سا کوئی برہنہ پا دیکھا
اپنی آنکھوں سے دیکھ لے خوش چشم مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا
اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم خاک میں آپ کو ملا دیکھا

---

[1] کبھو۔ [2] کلیات آہ تو۔

ترا یہ وعدۂ فردا تو دل کو روز فردا ہے　　کہاں فرصت ہے اے ناداں؟ بھروسا ہے کہاں دم کا

چاک دل تا بہ گریباں، نہ ہوا تھا سو ہوا[ا]　　لخت دل زینت داماں نہ ہوا تھا سو ہوا

بات کہنے کی نہیں طاقت، شکایت کیا کروں　　"عشق" رخصت دے تو شور حشر اب برپا کروں

جوں آفتاب تاباں، گو نام کو یہاں ہوں　　یہ پرتو ہے تیرا ٹک دیکھ میں کہاں ہوں
باتیں نہ سن تو میری جل جائے گا دوانے　　میں برق آسماں ہوں، یا "عشق" کی زباں ہوں

دیکھنے بن اُس کے یک دم، چین یہ رہتا نہیں　　اس دلِ کافر کے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم

(۱۹) دو نایاب زمانہ بیاضیں (آسی)

قتلِ عشاق کام ہے تیرا+　　اور مسیحا بھی نام ہے تیرا
کوہکن سر کو کیوں نہ اب پھیرے　　شیریں شیریں کلام ہے تیرا
کب ہے واقف تو رات دن سے صنم　　زلف و رخ، صبح و شام ہے تیرا
خال و خط سے نکل سکوں کیوں کر　　زور ہے دانہ، دام ہے تیرا
جان جب تجھ کو دوں تو فارغ ہوں　　سر مرے دھر، یہ دام ہے تیرا

بندگی عشق کی نہیں منظور
بے درم یہ غلام ہے تیرا

(۲۰) چمن بے نظیر (ابراہیم)

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے　　کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

ا یہ شعر کلیات میں نہیں ہے۔ + یہ غزل کلیات میں نہیں ہے۔